رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۸۱ جولائی سنہ ۱۹۴۶ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیے (۵) سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

اردو میں اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہیں تھی جس میں تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابل ذکر حکومتوں کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ ہو، اس لئے دارالمصنفین تاریخ اسلام کا ایک پورا سلسلہ خاص اہتمام سے مرتب کرا رہا ہے، جس کے بعض حصے چھپ چکے ہیں اور بعض زیر طبع ہیں، اور اکثر زیر تالیف و تکمیل ہیں، جو بتدریج جیسے جیسے حالات مساعد ہوں گے، شائع ہوتے رہیں گے،

تاریخ اسلام حصہ اوّل (عہد رسالت و خلافت راشدہ) اس میں آغاز اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی مفصل مذہبی، سیاسی و تمدنی اور علمی تاریخ ہے،

ضخامت: ۴۸۷ صفحے، قیمت: ستے

تاریخ اسلام حصہ دوم (بنو امیہ) اس میں اموی حکومت کی صد سالہ سیاسی و علمی و تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے،

ضخامت ۳۷۴ صفحے، قیمت: ستے

تاریخ اسلام حصہ سوم (تاریخ بنی عباس جلد اول) اس میں خلیفہ ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ سے خلیفہ ابو اسحٰق متقی للہ ۳۳۳ھ / ۹۴۴ء تک دو صدیوں کی بہت مفصل سیاسی تاریخ ہے، ضخامت ۴۰۵ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ اسلام حصہ چہارم (تاریخ بنی عباس جلد دوم) اس میں خلیفہ مستکفی باللہ کے عہد ۳۳۳ھ / ۳۳۴ سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ ۶۵۶ھ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ ہے،

ضخامت ۴۳۲ صفحے قیمت: صہ

(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

تاریخ دولت عثمانیہ حصہ اوّل، اس میں عثمان اوّل سے مصطفیٰ رابع تک سلطنت عثمانیہ کے چھ سو برس کے کارناموں کی تفصیل ہے، ضخامت: ۵۰۰ صفحے،

قیمت: ے ر

تاریخ دولت عثمانیہ حصہ دوم، سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارناموں کی تفصیل از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء تا جنگ عظیم ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء

ضخامت: ۴۶۸ صفحے: قیمت: صہ

مرتبہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے علیگ سابق رفیق دارالمصنفین، اعظم گڈھ،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتداء، حکومت کا قیام، دور عہد بعہد کی ترقیوں اور عروج کی پوری اور مفصل داستان ہے۔

۵۴۶ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ صقلیہ حصہ دوم، یہ سسلی کے تمدنی و علمی ترقیوں کا مرقع ہے، جس میں عہد بعہد کے مفسروں، محدثین، فقہا، ادبار و شعراء کے مفصل حالات اور ان کی تصنیفات کا ذکر ہے،

۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ

مرتبہ: مولانا سید ریاست علی ندوی،

مسعود علی ندوی   **منیجر**   **دارالمصنفین اعظم گڈھ**

جلد ۵۸ ماہ شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۶ء عدد ۱

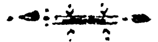
مضامین



بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

ہندوستان مین انگریزون نے انگریزی تعلیم کو جس غرض سے رواج دیا تھا، اس کو انھون نے راز نہین رکھا تھا، بلکہ یہ کہدیا تھا کہ اس سے مقصود ایسے ہندوستانیون کو پیدا کرنا ہے جو گو نسل اور وطن کے لحاظ سے ہندوستانی ہون، مگر دل و دماغ اور مذاق کے لحاظ سے انگریز ہون، تاکہ انگریزی سلطنت کے خلاف جو باغیانہ خیالات پیدا ہوتے ہین وہ ایک قلم دور ہو جائین، چنانچہ شروع شروع مین ایسا ہی ہوا، اور ایسے ہندوستانی پیدا ہوئے جو انگریزون سے بھی بڑھ کر انگریز ثابت ہوئے انھون نے مشرقی تہذیب، مشرقی علوم اور مشرقی تعلیم کی ہر طرح مخالفت کی، اور وہ ہر چیز کو یورپ کی نظر سے دیکھنے اور ہر اچھائی اور برائی کا فیصلہ انگریز کی آنکھ سے کرنے لگے،



لیکن کیا عجیب بات ہے کہ وہی چیز جو ہندوستانیون کے باغیانہ خیالات کے مٹانے کے لئے بنائی گئی تھی، وہی دوسری قسم کی باغیانہ خیالات کی پیدایش کا ذریعہ بھی بن گئی، یعنی جب ان ہندوستانی مصنوعی انگریزون نے یہ دیکھا کہ اپنی تہذیب و تمدن اور دین و مذہب اور قوم و وطن کے قیود سے نکلنے کے بعد بھی وہ نیٹو، دیسی، کالا آدمی، اور انگریزون سے بہر حال گھٹیا ہی رہے، تو پہلے انھون نے برابری اور مساوات کا مطالبہ کیا، اور جب اس مین ناکامی ہوئی تو وہ جذبہ غم و غصہ اور انتقام کی صورت مین بدل گیا، اور اس سے ہندوستانی قومی اور وطنی تحریکون کا آغاز ہوا جو آج سیاسی انجمنون اور کانفرنسون، لیگون اور کانگریسون کی شکل مین ہمارے سامنے ہین،

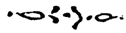


ان اصلی اور مصنوعی انگریزون مین پوری آدھی صدی لڑائی ہوتی رہی، آخر ہندوؤن مین گاندھی جی

نے اگر مصنوعی انگریز ہندوؤن کے اندر پرانی ہندو تہذیب و تمدن کے زندہ کرنے کا شوق پیدا کر دیا، اور تیس برس کے عرصہ مین یہی مصنوعی انگریز ہندو جو اکثر بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور بیرسٹر اور کیمبرج اور آکسفورڈ کے پڑھے ہوئے یا ہندوستانی یونیورسٹیون کی پیداوار ہین، اس تحریک کے علمبردار ہین، اور اس وقت انگریزی سیاست کے تار و پو کے ادھیڑنے مین لگے ہین



اب ہندؤن مین جوان سے لیکر بوڑھے تک پراچین ہندو تہذیب، سنسکرت تہذیب، سنسکرت زبان، سنسکرت علوم کے زندہ کرنے مین مصروف ہے، گاندھی جی کی شام کی پرارتھنا گرو نانک وغیرہ کی طرح ایک نئی ہندو مذہبی دعوت کی بنیاد ڈال رہی ہے جس کے دلون مین نیشنلزم اور وطنیت دوسرے رنگ مین جگہ پا رہی ہے، اور اب ہر ہندو اپنے ہر رنگ مین اپنی پرانی تہذیب و تمدن کو دوبارہ زندہ اور اپنے بزرگون کی پرانی بزرگی اور عظمت کو دوبارہ قائم کرنے مین لگا ہوا ہے، اور اسی کی خاطر ان کو اپنے ملک مین سیاسی آزادی اور خود مختاری کی ضرورت ہے،



لیکن ہمین پر اب سوال یہ ہے کہ اے مسلمان تو کیا چاہتا ہے، کیا حقیقت مین اب ہماری قوم کے مصنوعی انگریزون مین بھی رجعت پیدا ہوئی ہے؟ یہ تو سچ ہے کہ ہندؤن سے تو ان کو اختلاف پیدا ہے لیکن کیا انگریزون سے بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور انگریزی تمدن، انگریزی تہذیب، انگریزی لباس، انگریزی معاشرت سے ان کے دلون مین نفرت پیدا ہو گئی ہے اور ان کو بھی اپنے مذہبی علوم، مذہبی معاشرت اور مذہبی تہذیب نہ سہی تو اپنے قومی علوم، قومی زبان، قومی معاشرت اور قومی تعلیم سے محبت پیدا ہوئی ہے؟ اگر ہے تو مبارک! اور اگر نہین ہے تو افسوس!



کاش مسلمان اگر اپنی ایک غلطی کو محسوس کر لین تو ہر غلطی کو محسوس کر لین، اور وہ یہ کہ مسلمان دوسری قومون کی طرح نسل و وطن سے نہین بنے ہین، بلکہ اُن کی بنیاد ذہنی معتقدات، زندگی کے بعض اصولی اور معاشرت و اقتصاد کے خاص قوانین اور اس خیال پر ہے کہ موجودہ زندگی کا ہر کام آیندہ دوسری زندگی کی بہبود پر مبنی ہے، اصطلاح مین اسی کا نام دین ہے

ہمارا دین غیر قوموں کی طرح کسی علم الاصنام، دیومالا، اور میتھالوجی پر قائم نہیں ہے بلکہ وہ اسی دنیاوی زندگی کے ٹھوس معاملات کو احکام الٰہی کے مطابق اور قانون ربانی کے موافق سرانجام دینے کا نام ہے، یہ احکام اور یہ قانون جس طرح اپنے ماخذ کے لحاظ سے الٰہی اور آسمانی ہیں، اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کے لحاظ سے سراسر عقلی ہیں،

عقلی ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر شخص کی عقل میں ان کی مصلحت کا آنا ضروری ہے، بلکہ یہ معنی ہیں کہ اُن میں عقلی حکمتیں اور مصلحتیں بھی ہیں، گو ہم میں سے بعض ان کو نہ سمجھ سکیں، جب دنیاوی سلطنتوں کے سارے قوانین کی مصلحتوں اور حکمتوں کا ہر دہقان کی سمجھ میں آجانا ضروری نہیں تو خدائی احکام کی مصلحتوں اور حکمتوں کا ہر کس وناکس کی سمجھ میں آجانا کیوں ضروری ہو،

بات ذرا آگے بڑھ گئی، پوچھنا تو یہ تھا کہ انگریزی خط ذہنی سے ہٹ کر ہمارے نوجوان رجعت کرکے کہاں ٹھہرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے ان کے دلوں میں کیا خیالات برپا ہیں، اور آخر پاکستان اور حکومت میں مساوات اور گروپ بندی وغیرہ کے تحفظات کی ضرورت کیا ہے اور ہندوؤں کی بنیادی تعلیم سے گھبراہٹ کیوں ہے، یہ جو کچھ ہو رہا ہے اگر وہ صرف سلبی ہے یعنی ہندو کی مخالفت تو اس سے مسلمانوں کی زندگی کیسے بنے گی، آیا مسلمان نوجوانوں اور رہنماؤں کے دلوں میں اس کے متعلق کچھ ایجابی اور اثباتی خیالات بھی ہیں یا نہیں،

مسلمانوں کو اپنے اصول حکومت، اصول اقتصاد، اصول معاشرت، معاملات، قانون اور احکام کے متعلق یہ سوچنا نہیں ہے، کہ ان کی جگہ یہ کیا ہو کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہیں، کہ ان کا دین کیا ہو، بلکہ یہ سوچنا ہے کہ ان کو کس طرح رائج کیا جائے، اور نئی مشکلوں کے لئے اسلامی اصول کے مطابق کیا فیصلہ کیا جاسکتا ہے،

مقالات

مسئلۂ ربا مسلم وحربی مین

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صدر شعبۂ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

(۲)

اب مولانا کے ان دلائل کو دیکھنا چاہئے جو حربی و مسلم مین جواز عقد ربا کے لئے آپنے بیان فرمائے ہین :-

الف: سب سے پہلے آپ نے قرآن کے اشارہ سے استدلال کیا ہے، کہ تحریم ربوا کے ساتھ ایک طرف تو :-

ذروا ما بقی من الربوا، چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود سے ،

کا حکم دیا گیا لیکن اسی کے ساتھ قرآن ہی مین

فلہ ما سلف، پس سود لینے والے کے لئے رہ گیا سود کا وہ حصتہ جو پہلے لے چکا ہے،

کا فتوی بھی موجود ہے، مولانا سوال فرماتے ہین کہ جن لوگون کے پاس وصول شدہ رقوم سود کی موجود تھین کیا ان کی واپسی کا حکم نہین دیا جا سکتا تھا؟ جس طرح شراب کا حال ہوا، کہ آیندہ سے تو خیر لوگ تائب

ہی ہو گئے، لیکن جن کے گھروں میں شراب کے ذخیرے موجود تھے، ان کا پینا بھی لوگوں پر حرام کر دیا گیا تھا، لیکن سود کے معاملہ میں یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ تحریم ربا سے پہلے جن رقوم پر لوگوں نے قبضہ کیا تھا ان پر اس وقت قبضہ کرنا حرام نہ تھا، اور قبضہ کی وجہ سے وہ اس کے مالک ہو چکے تھے، اس سے وہی اصول پیدا ہوتا ہے، کہ قبضۂ جائز سے مال حلال ہو جاتا ہے، مسئلہ مختلف فیہ میں بھی متامن مسلمان نے عقد ربا کے ذریعہ مال حربی پر قبضہ جائز کیا ہے، کیونکہ معاہدۂ امن کی وجہ سے غیر معصوم مال پر بلا رضامندی قبضہ کرنا ناجائز تھا، لیکن رضامندی نے حرمت کی وجہ کو زائل کر دیا، اب جائز ہو گیا، دونوں صورتوں میں صرف تقدم و تاخر کا فرق ہے کہ قرآن والے فتوی میں حرمت سے پہلے قبضہ کیا گیا تھا، حرمت کی کیفیت بعد کو اس مال پر طاری ہوئی، اور امام والے فتوی میں حرمت کی کیفیت معاہدہ کی وجہ سے پہلے طاری تھی، رضامندی کے ثبوت کے بعد جواز کی کیفیت اس میں پیدا ہو گئی" (انتہا لمخصاً ص ۳۴۴) حیرت ہے کہ مولانا نے تقدم و تاخر کو ایسا معمولی فرق سمجھ لیا ہے، کہ گویا کچھ ہے ہی نہیں، حالانکہ یہی وہ چیز ہے، جس پر انسان کے مکلف اور غیر مکلف ہونے، گنہگار یا نیکوکار ہونے کا مدار ہے، جو کام نزولِ حرمت سے پہلے کیا جائے وہ جائز ہے، جو نزولِ حرمت کے بعد کیا جائے وہ ناجائز ہے، پہلی صورت میں انسان گنہگار نہیں، دوسری صورت میں گنہگار ہے، پس حرمت ربا کا حکم نازل ہونے سے پہلے جو معاملہ ربا کا کیا گیا، وہ حرام نہ تھا، اور اس عقد کی بنا پر جس مال کو قبضہ میں لایا گیا، وہ قبضہ کرنے والے کی ملک ہے، اس لئے اس کی واپسی کا حکم نہیں دیا گیا، مگر آیندہ اس رقم کو سود پر چلانا حرام ہو گیا، اسی طرح حرمتِ شراب سے پہلے جن لوگوں نے شراب خرید کر گھر میں بھر لی تھی، وہ اون کی ملک تھی، حرمت نازل ہونے کے بعد ان کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ جس سے خریدی ہے، اوس کو واپس کر دو، نہ بیچنے والوں کو رقم کی واپسی کا حکم ہوا، بلکہ آیندہ کے لئے شراب کا پینا حرام کر دیا گیا، اور ابتدا میں لوگوں کو سختی کے ساتھ روکنے کے لئے شراب کے بہا دینے کا حکم ہوا، مگر اب یہ بھی جائز ہے، کہ اگر کسی مسلمان کو اپنے وارث کافر کے ترکہ سے شراب ملے، تو اس کو سرکہ بنا لے،

واپسی کا حکم نہ سود کی رقوم مین دیا گیا، نہ شراب کے ذخیرون مین، آیندہ کے لئے جس طرح شراب کے ذخیرہ کا بیچنا، اور پینا حرام کر دیا گیا، اسی طرح سود سے وصول شدہ رقوم کو سود پر چلانا حرام کر دیا گیا،

مولانا تو ماشاء اللہ فقیہ ہین، اگر مان لیا جائے، کہ شراب کے ذخیرون کا بہانا امت پر پہلے بھی فرض تھا، اور اب بھی فرض ہے، اور رقوم سود کی واپسی فرض نہین کی گئی، جب بھی دونون مین بڑا فرق ہے، جو اُن جیسے فقیہ کی نظر سے مخفی نہ رہنا چاہئے، وہ یہ کہ اگر نزول حرمت سے پہلے جس طرح سودی رقم حلال اور اس پر قبضہ جائز تھا، اسی طرح شراب کی خرید و فروخت اور اس پر قبضہ بھی جائز تھا، مگر نزول حرمت کے بعد سود کی رقوم جو مسلمانون کے قبضہ مین تھین، حرام لعینہٖ نہین تھین، کیونکہ رقم مین جو کچھ حرمت اور خبث آتا ہے، سبب ملک کی وجہ سے آتا ہے، اور سبب ملک کا وجود نزول حرمت سے پہلے ہوا تھا، اب نہین ہوا، اس لئے یہ رقم نزول حرمت کے بعد حلال اور جائز رہی اور شراب (یعنی خمر) حرام لعینہٖ ہے[1]، اس مین صرف عقد ہی کی وجہ سے حرمت نہین، بلکہ اس کی ذات مین حرمت ہے، اسی لئے شراب کو ناپاک چیزون مین شمار کیا گیا ہے، تو اگرچہ نزول حرمت سے پہلے اس کی خرید و فروخت جائز اور اس پر قبضہ بھی جائز تھا مگر نزول حرمت کے بعد جو شراب مسلمان کے قبضہ مین ہے، وہ اپنی ذات سے حرام اور ناپاک ہے، اس لئے اس کے بہانے کا حکم دیا گیا، مگر یہ حکم نہین دیا گیا کہ جس شخص نے نزول حرمت سے پہلے شراب فروخت کی ہو اور وہ رقم اس کے پاس محفوظ ہو، اسے خریدار کو واپس کر دے، شراب کو بہانے اور گرانے کا حکم دینا اور رقوم حاصل شدہ کی واپسی کا حکم نہ دینا اس بات کو واضح کر رہا ہے، کہ رقوم ربوا کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا ہے، جو رقوم خمر کے ساتھ کیا گیا تھا، رقوم کو عین خمر پر قیاس کرنا یہ ہمارے مولانا کا نیا اجتہاد ہے، مولانا کا یہ ارشاد بھی عجیب ہے کہ قرآن والے فتویٰ مین حرمت سے پہلے قبضہ کیا گیا تھا، اور حرمت کی کیفیت بعد کو طاری ہوئی، اس کا تو کوئی بھی قائل نہین، جب قبضہ حرمت سے پہلے ہو چکا ہے، تو بعد مین بھی اوس پر حرمت طاری نہین ہوئی کیونکہ اس کی ذات مین تو حرمت نہین ہے، صرف عقد یا سبب سے اس مین حرمت آسکتی تھی، اور عقد

[1] لحدیث ابن عباس فی النسائی بطرق مختلفۃ حرمت الخمر لعینھا والسکر من کل شراب،

حرمت سے پہلے ہوا ہے، تو بعد مین حرمت کیون طاری ہو؟ آگے چل کر فرماتے ہین :-

"اور امام والے فتوی مین حرمت کی کیفیت معاہدہ کی وجہ سے پہلے طاری تھی، (مولانا نے اس جملہ مین معاہدہ امن کی وجہ سے مال حربی کا معصوم ہونا تسلیم کر لیا، ورنہ حرمت کی کیفیت طاری ہونے کا کیا مطلب ؟) پھر عقد ربا پایا گیا، (جس کا یہ مسلمان مذہباً مجاز نہین تھا، اس کو بھی مولانا ادپر تسلیم کر چکے ہین) اور اسی عقد کی بنا پر مسلمان نے حربی کے مال پر قبضہ کیا ہے"

تو ہم کہتے ہین کہ یہ قبضہ بھی حرام اور عقد بھی حرام اور مولانا فرماتے ہین کہ

"عقد تو حرام ہے، مگر قبضہ حلال ہے، کیونکہ عقد کے ضمن مین رضامندی ثابت ہو گئی اور مال حربی غیر معصوم ہے"

ہم کہتے ہین یہ دونون دعوی بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہین، قرآن نے ان مقدمات کو اصلاً نہین بیان کیا، نہ کسی حدیث متواتر و مشہور یا اجماع سے آپ ان کا ثبوت دیکھتے ہین، پس قرآن کا فتوی فَلَہٗ مَا سَلَفَ آپ کی دلیل کسی درجہ مین بھی نہین، اور ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا (چھوڑ دو بقایا کو سود مین سے) عام ہے خواہ مسلمانون پر بقایا ہو یا کفار پر اور کفار ذمی ہون یا حربی سب ہی کا چھوڑنا فرض کیا گیا، اور ہر صورت سے فرض کیا گیا، خواہ دار الاسلام مین رہ کر وصول کرین، یا دار الحرب جا کر وصول کرین، تو جب اس ربا کا جو نزول حرمت سے پہلے کسی پر لازم ہوا تھا، وصول کرنا مطلقاً حرام ہوا، اور اس کا چھوڑنا فرض ہوا، تو جو ربا نزول حرمت کے بعد عقد کرنے سے لازم ہوا ہو خواہ مسلمان پر لازم ہوا ہو، یا کافر پر اور کافر خواہ ذمی ہو یا حربی اس کا وصول کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے ؟

کتب احادیث و تفاسیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ جس بقایا سود کے چھوڑنے کا یہان حکم ہے وہ کفار مکہ پر مسلمانون کا واجب تھا، اب بتلایا جائے کہ یہ لفظ کفار کے ساتھ عقد ربا کرنے اور اُن سے سود کی رقم لینے کی حرمت پر دال ہوا یا نہین ؟ مگر مولانا کے پاس ان سب دلائل کا ایک ہی جواب ہے جس کو

وہ بار بار دہرائے چلے جاتے ہیں کہ

"یہاں سرے سے معاملہ ہی منعقد نہیں ہوتا، اس کی وجہ سے حق کیا واجب ہوگا، معاملہ تو صرف رضا کی دلیل بن کر ختم ہوگیا"

مگر میں بار بار عرض کرچکا ہوں کہ یہ سب مقدمات بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہیں،

ب:- قرآن کے بعد مولانا نے بخاری کی حدیث فتح مکہ والی بیان فرمائی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان ہے،

ان کل الربوا کان فی الجاھلیۃ	قطعاً ہر قسم کا سود جو جاہلیت میں تھا، وہ
فھو موضوع واول ربا یوضع	ساقط کر دیا گیا اور سب سے پہلے جس کی سود
ھو ربو العباس بن عبد المطلب	کی رقم ساقط کی جاتی ہے، وہ رسول اللہ
	صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم، حضرت عباس رض
	ابن عبد المطلب کی سودی رقم ہے،

اس حدیث کو نقل کرکے مولانا نے دعوی کیا ہے کہ "حضرت عباس رض فتح خیبر سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے، جو فتح مکہ سے دو سال مقدم ہے، اور فتح خیبر سے پہلے ربا حرام ہو چکا تھا، اور حضرت عباس رض کے سود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد ساقط کیا ہے، تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ اس سے پہلے حضرت عباس رض کا سود لوگوں سے ساقط نہیں ہوا تھا، پس ثابت ہوگیا کہ مسلمان کو دار الحرب میں معاہدۂ امن کے ساتھ رہتے ہوئے بھی حربی سے سود لینا جائز ہے" میں کیا کہوں کہ یہ استدلال کس قدر کمزور ہے، اول تو حضرت عباس رض کا فتح خیبر سے پہلے اسلام لانا صحیح طور سے ثابت نہیں، ان کے اسلام کے زمانہ میں بڑا اختلاف ہے، ظاہر یہ ہے کہ وہ فتح مکہ سے کچھ ہی پہلے اسلام لائے تھے جس کے بعد مہاجرت کرگئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راستہ میں ملاقات کی جب کہ آپ مکہ فتح کرنے آرہے تھے،

یہ ظاہر اس لئے ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہجرت فرض تھی، ترک ہجرت پر سخت وعید تھی، اور حضرت عباسؓ مستضعفین مین سے تھے، کیونکہ بخاری ہی مین حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کا یہ قول مذکور ہے،

کنت انا وامی من المستضعفین، مین اور میری مان مستضعفین (کمزورون) مین سے تھے،

جن پر ہجرت فرض نہ تھی، اگر حضرت عباسؓ بھی معذور ہوتے، تو ان کا ذکر بھی ضرور کرتے، مان کا ذکر کرنا باپ کا ذکر نہ کرنا اس بات کو بتلا رہا ہے، کہ ان کی مان پہلے اسلام لائی تھین، اور عبداللہ بن عباسؓ بوجہ نابالغ ہونے کے خیر الابوین یعنی اپنی مان کے تابع ہو کر مسلمان قرار پائے تھے، مگر جس کے تابع تھے، وہ عورت ذات تھی، اس لئے دونون مستضعفین مین داخل ہوئے، جو لوگ حضرت عباسؓ کا اسلام غزوۂ بدر مین یا قبیل خیبر بتلاتے ہین، وہ ان کی ترک ہجرت کا سبب بھی تو بیان کرین اور یہ بھی تو بتلائین، کہ عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی مان کا عذر بیان کرتے ہوئے، باپ کا عذر کیون نہین بیان کیا ؟ اگر کہا جائے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ مین قیام کر لینے کی اجازت لے لی تھی، جیسا شرح سیر کبیر مین بلا سند مذکور ہے، تو اس صورت مین ابن عباسؓ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی، کہ مین اور میری مان مستضعفین مین سے تھے، جب حضرت عباسؓ کو مکہ مین رہنے کی اجازت تھی، تو ان کی بیوی اور نابالغ اولاد کو بھی یقیناً ترک ہجرت کی اجازت تھی غرض جب حضرت عباسؓ کا اسلام ہی فتح مکہ سے زیادہ پہلے نہین، بلکہ اوس کے قریب ہی تھا، تو اس بنیاد پر جو عمارت قائم کی گئی ہے، وہ خود ہی منہدم ہوگئی،

اچھا مان لو کہ حضرت عباسؓ کا اسلام فتح خیبر سے پہلے تھا، مگر اس کا کیا ثبوت ہے کہ ان کو مکہ مین رہتے ہوئے حرمتِ ربا کا حکم بھی معلوم ہوگیا تھا، ممکن ہے کہ یہ سب کچھ لاعلمی کی وجہ سے ہوا ہو، اور دار الحرب مین جہل عذر ہے، اگرچہ دار الاسلام مین عذر نہین، حنفیہ نے اس کی تصریح کی ہے" پس کہہ سکتے ہین کہ یہ ربا قبل فتح مکہ اس لئے باقی رہا، کہ ان کو حرمت ربا کا علم نہ تھا، پھر یہ طرز استدلال بھی کتنا عجیب ہے

کہ چونکہ حضرت عباسؓ کا ربا فتح مکہ میں ساقط کیا گیا ہے، اس لئے فتح مکہ سے پہلے ان کا ربا جائز تھا، میں کہتا ہوں کہ اسی حدیث میں یہ بھی تو ہے

ودماء اھل الجاھلیۃ	زمانۂ جاہلیت کی سب خونریزیاں ساقط
موضوعۃ کلّھا واوّل دم	کی جاتی ہیں، اور سب سے پہلے جو خونریزی
اضعہ دم ربیعۃ بن عبد	ساقط کی جاتی ہے، وہ عبد المطلب کے بیٹے
المطلب،	ربیعہ کا خون ہے،

تو کیا مولانا اس سے بھی یہ استنباط کریں گے، کہ جاہلیت کی خونریزیاں سب جائز تھیں، ورنہ ساقط کرنے کے کیا معنی؟ جس مذہب میں مفہوم مخالف حجت نہ ہو، اس کے مقلدین کا وضع ربا سے جواز پر استدلال کرنا کس قدر حیرتناک ہے"،

ج :- تیسری دلیل حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جنگ روم و ایران کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور مشورہ سے انھوں نے بعض کفار مکہ کے ساتھ شرط لگائی تھی، جس میں حضرت ابو بکرؓ کی جیت ہوئی، اور کہتے ہیں، کہ ان کے ہاتھ سو اونٹ آئے، ان کو لے کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹوں کو صدقہ کر دینے کا حکم دیا، جس سے یہ ثابت کیا گیا ہے، کہ دار الحرب میں حربی سے سود اور قمار جائز ہے، مولانا کو معلوم ہے کہ اس روایت کے ثبوت و عدم ثبوت میں کس قدر کلام ہے، پھر اس سے میرے اس قول کا جواب کیونکر ہوا، کہ امام ابو حنیفہ کے پاس ایک ضعیف روایت کے سوا کچھ نہیں؟ آخر یہ بھی تو ضعیف ہی ہے؟ پھر اس کو امام کے قول کی دلیل بنانا بھی صحیح نہیں، کیونکہ یہ شرط قبل ہجرت نزول حرمت ربا و قمار سے بہت پہلے ہوئی تھی، اور حضرت صدیقؓ غزوۂ بدر میں جیتے ہیں کہ اسی وقت روم کو ایران پر غلبہ حاصل ہوا تھا، اگر حضرت صدیقؓ نے اسی موقع پر یہ اونٹ وصول کئے تو شرط اور وصول دونوں قبل تحریم ہیں، اور اگر بعد میں وصول کئے

تو شرط حرمت سے پہلے اور وصول بعد مین ہوا، اور مین اس کا قائل ہون، کہ جب معاملہ کے وقت حرمت موجود نہ ہو تو رقم کا بعد حرمت کے وصول کرنا جائز ہے، اور امام والے فتوی مین حرمت کی کیفیت معاہدہ کی وجہ سے پہلے ہی موجود ہے، جیسا آپ فلہٗ مَا سَلَفَ کی تفسیر مین اقرار فرما چکے ہین، اور اس سے پہلے یہ بھی مان چکے ہین کہ مسلمان ایسے فعل کے کرنے کا مذہباً مجاز نہین، تو حرمت مع العقد یا قبل العقد کو حرمت بعد العقد پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق نہین، تو اور کیا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان اونٹون کو خیرات کر دینا اس بات کی تعلیم ہے کہ اگر عقد کے وقت حرمت نہ ہو بعد مین حرمت آجائے، تو اس معاملہ کے نفع کو خیرات کر دینا چاہئے، اور حکم ذروا ما بقی من الربوا صرف ربا کے ساتھ مخصوص ہے قمار اور دیگر عقود فاسدہ کو عام نہین اس لئے یہ نہین کہہ سکتے کہ یہ آیت بقایا قمار کے چھوڑنے کو بھی فرض کر رہی ہے، ربا اور قمار کا فرق تمہیدی مقدمات سے واضح ہو چکا ہے،

د۔ چوتھی دلیل حضرت ابن رکانہ کے اسلام کی حدیث ہے، کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرط لگا کر کشتی لڑے تھے، تین بار لڑے اور ہر دفعہ چت ہوے، اور اس شرط مین وہ اپنی بھیڑ بکریون کے گلہ کا ایک ایک تہائی حصہ ہر کشتی مین ہارتے گئے، پھر حضورؐ نے بکریان واپس کر دین، اور وہ اسلام لے آئے" اس واقعہ سے بھی استدلال کیا گیا ہے، کہ دار الحرب مین حربی سے عقد ربا و قمار جائز ہے کیونکہ اگر یہ معاملہ ناجائز ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی سے اس معاملہ مین داخل نہ ہوتے" مگر اس واقعہ سے استدلال دو مقدمات کے ثبوت پر موقوف ہے، ایک یہ کہ واقعہ مذکورہ نزول حرمت ربا و قمار کے بعد کا ہے، دوسرے یہ کہ شرط دونون طرف سے ہوئی تھی، کیونکہ اگر صرف ایک طرف سے شرط ہو تو وہ قمار مین داخل نہین، بلکہ اب بھی جائز ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے مال کو واپس کر دینا بہرحال مکارم اخلاق اور کرم و احسان کی وجہ سے تھا، اور ظاہر یہ ہے کہ واقعہ قبل ہجرت کا ہے، جب کہ حرمت ربا و قمار کا نزول نہ ہوا تھا،

۵۔ پانچویں دلیل یہود بنی قینقاع اور بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ ہے، کہ جب ان کو مدینہ منورہ سے نکل جانے کا حکم ہوا، تو انھوں نے یہ عذر پیش کیا کہ ہمارا قرض لوگوں کے ذمہ بقایا ہے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

ضعوا و تعجلوا،　　　　کچھ قرض ساقط کر دو، اور جلد ہی کر دو،

حنفیہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا معاملہ مسلمانوں کے درمیان جائز نہیں، کہ قرضخواہ مدیون سے یوں کہے کہ اگر مدتِ مقررہ سے پہلے قرض ادا کر دے تو میں قرض میں سے اتنی مقدار کم کر دوں گا، مگر حضورؐ نے یہود بنی قینقاع و بنی نضیر کے لئے اس کو جائز کیا، تو معلوم ہوا کہ حربی اور مسلم کے درمیان ایسے معاملات جائز ہیں جو خود مسلمانوں میں جائز نہیں"، مگر اس واقعہ سے استدلال کرنے والے یہ نہیں سوچتے کہ بنو قینقاع اور بنو نضیر مدینہ میں تھے، ان کا قرض بھی مدینہ کے مسلمانوں پر تھا، اور مدینہ دار الاسلام تھا، اگر یہ صورت ربا میں داخل ہو تو دار الاسلام کے اندر حربی اور مسلمان کے درمیان جواز ربا لازم آئے گا، جو کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں، امام ابو حنیفہ کا قول بھی دار الحرب کی ساتھ مقید ہے، دار الاسلام میں وہ بھی مسلم و حربی کے درمیان عقد ربا کو جائز نہیں رکھتے،

پس یا تو کہا جائے کہ یہ واقعہ نزول حرمتِ ربا سے پہلے کا ہے، یا اس کو ایسی صورت پر محمول کیا جائے جس سے ربا لازم نہ آئے، واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو چند روز کی مہلت دی گئی تھی، کہ اس مدت کے اندر انکو مدینہ سے نکل جانا چاہئے، جب انھوں نے بقایا قرض کا عذر پیش کیا، تو اُن سے صاف کہدیا گیا کہ مدت مہلت میں اضافہ نہیں ہو سکتا، اس مدت کے اندر اندر اونے پونے جس قدر وصول ہو سکے اپنا قرض وصول کر لو، اور جلدی یہاں سے چلدو، بتلائیے اس کو ربا سے کیا تعلق؟ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مدت مقررہ کے بعد تمھاری جان و مال محفوظ نہیں رہیں گے، اب تم کو اختیار ہے خواہ دیر کر کے اپنی جانوں سے اور اس مال سے بھی ہاتھ دھو لو جو اس وقت تمھارے قبضہ میں ہے، یا

جلدی کرو، اور مدتِ معینہ مین جتنا قرض وصول ہو سکے، اوسی کو غنیمت سمجھو، یہ صورت ربا مین ہرگز داخل نہین آج بھی اگر کوئی حربی دارالاسلام مین ایک سال کے واسطے معاہدۂ امن کے ساتھ تجارت کرنے آئے، اور جب سال ختم ہونے لگے، وہ اپنے قرضدارون سے کہے کہ میری مدت امن ختم ہورہی ہے، اب مین یہان نہین ٹھہر سکتا، تم جس قدر بھی ادا کر سکو ادا کردو، بقیہ مین نے معاف کیا، تو اس کو کوئی بھی ربا مین داخل نہ کرے گا،

د:- چھٹی دلیل وہی مکحولؒ والی روایت ہے، مولانا گیلانیؒ کو اعتراف ہے، کہ اس حدیث کو امام شافعیؒ نے مشہور کیا، وہ قاضی ابو یوسفؒ کے حوالہ سے کہتے ہین کہ اُن سے امام ابو حنیفہؒ نے یہ کہا تھا کہ انھون نے اپنے بعض مشائخ سے سنا کہ مکحول اون سے یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لا ربوا بین اھل الحرب، اہلِ حرب کے درمیان ربا نہین،

قاضی ابو یوسفؒ کہتے ہین کہ مجھے خیال آتا ہے کہ اس کے بعد شاید اہل الاسلام کا لفظ بھی وہ بولے تھے، جس کے ملانے کے بعد حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اہلِ حرب اور اہلِ اسلام کے درمیان ربا نہین، مولانا گیلانیؒ فرماتے ہین:-

کوئی شبہہ نہین کہ سنداً اس روایت کے متعلق گفتگو کا بہت کچھ موقع ہے"،

مین کہتا ہون کہ اب تو اس کا متن بھی مخدوش ہوگیا، کیونکہ اس کا جتنا حصہ امام ابو یوسفؒ کو اچھی طرح یاد ہے، اس کا تو حاصل یہ ہے کہ اہل حرب آپس مین جو معاملات ربا کرتے ہین، اور اس طرح مال کے مالک بنتے ہین، مسلمانون کے لئے وہ مال حلال ہے، یہ شبہہ نہ کرو کہ اہلِ حرب سے جو مال ہم نے لیا ہے چونکہ وہ اُن کے پاس سودی کاروبار سے آیا تھا، اسلئے ہمارے واسطے حلال نہین ہوگا، کیونکہ کفار مکلّف بالفروع نہین، ان کے باہمی معاملات سے اُن کے رواج و آئین کے مطابق جو مال ان کی ملک ہے، وہ تمھارے واسطے حلال ہے حتی کہ وہ کفار بھی اگر کسی وقت اسلام لائین تو یہ سودی کاروبار کا روپیہ اُن کے لئے حلال ہوگا،

اس جزو مین کسی کا بھی اختلاف نہین، اور جس جزو مین اختلاف ہے، کہ حربی اور مسلم کے درمیان سودی معاملہ جائز ہے، یہ جزو امام ابو یوسفؒ کو پوری طرح محفوظ نہین، اب آپ ہی فرمایئے ایسی حالت مین اس سے کیونکر استدلال ہو سکتا ہے، پھر حنفیہ کا اصول ہے کہ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا یا فتوی دینا صحت روایت مین قادح ہے، اور ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ دونون کا عمل اور فتوی اس روایت کے خلاف ہے، تو حنفیہ کو اپنے اصول کے موافق اس سے استدلال کا کیا حق ہے! مرسل اور موصول ہونے سے تو بعد مین بحث کی جائے گی، پہلے اس اشکال کو دفع کرنا لازم ہے، کہ اس حدیث کے متن مین راوی کو شبہہ ہے، اور خود راوی کا عمل اور فتوی اس کے خلاف ہے، ان سب باتون سے پہلوتہی کرکے مولاناؒ کا یہ فرمانا کہ

"آخر کچھ نہین تو جو مسئلہ قرآن و حدیث کی بینات سے ثابت ہو رہا ہو، اس کی مزید تائید و تقویت بھی کیا اس سے نہین حاصل ہوتی"

کس قدر دلفریب سوال ہے، بینات کی بھی ایک ہی کہی، بندہ نے ان بینات کے چہرہ سے نقاب الٹ کر دکھلا دیا ہے، کہ ان سے کسی درجہ مین بھی آپ کا مدعا ثابت نہین ہوتا، رہا سہا کچھ سہارا یہ حدیث مکحولؒ تھی، مگر افسوس تو بھی سنداً و متناً ہر طرح مخدوش ہے، اچھا مان لیجئے کہ حدیث کے الفاظ وہی ہین، جو ہمارے فقہائے بے تکلف اپنی کتابون مین لکھتے آرہے ہین کہ

لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب،	مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب مین ربا نہین،

تو اس مین یہ بھی احتمال ہے کہ نفی بمعنی نہی ہو اور مطلب یہ ہو کہ مسلمان کو حربی کے ساتھ دار الحرب مین بھی ربا کا معاملہ نہ کرنا چاہئے، پہلے بھی مین اس احتمال کو ظاہر کر چکا ہون اور بتلا چکا ہون کہ حدیث مین اس کی نظیرین بہ کثرت موجود ہین، دوسرا احتمال اور بھی ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی، کہ مسلم سے مراد وہ مسلمان ہو جو دار الحرب مین بلا معاہدہ امن داخل ہوا ہو، امام سفیان ثوریؒ نے حدیث کا یہی مطلب سمجھا ہے، اس

احتمال نے تو حنیفہ کا سارا قلعہ ہی منہدم کر دیا،

ذ، ساتوین دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ "قبیلہ اشجع کا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور اپنی حاجت پیش کی، حضورؐ نے فرمایا، ذرا صبر کر، وہ چلا گیا، اور دشمن سے غنیمت کا مال حاصل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر حاضر ہوا، آپ نے اس مال کو اس کے لئے پاک اور حلال قرار دیا، اس پر قرآن کی آیت نازل ہوئی،

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا	اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس
وَیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ،	کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے، اور
	اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے، جہان
	اس کا گمان بھی نہین ہوتا،

مولانا گیلانیؒ فرماتے ہین" یعنی دار الحرب کا یہ مال چونکہ غیر معصوم مال تھا، اس لئے اشجعیؓ قبضہ کرنے کے بعد اس کا مالک ہو گیا"

مین نہین سمجھا کہ مسئلہ اختلافی سے اس کو کیا واسطہ، حدیث مین تصریح ہے، کہ صحابی نے دشمن سے غنیمت کا مال حاصل کیا، جس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ حربی معصوم الدم نہ تھا، تو اس کا مال بھی معصوم نہ تھا، اس سے یہ کہان ثابت ہوا کہ مسلم معاہدۂ امن کے ساتھ دار الحرب مین داخل ہو تو اہلِ حرب کا مال اس کے حق مین غیر معصوم ہے، اور وہ قبضہ سے اس کا مالک بن سکتا ہے

میرے خیال مین مولانا گیلانیؒ کو غلط ہو گیا ہے، وہ میری ایک دوسری بات کا جواب اس حدیث سے دینا چاہتے ہین، سہواً مسلم و حربی کے درمیان جواز ربا کی دلیلون مین اس کو بیان کر گئے، مین نے اپنے مضمون کے حاشیہ مین لکھا تھا کہ یہان سے انکا بھی رد ہو گیا، جو دار الحرب مین مال حربی کو فئی قرار دیتے ہین، اور کہتے ہین کہ مسلمان حربی سے عقد ربا کر کے مال فئی پر قبضہ کرتا ہے، ان کو جاننا چاہئے کہ مال فئی

عامہ مسلمین کا حق ہے، نہ کسی خاص شخص کا" (نمبر ۵ جلد ۷۵ ص ۱۰۹ معارف)

مولانا گیلانیؒ نے تمہیدی مقدمات میں نمبر ۹ اسی کے جواب میں بڑھایا ہے، یہ حدیث اوسی جگہ اُن کو لکھنا چاہیے تھی، مولانا کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ "مال فئی پر قبضہ اگر حکومت کی پشت پناہی اور فوجی قوت کے زور سے ہوا ہو تو تقسیم سے پہلے یہ مقبوضہ مال اس کے لئے جائز ہوگا، اور اگر حکومت اور حکومت کی پشت پناہی کے بغیر حاصل ہوا ہو تو وہ قبضہ کرنے والے کی مخصوص ملکیت ہوگی، اور اس مال میں خمس یعنی پانچوان حصہ حکومت کا نہ ہوگا" مولانا کا یہ ارشاد درست ہے، مگر دوسری صورت میں ایک قید بڑھانے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ اگر مال فئی پر قبضہ بدون حکومت کی پشت پناہی اور فوجی قوت کے ہوا ہو، تو دیکھنا چاہیئے کہ اس قبضہ کرنے والے نے اپنی قوت اور طاقت مقابلہ سے اوس پر قبضہ کیا ہے، یا بدون مشقت وتعب کے قبضہ ہوگیا ہے، پہلی صورت میں حکومت اوس سے خمس نہ لے گی، گو اوسے خود ادا کردینا مستحب ہے، پھر امام کو اختیار ہے خواہ اوس سے خمس لے، یا محتاج سمجھ کر معاف کردے، جیسا شعبی کی حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک صحابی مال غنیمت لے کر حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے، مگر آپ نے ان کی حاجت کے پیش نظر اُن سے خمس نہیں لیا، اور اگر یہ قبضہ بدون مشقت اور تعب کے ہوگیا جیسے کسی کو دار الحرب میں مدفون خزانہ مل گیا، تو اس پر خمس واجب ہے، صحیح حدیث میں ہے،

المعدن جبار والبئر جبار و	کانون اور کنووں پر کوئی ٹیکس نہیں اور
فی الرکاز الخمس،	دفینہ میں حکومت کا پانچواں حصہ ہے،

اب بتلایا جائے کہ اگر مسلمان دار الحرب میں عقد ربا کے ذریعہ مال فئی پر قبضہ کرتا ہے، تو یہ قبضہ طاقت مقابلہ سے ہے، یا بلا مشقت ہے ؟ یقیناً بلا مشقت ہے، تو اس پر خمس لازم ہونا چاہیئے، یہ مطلب نہیں کہ میں اس صورت میں خمس کو واجب کرتا ہوں، میرے نزدیک تو یہ قبضہ ہی ناجائز ہے، مطلب یہ ہے کہ جو حضرات اوس کو مال فئی پر قبضہ قرار دیتے ہیں، ان کو وجوب خمس کا قائل ہونا چاہیئے،

ح :- آٹھوین دلیل حضرت عباسؓ کے فعل کو قرار دیا گیا ہے، کہ وہ مکہ مین فتح مکہ تک سودی کاروبار کرتے رہے، حالانکہ ربوا فتح مکہؓ سے پہلے حرام ہو چکا تھا، تو امام کے فتوی کی تائید آثار صحابہ سے بھی ہوتی ہے، مگر دلیل کا تمام ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس وقت حضرت عباسؓ کا مسلمان ہونا ثابت کر دیا جائے، کہ اس کے بعد ہی وہ زمرۂ صحابہ مین شامل ہو سکتے ہین، اور ہنوز یہی محل کلام ہے، پھر یہ بھی ثابت کر دیا جائے کہ حرمتِ ربا کا حکم معلوم کرنے کے بعد انھون نے ایسا کیا ہے، مولانا اس کو بھی ثابت نہین کر سکتے، پھر یہ دلیل ہی کیا ہوئی ؟ علاوہ ازین اسی حدیث کے بعض الفاظ مین صحیح سند سے یہ بھی وارد ہے،

وَاَمَّا ربوا العباس فموضوع كله،	لیکن عباس کا ربا تو وہ توسب کا سب ساقط ہے،

کہا جاتا ہے یعنی سود بھی اور اصل بھی،

پس اگر ثابت ہو جائے کہ انھون نے اسلام لانے اور حرمتِ ربا کا حکم معلوم کرنے کے بعد سودی کاروبار کیا تھا، تو فریقِ مخالف کہہ سکتا ہے کہ حضورؐ نے اسی واسطے اُن کے اصل مال کو بھی بطور سزا کے ساقط کر دیا، پھر تو آپ کے لئے استدلال کی کچھ گنجائش باقی نہ رہے گی،

ط نوین دلیل ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے کہ اس مین کوئی مضائقہ نہین، کہ ایک اشرفی کے عوض دو اشرفیون کا معاملہ مسلمانون اور اہلِ حرب کے درمیان ہو، مگر اس کو قول امام کی دلیل نہین بنا سکتے، کیونکہ اول تو یہ ربا کی خاص صورت ہے، جو ربا حقیقی نہین، بلکہ ربا البیع اور ربا الفضل ہے، اور تمہیدی مقدمات مین بتلا دیا گیا ہے کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا قرآنی کے ساتھ ملحق فرمایا ہے، اور اس کی حرمت ربا قرآنی کی برابر قطعی نہین، تو ربا کی ایک خاص صورت کے جواز سے مطلقاً ہر قسم کی ربا کا جواز جیسا امام ابو حنیفہ کیطرف منسوب کیا جا رہا ہے ثابت نہین ہو سکتا، دوسرے ابراہیم نخعیؒ کے قول مین لفظ "المسلمین" اور "اہل الحرب" مطلق ہے، ممکن ہے کہ ان کی مراد وہ مسلمان ہون جو بلا معاہدہ و استیمان کے دار الحرب

مین جائین اور اہل حرب سے وہ حربی مراد ہون جو معصوم الدم نہ ہون، اس احتمال کی تائید سفیان ثوری کے قول سے ہوتی ہے، جو آیندہ آتا ہے، اور یہ صورت محل نزاع نہیں، گفتگو اس صورت مین ہے، کہ مسلمان معاہدۂ امن کے ساتھ دارالحرب مین ہو، جس کی وجہ سے اہل حرب کی جانین اس کے حق مین معصوم ہوجائین اس کے لئے کیا اہل حرب کے اموال معصوم ہین یا نہین، اور اس کو ان کی ساتھ عقد ربا کرکے مال حاصل کرنا جائز ہے یا نہین؟ ابراہیم نخعیؒ کا قول اس باب مین واضح نہین'

ی، دسوین دلیل امام سفیانؒ ثوری کا قول ہے کہ طحاویؒ نے ابراہیم نخعیؒ کا قول بیان کرکے اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بنؒ مبارک سے روایت کیا ہے کہ سفیانؒ بھی یہی کہتے تھے، (جو ابراہیم نخعی نے کہا) اور یہ معلوم ہوچکا ہے کہ ابراہیم نخعی کے قول مین مطلق ربا کا ذکر نہین صرف ربا الفضل کا ذکر ہے' تو وہی سفیان ثوریؒ کے قول مین ہونا چاہئے، اب اس کو امام ابو حنیفہؒ کے قول کی دلیل بنانا جن کی طرف مسلم و حربی کے درمیان دارالحرب مین مطلق ربا کا جواز منسوب کیا جاتا ہے، صحیح نہین، پھر سفیانؒ ثوری کے نزدیک لاربوا بین المسلم والحربی مین المسلم سے مراد وہ مسلمان ہے جو بغیر کسی معاہدہ کے غیر اسلامی حکومت مین داخل ہوکر وہان کے غیر مسلم باشندون سے اس قسم کا معاملہ کرتا ہو لیکن جو امن و امان کی ساتھ رہنے کا معاہدہ کرکے غیر اسلامی ملک مین داخل ہو یعنی مسلم متامن کو وہ اس کی اجازت نہین دیتے، شرح السیر اور مبسوط سرخسیؒ سے مولانا گیلانیؒ نے خود ہی یہ تفصیل بیان فرمائی ہے، یہی مین کہہ رہا تھا، کہ مکحولؒ والی حدیث مین الحربی سے مراد غیر معصوم الدم ہو تو پھر کچھ اشکال ہی نہین، مین پہلے بھی عرض کرچکا ہون اور اب پھر کہتا ہون کہ اباحت مال اہل حرب کا حکم مطلق نہین ہے، بلکہ خاص حالات کے ساتھ مخصوص ہے، جب کہ حربی غیر معصوم الدم ہو خواہ مقابلہ کی وجہ سے یا مصالحت نہ ہونے کی وجہ سے پس جب لشکر اسلام دارالحرب پر حملہ آور ہو یا کوئی مسلمان تلصص (جاسوسی) یا قید کی حالت مین دارالحرب جائے ان صورتون مین مسلم کو حربی سے عقد ربا جائز ہوسکتا ہے، کیونکہ ان حالات مین بدون رضا کے جبراً بھی وہ

اس کا مال لے سکتا ہے، تو بذریعہ عقد ربا تراضی کے ساتھ بدرجۂ اولی لے لیگا اور غالباً حدیث مکحول مین حربی سے ایسا ہی حربی غیر معصوم الدم مراد ہے کہ وہی حربی کامل ہے، اور لفظ مطلق سے فرد کامل ہی مراد ہوا کرتا ہے، الحمد للہ میرے اس قول کی تائید سفیان ثوریؒ کے قول سے ہوگئی، اور جب سفیان کا قول وہی ہے، جو ابراہیم نخعیؒ کا ہے تو ان کے قول مین بھی مسلم سے مراد مسلم غیر متامن اور حربی سے مراد حربی غیر معصوم الدم ہوگا، اور یقیناً جاننے والون سے یہ امر مخفی نہین کہ علماے کوفہ کا مذہب ابراہیم نخعیؒ اور سفیان ثوری پر عموماً منتہی ہوتا ہے، تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ فقہاے کوفہ کا فتوی وہ نہین جو امام صاحب کی طرف منسوب کیا جا رہا، کہ مسلم متامن کو بھی حربی کے ساتھ دار الحرب مین عقد ربا مطلقاً جائز ہے، بلکہ وہ ہے جو سفیان ثوریؒ اور ابراہیم نخعیؒ کی طرف منسوب ہے کہ مسلم غیر متامن کو حربی غیر معصوم الدم کے ساتھ ایسا کرنا جائز ہے، اب میرا یہ قول بہت موکد ہوگیا کہ عجب نہین امام صاحب کی بھی یہی مراد ہو جو ابراہیم نخعیؒ اور سفیان ثوریؒ سے منقول ہے، بہرحال ہے، جس تفصیل اور اطلاق کے ساتھ مسلم وحربی کے درمیان عقد ربا کا جواز کتب حنفیہ مین امام صاحب کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے، وہ اس مین منفرد ہین، اور ان کے اس قول کی بجز ایک ضعیف اور محتمل حدیث یا ضعیف قیاس کے کوئی قوی دلیل نہین، مولانا گیلانی نے جس قدر دلیلین پیش کی ہین، مین عرض کر چکا ہون کہ ان مین سے ایک بھی دلیل بننے کے قابل نہین،

آخر مین اتنا اور عرض کر دون کہ مولانا نے میرے مضمون مین کامل غور کئے بغیر میری طرف یہ دعوی منسوب کر دیا ہے کہ

"اموال اہل حرب کے غیر معصوم ومباح ہونے کے لئے اہل حرب کا مسلمانون اور مسلمانون کی حکومت سے بالفعل برسر جنگ ہونا ضروری ہے"،

حالانکہ میری عبارت مین یہ الفاظ موجود ہین، کہ

"اباحتِ مالِ اہلِ حرب کا حکم مطلق نہین، بلکہ خاص حالات سے مخصوص ہے جب کہ حربی غیر معصوم الدم ہو، خواہ مقابلہ و مقاتلہ کی وجہ سے یا مصالحت نہ ہونے کی وجہ سے، جس سے صاف معلوم ہو گیا، کہ بالفعل برسرِ جنگ ہونا ضروری نہین، بلکہ مصالحت و معاہدہ نہ ہونا بھی ان کے اموال کے غیر معصوم اور مُباح ہونے کے لئے کافی ہے"

اسی لئے مین مسلم متلصص[1] کے لئے جوازِ عقدِ ربا کا قائل ہون، حالانکہ اہلِ حرب اس سے بالفعل برسرِ جنگ نہین ہوتے، مگر چونکہ اُن سے نہ حکومتِ اسلام کا معاہدہ ہے، نہ جاسوس نے معاہدۂ امن کیا ہے، اس کے حق مین اہلِ حرب کے نفوس و اموال دونون غیر معصوم اور مُباح ہین، اور اس کے لئے اہلِ حرب کے وہ اموال بھی حلال ہین، جو عقدِ ربا کے ذریعہ حاصل کرے،

میرا دعویٰ یہ ہے کہ جو مسلمان دار الحرب مین کسی معاہدۂ قولی یا حالی کے ماتحت امن کی زندگی گذار رہے ہین، جب اس معاہدہ کی وجہ سے نفوسِ اہلِ حرب اس کے حق مین معصوم قرار دیدیے گئے تو ان کے اموال بھی معصوم ہون گے، ان کے ساتھ عقدِ ربا اس دلیل سے کہ یہ اموال غیر معصوم ہین، جائز نہین ہو سکتا، کیونکہ عصمتِ نفوس کے ساتھ عصمتِ اموال لازم ہے، آپ دیکھ رہے ہین، کہ امام سفیان ثوری اس حالت مین مسلم و حربی کے درمیان عقدِ ربا کی اجازت نہین دیتے، اور یہی ظاہراً قول ابراہیم نخعی کا ہے،

اس پر مولانا کا یہ فرمانا کہ

"بہرحال اتنی بات کہ الحربی و المسلم مین ربوا کا معاملہ بعض صورتون مین، ربوا اور سود باقی نہین رہتا، اس کے قائل یقیناً سفیان ثوری بھی ہین، اور اثبات کے لئے یہ کافی ہے"

موضوعِ بحث سے الگ ہو جاتا ہے، کیونکہ جس صورت مین سفیان ثوری جوازِ عقدِ ربا درمیان حربی و مسلم کے قائل ہین، اس مین نزاع اور گفتگو نہین ہے، مین معارف ص ۱۲ پر صاف عرض کر چکا ہون کہ

---

[1] وہ مسلمان جو جاسوسی کے طور پر دار الحرب مین جائے،

" اگر ان کی (حنفیہ کی) مراد حربی سے غیر معصوم الدم ہے تو اس صورت مین دوسرے ائمہ کا اختلاف

محض تورع و احتیاط پر مبنی ہے حقیقی اختلاف نہین "

اور ابراہیم نخعی کے قول مین لفظ لا باس الدینار بالدینارین خود تبلا رہا ہے، کہ گو وہ اس کو جائز کہتے ہین مگر خلاف احتیاط بھی سمجھتے ہین، فقہا، کے کلام پر نظر رکھنے والے جانتے ہین، کہ لفظ لا باس کیسے موقع پر بولا جاتا ہے، پس یون کیون نہ کہا جائے، کہ امام صاحب کے قول کی بھی تفصیل وہی ہے، جو سفیان ثوری کے قول کی ہے، مین صرف لفظ ربا سے ہرگز متاثر نہین ہون، بلکہ میری نظر مین جہان حق تعالیٰ کا یہ ارشاد

اِنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ، کہ اللہ تعالیٰ مشرکین سے بری الذمہ ہے،

ہے، وہین یہ ارشاد بھی پیش نظر ہے،

اِلَّا الَّذِیْنَ عَاھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ، مگر جن مشرکین سے تم عہد کر لو (تو ان کے جان و مال سے اللہ تعالیٰ بری الذمہ نہین ہین)

مولانا گیلانی ایک آیت کو دیکھتے ہین، اور دوسری کو نہین دیکھتے، اور اگر دیکھتے ہین تو پھر یہ دعویٰ کس بنا پر کیا جاتا ہے، کہ مسلم متامن جو معاہدۂ امن کے ساتھ دار الحرب مین داخل ہوا ہے، اس کے حق مین اہل حرب کے اموال معصوم نہین، حالانکہ نفوس معصوم ہین، اس دعوی کی دلیل مین صرف علامہ سرخسی کا قول کافی نہین، دلیل قطعی کی حاجت ہے، بدون دلیل کے یہ کہنا کہ واقع مین جو حلال ہے، اس کے حلال ہونے کا فتوی امام صاحب دے رہے ہین، مقام تقلید مین کافی ہو سکتا ہے، مقام تحقیق مین کافی نہین ہو سکتا، امید ہے کہ مولانا ان معروضات پر تحقیقی نظر ڈال کر اپنے مقالہ پر نظر ثانی فرمائین گے،

وَلَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا،

پس مین نصوص قرآنیہ پر نظر کرکے بے تکلف کہتا ہون، اور آپ کو بھی بے تکلف یہی کہنا چاہئے،

کہ اس باب مین حنفیہ کا مذہب وہ ہے؟ امام ابو یوسف نے فرمایا ہے، کہ وہی ساری امت کا قول ہے، اور طرفین کا قول مذہب نہین، بلکہ مذہب کی ایک ضعیف روایت ہے، اور اگر ان کا مطلب وہ ہے جو سفیان ثوری کا قول ہے، اور بظاہر وہی فقہ کوفہ کا عام فتوی ہے تو پھر کچھ اختلاف نہین محض تورع واحتیاط کا درجہ باقی رہ جاتا ہے،

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالی وسلم علی افضل بنی آدم سید الانبیاء وعلی آلہ واصحابہ وشرف وکرم،

علمائے اسلام کا اخلاق

از

مولانا عبدالسلام ندوی

(۳)

استغنا و قناعت کے ساتھ ہمارے علماء کا ایک خاص اخلاقی وصف فیاضی ہے، ہمارے امرا و سلاطین نے اگرچہ فیاضیون کے دریا بہا دیئے تھے، لیکن ان کی فیاضیون کا ایک حصہ غیر معتدل اور قابلِ اعتراض تھا، لیکن ہمارے علما نے جو فیاضیان کین، وہ اس قدر صحیح و بجا تھین، کہ ان پر مطلق حرف رکھنے کی گنجایش نہین، علم، مذہب، اور اخلاق تین چیزین اُن کے پیشِ نظر تھین، اور انہی پر وہ اپنا سرمایہ صرف کرتے تھے،

حماد بن مسلم (المتوفی ۱۲۰ھ) رمضان کے مہینے مین روزانہ پچاس آدمیون کو افطار کراتے تھے، پھر عید کے دن ہر ایک کو کپڑا اور سو درہم دیتے تھے،

ابن زیاد کوفہ کا عامل صدقہ ہو کر آیا، تو ایک شخص نے ملازمت کے لئے حماد سے اس کی خدمت مین سفارش کرانی چاہی، بولے "اس خدمت سے تمھین کس قدر مالی فائدے کی توقع ہے؟ اس نے کہا "ہزار درہم" بولے مین تم کو پانچ ہزار درہم خود دلوا دیتا ہون، اس کے سامنے اپنی آبروریزی نہین کروانا چاہتا،[1]

---

[1] الجواہر المضیہ جلد اول ص ۲۲۶،

ربیعۃ الرائے (المتوفی ۱۳۶ھ) نہایت فیاض تھے، انھون نے اپنے رفقا و تلامذہ پر چالیس ہزار دینار صرف کئے،[اھ]

امام لیث مصری (المتوفی ۱۷۵ھ) کی سالانہ آمدنی پچاس ہزار یا اسی ہزار دینار تھی، لیکن باوجود اس آمدنی کے اُن پر سال مین زکوٰۃ کبھی فرض نہین ہوئی، بلکہ سال کے ختم ہونے سے پہلے ہی یہ کل رقم ان کی فیاضی کے نذر ہو جاتی تھی، امام مالک کے پاس ایک بار ہزار اشرفیان بھیجدین، ایک بار امام مالک نے ان کو لکھا کہ وہ مقروض ہو گئے ہین، انھون نے ان کی خدمت مین پانچسو اشرفیان بھیجدین،

ایک بار امام مالک نے ان کی خدمت مین ایک سینی کھجورین بھیجین، لیکن انھون نے اوس سینی مین سونا بھر کر واپس کیا، ایک بار امام مالک کے پاس زعفران کی بوریان ہدیۃً روانہ کین، ان متفرق عطیون کے علاوہ امام مالک کو سالانہ سو اشرفیان دیتے تھے، ان کے علاوہ اور علما بھی ان کے مال و دولت سے فیضیاب ہوتے تھے، ایک بار منصور بن عمار کو ایک ہزار دینار دئیے، اور فرمایا کہ خدا نے تم کو جو حکمت عطا کی ہے، ان کے ذریعہ سے اس کو محفوظ رکھو، ابن لہیعہ کے گھر مین آگ لگ گئی، تو ہزار دینار سے اوس مصیبت مین ان کی مدد کی، وہ اپنے اصحاب کے لئے فالودہ تیار کرواتے تھے، اور ان مین اشرفیان بھر دیتے تھے تاکہ جو شخص جس قدر زیادہ کھائے، اس کے حصہ مین اسی قدر زیادہ اشرفیان آئین،[۵۲]

ایک حدیث مین ہے کہ انسان کے ہر جوڑ پر روزانہ صدقہ واجب ہے، چونکہ انسان کے جسم مین تین سو ساٹھ جوڑ ہوتے ہین، اس لئے غالبًا اسی حدیث کی تعمیل مین جب تک وہ ہر روز تین سو ساٹھ مسکینون کو کھانا نہ کھلا لیتے خود کھانا نہ کھاتے،[۵۳]

امام معافی بن عمران (المتوفی ۱۸۵ھ) نہایت دولت مند اور صاحب جائداد تھے، ان کے تلامذہ

اھ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۴۱، ۵۲ ابن خلکان جلد اول ص ۴۳۸ و تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۰۳، ۲۰۴،
۵۳ شذرات الذہب جلد اول ص ۲۸۵،

کی تعداد ۴۳ تھی، اور جب ان کی جائداد کا منافع آتا تو اس سے ان سب کی کفالت کرتے،[۱]

امام حفص بن غیاث (المتوفی ۱۹۴ھ) اس قدر فیاض تھے، کہ فرماتے تھے، کہ جو شخص میرا کھانا نہ کھائے گا میں اس کے سامنے حدیث نہ بیان کرون گا، جب وہ عام دعوت دیتے، تو کوئی شخص ایسا نہ تھا، جو اس مین شریک نہ ہوتا،[۲]

حافظ عبدالوہاب ثقفی (المتوفی ۱۹۴ھ) کی جائداد کا منافع ۴۰ ہزار تھا، اور وہ یہ کل رقم محدثین پر صرف کر دیتے تھے،[۳]

حسین بن حفص (المتوفی ۲۱۲ھ) کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ درہم تھی لیکن اس پر زکوۃ کبھی واجب نہیں ہوئی، وہ یہ کل رقم محدثین فقہا، اور اہل فضل پر صرف کر دیتے تھے،[۴]

حافظ یحییٰ بن معین بغدادی (المتوفی ۲۳۳ھ) کے باپ نے اپنے مرنے کے بعد لاکھون روپیے چھوڑے تھے لیکن یحییٰ بن معین نے یہ کل رقم علم حدیث پر صرف کر دی،[۵]

حافظ احمد بن مہدی (المتوفی ۲۷۲ھ) نہایت دولت مند تھے اور انھون نے اپنی دولت مین سے تین لاکھ درہم اہل علم پر صرف کئے تھے،[۶]

بعض علما، کی فیاضیان اگرچہ بظاہر حقیر تھین، لیکن ندرت و اعجوبگی کے لحاظ سے وہ بھی قابل ذکر ہین، حافظ نجاد (المتوفی ۳۴۸ھ) ہمیشہ صائم الدہر رہتے تھے، اور صرف ایک روٹی سے افطار کرتے تھے لیکن اس روٹی مین سے روزانہ ایک ٹکڑا بچا لیتے تھے، جب جمعرات آتی تھی، تو اس دن کی پوری روٹی صدقہ کر دیتے تھے، اور ہفتہ بھر جو ٹکڑے بچاتے تھے، اونہی سے افطار کر لیتے تھے،[۷]

امام دعلج بن احمد (المتوفی ۳۵۱ھ) نہایت دولت مند محدث تھے اور مکہ، عراق اور سجستان کے

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۴۲ [۲] ایضاً ص ۲۷۴ [۳] الجواہر المضیۃ جلد اول ص ۲۱۰ [۴] ابن خلکان جلد دوم ص ۲۱۵ [۵] تذکرۃ الحفاظ جلد ثانی ص ۹۴ [۶] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۸۵ [۷] تذکرۃ الحفاظ ط ۱۶۰ ص ۲۹۳،

اہلِ حدیث کے لئے مستقل اوقاف کر رکھے تھے، ابن حیویہ کا بیان ہے کہ "دعلج مجھ کو اپنے گھر کے اندر لے گئے، اور درہم و دینار کے توڑے دکھا کر کہا کہ جس قدر جی چاہے لے لو"۔[۱]

حافظ ابو عبید اللہ بن ابی ذہل (المتوفی ۳۷۸ھ) نہایت دولت مند اور فیاض تھے، اور محدثین و اخیار پر بہت زیادہ احسانات کرتے تھے، وہ ہرات میں جن لوگوں کی کفالت کرتے تھے، ان کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ تھی۔[۲]

ابراہیم بن الحسین (المتوفی ۳۹۰ھ) حنفی المذہب فقیہ تھے، اور اپنے ہم مذہب لوگوں پر اپنی دولت صرف کرتے تھے، اور ان کے لئے عمدہ عمدہ اوقاف کئے تھے۔[۳]

استاد ابو منصور عبد القاہر بن طاہر بغدادی (المتوفی ۴۲۹ھ) نہایت دولت مند تھے، اور اپنی دولت اہلِ علم اور اہلِ حدیث پر صرف کرتے تھے۔[۴]

خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) نے اپنے مرض الموت میں اپنا کل سرمایہ جس کی تعداد دو سو دینار تھی، اہلِ حدیث، فقہاء اور فقراء کو تقسیم کر دیا، اور اپنی تمام کتابیں مسلمانوں کے لئے وقف کر دیں۔[۵]

محدث ابو عبد اللہ محمد بن یوسف (المتوفی ۵۳۰ھ) نہایت مسافر نواز تھے، اور ان کے پاس جو مسافر آتے تھے، باوجود پیرانہ سالی کے ان کا کھانا خود ان کے پاس لے جاتے تھے، اور بذاتِ خود ان کی خدمت کرتے تھے۔[۶]

حافظ ابو العلاء ہمدانی (المتوفی ۵۶۹ھ) اپنے شاگردوں کا خاص طور پر لحاظ رکھتے تھے، لوگوں سے ان کی مالی اعانت کی درخواست کرتے تھے، اور خود ان کو جو کچھ مال و دولت ملتا تھا، اس کو جمع نہیں کرتے تھے، بلکہ ان پر صرف کر دیتے تھے، کسی دعوت میں اس وقت تک شریک نہیں ہوتے تھے، جب تک

۱؎ تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۹۷، ۹۸ ۲؎ ایضاً ص ۲۱۳ ۳؎ الجواہر المضیہ جلد اول ص ۳۰ ۴؎ ابن خلکان جلد اول ص ۲۵۸ ۵؎ ایضاً ص ۲ ۶؎ ایضاً ص ۸۶

ان کے تلامذہ اس میں شریک نہ ہوں، بہت سے لوگوں کے وظائف مقرر کر رکھے تھے، اور باوجودیکہ ان کی فتوحات کا دائرہ نہایت وسیع تھا، لیکن ہمیشہ ہزاروں دینار کے مقروض رہتے تھے،[۵۱]

حافظ قاسم (المتوفی سنہ ۶۰۰ھ) نے کبھی اپنی تنخواہ نہیں لی، بلکہ جو طلبہ اُن کے پاس آتے تھے، اُن کے لئے اس کو محفوظ رکھتے تھے،[۵۲]

حافظ عبد الغنی المقدسی (المتوفی سنہ ۶۰۰ھ) اس قدر فیاض تھے، کہ اپنے پاس کوئی چیز جمع نہیں کرتے تھے، راتوں کو آٹے کی بوریاں لے کر نکلتے تھے، اور جب لوگ دروازہ کھولتے تھے، تو ان کو رکھکر فوراً چلے جاتے تھے، تاکہ لوگ ان کو پہچان نہ سکیں، ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے اُن سے زیادہ فیاض کسی کو نہیں دیکھا، انھوں نے میری جانب سے متعدد بار قرض ادا کئے، ایک شخص نے ان کے پاس کچھ روپئے اور بہت سے گیہوں بھیجے، انھوں نے سب تقسیم کر دیا، انھوں نے ایک بار متصل تین دن تک اپنا رات کا کھانا دوسروں کو دیدیا، اور خود بھوکے رہے،[۵۳]

مولیٰ سنان الدین (المتوفی ۵۹۱ھ) کی فیاضی حد اسراف تک پہونچ گئی تھی، یہانتک کہ جب ان کا انتقال ہوا، تو اُن کے گھر میں ایندھن بھی نہ تھا کہ نہلانے کے لئے پانی گرم کیا جائے،[۵۴]

پیر محمد جمالی (المتوفی سنہ ۹۲۰ھ) علم و فضل کے ساتھ منصب وزارت پر ممتاز تھے، اور دو مسجدیں دو مدرسے اور دو مسافرخانے تعمیر کرائے تھے،[۵۵]

مولانا ابراہیم پاشا نے ابتدا میں نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کی تھی، لیکن اخیر میں درجۂ وزارت تک پہونچ گئے، اور لوگوں کے ساتھ نہایت فیاضانہ برتاؤ کئے، یہانتک کہ ان کے باورچی خانے سے روزانہ قسطنطنیہ کے چھ سو فقراء کو کھانا ملتا تھا، اس فیاضی کا نتیجہ یہ ہوا، کہ مرنے کے بعد ان کے پاس آٹھ ہزار

---

[۵۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۲۰، [۵۲] ایضاً صفحہ ۱۶۱ [۵۳] ایضاً صفحہ ۱۷۰،
[۵۴] الشقائق النعمانیہ برحاشیہ ابن خلکان جلد ۱ ص ۱۹۶، [۵۵] ایضاً ص ۳۵۱،

ہزار درہم سے زیادہ نہ نکلے،[۱]

ہمارے علمار کی ایک خاص اخلاقی خصوصیت یہ ہے کہ باوجود زہد وقناعت اور مجاہدہ وریاضت کے ان مین رہبانیت کبھی نہین پیدا ہوئی، اس لئے ان کی اخلاقی حالت عیسائی راہبون سے بالکل مختلف رہی ابتدا مین مسیحیت کا یہ قانون تھا کہ کسی مسیحی کو مسلح نہین رہنا چاہئے، بعد کو اگرچہ مسیحیون کا داخلہ فوج مین حرام نہین رہا، تاہم مذہبی حلقون مین اسے پسندیدگی سے اب بھی نہین دیکھا جاتا تھا، کیونکہ مسیحی و مشرکانہ تخیل اخلاق ہی مین زمین وآسمان کا فرق تھا، مشرکون کا مطمح نظر وطنی تھا، اور ان کے نزدیک وطن پرستی وسپہ گری زبدۃ الفضائل تھے، بخلاف اس کے مسیحی نصب العین ثواب آخرت تھا، اور اس نقطۂ خیال سے ترک دنیا اور رہبانیت کو راس الحسنات کا مرتبہ حاصل تھا، چنانچہ چوتھی، اور پانچوین صدی مین جوانان صالح کی تعداد کثیر برابر فوج سے منتقل ہو ہو کر زاہدون اور راہبون کی صف مین شامل ہوتی جاتی تھی، لیکن اسلام کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی، اس نے ابتدا ہی سے جہاد کو راس الفضائل قرار دیا، اس لئے اسلام مین برگزیدگی وسپہ گری کے ڈانڈے باہم مل گئے،[۲] صحابۂ کرام کے بعد متعدد برگزیدہ علمار نے اپنے گوشۂ خلوت سے نکل کر جہاد مین شرکت کی شیخ الاسلام ابوسعید بصری (المتوفی سنہ ۱۱۰ھ) عمر بھر مصروف جہاد رہے، مسلمانون کی اخلاقی تاریخ مین خارجیون کی شجاعت مشہور ہے، اور خارجیون مین قطری بن الفجاۃ شجاعت مین تمام خارجیون سے ممتاز سمجھا جاتا تھا، لیکن شیخ الاسلام ابوسعید بصری اس وصف مین قطری بن الفجاۃ کے ہم پایہ تھے، اور ان کا نام اس کے ساتھ لیا جاتا تھا،[۳] امام احمد بن شبویہ (المتوفی سنہ ۲۳۰ھ) ہمیشہ جہاد کرتے، اور قیدیون کو چھڑاتے رہتے،[۴]

امام مروزی المتوفی سنہ ۲۷۵ھ اسلام کی حمایت و مدافعت مین نہایت مشہور تھے، ایک بار وہ جہاد کے لئے روانہ ہوئے تو لوگون نے سامرا تک ان کی مشایعت کی، وہ ان کو واپس کرتے تھے، لیکن لوگ واپس نہین

---

[۱] شقائق النعمانیہ برحاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۲۲۱، ۲۲۲، [۲] تاریخ اخلاق یورپ جلد دوم ص ۱۵۷، ۱۵۹، [۳] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۶۶، [۴] ایضاً جلد دوم ص ۹۴،

ہوتے تھے، چنانچہ جو لوگ ان کے ساتھ سامرا گئے، اُن کا شمار کیا گیا، تو ان کی تعداد پچاس ہزار تک پہونچی[۱]

حافظ ابو احمد قصاب کی زندگی کا خاص مشغلہ جہاد تھا، چونکہ انھون نے غزوات مین کثرت سے کافرون کو قتل کیا تھا اسلئے انکا لقب قصاب ہو گیا[۲]

حافظ حبیش (المتوفی ۴۷۵ھ) نے متعدد بار خود جہاد مین شرکت کی، اور ایک بار دس آدمیون کو اپنا قائم مقام بنایا، اور ان کو مسلح کرکے جہاد کی شرکت کے لئے بھیجا، اور ان کے مصارف خود برداشت کئے[۳]

یوسف بن درناس الفندلاوی المغربی دمشق مین حدیث کا درس دیتے تھے، ۵۴۳ھ مین عیسائیون نے دمشق پر حملہ کیا، تو اہل دمشق ان سے لڑنے کیلئے نکلے، یوسف بن درناس بھی ان لوگون کے ساتھ شریک جہاد ہوئے، ابھی جنگ شروع نہین ہوئی تھی، کہ مسلمانون کے سپہ سالار سے ان کی ملاقات ہو گئی، وہ پیدل چلنے کی وجہ سے نہایت خستہ ہو گئے تھے، سپہ سالار نے یہ حالت دیکھی تو کہا کہ آپ واپس جایئے، بڑھاپے کی وجہ سے آپ معذور ہین، بولے "مین واپس نہ جاؤن گا، ہم نے بیچ دیا، اور خدا نے ہم سے خرید لیا،" اس سے اُن کا اشارہ اس آیت کی طرف تھا،

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ	خدا نے مسلمانون سے ان کی جان ومال کو
اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ	جنت کے معاوضے مین خرید لیا، وہ لوگ
الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ،	خدا کی راہ مین لڑتے ہین

چنانچہ لڑے اور شہید ہوئے[۴]

علامہ ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے بڑی بڑی پُرخطر مہمات مین حصہ لیا، ۶۹۹ھ مین غازان خان نے شام پر حملہ کرنا چاہا، اور قتلو شاہ اور تولائے جو اس کے سپہ سالار تھے، فوجین لے کر آگے بڑھے تو علامہ ابن تیمیہ نے جاکر ان سے گفتگو کی، اور ان کو اس ارادہ سے رد کا ساتھ ہی جہاد کا سامان کیا، اور ہر قسم

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد دوم ص ۲۰۷، [۲] ایضاً جلد ۳ ص ۱۵۰ [۳] ایضاً صفحہ ۱۶۱ [۴] معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۳۴۹،

کی تیاریان شروع کین، اوس وقت تو یہ فتنہ فرو ہوگیا لیکن سال بھر کے بعد تاتاریون کا سیلاب پھر امنڈا تو علامہ ڈاک مین بیٹھ کر مصر گئے، اور اعیانِ سلطنت سے مل کر ان کو جہاد کی ترغیب دی، اور دمشق مین واپس جاکر خود جہاد کی تیاریان کین،

مولی محی الدین محمد بن عمر (المتوفی ۹۳۸ھ) نے مختلف بادشاہون سے تعلقات رکھے، اور سب کے ساتھ شریک جہاد ہوئے، سلطان بایزید خان ان کا نہایت معتقد تھا، وہ اس کے ساتھ ایک جہاد مین شریک ہوئے، اور قلعہ مشون کو فتح کیا، قسطنطنیہ مین وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض نہایت بیباکانہ ادا کرتے تھے، اور ملاحدہ اور صوفیہ ان کی زد مین آتے تھے، وہ سلطان سلیم خان کے زمانہ مین روم مین آئے، اور اس کو قزلباش کے ساتھ جہاد کرنے پر آمادہ کیا، اور اس کے لئے جہاد اور اس کے فضائل پر ایک عمدہ کتاب لکھی، وہ اس گروہ کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے روانہ ہوا، تو وہ اس کے ہمراہ تھے، اور راستے مین فوج کو وعظ و پند کرتے تھے، اور اس کو جہاد کا ثواب بتاتے تھے، جب دونون فوجون مین گھمسان کی لڑائی ہوئی، تو بادشاہ نے ان کو دعا کرنے کا حکم دیا، انھون نے دعا کی، اور خدا کے فضل سے دشمن کو شکست ہوئی، اس کے بعد وہ ۹۲۲ھ مین ایک اور جہاد مین شریک ہوئے اور خدا نے فتح دی،[1]

ان محاسنِ اخلاق کے علاوہ ہمارے علماء مین اور بھی سینکڑون قسم کے فضائلِ اخلاق پائے جاتے تھے، مثلاً علامہ مزنی (المتوفی ۲۶۴ھ) کے زہد و تورع کا یہ حال تھا، کہ وہ سال کی ہر فصل مین صرف پیتل کے کوزے کا پانی پیتے تھے، ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی، تو بولے کہ مٹی کے کوزے اوپلے سے پکائے جاتے ہین، اور آگ ان کو پاک نہین کرتی،[2]

ابو جعفر محمد بن احمد بن نصر ترمذی (المتوفی ۲۹۵ھ) نے اپنے زہد و ورع اور صبر کی وجہ سے سترہ دن صرف پانچ دانون پر بسر کئے، ان کو مہینے مین صرف چار درہم ملتے تھے لیکن وہ اس کے علاوہ اور کسی سے کچھ

---

[1] شقائق النعمانیہ بر حاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۴۶۳، ۴۶۴ [2] ابن خلکان جلد اول ص ۷۱،

نہین مانگتے تھے[۱]،

شیخ مصلح الدین قوجوی اس قدر زاہد و متورع تھے، کہ ایک بار انھون نے اپنے ایک شاگرد کو گیہون پسوانے کے لئے دیئے، وہ گیہون لے کر گئے تو لوگون نے محض شیخ کی خاطر سے ان کو اپنے آپ سے پہلے گیہون پسوانے کا موقع دیا، وہ گیہون پسوا کر پلٹے، تو انھون نے اس قدر جلد پلٹنے کی وجہ پوچھی، انھون نے واقعہ بیان کیا تو خاموش ہو گئے، اور گھر کے صحن کے ایک گوشے مین جا کر ایک گڑھا کھودا، اور اس مین آٹے کو دفن کر دیا، شاگرد نے اس کی وجہ پوچھی تو بولے کہ اس آٹے کا کھانا جائز نہین، اور مین نے اس کو اس لئے دفن کر دیا کہ اس کو میرے کتے بھی کھانے نہ پائین[۲]،

تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ صبر و ضبط ہے، اور ہمارے علماء مین زہد و قناعت، استغنار اور حق گوئی کے جو اوصاف پیدا ہو گئے تھے، وہ اسی صبر و ضبط کا نتیجہ تھے، محمد بن عبد اللہ بن دینار (المتوفی ۳۳۸ھ) دن کو روزہ رکھتے تھے، رات کو عبادت کرتے تھے، فقر و فاقہ پر صابر رہتے تھے، صرف اپنے دست و بازو کی کمائی پر گذر اوقات کرتے تھے، اور کھانے پینے سے جو کچھ بچ رہتا تھا، اوس کو صدقہ کر دیتے تھے[۳]،

ابو زید محمد بن احمد قاشانی (المتوفی ۳۷۱ھ) کے وطن مین سخت سردی پڑتی تھی لیکن فقر و فاقہ کی وجہ سے پورا جاڑا بغیر جبّے کے بسر کر دیتے تھے، لوگون نے اس کی وجہ پوچھی، تو بولے کہ مجھے ایک ایسا مرض ہے جس کی وجہ سے مین روئی دار کپڑا نہین پہن سکتا، یہ مرض کیا تھا؟ ان کا فقر و فاقہ، لیکن انھون نے اس کا اظہار صراحتہً اس لئے نہین کیا کہ وہ اپنے اندرونی حالات کو لوگون سے چھپاتے تھے[۴]،

ابو محمد القاسم بن فیرۃ المقری (المتوفی ۵۹۰ھ) سخت سے سخت امراض مین مبتلا ہوتے تھے لیکن نہ کراہتے تھے، نہ حرف شکایت ان کی زبان پر آتا تھا جب ان کا حال پوچھا جاتا تھا، تو بجز اس کے کہ

---

[۱] ابن خلکان جلد اول ص ۵۰۴ [۲] شقائق النعمانیہ برحاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۲۰۰ [۳] الجواہر المضیہ جلد ۲ ص ۶۶
[۴] ابن خلکان جلد اول ص ۴۹۶،

اچھا ہون" اور کچھ نہین کہتے تھے،[۱]

عبد اللہ بن داؤد وخر بی (المتوفی ۲۱۳ھ) اس قدر سچے تھے، کہ ان کا بیان ہے کہ مین بچپن مین صرف ایک بار جھوٹ بولا تھا، میرے باپ نے کہا کہ تم مکتب مین گئے تھے، مین نے کہا ہان حالانکہ مین مکتب مین نہین گیا تھا"[۲]

مولی حمید الدین بن افضل الدین (المتوفی ۹۰۸ھ) سلطان محمد خان کے زمانہ مین قاضی تھے، لیکن ان کے حلم کا یہ حال تھا، کہ ایک بار ایک عورت نے ایک مرد کے خلاف اُن کے اجلاس مین دعوی دائر کیا، انھون نے مرد کے حق مین فیصلہ کیا، تو عورت نے ان کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا لیکن انھون نے اس سے زیادہ اور کچھ نہین کہا کہ اپنی جان کو زحمت مین نہ ڈالو، خدا کا حکم بدل نہیں سکتا، اگر تمھارا یہ مقصد ہے، کہ مین تم پر غصہ کرون تو اس کی توقع نہ رکھو"[۳]

مولی محی الدین (المتوفی ۹۵۰ھ) اس قدر متواضع وخاکسار تھے، کہ بازار سے اپنا سودا خود خرید کر لاتے تھے، حالانکہ لوگ ان کی خدمت کے لئے تیار رہتے تھے، لیکن وہ محض تواضع وخاکساری سے اُن کی خدمات کو قبول نہین کرتے تھے،[۴]

حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت وپاکدامنی کا قصہ مشہور ہے لیکن علماے اسلام مین بھی بعض بزرگون نے اسی قسم کی عفت وپاکدامنی کی مثال قائم کی، سلیمان بن یسار مدنی (المتوفی ۱۰۷ھ) نہایت حسین وجمیل تھے، ایک بار ایک عورت اُن کے پاس آئی، اور ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن وہ گھر سے بھاگ گئے،[۵]

---

[۱] ابن خلکان جلد اول ص ۲۲۴ [۲] الجواہر المضیئۃ جلد اول ص ۲۷۵ [۳] شقائق النعمانیہ، برحاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۱۹۳-۱۹۴ [۴] شقائق النعمانیہ برحاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۴۷۵،

[۵] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۰،

حضرت سعید بن جبیر (المتوفی ۹۵ھ) اپنے پاس کسی کو غیبت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے[۱]

واقدی (المتوفی ۲۰۷ھ) اسلام کے ایک مشہور عالم ہیں، ان کا بیان ہے کہ میرے دو دوست تھے جن میں ایک ہاشمی تھا، ہم میں اس قدر اتحاد تھا کہ یک جان سہ قالب ہو گئے تھے، ایک بار میں سخت تنگدستی میں مبتلا ہو گیا، اسی حالت میں عید کا زمانہ آگیا، اور میری بی بی نے کہا کہ ہم لوگ تو خود صبر کر سکتے ہیں لیکن بچوں کی حالت دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے، کیونکہ وہ ہمسایوں کے بچوں کو دیکھیں گے کہ وہ عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں، اور وہ اس پھٹے حال میں ہیں، تو ان کا کیا حال ہوگا؟ اگر کسی حیلہ سے کچھ روپیہ پیدا کر سکتے تو میں ان کے لئے کپڑے بنوا دیتی، میں نے اپنے ہاشمی دوست کو لکھا، اور اعانت کی درخواست کی تو اس نے ایک مہر بند تھیلی جس میں ہزار درہم تھے بھیجدی، اسی حالت میں میرے دوسرے دوست نے مجھ کو ایک خط لکھا، اور وہی احتیاج ظاہر کی جس کا اظہار میں اپنے ہاشمی دوست سے کر چکا تھا، میں نے وہ مہر بند تھیلی اس کے پاس بھیج دی، اور خود مسجد میں چلا گیا، اور اسی میں رات بسر کی، کیونکہ مجھے بی بی کے پاس جاتے ہوئے شرم آتی تھی لیکن جب میں بی بی کے پاس گیا، تو اس نے میرے اس فعل کو پسند کیا، اور مجھ کو سرزنش نہیں کی، اسی حالت میں میرا ہاشمی دوست تھیلی کو اسی مہر بند حالت میں لے کر آیا، اور کہا کہ سچ سچ بتاؤ کہ تم نے میری بھیجی ہوئی تھیلی کیا کی؟ میں نے اصلی واقعہ بیان کر دیا، تو اس نے کہا کہ جب تم نے مجھ سے اعانت کی درخواست کی تو میرے پاس اس تھیلی کے سوا اور کچھ نہ تھا، اس لئے میں نے اپنے دوسرے دوست سے اعانت کی درخواست کی، تو اس نے میرے پاس خود میری ہی مہر بند تھیلی بھیجدی، غرض ہم نے پہلے اپنی بی بی کے لئے سو درہم نکال دیئے پھر اور رقم کو باہم تقسیم کر لیا، اس واقعہ کی اطلاع مامون کو ہوئی تو اس نے مجھے بلا کر واقعہ کو دریافت کیا اور ہم سب کو سات ہزار دینار دلوائے، جن میں دو دو ہزار ہمارے اور ایک ہزار میری بی بی کا حصہ تھا،

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۷۶، [۲] ابن خلکان جلد اول ص ۵۰۷،

امام ابو حنیفہؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) کے پڑوس مین ایک موچی رہتا تھا، وہ دن بھر تو کام کرتا تھا، شام کو اپنے گھر گوشت یا مچھلی لے کر آتا تھا، اور ان کو بھون کر کھاتا تھا، اور شراب پیتا تھا اور جب شراب کے نشے مین خوب چور ہو جاتا تھا، تو یہ شعر پڑھتا تھا،

اضاعونی وای فتی اضاعوا لیوم کریھۃ وسداد ثغر

لوگون نے مجھ کو ضائع کر دیا، اور کیسے بہادر کو ضائع کیا جو لڑائی مین ان کے کام آتا،

اسی طرح مستقل شراب پیتا جاتا تھا، اور بار بار یہی شعر پڑھتا تھا،

امام ابو حنیفہؒ رات کو نماز پڑھتے تو اس کا شور وشغب سنتے، ایک روز رات کو ان کے کان مین اس کی آواز نہین آئی، تو لوگون سے دریافت کیا، معلوم ہوا کہ اس کو پولیس گرفتار کر لے گئی اور وہ قیدخانے مین ہے، وہ دوسرے روز فجر کی نماز پڑھ کر امیر کی خدمت مین گئے، اور اس سے اوس کی رہائی کی درخواست کی، امیر نے اوس کو اور اس رات جتنے لوگ گرفتار ہوئے تھے، سب کو رہا کر دیا، اب امام ابو حنیفہؒ ملٹے تو موچی ساتھ ساتھ تھا، سواری سے اتر کر اس کے پاس گئے، اور پوچھا کہ کیا ہم نے تم کو ضائع کر دیا؟ بولا نہین آپ نے ہماری حفاظت کی اور حق ہمسائگی کا لحاظ رکھا، اس کے بعد اس نے شرابخواری سے توبہ کی، اور دوبارہ شراب نہین پی [1]،

امام شعبی (المتوفی ۱۰۵ھ) اپنے غلامون اور رشتہ دارون کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ اگر میرا کوئی قریبی عزیز مقروض مرجاتا تھا، تو مین اس کا قرض ادا کرتا تھا، اور مین نے اپنے کسی غلام کو کو کبھی نہین مارا [2]،

امام حسن بن زیاد (المتوفی ۲۰۴ھ) نہایت متبع سنت تھے، چونکہ حدیث مین آیا ہے کہ

---

[1] ابن خلکان جلد دوم ص ۱۶۴،

[2] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۷۰،

غلامون کو وہی کپڑا پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، اس لئے وہ اپنے غلامون کو بھی وہی کپڑا پہناتے تھے جو خود پہنتے تھے[1]

مولی شمس الدین محمد بن حمزہ نناری (المتوفی ۸۳۴ھ) نہایت دولت مند عالم تھے، ان کے پاس بہت سے لونڈی غلام تھے جن کو نہایت عمدہ کپڑے پہناتے تھے، لیکن خود معمولی درجہ کا کپڑا پہنتے تھے[2]

---

[1] الجواہر المضیہ جلد اول ص ۱۹۳ [2] تذکرۃ النعمانیہ برحاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۷۷

سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف

از

جناب مولوی مسعود حسن صاحب شمسی ایم۔ اے، کلکتہ

مولانا نورالدین عبدالرحمن جامی (۸۱۷ - ۸۹۸ھ) کی بعض مثنویوں اور خاص طور پر اُن کی سلسلۃ الذہب کے متعلق یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ کب تصنیف ہوئی، دولت شاہ، تحفۂ سامی، آتشکدۂ آذر، مجالس النفائس، مجمع الفصحا، اور دوسرے تذکرے اس ذکر سے خالی ہیں، خود مثنوی مذکور میں ایک جگہ تاریخ تصنیف ضرور درج ہے، مگر وہ مبہم اور غیر واضح ہونے کے علاوہ زیادہ سے زیادہ کتاب کے ایک خاص حصے کی تاریخ قرار دی جاسکتی ہے، دوسری طرف کتاب کے قلمی نسخوں سے خواہ وہ مولانا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہوں، یا دوسروں کے ہاتھ کے جو شہادتیں ملتی ہیں، وہ اس سلسلے میں اطمینان بخش فیصلہ کرنے کے لئے بالکل ناکافی ہیں، بہر حال اب تک جن ذرائع سے اس مسئلہ پر تھوڑی یا بہت روشنی پڑسکی ہے، وہ یہ ہیں :-

(۱) مولانا کا ایک شعر جس سے تاریخ تصنیف نکلتی ہے،

(۲) لینن گراڈ کا قلمی نسخہ (روسی مخطوطہ نمبر ۸۰)

(۳) پٹنہ لائبریری کا قلمی نسخہ (مخطوطہ نمبر ۱۰۵)

لے آتشکدہ میں صرف اس قدر ہے کہ دیوان غزلیات و رباعیات تمام کرد ہفت مثنوی بسلک نظم درآوردہ مشہور بسبعۃ الحق، طبع بمبئی ص ۳۷،

(۴) انڈیا آفس کا قلمی نسخہ　　　(دیکھئے مخطوطہ نمبر ۱۳۲۳)

(۱) شعر | سلسلۃ الذہب دفتر دوم کے خاتمہ پر آخری چند شعروں مین مولانا نے یہ معذرت پیش کی ہے کہ وہ زمانہ کی سرد مہریوں کی بنا پر اس دفتر کو دفتر اول کی طرح طول نہ دیسکے اور پھر انھوں نے ایک شعر مین ابجد کے قاعدے سے تاریخ تصنیف بتائی ہے، جو سنہ ۸۹۰ھ ہے۔ چنانچہ اسی شہادت کی بنا پر ڈن[۵۱] پروفیسر براؤن[۵۲]، پروفیسر محفوظ الحق[۵۳]، مولوی عبدالمقتدر[۵۴] اور دیگر مستشرقین اور محققین نے مثنوی کی تاریخ تصنیف ۸۹۰ھ قرار دی ہے،

مولینا فرماتے ہین :-

بود در دل چنان کہ این دفتر　　　نبود ز نصف اولین کمتر
لیک خامہ ز جنبش پیوست　　　چون بدین جا رسید سر بشکست
چرخ اگر باز بگذرد ز ستیز　　　سازدم کلک عزیمت تیز
دہم از سر ترا شش آن خامہ　　　برسانم بمقطع این نامہ
ورنہ آنرا کہ خاطر صافی ست　　　این قدر ہم کہ گفتہ شد کافی ست
داشت جہدی دبیر چرخ برین　　　در رقم کردن حروف سنین
چون رقومش بصاد و ضاد رسید[۵۵]　　　خامہ را حکم ایستاد رسید
ض = ۸۰۰ + ص = ۹۰ = ۸۹۰

---

۵۱ فہرست مخطوطات فارسی سینٹ پیٹرس برگ، ص ۵۰۴　۵۲ تاریخ ادبیات ایران جلد سوم ص ۵۱۶،
۵۳ اسلامک کلچر حیدرآباد ۱۹۲۶ء ص ۸۰۰، ۵۴ فہرست مخطوطات عربی و فارسی، پٹنہ لائبریری، جلد دوم ص ۳۴،
۵۵ مولانا کے یہاں اس طرح کی تاریخ گوئی کی اور مثالین بھی ملتی ہین، فاتحۃ الشباب کی تاریخ تصنیف ملاحظہ فرمائیے:
انگوہر سال نظم این عقد درر　　　بر روی صدف نہاد یکدانہ گہر
(صدف = ۸۸۴ھ)

ہم برین حرف این خجستہ کلام ختم شد والسلام والاکرام

(۲) لینن گراڈ کا نسخہ | مولانا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخون مین لینن گراڈ کا نسخہ اس لحاظ سے بہت قیمتی ہے، کہ اس مین سلسلۃ الذہب کے تینون دفتر موجود ہین، سب سے پہلے وہ ساتون مثنویان ہین جو ہفت اورنگ کے نام سے مشہور ہین، اوران مین سب سے پہلے سلسلۃ الذہب کو جگہ دی گئی ہے، اس کے بعد وہ تینون دیوان ہین جو فاتحۃ الشباب واسطۃ العقد اور خاتمۃ الحیوۃ کہلاتے ہین، اس نسخہ مین دفتر دوم کے خاتمہ پر مندرجہ ذیل تحریر ثبت ہے جس سے نہ صرف یقینی طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ نسخہ مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، بلکہ دفتر دوم کی تاریخ تصنیف پر بھی روشنی پڑتی ہے،

"اتمہ الکاتب ناظمہ وھو الفقیر عبد الرحمن الجامی عفی عنہ فی الحاوی عشر من ذی الحجۃ سنۃ ۸۹۰ھ"[۱]

(۳) پٹنہ لائبریری کا نسخہ | پٹنہ لائبریری کا یہ نسخہ لینن گراڈ کے نسخے کی طرح مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اس مین پہلے دفتر کے علاوہ جامی کی وہ غزلین بھی ملتی ہین، جو انھون نے پچاس سال کی عمر مین سلطان ابوسعید (المتوفی ۸۷۳ھ) کے لئے کہی تھین، اور جن کو بعد مین یعنی ۸۸۴ھ مین انھون نے اپنے پہلے دیوان فاتحۃ الشباب مین شامل کر لیا تھا، اس نسخہ پر گو سال کتابت درج نہین ہے، مگر سرورق پر مولانا کی مندرجہ ذیل تحریر ہے جس مین انھون نے اپنے منجھلے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کی تاریخ ولادت قلمبند کی ہے، جو ۹ شوال ۸۸۲ھ کو پیدا ہوئے تھے:-

"ولادت فرزندار جمند ضیاء الدین یوسف انبتہ اللہ تعالی نباتاً حسناً فی نصف الاخیرمن

---

[۱] فہرست مخطوطات فارسی سینٹ پیٹرس برگ ص ۹۵، ۲۱۵، اس نسخہ مین مثنویوں کے خاتمہ پر ایک عبارت تمّۃ فی ۲۷ من ذی الحجۃ ۸۹۰ھ پائی جاتی ہے، جسے عام طور پر نسخہ کا سنہ کتابت سمجھا جاتا ہے، مگر خاکسار کی ناچیز رائے مین یہ مثنوی خرد نامۂ سکندری کی تاریخ تصنیف ہے،

لیلة الاربعاء التاسع من شہر شوال سنة اثنین وثمانین وثمانمائة والکاتب ابوه الفقیر عبدالرحمن

ابن احمد الجامی"۔

اس عبارت کے علاوہ اسی صفحہ پر مولانا سری، مولانا نظام الدین بن مولانا شمس الدین خوافی اور مولانا صبوری کے چند اشعار بھی لکھے ہوئے ملتے ہیں، جن سے صاحبزادے کی پیدائش کی تاریخ نکلتی ہے،[۱] یہ سب تحریریں بلاشبہہ مولانا جامی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، کیونکہ اصل کتاب کی تحریریں اور ان میں بڑی مشابہت پائی جاتی ہے، اس کے علاوہ مولانا کے ہم زلف و ہم عصر مولانا فخر الدین علی بن الحسین الواعظ الکاشفی (المتوفی ۹۳۹ھ) مصنف رشحات عین الحیوٰة[۲] کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ تحریر ان کی نظر سے گذر چکی ہے، اور وہ بھی اسے مولانا ہی کی تحریر سمجھتے ہیں۔[۳]

۴۔ انڈیا آفس کا نسخہ | پٹنہ لائبریری کے نسخے کی طرح اس پر بھی تاریخ کتابت درج نہیں ہے اگر پہلے اور دوسرے دفتر کے اختتام پر دو عبارتیں ملتی ہیں، جو ایک ہی شخص کے ہاتھ کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں، اور چونکہ یہ اصل کتاب کی تحریر سے نہیں ملتیں، اور دوسرے ان کے لئے جگہ بھی نہیں چھوڑی گئی ہے، اس لئے معلوم ہوتا ہے، کہ غالباً بعد میں بڑھا دی گئی ہیں، پہلے دفتر کے آخر میں یہ عبارت ہے:

---

[۱] فہرست مخطوطات عربی و فارسی پٹنہ لائبریری جلد دوم ص ۷۱ - ۷۲ [۲] جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی گریٹ برٹین و آئر لینڈ کی تازہ اشاعت (۱۹۴۵ء جزسوم و چہارم) سے یہ اطلاع ملی کہ رشحات کا نیوہ (؟) میں چھپ گئی ہے، مگر اب تک میری نظر سے نہیں گذری ہے میں نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے تین قلمی نسخوں (نمبر پی ۲۵۲، پی ۲۵۳، پی ۲۵۴) سے استفادہ کیا ہے، ان میں پہلا نسخہ جس پر سنہ کتابت ۹۹۵ھ درج ہے سب سے قدیم ہے، اس لئے اس مقالہ میں حوالے اسی سے دیئے گئے ہیں [۳] رشحات قلمی نسخہ، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ورق ۱۱۱ ب نیز ملاحظہ فرمائیے پروفیسر محفوظ الحق کا مقالہ "جامی اور ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے" جو اسلامک کلچر حیدرآباد (۱۹۳۲ء، ص ۰۰۰-۰۰۰) میں شائع ہوا تھا، موصوف نے اس مقالہ کے ساتھ مولانا کی ان تحریروں کا فوٹو گراف بھی شائع کیا تھا۔

"چون سابقاً اشارت بتاریخ نظم این دفتر شدہ بود اینجا تاریخ نوشتہ نہ شد،

پیشتر زین ہشتصد و ہشتاد   بد عایشش رسول دست کشاد

دوسرے دفتر کے آخر میں یہ تحریر ہے :-

"از ہجرت نبوت ہشتصد و نود سال بود کہ این دفتر ختم شد[۵]"

دفتر دوم کی تاریخ ان چار شہادتون کو سامنے رکھ کر صرف اس قدر وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دفتر دوم کی تاریخ تصنیف ۸۹۰ھ ہے، اور دفتر اول اس سے بہت پہلے مکمل ہو چکا تھا، گو تاریخ کی تعیین مشکل ہے، ۸۹۰ھ کو دفتر اول کا سال تصنیف تصور کرنا بالکل مستبعد معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ایک طرف پٹنہ لائبریری کے نسخے پر مولانا کی ۸۸۲ھ کی تحریر یہ ثابت کرتی ہے، کہ دفتر اول ۸۸۲ھ میں موجود تھا، دوسری طرف انڈیا آفس کے دفتر اول پر جو تحریر ہے، اس کے سنہ کو تاریخ تصنیف تسلیم کیا جائے، یا تاریخ کتابت دونون صورتون مین یہ ماننا پڑے گا، کہ دفتر اول ۸۸۰ھ مین یا اس سے پہلے تمام ہو چکا تھا، چنانچہ اسی شہادت کی بنا پر ایتھے نے فہرست مخطوطات فارسی بوڈلین لائبریری مین اکثر مستشرقین اور اہل علم کے خلاف سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف ۸۹۰ھ، ۸۸۰ھ لکھی ہے[۲]، ۸۹۰ھ کو دفتر دوم کے علاوہ دفتر اول کی تاریخ قرار دینے مین سب سے بڑی وقت مولانا کے سفر حج کے اس واقعہ سے پیدا ہوتی ہے، جو انھیں بغداد مین پیش آیا، مولانا کا یہ سفر بالاتفاق ۸۷۷ھ مین ہوا، اور مولانا کاشفی نے رشحات مین جو ۹۰۹ھ مین یعنی مولانا جامی کی وفات کے کل دس[۳] سال

---

[۱] فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس لائبریری جلد اول کالم ۵۶۷ مطبوعہ ۱۹۰۳ء، نیز مقالہ جامی کے سلسلۃ الذہب کی تاریخ از مسٹر دبرسٹن جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی گریٹ برٹین وائرلینڈ ۱۹۲۵ء حصہ سوم وچہارم ص ۱۶۶ [۲] جلد دوم کالم ۱۵۶۹ مطبوعہ ۱۹۳۰ء [۳] مسٹر دبرسٹن نے رشحات کی تاریخ تصنیف ۹۱۹ء بتائی ہے، اور اس حساب سے یہ مدت بیس سال

بعد لکھی گئی، یہ تصریح کی ہے، کہ جامی کے جو اشعار ان پر حضرت علیؓ کی توہین کا الزام قائم کرنے کے لئے پیش کئے گئے تھے، وہ سلسلۃ الذہب کے دفتر اول سے لئے گئے تھے[۵۱] اس لئے ظاہر ہے کہ دفتر اول اس واقعہ سے پہلے مکمل ہو چکا تھا،

اب اس سلسلہ کی ایک اور شہادت سامنے رکھئے،

مسٹر روبرٹسن کا نسخہ سلسلۃ الذہب دفتر اول کے ایک خطی نسخے مین جو پہلے ایڈورڈ ہیرن ایلن کی ملک تھا، اور اب مشہور روسی مستشرق پروفیسر منیورسکی کے شاگرد مسٹر ڈی، ایس، روبرٹسن کے پاس محفوظ ہے، کتاب کے خاتمے پر مولانا جامی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک عبارت پائی جاتی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دفتر اول یکم ذی قعدہ ۸۷۶ھ کو مکمل ہوا عبارت کی نقل یہ ہے :-

"فرغ الناظم عفا اللہ عنہ من نظم ھذا الکتاب بعد صلوۃ یوم الجمعۃ غرۃ ذی القعدۃ سنۃ ست وسبعین وثمانمائۃ تمام شد کتابۂ ششم ذی الحجۃ اربع وثمانین وثمانمائۃ۔[۵۲]

دفتر اول کی تاریخ مسٹر روبرٹسن کے نسخہ پر جو عبارت درج ہے اس کی پیروی کرتے ہوئے اگر دفتر اول کی تاریخ تصنیف ۸۷۶ھ مان لی جائے، تو ایک طرف کسی اہم دشواری کا سامنا نہین کرنا پڑتا ہے، اور دوسری طرف متعدد شہادتوں کی تائید ہو جاتی ہے۔ سلطان حسین بن بیقرا، کی طرف

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱) قرار دی ہے، (جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹین وآئرلینڈ ۱۹۴۵ء جزء سوم و چہارم ص ۶۶، حالانکہ یہ غلط ہے، رشحات ۹۰۵ھ مین لکھی گئی، (براؤن، تاریخ ادبیات ایران جلد سوم، ص ۴۴۴) خود "رشحات" سے یہی تاریخ نکلتی ہے [۵۱] ورق ۱۰۰، ب،

[۵۲] جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی گریٹ برٹین وآئرلینڈ ۱۹۴۵ء، جزء سوم و چہارم ص ۶۲ - ۱۶۵ "مقالہ جامی کے سلسلۃ الذہب کی تاریخ از مسٹر روبرٹسن، فاضل مقالہ نگار نے اس اہم عبارت کا عکس بھی اس مقالہ کے ساتھ شائع کیا ہے،

دفتر اول کا انتساب جیسا کہ تذکرون مین بیان کیا جاتا ہے بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے، کیونکہ اس کا عہد حکومت ۸۷۲ھ سے ہو کر ۹۱۱ھ مین ختم ہوتا ہے۔ انڈیا آفس کے دفتر اول پر ۸۸۰ھ کی تاریخ بظاہر متعارض معلوم ہوتی ہے لیکن اول تو اس عبارت کا مفہوم سمجھ مین نہین آتا ہے، اور پھر یہ پتہ نہین چلتا، کہ اس کا لکھنے والا کون ہے، اس لئے وہ زیادہ سے زیادہ سال کتابت قرار دی جاسکتی ہے، نیز صرف ایک بات ذرا بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے، اور وہ دفتر اول اور دفتر ثانی کی تکمیل کے درمیان ۱۴ سال کا طویل وقفہ ہے، افسوس ہے کہ ۸۷۶ھ اور ۸۹۰ھ کے درمیان مولانا کی زندگی کے تفصیلی حالات تذکرون مین نہین ملتے، مگر اس قدر مسلّم ہے کہ وہ ۱۶ ربیع الاول ۸۷۷ھ کو یعنی دفتر اول کے انجام پانے کے صرف ۲½ ماہ بعد حج کے لئے روانہ ہوئے، اور ۱۸ شعبان ۸۷۸ھ کو اپنے وطن ہرات واپس آئے،[۵۱] اس لئے قرینہ یہ ہے کہ اس عرصہ مین سلسلۃ الذہب کا کام ضرور موقوف رہا ہوگا، پھر مولانا کی تصانیف کی تاریخون پر نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلتا ہے، کہ انھون نے ۱۴ سال کی اس مدت مین سلسلۃ الذہب کے علاوہ ایک درجن کتابین جن مین ہفت اورنگ کی اور مثنویان بھی شامل ہین لکھین[۵۲] اس لئے کیا عجب ہے کہ دفتر اول کی تکمیل کے بعد وہ دوسری کتابون کی طرف متوجہ ہو گئے اور دفتر ثانی کی ترتیب ایک عرصہ تک معرض التوا مین رہی،

---

۵۱ رشحات عین الحیوۃ ورق ۱۰۳ ب ۵۲ مین یہ نہین کہتا کہ تصنیف و تالیف کا کام یک قلم موقوف رہا، کیونکہ مناسک حج کے متعلق یہ تصریح موجود ہے، کہ مولانا نے اسے اسی سفر مین لکھا (فہرست کتب خانہ بانکی پور جلد دوم ص ۵۲) مین صرف یہ کہنا چاہتا ہون کہ سفر کی حالت مین سلسلۃ الذہب یا اس طرح کے اور کام جو چندان ضروری نہ تھے، قرین قیاس نہین معلوم ہوتے ۵۳ ان کتابون کے نام اور تاریخہائے تصنیف یہ ہین، مناسک حج (۸۷۷ھ) نفحات الانس (۸۸۳ھ) سلامان و ابسال (۸۸۳ھ) فاتحۃ الشباب (۸۸۴ھ) شواہد النبوۃ (۸۸۵ھ) اشعۃ اللمعات (۸۸۶ھ) تحفۃ الاحرار (۸۸۶ھ) ترجمہ اربعین حدیث (۸۸۶ھ) سبحۃ الابرار (۸۸۶ھ)

تائیدی شہادتوں میں سب سے اہم سفرِ حج کا واقعہ ہے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، ۸۷۷ھ میں دفترِ اول کے اشعار کا الزام کے طور پر پیش کیا جانا، اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ اس کی تاریخ تصنیف اس تاریخ سے پہلے مانی جائے، دوسری سند جو اپنی جگہ پر حد درجہ اہم ہے، وہ مثنویوں کی ترتیب ہے جو خود مولانا کی قائم کی ہوئی ہے، اور جس میں سلسلۃ الذہب کو پہلے جگہ دی گئی ہے۔ ہفت اورنگ کا ذکر جس جگہ بھی آتا ہے اور اس کے مجموعے جس قدر بھی ملتے ہیں، ان میں یہ ترتیب بدلنے نہیں پاتی ہے[۵۲]،

اگرچہ مولانا نے کسی جگہ یہ ظاہر نہیں کیا ہے، کہ انھوں نے ان مثنویوں کو کن اصول پر مرتب کیا ہے لیکن ان کی ترتیب اور ان کی تاریخہائے تصنیف پر غور کیا جائے، تو ماننا پڑے گا کہ یہ تقدم تاخر صرف تاریخ تصنیف کے لحاظ سے ہے، ملاحظہ فرمائیے،

(سال تصنیف)	(مثنوی)
؟	۱- سلسلۃ الذہب
۸۸۳ھ	۲- سلامان وابسال
۸۸۶ھ	۳- تحفۃ الاحرار

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳) یوسف زلیخا (۸۸۸ھ) لیلی مجنون (۸۸۹ھ) خردنامہ سکندری (۸۹۰ھ) یہاں یہ کہدینا نامناسب نہ ہوگا کہ مولانا جامی کی متعدد تصانیف کے متعلق اب تک یہ تحقیق نہیں ہو سکی ہے، کہ وہ کب لکھی گئیں، اس لئے کیا عجب ہے کہ مذکورۂ بالا کتابوں کے علاوہ اور کتابیں بھی اس مدت میں لکھی گئی ہوں،

۵۱؎ ملاحظہ فرمائیے ہفت اورنگ کا دیباچہ (فہرست مخطوطات فارسی سینٹ پیٹرس برگ ص ۱۸-۲۱۶) نیز صاحب آتشکدہ کا بیان "واسامی کتب سبعہ بدیں موجب است، سلسلۃ الذہب، سلامان وابسال، تحفۃ الاحرار، سبحۃ الابرار، یوسف زلیخا، لیلی مجنون، خردنامۂ سکندری" ص ۴۷۳،

۵۲؎ اب تک مجھے صرف ایک نسخہ کا پتہ چل سکا ہے جس میں مثنویوں کی ترتیب بدلی ہوئی ہے، اور وہ برٹش میوزیم میں ہے، فہرست مخطوطات فارسی جلد دوم ص ۶۴۴-۶۴۵،

(۴) سبحۃ الابرار   سنہ ۸۸۶ھ[1]

(۵) یوسف زلیخا   سنہ ۸۸۸ھ

(۶) لیلی مجنون   سنہ ۸۸۹ھ

(۷) خرد نامۂ سکندری   سنہ ۸۸۹ھ[2]

اس فہرست میں دوسری مثنوی سلامان وابسال ہے، جو سنہ ۸۸۳ھ میں لکھی گئی، اس لئے قائم کردہ اصول کے مطابق سلسلۃ الذہب صرف اسی صورت میں پہلی جگہ حاصل کرسکتی ہے کہ کم از کم اس کا کچھ حصہ اس تاریخ سے پہلے لکھا جا چکا ہو، پٹنہ لائبریری کے دفتر اول کے ساتھ ان اشعار کا پایا جانا جو سنہ ۸۶۸ھ میں لکھے گئے تھے، مزید تائید کا باعث ہے، یکم ذی قعدہ سنہ ۸۶۸ھ مطابق ۱۰ اپریل سنہ ۱۴۶۴ء کو پروفیسر مینورسکی کی تحقیق کے رو سے واقعی جمعہ کا دن تھا[3] اس لئے تاریخ اور دن کی عدم مطابقت کا عذر پیش کرکے بھی اس کی صحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے،

دفتر سوم کی تاریخ | تیسرے دفتر کی تاریخ تصنیف ہی دراصل مثنوی کی تاریخ تصنیف ہے، مگر افسوس ہے، کہ پانچ چھ ماہ کی مسلسل چھان بین کے باوجود مجھے اب تک کوئی چیز ایسی نہیں مل سکی ہے جس سے اس

---

[1] تعجب ہے کہ سبحۃ الابرار کی تاریخ تصنیف اکثر کتابوں میں نہیں ملتی حالانکہ خود مثنوی میں اس کا ذکر موجود ہے مولانا نے مثنوی کے خاتمہ پر اپنے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کے لئے چند نصیحتیں لکھی ہیں، اور تصریح کی ہے کہ اس وقت صاحبزادے کی عمر پانچ سال تھی،

سال تو پنج و درین دیر سپنج   از دہ پنجاہ فزون باد این پنج

صاحبزادے کا سنہ ولادت سنہ ۸۸۲ھ ہے، اس حساب سے سبحۃ الابرار سنہ ۸۸۶ھ میں ختم ہوئی،

[2] فہرست مخطوطات فارسی سینٹ پیٹرس برگ ص ۲۵۰، اور تاریخیں براؤن کی تاریخ ادبیات ایران اور فہرست کتب خانہ بانکی پور سے لی گئی ہیں [3] جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۱۹۰۶،

دفتر کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جا سکے، اوپر کی شہادتین اس مسئلہ مین ہماری مشکل کشائی کرنے سے بالکل قاصر ہین، دوسری طرف جہانتک مین تحقیق کرسکا ہون، سلسلۃ الذہب کا کوئی نسخہ جس مین دفتر سوم بھی موجود ہو، سنہ ۹۰۰ھ سے پہلے کا نہین ملتا ہے[۵۱] البتہ رقعاتِ جامی مین مولانا کا ایک خط سلطان روم بایزید ثانی (سنہ ۸۸۶ھ تا سنہ ۹۱۸ھ) کے نام موجود ہے[۵۲] جس کی طرف یہ دفتر منسوب ہے، اور جس کا تذکرہ دفتر کی ابتدا اور خاتمہ دونون جگہون مین درج ہے، یہ مختصر تحریر ہفت اورنگ کے ایک نسخے کی پشت پر لکھی ہوئی پائی گئی تھی، جسے مولانا نے سلطان مذکور کے پاس تحفۃً بھیجا تھا، ہرچند اس مین یہ تصریح موجود نہین ہے، کہ اس نسخہ مین سلسلۃ الذہب کے تینون دفتر تھے، مگر چونکہ مولینا نے اس کا کوئی ذکر نہین کیا ہے، اس لئے قرینہ ہے کہ مثنویان سب کی سب مکمل تھین، مگر افسوس ہے کہ اس خط پر جو تاریخ درج ہے یعنی جمادی الثانی سنہ ۸۹۰ھ وہ بہت بعد کی ہے، اس لئے اس سے بھی کوئی مدد نہین ملتی ہے، ایک آخری شہادت جو اس سلسلہ مین پیش کی جاسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ خاتمۃ الحیٰوۃ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے مولانا کی آخری تصنیف ہے، اور یہ سنہ ۸۹۶ھ مین مرتب ہوئی، اس لئے دفتر سوم سنہ ۸۹۰ھ اور سنہ ۸۹۶ھ کے درمیان تصنیف ہوا ہوگا، مگر سلسلۃ الذہب جیسی مثنوی کا اس قدر اخیر زندگی مین انجام پانا، اور دفتر دوم اور سوم کے درمیان کئی سال کا وقفہ تاوقتیکہ کوئی قطعی شہادت تائید مین نہ مل جائے، قابلِ قبول نہین معلوم ہوتا ہی، تعجب ہے کہ ایک طرف شہادتون کا یہ عالم ہے، کہ کوئی شہادت دفتر سوم کا وجود سنہ ۸۹۶ھ یا سنہ ۹۰۰ھ سے پہلے ثابت نہین کرتی ہے، اور دوسری طرف ہمارے محققین سنہ ۸۹۰ھ کو بالاتفاق

---

[۵۱] دفتر سوم کے سب سے قدیم نسخے برٹش میوزیم (ضمیمہ فہرست مخطوطات فارسی ص ۱۸۹، نمبر ۲۰۹) اور بانکی پور لائبریری (فہرست مخطوطات فارسی و عربی ص ۲۸ و نمبر ۱۰۲) مین ہین، برٹش میوزیم کے نسخہ کا سنہ کتابت ربیع الاول سنہ ۹۰۰ھ، جمادی الاول سنہ ۹۰۰ھ ہے، اور بانکی پور کا سنہ ۹۰۰ھ [۵۲] رقعات جامی مطبع قدوسی کلکتہ سنہ ۱۲۷۰ھ ص ۱۴۹، ایضاً قلمی نسخہ کتب خانہ مدرسۂ عالیہ کلکتہ نمبر ۲۶ ص ندارد،

سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف قرار دیتے ہین،

خاتمہ | آخر مین قارئین کرام سے اس قدر گذارش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ مندرجۂ بالا سطرون مین نقلی اور عقلی دلیلون سے استناد کرکے جو کچھ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، وہ سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف کے متعلق آخری قطعی اور ناقابل ترمیم فیصلہ نہین ہے، سچ پوچھئے تو راقم الحروف خود اس فیصلے سے مطمئن نہین ہے، خصوصاً دفتر سوم کے سلسلے مین اس کی تحقیق بالکل ناکافی اور مزید تلاش و جستجو کی محتاج ہے، مگر اب تک اس سلسلے مین جو ذرائع معلومات دستیاب ہوئے ہین، ان کی روشنی مین اور جامی کی زندگی کے بعض دوسرے واقعات کو سامنے رکھکر پہلے دو دفترون کی تصنیف کی وہی تاریخین متعین کی جاسکتی ہین، جو اوپر بیان کی گئیں اور تیسرے دفتر یا یون کہئے کہ پوری مثنوی کی تاریخ تصنیف جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، بالکل مشتبہ اور غیر متعین رہجاتی ہے،

ضمیمہ | راقم الحروف اس مقالہ کی آخری سطرون پر نظر ثانی کر رہا تھا کہ جامی پر ایک نئی کتاب جو دو ڈھائی سال ہوئے ایران سے شائع ہوئی تھی پہلی مرتبہ اس کی نگاہ سے گذری، یہ جامی کے حالات زندگی اور ان کی شاعری پر ایک سیر حاصل تبصرہ ہے، اور کم و بیش ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، پروفیسر علی اصغر حکمت جنھون نے گذشتہ سال میر علی شیر نوائی کی مجالس النفائس کا فارسی ترجمہ بڑے اہتمام سے ایڈٹ کیا، اس کے مصنف ہین، انھون نے اس کتاب مین سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف سے بھی بحث کی ہے مگر افسوس ہو کہ دفتر سوم کی تاریخ تصنیف کے متعلق وہ بھی یہ کہکر خاموش ہوجاتے ہین، کہ

"تاریخ انجام این مثنوی تصریح نشدہ و لے از آنجا کہ دفتر دوم را در ۸۹۰ بپایان رساندہ بقاعدہ می بایست نظم این دفتر بعد از تاریخ مذکورہ بپایان آمدہ باشد۔۔۔"

(جامی ص ۱۸۹)

سرمد اور اس کی رباعیان

از

مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

(۳)

شراب معرفت اہل ہوس کے نزدیک شراب و ساقی، جام و سبو، شیشہ و صراحی و بادہ نوشی وغیرہ کا جو مفہوم ہے، اور اس سے رندی و ہوسناکی کے جو خیالات پیدا ہوتے ہین، تصوف کی اصطلاح مین اس کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہے، اہل ہوس کے نزدیک پیر مغان یا ساقی بادہ فروش اور شراب پلانے والے کو کہتے ہین، مگر تصوف کی زبان مین اس سے مراد مرشد کامل ہے، ہمارے نزدیک جام ایک مادی شے کا نام ہے، مگر صوفیہ کے نزدیک یہ ایک لطیفہ روحانی ہے، جس مین نور الٰہی کا ظہور ہوتا ہے،

اسی طریقہ سے شراب اور اس کے لوازم مثلاً میکدہ، جام، سبو، صراحی، شیشہ، درد، صاف وغیرہ کی صوفیانہ تعبیرین بالکل مختلف ہین، اہل دل کی شراب بھٹی والی شراب نہین، بلکہ وہ مطلوب حقیقی کا بادۂ محبت ہے، اسی مناسبت سے اس کے دوسرے لوازم بھی عرفان و محبت کے مختلف مدارج ہین،

حافظ کی طرح سرمد نے بھی محبت الٰہی کو شراب اور اس کی کیفیات اور واردات کو اس کے لوازم سے تعبیر کیا ہے، اب اس کی مختلف مثالین ملاحظہ ہون،

زاہد بہ نصیحتم تو بسیار مکوش   از آتش عشق اوست این دیگ بجوش

ہشیار شو و ببین کہ خمخانۂ دل   از بادۂ کیست در جوش و خروش

اسرار مے و جام بکس روشن نیست — این راز بہر مردہ دلے گفتن نیست
زاہد بخدا کہ از خدا بیخبری — سررشتۂ این بدست ہر کودن نیست

جز بادۂ شوق دوست عشرت نبود — بے درد کسے نشۂ وحدت نبود
میخانۂ عالم کہ پر از درد سر است — خالی ز خمار و رنج و محنت نبود

ہر کس بخیال او ہم آغوش بود — دیوانہ نماید ہمہ سرہوش بود
کیفیت این نشہ بکس ظاہر نیست — این بادہ نہان ہمیشہ در جوش بود

زاہد تو بخور بادہ کہ بسیار نکوست — از خرقۂ کشتی خمار صد فتنہ در وست
بے شبہہ حلال است بگوئی تو حرام — کیفیت این ہر کہ بیابد ہمہ اوست

ہر کس کہ زمے توبہ کند نادان است — انسان نتوان گفت بگو حیوان است
این سلسلہ جنبان غم جانان نیست — ہم آتش افسردہ و دل دامان ست

تصوف کے تمام اہم مقامات، مثلاً مشاہدہ، فکر، حیرت، بقا، فنا، الفنا، جہد، توکل وغیرہ سب سرمد کی رباعیون مین موجود ہین، ان کے علاوہ قرآن و حدیث کے مفہوم کو بھی بکثرت اپنی رباعیون مین ادا کیا ہے، اور اس طرح کہ بالکل نئی بات معلوم ہونے لگتی ہے،

چند مثالین ملاحظہ ہون :-

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ

کردی تو علم بدلربائی خود را — ہم در فن و مہر و آشنائی خود را
این دیدہ کہ بیناست تماشائی تست — ہر لحظہ بصد رنگ نمائی خود را

تنہا نہ ہمین جان و دل ایمانی — انجا کہ تو ہر لحظہ بچندین آنی
بیرون ز تصور و خیالت دیدم — آن چیز کہ در فہم نیاید آنی

ما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك

شد بر تن من عرق گنہ ہر سر مو | از من ہمہ زشتی ست و نیکی ز تو

الست بربکم؟ قالوا بلیٰ!

از بہر خدا بہ یاد، دل شاد بکن | ہر وعدۂ کہ کردۂ ہمہ یاد بکن
انصاف عزیز است فراموش مکن | از دام ہمہ بخویش آزاد بکن

کل نفس ذائقة الموت

این ما تکونوا یدرککم الموت

بنگر عزیزان ہمہ در خاک شدند | در صید گہ فنا بفتراک شدند
آخر ہمہ را خاک نشین باید شد | گیرم! بر رفعت ہمہ افلاک شدند

نحن اقرب الیہ من حبل الورید

یارے بگزین کہ بیوفائی نہ کند | دل خستہ ترا در آشنائی نہ کند
پیوستہ در آغوش کنارت گردد | ہرگز ز تو یک گام جدائی نکند

ربنا وسعت کل شئ رحمة وعلما

سبقت رحمتی علی غضبی

عمریکہ شدست صرف در لہو لعب | بے پرسش اگر عفو کند نیست عجب
کے زشتی افعال در آرد بنظر | آنرا کہ کرم بود فزون تر ز غضب

از معصیتم بیش بود فضل ترا | ہر لحظہ بخود حساب دارم ہمہ جا
ہر چند کہ سرتا بقدم عصیانم | از بخشش تو نیست فزون جرم مرا

الایمان بین الرجاء والخوف

ہر چند کہ از جرم فزون احسان است — دل در غم و اندیشۂ این حیران است
اما چہ بود تامل کارے کہ نہ شد — در خوف و رجا دیدۂ من گریان است

ہر چند کہ عصیان مرا می داند — بر خوان کرم ہر نفسے می خواند
در خوف و رجا بسے تامل کردم — بیش از ہمہ مائل بکرم می ماند

اِتَّهِمُوا انفسکم | دوسروں کے نہیں بلکہ اپنے عیب و ہنر پیش نظر رکھنا چاہیے،

ہرگاہ بہ بینی ز کسے عیب و ہنر — عیب و ہنر خویش در آر و بنظر
این ست ہنر بہتر ازین نیست دگر — خود را بنگر بعیب مردم منگر

انا عند المنکسرۃ قلوبھم | میں خستہ دلوں کے پاس ہوں، (حدیث قدسی)

ہر چند کہ کم لطف و دل آزار توئی — بیش از ہمہ غمخوار و وفادار توئی
در عالم امتحان چو گشتم دیدم — ہر جا کہ بود خستہ دلے یار توئی

دنیا کی بے ثباتی | دنیا کی بے ثباتی، ناپائداری، اور اس کے آرام و آسایش کی بے بضاعتی اور یہ کہ انسان کو دنیا سے کتنا تعلق رکھنا چاہیئے اور اس سے زیادہ تعلق رکھنے میں کیا نقصانات ہیں، ان تمام چیزوں کو سرمد نے نہایت ہی موثر انداز میں بیان کیا ہے،

دنیا ہمگی اگر بہ کام تو بود — وین سکۂ زر ہمہ بنام تو بود
آخر ز جہان بے بقا باید رفت — گر قیصر و فغفور غلام تو بود

بر روے زمین اگر بمانی دو سہ دم — مینائے فلک گر دہدت ساغر جم
زنہار مکن قبول و دل خوش نہ بری — بسیار خمار دارد این نشۂ کم

پابند مشو بہ رنج دنیا گفتم — دلشاد مکن بکوہ و صحرا گفتم
عالم ہمہ پابند سراب ست ببین — اے جوش حباب و موج دریا گفتم

بایدنہ کشی ز خلق منت، گفتم
گر صاحبِ فطرتی و ہمت گفتم
این ست خیال خام ہرگز نہ کشی
بر پردۂ عنکبوت صورت گفتم

دنیا بہ کسے روست فراغت ننمود
سوداست چنین خیال بیہودہ چہ سود
امروز چنین ہست سوے دامن تو
تا بود چنین بود چنین خواہد بود

سرمد دنیا کے تعلقات، وابستگی، اور اس کی محبت سے اسی وقت منع کرتا ہے، جب دنیا کی محبت دین پر غالب آجائے، اور مخلوق کو خالق سے غافل کر دے، مگر اعتدال کے ساتھ تعلق کی وہ اجازت دیتا ہے، اور شرع کا منشا بھی یہی ہے،

ہر کس بخیال اوست حالش خوب است
ہم اول کار و ہم مآلش خوب ست
بسیار مبند دل بدنیا، گفتم
ہر چند کہ ہست اعتدالش خوب ست

اس کے نزدیک اگر صرف دنیا ہی کی زندگی پیشِ نظر ہو، اور مآلِ کار کی کوئی فکر نہ ہو، تو انسان اور حیوان مین کوئی فرق نہین ہے،

فارغ زہوا و حرص یکدم نشدی
از فکر مآل کار واز غم نشدی
ہرگاہ خرے کہ ہست در فکر وجود
کمتر تو ز سگ شدی و آدم نشدی

اہلِ دنیا کا حال | اہلِ دنیا کی حالت اور ان کے عیوب پر ایک عام خطاب مین اس طرح توجہ دلائی ہی

چندان دلِ نادان نعم سیم و زر ست
کو وقت نماز ہم بفکر دگر است
در وہم خیال این و آن بیشتر است
از فکر مآل کار خود بے خبر است

این مردم دنیا کہ گرفتار غم اند
دیوانہ بسے دیدم و ہشیار کم اند
از بہر دو روزہ غم از شامتِ نفس
از حرص و ہوا اسیر و بدخواہم اند

مال کی محبت آپس کی کشمکش اور بے مروتی،

ابنای زمانہ یکدگر دل تنگ اند پیوستہ بخود چو مختلف آہنگ اند
قانون وفا و مہر برداشتہ اند دائم بمقام آشتی در جنگ اند

این مردم دنیا ز خدا بے خبر اند ہر شام و سحر در طلب سیم وزر اند
از پہلوے ہم دگر جگر ریش تر اند ہر چند کہ چون باد صبا در گذر اند

برون کی کثرت اور نیکون کی قلت،

این مردم دنیا ہمہ بدخواہ ہم اند یاران نکو کار چہ بسیار کم اند
خوش وقتی دل بہ بوالہوس بسیار است آنہا کہ عزیز اند گرفتار غم اند

انسان عالم صغیر ہے، وہ عالم کی ہر چیز کا آئینہ ہے' اسے چاہئے کہ اپنے دریاے دل کی غواصی کرے

دریاست دلت گر تو شناور بشوی غواص محیط ہفت کشور بشوی
در بحر وجود تست موجود ہمہ طوفان بکنی و خواہ لنگر بشوی

ریا کار زاہدون کی پردہ دری

کھلے ہوئے عیوب اور برائیون پر سب کی نظر پڑتی ہے، لیکن دقیق مخفی اور سربستہ عیوب تک ہر شخص کی نگاہ نہین پہنچ سکتی، کھلی ہوئی برائیون کے شکار زیادہ تر عوام ہوتے ہین مگر پیشہ ور زاہدون اور واعظون کی برائیان زیادہ تر مخفی ہوتی ہین، ان برائیون کی شناخت کے لئے نظرت کی نکتہ شناسی ضروری ہے،

علما مین امام غزالی نے اور شعرا مین خیام و حافظ نے ایسے ریا کارون کی پوری پردہ دری کی ہے سرمد نے بھی اس گروہ کے اسرار درون پردہ فاش کئے ہین، اور اگلون کی طرح اسے بھی اس کے بدلہ مین بہت کچھ سہنا پڑا ہے، بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اس کے قتل کے اسباب مین ایک سبب یہ بھی تھا، پیشہ ور زہاد اور واعظین کا ایک بڑا عیب ریا ہے، سرمد کہتا ہے،

زاہد تو چہ لذت ز ریا یافتہ صد خرقہ پشمینہ بہم تافتہ

از رشتۂ تسبیح کہ باریک زہ وست محکم رسنے برائے خود بافتۂ

مطلب یہ ہے کہ زاہد جو تونے یہ ریائی خرقہ پہن رکھا ہے، اور باریک رشتہ کی تسبیح لے کر جو سبحہ گردانی مین مصروف ہے، اس مین تجھے کیا لذت مل رہی ہے، یہ پشمینہ پوشی دینی احساس اور سبحہ گردانی اخفاء حال کی وجہ سے ہوتی تو یقیناً لذت کی بات ہے، مگر تونے تو اُسے لوگون کے پھنسانے کا ایک غیر مرئی جال بنایا ہے،

ایک دوسرے موقع پر کہتا ہے،

در کوے مغان موسم گل منزل کن خود را بہ درِ جنون بزن غافل کن

این خرقۂ پشمینہ کہ بارست و وبال از دوش بنہ فراغتے حاصل کن

این خرقۂ پشمینہ کہ زنار در وست مکرست و ریا، فتنۂ بسیار در وست

بر دوش مکش دست بکش تا نہ کشی این بار ندامت کہ صد آزار در وست

اس کو ریاکار زاہد کی ہر بات بُری معلوم ہوتی ہے، اس لئے اس کی نصیحت کا بھی اس پر اثر نہین ہوتا، اور وہ ان سے کہتا ہے کہ یہ نصیحتین اس شخص کو کرو جو تمھارے ریا سے واقف نہ ہو،

آن کیست؟ کہ او ز ہر ریا نشناسد در مکر و دغا خدا چو ما نشناسد

گفتی مخور بادہ چو من زاہد شو این را بہ کسے گو کہ ترا نشناسد

اکثر علم و زہد کے مسند نشینون مین عوام کی عقیدت مندی کی وجہ سے عُجب و غرور پیدا ہو جاتا ہے، وہ اس کی طرف اشارہ کرتا ہے،

اے زاہد خود فروش ہرگز مغرور باید نشوی کہ تا نگردی رنجور

گویند ترا زاہد و ہستی فاسق "برعکس نہند نام زنگی کافور"

وہ زاہد ریاکار کو کبھی سمجھاتا ہے، کہ مین جس حال مین ہون، اس حالت کی تجھے خبر نہین، اگر تیری نظر مین کوئی بات کھٹکتی ہے، تو تو مجھے اپنے حال پر چھوڑ دے، مین تجھ سے ان اسرار کو نہین کہہ سکتا کہ وہ تجھ جیسے

مردہ دل، غافل از خدا سے کہنے کے نہیں ہیں،

الفت بہ غمِ یار گرفتست دلم — بر دوش گرانبار گرفتست دلم
زاہد بہ نصیحتم تو بسیار مکوش — در پیش دگر کار گرفتست دلم
اسرارِ مئے و جام بکس گفتنی نیست — این راز بہر مردہ دلے گفتن نیست

اخلاق | سرمد کی رباعیوں میں اخلاقی تعلیمات کا حصہ بھی کافی ہے، مگر زیادہ تر شخصی اخلاق کی تعلیم ہے اجتماعی اخلاق پر مشکل سے دوچار رباعیاں ملیں گی، اور اس میں سرمد کا کوئی قصور نہیں، شخصی حکومت میں اجتماعی اخلاق و نصائح کی اہمیت ہمیشہ کم رہی ہے، ہندوستان میں حالی و اکبر سے پہلے اجتماعی اخلاق کی تعلیم مشکل ہی سے کسی شاعر کے کلام میں ملے گی، پھر سرمد ایک صوفی شاعر تھا، اور صوفیہ شخصی اخلاق اور اس کی اصلاح کو اجتماعی اخلاق کے مقابلہ میں زیادہ ضروری سمجھتے اور اسی پر زور دیتے ہیں، گو اسی شخصی حکومت کے دور میں بھی بعض مجددین ملت، مثلاً حضرت مجدد الف ثانیؒ، سید احمد بریلویؒ شاہ ولی اللہ دہلویؒ ایسے گذرے ہیں جن کے پیش نظر شخصی اخلاق کی اصلاح کے ساتھ اجتماعی اخلاق کی اصلاح بھی رہی ہے، موجودہ دور میں مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کی تحریک کا مقصد بھی یہی ہے، مگر یہ رنگ اس صدی سے پہلے اتنا عام نہیں تھا،

بہر حال سرمد کے کلام میں جو اخلاقی رباعیاں ملتی ہیں، ان کی جلی سرخیاں حسب ذیل ہیں:-

خودپسندی کی برائی | فارغ نہ شدی ز خود پسندی ہرگز — آگہ نہ شدی ز سود مندی ہرگز
خواہی دو جہان بیک طرف راغب شو — غیر از طرفے طرف نہ بندی ہرگز

آسودہ و مئے خود پسندی مطلب — زین ہمت پست خود بلندی مطلب
سودائے جہان سود ندارد چندان — نقصان بپذیر سود مندی مطلب

تکبر و تواضع | از دیدہ دل حسن دو عالم دیدم — میزان شدم و نیک و بدش سنجیدم

هر سر که گرانبار بود سنگ دل ست — هر خسته سرے سبک بود فهمیدم

هر چند غرور دستگاه ست اینجا — بر خود پیچیدن عز و جاه ست اینجا
در ساز شکستگی حضور دگر ست — از سرمه شدن سنگ نگاه ست اینجا

از مال و منال خویش مغرور مشو — در اندیشهٔ این شراب مسرور مشو
در آمد و رفت این تفاوت نبود — دل شاد ازین مباش و رنجور مشو

افسوس که غافل تو ز هستی هستی — پیوسته ز صهبائے رعونت هستی
هر چند شوی بلند چون شعله خسی — از شامت سرکشی در آخر پستی

قناعت و استغنا

تا چند در اندیشهٔ دنیا باشی — آوارهٔ کوه و دشت و صحرا باشی
دامان قناعت است بسیار وسیع — از دست مده درین جهان تا باشی

خواهی که رسی بکام، تلخی نه چشی — آسوده شوی یا ز ندامت نه کشی
با صبر بساز با قناعت خو کن — از دست هوا و حرص در کشمکشی

اے نفس ستمگار سراپا حسرت — جز شکر ترا نیست هزاران نعمت
قانع نه شدی گاه نگشتی خورسند — دنیا نه بود بقدر طول ملت

حرص و آز کی مذمت

آنرا که هوس بیش بود ناکام است — مرغے که پے دانه رود در دام است
این مال پر از ملال بسیار وبال — هر چند کم و بیش در د آرام است

هر جا که گرفتار هوا و هوس ست — گر سلطنتش دهی نگوید که بس است
سر رشتهٔ زندگی بسے کوتاه است — از طول امل حذر که دام و قفس است

انسان کہ شکم سیری از یک نان ست | از حرص و ہوا شام و سحر نالان ست
در بحر وجود ش بنگر طوفان ست | آخر چو حباب یک نفس مہمان ست

با دام ہوا و حرص تا ہم نفسی | پابند خودی شام و سحر در قفسی
آزاد چو سرد باش در گلشن دہر | گر سنبل و نسترن نئی تو در خار و خسی

عیب پوشی

ہر گاہ بہ بینی نکسے عیب و ہنر | عیب و ہنر خویش در آور بنظر
این ست ہنر بہتر ازین نیست دگر | خود را بنگر بعیب مردم منگر

عزت نفس

سرمد تو ز ہیچ خلق یاری مطلب | از شاخ برہنہ سایہ داری مطلب
عزت ز قناعت است خواری ز طمع | با عزت خویش باش خواری مطلب

خود غرضی کی مذمت

ہر کس پی نانی بجہان دوست بود | یک دوست ندیدیم ز جان دوست بود
چون سنگ نہ پی لقمہ بہر در بدوند | این ست نشان کہ نام شان دوست بود

حُبِ جاہ کی مذمت

از بہر چہ حُبِ جاہ باید کردن | عمر خود را تباہ باید کردن،
مانند نگین چہ لازم است از پی نام | جان کندن و رو سیاہ باید کردن؛

اختلاف حال

سرمد کے کلام میں اکثر تناقض نظر آتا ہے، مثلاً کبھی وہ کہتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف نظرِ کرم نہیں کرتا،

آن شوخ بمن نظر ندارد چہ کنم | آہ دل من اثر ندارد چہ کنم
با آنکہ ہمیشہ در دلم می ماند | از حال دلم خبر ندارد چہ کنم

کبھی وہ کہتا ہے کہ

صد شکر کہ دلدار ز من خوشنود است | ہر دم بکرم و ہر نفس در جود است

یارب کرم و لطف کشودی بر من | صد رنگ دلم شگفت و شد رشک چمن

لیکن حقیقت مین یہ تناقض نہین ہے اختلافِ احوال ہے جس طرح عام انسانون پر مختلف اوقات مین مختلف بلکہ بعض اوقات متضاد حالتین طاری ہوتی ہین، اسی طرح سالک پر بھی قبض و بسط، سکر وصحو، خوف و رجا، وغیرہ کی مختلف حالتین طاری ہوتی ہین اور ہر حالت مین جو کچھ پیش آتا ہے، اس کی زبان سے ادا ہوجاتا ہے،

سرمد بھی جن جن مقامات سے گذرا ہے، اس کو اس نے ادا کر دیا ہے، اس اختلاف حال کی نسبت مجازاً زمانہ کی طرف کرکے کہتا ہے،

گہ مقیم کند گہے پیر مغان | احوال جہان گاہ نہ دیدم یکسان

چون نخل گہے سبز گہے عریانم | بے موسم گل، بہار ہنگام خزان

اختلافِ حال کی چند رباعیان درج ذیل ہین،

سرمد اگرش وفاست خود می آید | گر آمدنش رواست خود می آید

بیہودہ چرا درپئے او می گردی | بنشین گر او خداست خود می آید

سرمد غم عشق بو الہوس را ندہند | سوز دلِ پروانہ مگس را ندہند

عمرے باید کہ یار آید بکنار | این دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

شاہ شاہانیم زاہد چون نعرین نیستیم | شوق و ذوق شور شم لیکن پریشان نیستیم

بت پرستم کافرم از اہل ایمان نیستیم | سوے مسجد میروم از اہل ایمان نیستیم

سرمد تو حدیث کعبہ و دیر مکن | در وادی شک چو گمرہان سیر مکن

ہان شیوہ بندگی ز شیطان آموز | یک قبلہ گزین سجدہ بر غیر مکن

چیزے کہ گہے بکار ناید مائیم | آن نخل کزو بار نیاید مائیم
کردیم حساب پیش خود سنجیدیم | آن ذرہ، زشمار ناید مائیم

اے دوست مرا بعلم و فطرت منگر | درمہر ووفا ودر محبت بنگر
من صاحب معنیم وصوت تعظیم | درمن چو کتاب ہر دو صورت منگر

سرمد کی شاعری | اگر سرمد کی غزلون کا کوئی مجموعہ مل جاتا، تو اس کی شاعری کے متعلق کچھ تفصیل سے لکھا جاسکتا، مگر جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے وہ چند غزلون کے سوا نہین، رباعیون کا رنگ عموماً فلسفیانہ، حکیمانہ اور اخلاقی ہے، ایسے خشک مضامین ہین گل وبلبل، سرو قمری اور فصاحت و بلاغت، تشبیہ و استعارہ، صنائع و بدائع کی گنجایش بہت کم ہے، تاہم سرمد نے اس خشک زمین مین بھی بہت کچھ اپنی شاعری کے جوہر دکھائے ہین،

جدت اسلوب | سرمد کی رباعیان یون تو بہت ہین، مگر وہ سب چند مضامین مین محدود ہین، مثلاً دنیا کی بے ثباتی، ہمہ اوست، مسئلہ جبر و قدر، رجا، وخوف، جام و شراب، فضل الٰہی کی امید، رضا بالقضا، ذکر الٰہی وغیرہ کے مضامین کو مختلف پیرایون مین ادا کیا ہے، لیکن اس کا کمال یہ ہے کہ خیالات کی اس تکرار، اور مضامین کی خشکی کے باوجود اسلوب بیان کی دلآویزی تمام رباعیون مین موجود ہے، اور ہر رباعی کے انداز بیان مین ایک ندرت وجدت نظر آتی ہے، مثلاً اس مضمون کو کہ عشق الٰہی ہر شخص کو نہین ملتا، اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان اپنی رضا ورغبت کو رضائے الٰہی مین فنا کردے، سرمد نے مختلف طریقون سے ادا کیا ہے،

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند | سوز دل پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار | این دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

دوسری جگہ کہتا ہے :-

در مسلخ عشق جز نکو را نہ کشند — لاغر صفتان وزشت خو را نکشند
تو عاشق صادقی ز کشتن مگریز — مردار بود ہر آنکہ او را نکشند

ایک اور رباعی مین اسی مضمون کو اس طرح ادا کرتا ہے،

تا نیست نگردی رہ ہستت نہ دہند — این مرتبہ با ہمت پستت ندہند
چون شمع قرار سوختن تا ندہی — سر رشتہ این روشنی بدستت ندہند

عنایات الٰہی اور محبت الٰہی مین کامیابی کے تخیل کی نیرنگیان ملاحظہ ہون،

صد شکر کہ دلدار ز من خوشنود است — ہر دم بکرم وہر نفس در جود است
نقصان بمن از مہر و محبت نرسید — سودا کہ دلم کرد تمام ش سود است

صد شکر کہ از یار ترحم دیدم — احسان و کرم بجال خود فہمیدم
نخلے کہ نشانید ثمر می بخشد — آخر گلے از باغ محبت چیدم

یارب کرم و لطف کشودی بر من — صد رنگ دلم شگفت و شد رشک چمن
یک فضل تو از ہزار ناید بہ بیان — ہر چند زبان شوم بشکرت ہمہ تن

جدت تشبیہ | سرمد نے بعض نئی تشبیہیں بھی ایجاد کی ہین، ذیل کی رباعیون سے اس کا اندازہ ہوگا

اہل دنیا آپس مین جو بغض و حسد کینہ و کدورت رکھتے ہین، اور دولت کے لئے لڑتے رہتے ہین

اس کو ایک نئی تمثال کے ذریعہ کس موثر اور دلنشین انداز سے سمجھایا ہے،

اے بے خبرے کہ از خدا بیخبری — آشفتہ و دیوانہ سیمی و زری
بیش و کم دنیا بہ کف جود خداست — در بخشش حق بید گر کینہ وری

این قوم کہ در دوستی سیم و زر اند — غافل ز خدا و دشمن یکدیگر اند
ہر چند نصیب ہمہ پیوستہ جداست — در بخشش حق بیکدگر کینہ ور اند

مطلب یہ ہے کہ دنیا کی دولت وحشمت کا مدار خدا کے جود وکرم پر ہے، وہ اپنی مرضی کے مطابق ہر شخص کو جو چاہتا ہے، اور جتنا چاہتا ہے، عطا کرتا ہے، یہ کتنی احمقانہ بات ہے، کہ اللہ کی بخشش وجود جو انسان کے اختیار میں نہیں ہے، اس کے لئے وہ آپس میں بغض حسد اور کینہ وعداوت رکھتے ہیں،

اسی مضمون کو ذیل کی رباعی میں ایک دوسرے انداز اور ایک نئی تشبیہ سے ادا کیا ہے،

این مردم دنیا ز خدا بے خبر اند ہر شام وسحر در طلب سیم وزر اند
از پہلوے ہمدگر چو بگریش تر اند ہر چند کہ چوں باد صبا در گزر اند

یعنی جس طرح باد صبا تیزی سے گذر رہی ہے، انسان بھی دنیا سے اسی طرح بہ سرعت گذر رہا ہے پھر ایسی سرسری گذرگاہ میں دولت وحشمت کے لئے سرگردان رہنا اور آپس میں بغض وحسد کرنا کتنی بڑی ناخدا شناسی ہے،

قرآن کریم نے منافقوں کے بارے میں کہا ہے،

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى ان کو تم مجتمع سمجھتے ہو، حالانکہ ان کے دل آپس میں ملے ہوئے نہیں ہیں،

اس مضمون کو سرمد نے عام خطاب کے ذریعہ ایسی انوکھی تشبیہ اور اچھوتے پیرایۂ بیان سے ادا کیا ہے کہ نئی بات معلوم ہوتی ہے

یاران چہ قدر راہ دو رنگی دارند مصحف بہ بغل دین فرنگی دارند
پیوستہ بہم چو مہرہاے شطرنج در دل ہمہ فکر خانہ جنگی دارند

توبہ واستغفار اور طلب رحمت ایک پامال اور فرسودہ مضمون ہے، مگر جب سرمد اسے کہتا ہے تو معلوم ہوتا ہے، کہ رحمت کے سارے دروازے ابھی کھل جائیں گے،

شد بر تن من غرق گنہ ہر سر مو از من ہمہ زشتی است و نیکی است از تو

تا چند کنم گناہ او فضل کند   شرمندۂ جرم خودم و رحمت تو

وہ کہتا ہے کہ اے خدا! مین جس قدر گناہ کرتا ہون تو اپنا فضل و کرم اتنا ہی زیادہ کرتا ہے، اب مجھے اپنے اعمالِ سیاہ اور تیری رحمت سے شرم آنے لگی ہے، دیکھئے ع

شرمندۂ جرم خودم و رحمتِ تو

کنکر کس اچھوتے انداز سے رحمتِ الٰہی کی طلب کی ہے،

عصیان من احسان تو نا ید بشمار   بیحد و حساب کے بیا ید بشمار
گر پیش خود این حساب صد سال کنم   تے فضل تو نے جرم من آید بشمار
یارب ز کرم از گرداب برار   از بحر گناہ کشتیم گیر کنار
جرم من و احسانِ تو بے حد و حساب   این طرفہ حساب است کہ ناید بشمار

اپنے گناہ کی زیادتی اور رحمت کی بے پایانی کا ذکر کر کے کس طرح مزید رحمت کی درخواست کی ہے، اور دونون رباعیون مین اسلوب نیا اختیار کیا ہے،

اسی مضمون کو ایک دوسری جگہ اس طرح ادا کیا ہے،

جرم من و فضل باز افزون ز شمار   این ہیچ حسابیست کہ من دانم و یار
چشم کرمش عاشق حسن گنہ ست   زنہار ز کردار بد اندیشہ مدار
در ہر گنہے فزود بخشایش دوست   شرمندۂ این قسم نہ کردار نبود
خضر رہ من گناہ شد آخر کار   این فضل و کرم چہ بود این جرم چہ بود

کہتا ہے کہ گناہ ہی میرا خضر راہ ہے، اگر مین گناہ نہ کرتا، تو فضل الٰہی کی طرف مجھے راہ نہین ملتی، اس طلب رحمت کے مضمون کو خیام و نظامی نے بھی ادا کیا ہے،

آنم کہ پدید گشتم از قدرتِ تو   صد سالہ شدم بناز و نعمت تو

صد سال بہ امتحان گنہ خواہم کرد | تا جرم من است بیش یا رحمت تو

نظامی کہتے ہین،

گناہ من از نامدے در شمار

ترا نام کے بودے آمرزگار

مگر سرمد نے جس حسن وخوبی سے اس مضمون کو ادا کیا ہے، خیام ونظامی کے یہان وہ بات نہین، اس کے علاوہ خیام ونظامی کے کلام مین شوخی دبیباکی ہے، جو طلب رحمت کے خلاف ہے لیکن سرمد اسی طرح مانگتا ہے، جو طلب رحمت کا اقتضا ہے،

روزمرہ اور کلام کی اصل ترتیب | سرمد کی رباعیون کی ایک خاص خصوصیت یہ ہو کہ ان مین عموماً روزمرہ اور عام بول چال کے الفاظ استعمال کئے گئے ہین، وہ دقیق سے دقیق مسائل کو بھی نہایت ہی سادہ اور سہل اسلوب مین بیان کرتا ہے،

شعر کی یہ بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے، کہ اگر اس کو نثر کرنا چاہین، تو الفاظ کی ترتیب مین فرق نہ آئے جو ترتیب نظم کی صورت مین تھی، وہ نثر کی صورت مین بھی باقی رہے، سرمد کے کلام مین یہ خوبی بدرجۂ اتم موجود ہے اور یہ خصوصیت صرف دو چار رباعیون مین نہین، بلکہ اس کے کلام کے اکثر وبیشتر حصہ مین ہے،

ذیل کی رباعیون اور غزل سے اس کا اندازہ ہوگا،

سوخت بے وجہم تماشا را ببین | کشتت بے جرم مسیحا ببین

زندہ کش جان نباشد دیدۂ | گر ندیدستی بیا ما را ببین

اے کہ از دیدار یوسف غافلی | داغ یعقوب وزلیخا را ببین

اے کہ از روز بدم در حیرتی | یکزمان این روے زیبا را ببین

شاہ ودرویش وقلندر دیدۂ | سرمد سرمست رسوا را ببین

سرمد تو ز ہیچ خلق یاری مطلب — از شاخ برہنہ سایہ داری مطلب
عزت ز قناعت است و خواری ز طمع — با عزت خویش باش خواری مطلب

اسرار مئے و جام بہ کس گفتنی نیست — این راز بہر مردہ دلے گفتن نیست
زاہد بخدا کہ از خدا بیخبری — سر رشتہ این بدست ہر کودن نیست

نابود شدم بودنی دانم چیست — اخگر شدہ ام دودنی دانم چیست
دل دادم و جان دادم ایمان دادم — سوداست مگر سودنی دانم چیست

سرمد اگرش وفاست خود می آید — گر آمدنش رواست خود می آید
بیہودہ چرا در پے او میگردی — بنشین گر او خداست خود می آید

سرمد غم عشق بو الہوس را ندہند — سوز دل پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار — این دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

یاران چہ قدر راہ دو رنگی دارند — مصحف بہ بغل دین فرنگی دارند
پیوستہ بہم چو مہرہائے شطرنج — در دل ہمہ فکر خانہ جنگی دارند

سرمد گلہ اختصار می باید کرد — یک کار ازین دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد — یا جان بہ ہش نثار می باید کرد

دل را بخیال یار خوشنود بدار — سر رشتہ این دولت سرمد بکف آر
گنج است کہ رنجش نبود آخر کار — سوداست کہ سودش بود افزون ز شمار

چون معنی لفظ ماؤ او را بنگر — چون چشم و نگہ جدا و یکجا بنگر
یکدم ز کسے جدا نیابی ہرگز — مانند گل و بوست بہ ہر جا بنگر

سرمد ز دین عجب شکستی کردی — ایمان بفدائے چشم مستی کردی

با عجز و نیاز جملہ نقد خود را رفتی و نثار بت پرستی کردی

گہ سرو گہے سنبل و گہ یاسمنی گہ کوہ و بیابانی و گاہے چمنی

گہ نور چراغی و گہے بوے گلی گہ در چمنی و گاہ در انجمنی

آن شوخ بمن نظر نہ دارد چہ کنم آہ دل من اثر نہ دارد چہ کنم

با آنکہ ہمیشہ در دلم می ماند از حال دلم خبر نہ دارد چہ کنم

ممکن نہ بود کہ یار آید بکنار خود را ز خیال خام و اندیشہ برآر

ہر چیز کہ غیر اوست در سینۂ تست بسیار حجابے است میان تو و یار

اعتبار وعدہا سے مردم دنیا غلط ہان غلط آرے غلط امشب غلط فردا غلط

نسخۂ بنیائی دیوان عمر ما مپرس خط غلط معنی غلط انشا غلط املا غلط

از نقش حباب ہرچہ گفتم گفتم و از گوش حباب ہرچہ گفتم گفتم

این عالم پیری و زبانم خاموش ایام شباب ہرچہ گفتم گفتم

شعر العجم حصہ اوّل

فارسی شاعری کی تاریخ جس مین شاعری کی ابتدا عہد بعہد کی ترقی اور ان کے خصوصیات و اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے، اور اسی کے ساتھ تمام مشہور شعراء (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے اور ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے۔

قیمت :- عہ

"منیجر"

صحت[1]

از

ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے، پی، ایچ، ڈی استاذ جامعہ عثمانیہ

تجدید ایمان کی وجہ سے میرے جسم کی تجدید عمل مین آرہی ہے، میرے جسم کا ہر ذرہ بدل رہا ہے، مجھے نئی ہستی، نیا وجود مل رہا ہے، ضعف کی جگہ قوت، مرض کی بجائے صحت، توانائی اور حیات حاصل ہو رہی ہے، مین نے اپنا رُخ مبدء نور کی طرف کر لیا ہے،!

اللھمّ عافنی فی بدنی، اللھمّ	اے اللہ میرے بدن کو عافیت عطا کیجئے،
عافنی فی سمعی، اللھمّ عافنی فی	میرے کانون کو عافیت عطا کیجئے، میری
بصری، لا الٰہ الّا انت[2]	آنکھون کو عافیت عطا کیجئے، آپ کے سوا
(تین مرتبہ)	میرا کوئی معبود و رب نہین،!

مین جانتا ہون کہ میرا حقیقی نفس (جس کو مین روح سے تعبیر کرتا ہون) بیمار نہین ہو سکتا!

میری روح نور مقید ہے، قطرۂ نور ہے، سراپا سرور ہے، صحت و قوت کا مبدء ہے،

قطرۂ نوری سراپا نور باش
بگذر از غم دائماً مسرور باش (رومی)

---

[1] ان مراقبات کو صبح کے وقت اور رات مین سونے سے پیشتر آہستہ آہستہ پڑھا جائے اور دن مین بھی جب فرصت ہو ان کی تکرار کی جائے حصول صحت کا یہ ایک نفسیاتی اور روحانی طریقہ ہے، اور مجرب ہے اور زود اثر!

ہر دن ہر گھڑی میری زندگی تازہ و توانا ہوتی جا رہی ہے، میرے جسم کے ہر ذرہ سے توانائیوں کا چشمہ اُبل رہا ہے، ہر روز میں جام صحت نوش کر رہا ہوں، اور حق تعالیٰ کا حکم و کرم مجھے عافیت عطا فرما رہا ہے،

یَا حَلِیْمُ یَا کَرِیْمُ اِشْفِنِیْ ، اے حلیم و کریم خدا مجھے شفا عطا کیجئے،

میرے قلب میں جذباتِ ایمانی زندہ ہیں، حق تعالیٰ کی محبت سے میرا سینہ معمور ہے، اسی محبت کے نور نے میرے قلب و بدن کو نورانی کر دیا ہے، میرے وجود کا ہر ذرہ نورانی ہو گیا ہے، نور ہو گیا ہے، یہ نتیجہ ہے میری اس دعا کا،

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَ اے اللہ میرے نفس کو نورانی کر دیجئے

اجْعَلْنِیْ نُوْرًا، اور مجھے نور کر دیجئے،

اس نور نے میرے قلب کو سکون، میرے نفس کو اطمینان، میرے بدن کو راحت عطا کی ہے، میں اب سراپا نور ہوں، دائماً مسرور ہوں، قلب و نفس و بدن کی اس راحت و سرور کا نتیجہ صحت ہے، عافیت ہے، سلامتی ہے، نجات ہے، بیماری سے، آزار سے ضعف اور کمزوری سے،

لا باس اذھب الباس، رب کچھ خوف نہیں اے خلق کے پالن ہار

الناسِ اشف انت الشافی لا صحت عطا کر تو ہی صحت دینے والا ہے،

شفاءَ الا شفاءُ ك فاشفِنی شفاءً صحت تیری ہی دی ہوئی ہے تو مجھ کو

لا یُغادِرُ سُقمًا، ایسی صحت دے کہ کوئی بیماری باقی نہ رہے،

اب خلق کی طرف سے میرے قلب میں نہ غیظ و غضب ہے، نہ حزن و غم، ایمان کی آنکھ نے دیکھ لیا، کہ وہ نافع ہیں نہ ضار، نفع و ضرر، سود و زیاں، منع و عطا حق کی جانب سے ہے، خلق کی طرف سے ہرگز نہیں، بلا و آزار کے وقت خلق و اسباب کو حق تعالیٰ کی طرف سے وہ تازیانہ تصور کرتا ہوں، جو طلب و تقرب کے لئے

مجھ کو لگایا جاتا ہے تاکہ مین خواب غفلت سے جاگ جاؤن"،

اللھم اغفرلی ذنبی واذھب	اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے دل
غیظ قلبی واجرنی من مضلات	سے غصہ نکال دے، اور گمراہ کرنے والے
الفتن ما احییتنی ،	فتنون سے بچا دے،

اذیت و بلا حق تعالیٰ کی طرف سے ہے ، مبتلا کرنے والے حق تعالیٰ ہین، مین ان لوگون مین سے نہین کہ درد و بلا کے وقت سست ہو جاؤن اور حق سے روگردان اور حق تعالیٰ کی اس تہدید کا نشانہ بنون' وَاِنْ اَصَابَتْہُ فِتْنَۃٌ اِنْقَلَبَ عَلٰی وَجْھِہٖ[1] اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن جاؤن دنیا اور آخرت دونون کو کھو بیٹھون ، اور کھلے نقصان مین رہون ،

ناخوش تو خوش بود بر جان من

دل فدائے یار دل رنجان من! (رومی)

اور جب مجھے نعمت وعطا حاصل ہوتی ہے ، تو مین خلق واسباب دنیوی کو ایک ہاتھ تصور کرتا ہون ، جو منہ مین لقمہ ڈالتا ہے ، ظاہر ہے کہ ہاتھ ایک آلہ ہے اور آلہ مین بذاتِ خود تاثیر کہان ،

---

[1] پوری آیت یہ ہے :-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی	یعنی بعض آدمی اللہ کی عبادت کرتے ہین کنارہ
حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَہٗ خَیْرُ نِ اطْمَانَّ	پر ، پھر اگر اوس کو کوئی نقصان پہنچا
بِہٖ وَاِنْ اَصَابَتْہُ فِتْنَۃُ نِ انْقَلَبَ عَلٰی	ہے ، تو اس کی وجہ سے قرار پا لیا ، اور
وَجْھِہٖ تف خسر الدنیا والآخرۃ	اگر اس پر کوئی آزمایش ہوگئی ، تو منہ
ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ	اٹھا کر چل دیا دنیا اور آخرت دونون کو
(پ ۱۷ ع ۹)	کھو بیٹھا ، یہی کھلا نقصان ہے ،

مَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ　　　　تمھارا اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ہے، اور

وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ،　　　　نہ کوئی مددگار،

منعم و معطی حق تعالیٰ ہی ہین،

حق فاعل و ہرچہ جز حق آلات بود　　　　تاثیر ز آلت از محالات بود

ہستی کہ موثر حقیقی ست یکست　　　　باقی ہمہ اوہام و خیالات بود　　(جامی)

اس یقین کے بعد کہ سود و زیان حق تعالیٰ کی جانب سے ہے، اور میرے دشمن کی طرف سے نہین، دشمن میت کے ہے اغسال کے ہاتھ مین، یا گیند کی طرح ہے چوگان کے تصرف مین میرا قلب عداوت کے غم سے بالکل آزاد ہو جاتا ہے، اور مین اپنے عدو کو قطعاً معاف کر دیتا ہون،

لمّا عفوت ولم احقد علیٰ احدٍ　　　　ارحمت نفسی من همّ العداوة

جب مین نے معاف کر دیا، اور کسی کے متعلق اپنے دل مین دشمنی نہین رکھی تو میرے نفس نے غم عداوت سے راحت پائی،

اور بفحوائے

وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا،　　　　اور سب سے قطع کرکے اسی کی طرف

(مزمل - ع ۱)　　　　متوجہ رہو،

مین خلق سے کٹ کر حق تعالیٰ کی قدمون پر اپنا سر رکھ دیتا ہون، انھین راضی کرتے دیر کتنی لگتی ہے، وہ رؤف و رحیم ہین غفور و کریم ہین، ذوالفضل العظیم ہین، ان ہی کا تو یہ قول ہے ان کے ایک عاشق کے الفاظ مین:

درحضرت ما دوستی یکدلہ کن　　　　ہر چیز کہ غیر ماست آزا یلہ کن

یک صبح باخلاص بیا بر در من　　　　گر کار تو برنیاید آنگہ گلہ کن　　(ابوسعید رحمہ)

افکار نے میری صحت برباد کر رکھی تھی، ایمان کی روشنی نے افکار کی ظلمت کو دور کر دیا، اب صحت کی تجلّیات میرے جسم کے ہر رگ و ریشہ سے ہو رہی ہین، راحت و سرور کا وفور ہے، جان و تن آرام سے ہین، فللّٰہ الحمد،

در ہجر تو بودہ اندوہ و آزارم — از وصل تو رفت ہستی و پندارم
شادی آمد و نصیب جانم شد — اکنون جان و تن خویش براحت دارم (لااعلم)

(۲)

"میرے اندر ایک قوت الٰہیہ موجود ہے، جو صحت بخشتی ہے، اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے"

طمانیت و سکون کے ساتھ مین مذکورۂ بالا صداقت کو ذہن نشین کرتا ہون، فکر و تردد، غم و حزن، بیم و ہراس کو اپنے قلب سے دور کرتا ہون اور ان تمام خیالات کو بھی اپنے دماغ سے دفع کرتا ہون، جو ایجابی نہین، جو "ربانی" نہین، میری آنکھون کی ٹھنڈک حق تعالیٰ کی محبت اور ان پر ایمان ہے، اسی لذت و حلاوت سے میرا قلب کیف اندوز ہے، آہستہ اور طمانیت کے ساتھ مین ان الفاظ کو دہراتا ہون:-

"میرے اندر ایک قوت الٰہیہ موجود ہے، جو صحت بخشتی ہے، اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے" (خموشی)

پر سکون و طمانیت کے ساتھ مین ان الفاظ کی تکرار کرتا ہون:-

"میرے اندر ایک قوت الٰہیہ موجود ہے، جو صحت بخشتی ہے، اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے (خموشی)

پھر سکون و بردقلبی کے ساتھ مین ان الفاظ کی تکرار کرتا ہون:-

"میرے اندر ایک قوت الٰہیہ موجود ہے، جو صحت بخشتی ہے، اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے، (خموشی)

ہان پر سکون اور چین کے ساتھ مین ان الفاظ کو دہراتا ہون،

"میرے اندر ایک قوت الٰہیہ موجود ہے جو صحت بخشتی ہے اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے، (خموشی)

پھر مین انہی الفاظ کی تکرار کرتا ہون، (خموشی)

اور اسی طرح مسلسل

اسی صداقت پر میرا یقین ہے، ایمان ہے یہی میرے قلب پر چھائی ہوئی ہے، ا اسی مراقبہ کے دوران مین قوۃ الٰہیہ جو ہمہ توان اور قادر مطلق ہے، اور جو میرے اندر موجود ہے، میری صحت کی تکمیل کر رہی ہے، مجھے کامل شفا عطا کر رہی ہے، کیونکہ میرے جسم کا ہر ذرہ اس قوتِ الٰہیہ کی طرف متوجہ ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے،

اسئل اللّٰہ العظیم ربّ العرش	مین خدائے بزرگ و برتر سے جو عرشِ عظیم
العظیم ان یشفین،	کے رب ہین، عرض کرتا ہون کہ مجھ کو شفا بخشین

(یہ حدیث کے الفاظ ہین)

جون جون اس صداقت پر غور کرتا جاتا ہون، میری عقل سے ظلمت دور ہوتی جاتی ہے، اور اس حقیقت کا انکشاف ہوتا جاتا ہے، جو مجھے حیرت تامہ عطا کرتی ہے، بہر صورت مین اپنے آپ کو اچھا نہین کر سکتا، شفا دینا حق تعالیٰ کا کام ہے، ا اسی لئے ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا تھا،

وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ،	جب بیمار ہو جاتا ہون تو وہی مجھے
(پ ۱۹ ع ۹)	شفا بخشتے ہین،

جب مین اس قوتِ الٰہیہ کو جو میرے اندر موجود ہے، جو مجھ پر محیط ہے، وجداناً اپنے اندر پاتا ہون تو مجھے شفا عطا ہوتی ہے، عاجلاً و کاملاً! مین اپنے آپ کو تندرست و توانا پاتا ہون اور مجھے معلوم تک نہین ہونے پاتا، کہ یہ معجزہ کس طرح وقوع پذیر ہوا،

آن کہ شد ہمش بشاہ نرد خویش
یافت درمان ہائے جملہ درد خویش

(رومی)

ذاتی کوششون پر سے جب بھروسہ اٹھ جاتا ہے اور قوتِ الٰلیہ کے سوا اور کوئی آسرا نہین رہتا اور حق تعالیٰ کے رحیم و حلیم ہونے کا یقین پیدا ہو جاتا ہے، تو شفا کی بجلی کوندتی ہے، اور ساری بیماریون کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے، پھر اپنے عاشق رنجور کو صبر کا ثمرہ عطا ہوتا ہے،

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ،   صبر کرنے والون کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا،

اسی لئے ہر عاشق رنجور کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہین،

عاشقم بر رنج خویش و درد خویش   بہر خوشنودی شاہ فرد خویش

(رومی علیہ الرحمۃ)

جو بادشاہ ایک جان کے معاوضہ مین سو جان عطا کرتا ہے، ایک پھول لے کر سارا گلستان بخش دیتا ہے، اس کے دئے ہوئے آزار پر اس کی لگائی ہوئی ضرب پر کون خوش نہ ہوگا، کون اپنی جان فدا نہ کریگا کس کی زبان سے فرط مسرت سے یہ الفاظ نہ نکلین گے،

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت   سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

کس کی آرزو نہ ہوگی،

نکل جائے دم تیرے قدمون کے نیچے   یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے،

شفا بخشی کا روحانی عمل نتیجہ ہے حبِ الٰہی کا، رضا بالعطا کا، توافق بالقضا کا، حفظ حال کا، اعراض عن الاعتراض کا، یعنی حق تعالیٰ کے فعل سے راضی ہو جانے کا، کیونکہ جب ہم اُن سے راضی ہو جاتے ہین، تو وہ ہم سے راضی ہو جاتے ہین، اور ہم سے راضی ہو کر ہمین وہ سب کچھ عطا کرتے ہین جو ہمارے مطالبات یا مطلوبات ہین،

رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ   اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی،

دیارِ مغرب سے ایک مسلمان مجاہد کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرمی معظمی جناب سید ندوی صاحب سلمہ و دام لطفہ،

السلام علیکم،

بعد تحیات واضح رائے مبارک باد کہ راقم سطور آپ کے قدیم خاکساروں میں سے ہے، مولانا مرحوم مغفور محمد علی (برادر مرحوم شوکت علی صاحب) میرے ہم سبق ہم نفس اور ہمعصر تھے یعنی Comrade اور ہمدرد اخبار میں ہم شریک کار تھے اس کے بعد وطن عزیز چھوڑنا پڑا، اور آجتک دنیا کے ہر حصے اور گوشے کی خاک چھانی، مرحوم مولانا برکت اللہ صاحب جو کالیفورنیا امریکہ میں مدفون ہیں، وہ بھی اس دیوانے کے یارانِ طریقت میں سے تھے، قصہ کوتاہ ۱۹۲۳ء سے اخباری دنیا کے خارستان میں قدم رکھا، اسی زمانہ میں آپ کو یاد ہوگا، ترک غازیوں نے یونانیوں اور اُن کے سرپرست و حامی لائیڈ جارج اور متکبر و فرعون مزاج لارڈ کرزن سابق وایسرائے ہند، اور اس وقت کے برطانی وزیر خارجہ کی سخت گوشمالی کی تھی، بمصداق

نزلہ بر عضوِ ضعیف می ریزد

میرا مجلہ "مسلم اسٹنڈرڈ" اس جبار عنید کی زد میں آگیا، زاں بعد یورپ کے مختلف مقامات سے "مسلم کرانیکل" نام کا پرچہ نکالتا رہا جب علی برادران اور گاندھی جی کو یہودی وائسرائے ریڈنگ نے نظر بند کیا تو اس

عاجز نے اپنے ٹوٹے پھوٹے قلم سے اس مستبد کی ظالمانہ حرکت پر مسلسل مضامین شائع کئے، جس کا نتیجہ معلوم ہوا اس کے اس وقت کے ہمعصر فارورڈ (Forward) نام اخبار نے میرے پرچے کی ضبطی کے متعلق مقالہ لکھا تھا، بعدہٗ آغاز جنگ دویم تک "الہلال" (Crescent) کے عنوان سے پرچہ جاری رہا، اب چونکہ قتل عام ختم ہو چکا ہے، اس لئے پھر اس عاجز نے پرچے کو شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے، یہ تھی مختصر کیفیت جو آپ کی خدمت مبارک مین تقدیم ہے، ایک اور حق شفیع آپ پر ہے، وہ یہ کہ مولانا شبلی مرحوم مغفور میرے سرپرست، مربی اور استاد خاص تھے، مرحوم محمد علی صاحب سے بارہا آپ کا ذکر خیر ہوا کرتا تھا، لیکن افسوس آپ سے کبھی نیاز حاصل نہ ہوا،

ع حساب دوستان در دل

اب اس نیاز نامہ کے ذریعہ آپ سے خط و کتابت کا شرف حاصل کرتا ہون، آپنے غالباً تازہ شائع شدہ "انسائیکلوپیڈیا برطانیکا" (Encyclopedia Britanica) مین وہ دلخراش فقرے ملاحظہ فرمائے ہونگے، جو ان کٹے پادریون اور پادرانیون نے اپنی کورچشمی، کوردلی اور مجنونانہ تعصب کی وجہ سے حضور پرنور کی ذات مبارک کے متعلق سراسر غلط اور خلافِ حقیقت تراشے ہین، ان دل کے اندھے اور اندھیون نے سرکار دوجہان کو (Despot of Yathrib) کے گستاخانہ لقب سے دنیا مین پیش کیا ہے، خاکسار نے انگریزی اخبار کی نقلین جس مین یہ اقتباس شائع ہوا تھا، یہان کل ارکانِ حکومت، شیخ الازہر، اور رئیس دیوانِ ملک کو بھیجدی تھین، لیکن بعد انتظار مدید و شدید اس المناک حقیقت کا پتہ چلا کہ یہ سب کے سب سیاسیات اور آپس کی تو تو مین مین مین ایسے محو و گرفتار ہین، کہ انھین باوجود عرب کہلانے کے رسول عربی کی قدر و قیمت اور درجہ کا احساس تک نہین، یہ سطور نہایت رنج و الم سے لکھ رہا ہون، انھین اپنے تک ہی رہنے دیجئے،

بہرحال عین اضطراب و قلق کی حالت مین خاکسار نے ایک مقالہ ازہر شریف کے مجلہ مین لکھ کر

اپنی ناچیز عقیدتمندی کا ثبوت دیا ہے، جو اسی ڈاک سے علحدہ پیکٹ کی صورت مین آپ کی خدمت مین ارسال ہے، امید ہے کہ اسے آپ غور و خوض سے مطالعہ فرماکر اپنی قیمتی رائے کا اظہار اپنے بیش قیمت رسالہ معارف مین شائع فرمائین گے، بعض علماے کرام اور مدیر فاضل ازہر نے خاکسار کی قدردانی فرماکر ہمت افزائی کی ہے، باقی آپ اگر مناسب سمجھین تو جمعیت علماء ہند کی خدمتِ مبارک مین بھی اسے پیش کر دین، اگرچہ مین خائف ہون کہ ان کی بھی مصریون کی طرح سیاسی مصروفیتین مانع کار خیر نہ ہون،

غرض یہ ہے کہ لطفاً معارف و دیگر اسلامی رسالجات و کتب وغیرہ سے اس عاجز کو یاد فرماکر ممنون و مشکور فرمائین، باقی دعا،

مخلص و دعاگوے قدیم "محمد ولی خان" (قاہرہ)

۱۱ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ۹ر فروری ۱۹۴۶ء

تابعین رضی اللہ عنہم

علم و عمل اور مذہب و اخلاق مین صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کے سچے جانشین اوران کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابۂ کرام کے بعد ان ہی کی زندگی مسلمانون کے لئے نمونۂ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے ایک مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس مین حضرت عمرؓ ابن عبد العزیز، حضرت حسن بصریؒ، حضرت اویس قرنیؒ، حضرت امام زین العابدینؓ، حضرت امام باقر، حضرت امام جعفر صادق، حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت سعید بن مسیب، حضرت سعید بن جبیر، حضرت محمد بن سیرین، حضرت ابن شہاب زہریؒ، امام ربیعہ رائیؒ، امام مکحول شامی، قاضی شریح وغیرہ چھیانوے اکابر تابعین کے سوانح، ان کے علمی مذہبی کارنامون کی تفصیل ہے، قیمت للعہ ر

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

قائدِ ملت مؤلفہ جناب غلام محمد صاحب بی اے عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۲۴۴ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد :- ۱۲/ کلدار، ۱۴/ سکہ عثمانیہ، پتہ نفیس اکیڈمی عابد روڈ حیدرآباد دکن،

قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم ان فقید المثال ہستیون مین تھے، جن کی مثالین کہین مدتون مین پیدا ہوتی ہین، ان کی زندگی کیا بلحاظ ذاتی اوصاف وخصوصیات اور کیا بہ لحاظ قومی وملی خدمات ہر حیثیت سے مسلمانون کے لئے نمونہ تھی، وہ ایک سچے مومن تھے، ان کے دل مین دین وملت کی فلاح کی تڑپ تھی، ان کی ساری زندگی اسی کی جد وجہد مین گذری، اللہ تعالیٰ نے ان کو اخلاص وعمل کے ساتھ خطابت کی ایسی قوت عطا فرمائی تھی کہ اپنی سحر بیانی سے دلون کو مسحور کر لیتے اور بڑے بڑے مخالف مجمعون کا رنگ پلٹ دیتے تھے، ان کی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع تھا، مسلمانون کی جملہ دینی اور سیاسی ضروریات مین ان کی سرگرمی یکسان تھی، وہ دکنی تھے، اس لئے قدرۃً ان کی ذات سے وہان کے مسلمانون کو زیادہ فائدہ پہنچا، وہ ریاست ورعایا، دونون کے ہوا خواہ تھے، ایک طرف انھون نے ریاست حیدرآباد کو مخالفین کی سازشون سے بچایا، دوسری طرف حیدرآباد کے باشندون مین ایک روح پھونک دی، لیکن ان کے فیض سے ہندوستان کا کوئی خطہ محروم نہ تھا، اور وہ زندگی کے آخری لمحہ تک ایک جانباز مجاہد کی طرح قوم وملت کی خدمت انجام دیتے رہے، لیکن افسوس کل چالیس سال کی عمر مین اپنے رب سے جا ملے، ان کی وفات

سے ملک و ملت کی بہت سی امیدین وابستہ تھیں، تاہم انھون نے اس مختصر عمر مین جو قومی زندگی کے لئے نوجوانی کی عمر ہے، جو کارنامے انجام دیئے وہ بہتون سے طویل عمر مین بھی انجام نہ پاسکے، ان کی پوری زندگی مسلمانون کے لئے اسوۂ عمل تھی، لائق مؤلف نے اس کتاب مین اس کی تفصیل قلمبند کی ہے اور صاحب سوانح کے ذاتی اوصاف اور قومی و ملی کارنامون کو اس طرح پیش کیا ہے جس سے ان کی زندگی کا ہر رخ سامنے آجاتا ہے زبان صاف اور سلیس اور انداز بیان دلکش و مؤثر ہے،

علامہ راشد الخیری مرتبہ جناب وقار عظیم بی اے تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ/ پتہ :- عصمت بک ڈپو (؟) کتاب گھر، دوبازار دہلی،

مولانا راشد الخیری مرحوم نے اردو زبان کی جو گوناگون خدمات انجام دین وہ محتاج بیان نہین ان کی وفات کے بعد ان کی ادبی خدمات پر بہت سے مضامین نکلے لیکن کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس مین ان کی تحریری خصوصیات کی تفصیل ہوتی، یہ کتاب اسی مقصد کے ماتحت مرتب کی گئی ہے، اس مین مختلف اصحاب قلم نے مرحوم کی تحریر و انشار کے مختلف پہلوؤن پر تبصرہ کیا ہے، ڈاکٹر اعظم کریوی نے افسانہ نگاری پر پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی نے ناول نگاری سید محمود مورخ نے تاریخی ناولون، ڈاکٹر نصیر الدین احمد نے ٹریجڈی نصیر الدین صاحب ہاشمی نے سفرنامون، ڈاکٹر عابد حسین نے تصنیفی خصوصیات، ڈاکٹر شائستہ اختر سہروردیہ نے ان کے ادب کی مشرقیت، شاہد احمد صاحب نے شاعری حامد علی خان اڈیٹر ہمایون نے انشاپردازی اور پروفیسر وقار عظیم نے ادبی ظرافت پر تبصرہ کیا ہے جس سے مولانا مرحوم کی انشا کے مختلف پہلوؤن اور ان کی ادبی جامعیت کا اندازہ ہوجاتا ہے، امید ہے کہ یہ کتاب ادبی حلقون مین پسند کیجائیگی،

بصائر قرآنی مرتبہ جناب ایم عبد الرحمٰن خان صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۵ صفحے، کاغذ کتابت، وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ/ پتہ ایم ثنار اللہ خان پبلشر و بک سیلر ریلوے روڈ لاہور،

اردو مین ایسی متعدد کتابین موجود ہین جن مین کلام مجید کے اوامر و نواہی اور دوسری تعلیمات کی

آیتون کو موضوع کے اعتبار سے تقسیم کرکے الگ الگ عنوانون کے ماتحت مع ترجمہ کے جمع کردیا گیا ہے، اس سے قرآنی احکام کا خلاصہ اور ہر موضوع سے متعلق آیات ایک جگہ مل جاتی ہین، مذکورہ بالا کتاب بھی اسی قسم کی ہے لیکن اس مین موضوع و معنی کے اعتبار سے تقسیم کے بجائے آیات کو ان کے الفاظ کے لحاظ سے بہ ترتیب حروف تہجی جمع کیا گیا ہے، اور اس کا ترجمہ بھی دیدیا گیا ہے، اس سے یہ فائدہ توضرور ہوا کہ مختلف آیتین ایک جگہ ملجاتی ہین لیکن اکثر مقامات پر ان مین باہم کوئی معنوی ربط نہین، تاہم کتاب فائدہ سے خالی نہین ہے۔

مجموعہ نشری تقاریر مولوی عبدالرحمٰن خان صاحب سابق پرنسپل عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۴۱۵ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت: ۔ عہ ۱۲ر کلدار عہ ۱ر سکہ عثمانیہ، پتہ ادارۂ نشریات اردو وحیدرآباد دکن،

مصنف کا نام نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ تک کے علمی حلقون مین متعارف ہے، وہ وہان کی متعدد علمی وتحقیقاتی مجالس کے رکن ہین، مسلمانون کی قدیم علمی تحقیقاتون یورپ مین ان کی اشاعت اور جدید سائنس وہیئت پر ان کی نظر بہت وسیع ہے، ان علوم مین انگریزی اور اردو دونون زبانون مین ان کی تصنیفات شائع ہوچکی ہین، وہ جامعہ عثمانیہ کے پرنسپل بھی تھے، اس لئے ان کو تعلیم کا بھی تجربہ ہے، مذکورہ بالا کتاب ان کی ان علمی وتعلیمی تقریرون کا مجموعہ ہے، جو حیدرآباد ریڈیو سے نشر ہوئین، اس مین حسب ذیل تقریرین ہین، سیارون پر زندگی کے امکانات، زمین کا کرۂ ہوائی، طبعیات پر ایک طائرانہ نظر، دکن کی سرزمین وتدار ستارے، اسلامی ہیئت، اردو مین سائنس کی تعلیم، سائنس اور روزمرہ زندگی، میرے کلیاتی تجربے، تارون کی بستی، بچپن کے بعد، دقت، فاصلے اور حیدرآباد نوجوان سائنس کی تحقیقات کے طریقے، جنگ اور سائنس کی ترقی، پر اسرار روشنی، یہ تمام تقریرین اپنے موضوع سے متعلق مفید معلومات پر مشتمل ہین،

عہد آصفی کی قدیم تعلیم از جناب نصیرالدین صاحب ہاشمی تقطیع اوسط ضخامت ۱۸۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، غیر مجلد ۱۲ر، پتہ حیدرآباد بک ڈپو عابد روڈ، حیدرآباد دکن،

حیدر آباد کی قدیم علمی و ادبی تاریخ مصنف کا خاص موضوع ہے، اور اس موضوع پر ان کے قلم سے متعدد کتابیں نکل چکی ہیں، اس کتاب میں انھوں نے دولت آصفیہ کی قدیم علمی تاریخ لکھی ہے، اس میں بہمنی اور قطب شاہی سلاطین کے دور کے مختصر تعلیمی حالات اور آصفی عہد کی تعلیم کی مفصل تاریخ ہے، مسلمانوں میں علم و تعلیم کی خدمت و اشاعت کارخیر اور حصول اجر و ثواب کا ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے، اس لئے ہر زمانہ میں سلاطین اور حکومتوں کے علاوہ مخیر امرا و علما ر قیام مدارس میں مسابقت کرتے تھے، ان کے علاوہ ہر بڑے عالم کا آستانہ بجائے خود ایک مستقل درس گاہ کی حیثیت رکھتا تھا، یہ خصوصیت آصفی عہد میں بھی قائم تھی، اور دکن میں حکومت کے مدارس کے علاوہ امراء و علماء کے بکثرت مدارس تھے، اس کتاب میں علٰحدہ علٰحدہ ان تمام مدارس کے حالات لکھے گئے ہیں، ان کے علاوہ ہندوؤں کی تعلیم اور تعلیم نسوان پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، اس طرح اس کتاب میں عہد آصفی کے آغاز سے جدید تعلیم کے ابتدائی دور تک حیدر آباد کی تعلیمی سرگذشت آگئی ہے۔

اردو کے ہندو شعراء از جناب عبدالسلام خورشید تقطیع بڑی ضخامت ۹۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، قیمت مرقوم نہیں، پتہ :- مرکزی دفتر تحریک رفاقت پنجاب، ٹھنڈی سڑک لاہور،

جب تک ہندو مسلمانوں میں تقسیم زبان کا نعرہ بلند نہ ہوا تھا، اردو دونوں قوموں کی مشترکہ زبان سمجھی جاتی تھی، اور اس کی تعمیر اور ترقی میں دونوں کی کوششیں برابر کی شریک تھیں، چنانچہ اردو کی تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں ہے، جس میں مسلمان شعراء اور ادیبوں کے ساتھ ہندو ادبا، اور شعراء کی خاصی تعداد موجود نہ رہی ہو، تذکرہ نگاروں کی یہ فروگذاشت ایک حد تک ماننا پڑے گی، کہ انھوں نے تذکروں میں ہندو شعراء کو ان کے استحقاق سے کم جگہ دی، پھر بھی کوئی تذکرہ ہندو شعراء کے ذکر سے خالی نہیں ہے، مولف نے اس کتاب میں سترہویں صدی سے لے کر موجودہ دور تک کے ڈھائی سو سے اوپر اردو کے ہندو شعراء کے مختصر حالات لکھے ہیں، اور ان کے کلام کا نمونہ دیا ہے، معلوم نہیں انھوں نے موجودہ زمانہ کے صرف

ان شعراء کے تذکرہ پر کیون اکتفا کی، جو وفات پا چکے ہین، حالانکہ موجودہ شعراء مین اچھے اور ممتاز شاعرون کی بڑی تعداد ہے، مثلاً پنڈت دتاتریہ کیفی، پنڈت جگموہن ناتھ شوق، رام پرشاد کھوسلہ ناشاد، تلوک چند محروم، کرشن سہاے وحشی، شیام موہن لال جگر، اندرجیت شرما، پنڈت میلارام وفا، رگھوپتی سہاے فراق، انند نرائن ملا، بشیشر ناتھ منور، سورج نرائن مہر، اور سکھدیو پرشاد بسمل وغیرہ امید ہے کہ آیندہ اڈیشن مین اس فرو گذاشت کی تلافی کر دیجائیگی،

باغ نشاط

از دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت نفیس، قیمت مرقوم نہین، پتہ غالب انڈین پریس الہ آباد سے ملے گی،

پنڈت رادھے ناتھ کول پرانی تہذیب کے اُن باوضع ہندوؤن مین ہین جن کے نمونے اب بہت کم باقی ہین، وہ پنجاب کے ایک قدیم کشمیری برہمن خاندان سے تعلق رکھتے ہین، جو علم و دولت دونون مین ممتاز رہا ہے۔ اب وہ الہ آباد مین متوطن ہوگئے ہین اردو شاعری کا ذوق ان کو بزرگون سے ترکہ مین ملا ہے، وہ ایک کہنہ مشق شاعر ہین۔ باغ نشاط ان کے کلام کا مجموعہ ہے، یہ مجموعہ ظاہری اور معنوی دونون محاسن سے آراستہ اور دو حصّون مین تقسیم ہے، پہلے حصہ مین غزلین اور دوسرے مین قطعات مخمس، قصیدے، تاریخین، اور دوسری اصناف شاعری ہین کلام کا عام رنگ عارفانہ اور اخلاقی ہے، غزلون مین بھی یہ رنگ نمایان ہے، اور دوسری اصناف کی نظمین تمامتر اخلاقی، صوفیانہ، اور حکیمانہ ہین، خیالات کی متانت وسنجیدگی اور مشق کی پختگی کل نظمون مین مشترک ہے، اس اعتبار سے اس مجموعہ کو شاعری کے بجائے اخلاق وتصوف کی کتاب کہنا زیادہ موزون ہے، کتاب مین ہندوستان کے متعدد مشاہیر اور ادیبون کے قلم سے شاعر کے حالات اور اس کے کلام پر نقد و تبصرے ہین، امید ہے کہ یہ مجموعہ اصحاب مذاق خصوصاً اردو کے بہی خواہون مین قدر کی نگاہون سے دیکھا جائیگا،

"م"

جلد ۵ ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۶ء عدد ۲

مقالات

ادبیات

باب التقریظ والانتقاد

شذرات

فلسطین سے انگریزون کے اتنے مختلف اغراض وابستہ ہین، اور اس سے متعلق ان کے سامنے اتنے پیچیدہ مسائل ہین کہ اس کا حل ان کے لئے دشوار ہوگیا ہے، وہ اپنے ذاتی مصالح کی بنا پر بھی فلسطین کو نہین چھوڑ سکتے، اور یہودیوں کی دولت و ثروت، ان کے غیر محدود وسائل، ان کی قوت اور سینہ زوری اور امریکہ کے دباؤ سے بھی ان کی حمایت پر مجبور ہین، لیکن مجاہد عربون کا دبانا بھی آسان نہین ہے، انھین نظرانداز کر دینے سے نہ صرف فلسطین مین امن وسکون قائم نہین رہ سکتا، بلکہ سارے عرب ممالک مین انگریزوں کے خلاف سخت برہمی پھیل جائے گی، اور عربون کی مخالفت سے مشرق وسطیٰ مین روسی اثرات کا خطرہ جو پہلے سے موجود ہے، زیادہ نازک صورت اختیار کرلے گا، اس کے انسداد کے لئے مصر وسویز سے انگریزی فوجون کے ہٹنے کے بعد فلسطین ہی مین مورچہ قائم کیا جاسکتا ہے، شرق اردن کی آزاد حکومت کو آزادی کی سند بھی اسی غرض کے لئے دی گئی ہے،

ان مشکلات کو حل کرنے کے لئے برطانوی اور امریکی ماہرین کی کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ فلسطین کو عرب اور یہودی صوبون مین تقسیم کرکے ان کا وفاق قائم کیا جائے، اور مرکز مین انگریزون کی زیر نگرانی ان کی اور عرب ویہودیون کی مشترک حکومت ہو، گو ابھی یہ صرف سفارش ہے لیکن یقین ہے کہ رسمی کارروائیون کے بعد انھی بنیادون پر فلسطین کا مسئلہ حل کیا جائے گا،

اس سے قطع نظر کہ فلسطین جیسے چھوٹے علاقہ کی تقسیم جو مشکل سے ہندوستان کے ایک ضلع کی برابر ہے، اور وہان وفاقی حکومت کا قیام کہان تک مناسب ہے، یہ تجویز عربون کے مفاد کے سراسر خلاف ہے، اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ فلسطین مین امریکہ اور برطانیہ کی زیر نگرانی یہودی

ریاست کی بنیاد قائم کرکے عربون کی قوت کمزور کر دی جائے، چنانچہ مجوزہ دستور مین اصل اختلافی مسئلہ یعنی فلسطین مین یہودیون کے داخلہ کو منتقل کر دیا گیا ہے، اس بارہ مین وفاقی حکومت کے اختیارات حسب ذیل ہون گے :-

"مرکزی حکومت صوبائی حکومت کی مرضی کے خلاف یہودیون کے داخلہ کے معاملات مین دخل نہ دے گی، اور اتنے ہی یہودیون کے داخلہ کی اجازت دے گی، جتنی کہ صوبائی حکومت خواہش کرے گی، عرب صوبہ کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے صوبہ مین یہودیون کو نہ داخل ہونے دے، لیکن یہودی صوبہ کو عام حالات مین اختیار ہوگا، کہ وہ جتنے یہودیون کو چاہے اپنے صوبہ مین داخلہ کی اجازت دیدے"

ہاوس آف کامنس کے لیڈر اور موجودہ قائم مقام وزیر اعظم ہربرٹ مارین نے اس کی مزید وضاحت کی ہے کہ

"صوبائی خودمختاری کی اس تجویز کے ذریعہ فلسطین مین یہودی مہاجرین کا داخلہ بہت آسان ہو جائے گا، گو داخلہ کی نگرانی مرکزی حکومت کرے گی لیکن اس نگرانی کی بنیاد صوبائی حکومت کی سفارش پر ہوگی، اور جہانتک صوبہ کے معاشی حالات ان کی اجازت دین گے وہان تک مرکزی حکومت صوبائی حکومت کی سفارش پر عمل کرے گی"

گویا اس مجوزہ دستور مین یہودیون کے داخلہ کو باضابطہ قانونی شکل دیدی گئی ہے، اس لئے کہ یہودیون کو اپنے صوبہ مین اپنے ہم جنسون کو آباد کرنے کا پورا اختیار ہوگا، مرکزی حکومت گو بظاہر عرب یہود اور انگریزون مین مشترک ہوگی لیکن درحقیقت انگریزون کی نگرانی مین ہوگی، یہودیون کی دولت اور ثروت کے سامنے معاشی مشکلات کا سوال ہی نہین پیدا ہو سکتا، اس لئے اس دستور کی رو سے یہودیون کے لئے فلسطین کا دروازہ بالکل کھل جائے گا، اور اس وقت جو تھوڑی بہت رکاوٹ ہے وہ بھی جاتی رہیگی،

اسی کے ساتھ عربون کے پھانسنے کے لئے زرین دام الگ بچھایا جا رہا ہے، چنانچہ اینگلو امریکی کانفرنس نے عرب ممالک کی ترقی کی اسکیمون کو عملی جامہ پہنانے کے دلفریب نام سے امریکہ کی حکومت سے

تیس لاکھ ڈالر کی سفارش کی ہے، جس میں سے پچیس لاکھ عربی ممالک کی اقتصادی ترقی کے لئے بطور قرض دیئے جائیں گے، اور پانچ لاکھ کا عطیہ خالص فلسطین کے عربوں کی فلاح وبہبود پر صرف کیا جائے گا، یہ گویا فلسطین کی قیمت ہے، لیکن عرب اس قسم کی امداد واعانت کے نتائج بہت بھگت چکے ہیں، اب وہ اس فریب میں نہیں آسکتے،

فلسطین کے مسئلہ کے حل کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے، کہ اسے عربوں کا وطن مان کر یہودیوں کا داخلہ بالکل بند کردیا جائے، اب دنیا کے حالات ایسے ہیں، کہ برطانوی شہنشاہیت کو نہ فریب سیاست بچاسکتا ہے، نہ امریکہ کی امداد واعانت اور نہ یہودیوں کا سرمایہ، اگر کسی شکل میں برطانوی حکومت کا وجود باقی رہ سکتا ہے، تو صرف سچائی اور اخلاص کے ساتھ دوسری قوموں اور ملکوں کے اعتماد کے ذریعہ،

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے شائع کردہ ایک پمفلٹ سے یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ اس کی زیر نگرانی "ادارۂ تحقیقات علوم اسلامیہ" کا قیام عمل میں آگیا، اس کی مجلس انتظامیہ بھی بن گئی ہے، کانفرنس نے ادارہ کے کاموں کی ابتدا کے لئے اس سال کے بجٹ میں دس ہزار کی رقم منظور کی ہے، سات ہزار کتابوں کا ایک کتبخانہ اور نادر قلمی کتابوں کا معتدبہ ذخیرہ بھی فراہم ہوگیا ہے، لیکن ادارہ کے پیش نظر جو عظیم الشان کام ہیں، اُن کے لئے یہ رقم کوئی حقیقت نہیں رکھتی، اس لئے اس کے محترم صدر نواب صدریار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی نے قوم سے پانچ لاکھ کی اپیل کی ہے،

ادارۂ مذکور بشرطیکہ اپنے مجوزہ نقشہ کے مطابق قائم ہوجائے، مسلم یونیورسٹی میڈیکل کالج سے کم اہم نہیں ہے، جس قوم نے اس کے لئے دو سال کے اندر پچاس لاکھ کی رقم مہیا کردی کیا وہ پانچ لاکھ کی رقم ادارہ کے لئے فراہم نہیں کرسکتی، اگر اس کے لئے بھی پوری جد وجہد کی جائے، تو یہ رقم آسانی کے ساتھ چندونوں میں جمع ہوسکتی ہے، لیکن صرف اپیل سے کام نہیں چل سکتا، یہ دیکھ کر البتہ تعجب ہوا کہ ارکان انتظامی کی طویل فہرست میں علوم اسلامیہ کے ماہرین کے صرف دو چار ہی نام ہیں، اور اگر دینی علوم کو بھی علوم اسلامیہ میں شامل سمجھا جائے، تو یہ تعداد اور بھی گھٹ جاتی ہے،

مقالات

مرزا بیدل کیا عظیم آبادی نہ تھے؟

مرزا عبدالقادر بیدل ۱۰۵۴ھ مین پیدا ہوئے، اور ۱۱۳۳ھ مین دلی مین وفات پائی، ان کو طاہر نصرآبادی نے اپنے تذکرہ مین جس کو اس نے ۱۰۸۳ھ مین بیدل کی زندگی مین ایران مین بیٹھ کر ترتیب دیا لاہوری لکھا ہے،

بندرابن خوشگو جس نے بیدل سے ان کی آخر زندگی مین دلی مین بارہا ملاقاتین کی ہین، ان کو اکبرآبادی الوطن لکھا ہے، میر غلام علی آزاد نے جو بیدل کی وفات کے وقت ۱ برس کے تھے، اور جن کے سامنے خوشگو کا بیان موجود تھا،[۱] اپنے تینون تذکرون، ید بیضا، سرو آزاد، خزانۂ عامرہ مین ان کی جاے پیدایش تصریح کے ساتھ پٹنہ عظیم آباد لکھی ہے، سب سے عجیب بیان مجموعۂ نغز کے مصنف میر قدرت اللہ قاسم کا ہے، جس نے اپنا تذکرہ ۱۲۲۱ھ مین ختم کیا ہے، اس نے بیدل کو بخاری المولد بتایا ہے، رضا قلی ہدایت نے جس کا تذکرہ ریاض العارفین ۱۲۶۰ھ مین ترتیب پایا ہے، ان کو دہلوی لکھا ہے،

ان بیانات پر نظر ڈالنے سے بیدل کے مولد و منشاء کی تعیین مین بڑا اختلاف نظر آتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیدل اپنی زندگی کے مختلف حصون مین مختلف شہرون مین اقامت پذیر رہے ہے، اس لئے ہر ایک نے ایک مقام کی طرف انھین منسوب کر دیا، بخاری المولد کہنا البتہ صحیح نہین ہے، کہ وہ ان کے آباد و اجداد

---

[۱] اورنٹیل لائبریری پٹنہ مین سفینۂ خوشگو کا جو نسخہ ہے وہ آزاد بلگرامی کی ملک مین رہ چکا ہے، اس پر ان کے دستخط ثبت ہین،

کا مولد ہو تو ہو، مگر ان کا تو قطعاً نہیں، نصر آبادی کے اس بیان کی کہ بیدل لاہوری تھے، خوش گو نے اپنے سفینہ میں اسی زمانہ میں تردید کر دی تھی لیکن خود خوشگو کا یہ بیان کہ بیدل اکبر آبادی الوطن تھے، اس تصریح سے خالی ہے کہ اکبر آباد ان کی جائے پیدائش بھی تھی، ہو سکتا ہے کہ ان کے بزرگوں نے ترکستان چھوڑنے کے بعد اکبر آباد کو وطن بنایا ہو، لیکن بیدل کی پیدائش وہاں نہیں ہوئی ہو کیونکہ ہر موطن کا مولد ہونا ضروری نہیں ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ بیدل کا مولد و منشا صوبہ بہار تھا جس کا دار الحکومت عظیم آباد پٹنہ تھا، اور ہے، اس دعوی کی شہادت میں اولاً میر غلام علی آزاد جیسے محقق کا بیان ہے جس نے تین تین جگہ اس کی تصریح کی ہے، ثانیاً خود بیدل کے اشارات ہیں جن سے قیاس میں یہی آتا ہے کہ ان کا مولد و منشا یا کم از کم ان کی طفولیت اور آغاز شباب کا زمانہ بہار ہی میں گذرا ہے، چنانچہ میر غلام علی آزاد ید بیضا میں لکھتے ہیں :-

"اصلش از قوم ارلاس[۱] در بلدۂ پٹنہ متولد شد و در ہندوستان نشو و نما یافت"

سرو آزاد میں ہے :-

"از نژاد قوم ارلاس است، در بلدۂ عظیم آباد پٹنہ از نہان خانۂ عدم بشہرستان وجود خرامید و در ہندوستان نشو و نما یافت"

خزانۂ عامرہ کی عبارت یہ ہے :-

"اصلش از گروہ ارلاس در بلدۂ عظیم آباد پٹنہ از شبستان عدم بہ صبح کدۂ ہستی در رسید و در بلاد ہندوستان نشو و نما یافت؛ و در بنگالہ بیشتر بسری کرد"

عبد الوہاب افتخار نے بھی اپنے تذکرۂ بے نظیر میں اپنے استاذ آزاد کی تقلید میں ان کو عظیم آبادی کہا ہے،

بیدل کی کچھ جوانی کا اور بڑھاپے کا بڑا حصہ دہلی میں گذرا، اور وہیں وفات بھی پائی، اس لئے

---

[۱] ایک ترک قبیلہ،

اگر کسی نے انھین دہلوی کہا تو اعتراض کا موقع نہین ہے، بیدل بطریق سیاحت لاہور بھی جاتے رہے ہون، جیسا کہ باباحسن ابدال ان کا جانا خود چہار عنصر مین ہے جس کے راستہ مین لاہور پڑتا ہے، لاہور کا آخری سفر اپنی وفات سے دو سال پہلے کیا تھا، ۱۱۳۱ھ مین جب سادات بارہہ نے فرخ سیر کے ساتھ زیادتی کی تو بیدل نے اس کی تاریخ "سادات بوے نمکحرامی کردند" کہی، اور اس کی شہرت ہوئی، تو بیدل نے دہلی سے بھاگ کر لاہور عبد الصمد خان ناظم لاہور کے یہان پناہ لی، اور سال دو سال بعد سادات کے فتنہ کے فرو ہونے کے بعد پھر دہلی لوٹ آئے، اور وہین ۱۱۳۳ھ مین وفات پاکر اپنے گھر کے صحن مین مدفون ہوئے، اس بنا پر اگر ایران مین ان کے قیام لاہور کی خبر پہنچی، اور وہان کسی نے ان کو لاہوری لکھدیا، تو مغالطہ ہو سکتا تھا،

اصل اختلاف بیان خوشگو اور میر غلام علی آزاد کے درمیان ہے، اور دونون مصنفون کا زمانہ بھی قریب ہی یعنی بیدل کی وفات کے وقت خوشگو ادھیڑ ہون گے، تو آزاد نوخیز، اس لئے ان دونون کے بیانات مین تطبیق یون ہوسکتی ہے، کہ یہ مان لیا جائے کہ خوشگو کے بیان کے مطابق بیدل اکبرآبادی الوطن اور آزاد کے بیان کے مطابق عظیم آبادی المولد تھے،

یہ بات کہ پٹنہ اُن کی جاے پیدایش تھی یا نہ تھی، خواہ مشتبہ ہی ہو لیکن اس مین کچھ شبہ نہین کہ انھون نے اپنا ایک اچھا خاصا زمانہ پورب کے شہرون اور قصبون مین گذارا، چنانچہ معتبر راوی خوشگو اپنے سفینہ مین رقم طراز ہے :-

"پس آنحضرت بطریق سیاحی رو بہ مشرق نہاد، عزمیت فرمودہ مدتے درحدود ممالک بنگالہ[۱] وبہار و اُڑیسہ بآزادگی وبے تعینی بسر بردہ و دشت وبیابان پیمودہ عجائب قدرت الٰہی تماشا نمودہ اکثر از خصوصیات آن ہنگام در چہار عنصر نگاشتہ قلم راست رقم اوست وہم دران ایام نسبیارے نعمت درویشی نیز نصیب او گردید، از آنجا بتکلیف پیر کامل ...... بہ ہندوستان رسیدہ وچندے ......

---

[۱] بنگال،

اکبرآباد اقامت ورزیده، و باز بدار الخلافۂ شاہجہان آباد رسیدہ کنج عزلت گزید"

خوش گو کی اس عبارت سے ظاہر ہے، کہ بیدل ایک مدت تک پورب مین رہے، اس لئے اُن کا عظیم آبادی مشتہر ہونا بے اصل نہین ہے، اب ہم ان کی کتاب چہار عنصر سے ان شہرون کا پتہ لگاتے ہین، جہان جہان ان کا قیام رہا یا ان کی آمد و رفت رہی، اور اس سلسلہ مین خود ان کے کچھ ذاتی حالات بھی زیر قلم آئین گے،

بیدل صوفی منش اور مشائخ اور بزرگون کی ملاقات کے مشتاق رہتے تھے، ان کی تصنیفات مین چہار عنصر[۵۱] ان کے صوفیانہ ذوق و شوق اور نکتہ شناسی اور بزرگون کی ملاقاتون اور باتون کے تذکرون سے معمور ہے، بیدل کے والد قادری المشرب تھے، اور حضرت قطب ربانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی روحانیت سے فیضیاب تھے، اور عجب نہین کہ انھون نے اپنے بیٹے کا نام عبد القادر اسی مناسبت سے رکھا ہو، بیدل لکھتے ہین،

"تلقین والد شریف فقیر از روح مقدس حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ بوساطت آن ذات تقدس آیات بود (ص ۳۰۱)

بیدل کے چچا مرزا قلندر بھی اسی چشمہ سے فیضیاب تھے،

"مرزا قلندر عم من از نسبت ہم خرنگیش کلاہ مباہات، بر عرش عزت می سود، آوازۂ سلسلۂ قادریہ از رسائی قدر تش مشتہر گردون کمندے، و پایۂ مدارج سلوک باستقامت ہمتش مفتخر سربلندی (ص ۳۰۱)

بیدل کا آبائی پیشہ سپہ گری تھا، باپ کا انتقال تو ان کے بچپن مین ہو چکا تھا، مگر چچا کا سایہ مدت تک اُن کے سر پر رہا، اور انہی کی تربیت مین یہ پل کر جوان ہوئے اس لئے سپاہیانہ اور صوفیانہ ذوق ترکہ

---

۵۱ کتاب مذکور نولکشور لکھنؤ مین چھپی ہے،

میں پایا، بیدل نے اپنے چچا کی شہزوری اور پرخوری ص ۳۳۲، اور اپنی شہسواری ص ۳۲۴ کے اور خوشگو نے اپنے سفینہ میں بیدل کی پرخوری کے واقعات لکھے ہیں، جوانی میں اپنے صوفیانہ ورع و تقویٰ کی پردہ داری کے لئے سپاہیانہ ملازمت کا پیشہ اختیار کیا،

"ناچار تتبع سنت آبا گردید و طریقہ سپاہ گزید، تا طبیعت ہیچ خورسند از آفات تعین ورع چندے در سایہ تیغ امان داشتہ باشد، در حجم غرور تقوی بسر داری، این وضع دامن ناموس بے تعینی نخراشد (ص ۳۰۰)

بیدل کو بچپن سے تعویذ و عملیات کا شوق تھا، اور اسی راہ سے وہ تصوف کے کوچہ سے آشنا ہوئے اور گو وہ موروثی طور سے قادری تھے، مگر اپنے علوم و معارف کے لحاظ سے ان پر نقشبندیت اور مجددیت کے اثرات غالب معلوم ہوتے ہیں، وہ اپنی نثر و نظم میں جو نکتے بیان اور جن حقیقتوں کو ظاہر کرتے ہیں، وہ تمامتر وحدت شہود، ظہور اسمار و صفات تعین، بے تعینی، فنا، تجرد، استغنار کے مضامین ہیں، جو ان کے اشعار و نکات میں جا بجا آتے رہتے ہیں،

بہرحال سپاہیانہ طور سے مختلف صوبوں میں ملازمت کے خیال سے یا تجرد کے عالم میں بزرگوں سے ملاقات کے شوق میں وہ مختلف شہروں میں پھرتے رہے ہیں، ان کی مسافرت کا مغربی سلسلہ حیا عنصر کے تفحص سے باباحسن ابدال کے قصبہ پر جو پشاور کے قریب واقع ہے، ختم ہوتا ہے، یہاں اُن کے بعض ملفین سے ایک جوگی جو وحدتِ شہود کے مسلک میں ان کا ہم عقیدہ تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قائل ہو کر اسلام لایا، اور ان کی سیاحت کا مشرقی نقطہ اڑیسہ کا شہر کٹک ہے، جہاں اس زمانہ میں مولانا یعقوب چرخی کے پوتے خاندوران سید محمود صوبہ دار تھے (ص ۳۴۹)

بیدل کے سفر کے مقامات میں مغرب میں باباحسن ابدال اور پورب میں اڑیسہ کے علاوہ زیادہ تر یوپی اور بہار کے شہر اور قصبے ہیں، متھرا اور بندرابن میں کئی سال رہے ہیں، اکبرآباد آتے گئے ہیں، اور بہار

کے مختلف شہروں میں اُن کی آمد و رفت رہی ہے، مگر ان تمام مقامات پر اختصار کی نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بچپن سے جوانی تک ان کا تعلق زیادہ تر بہار سے رہا اور جوانی سے بوڑھاپے تک اور اخیر زمانہ دہلی میں گذرا،

اوپر گذر چکا کہ ان کے والد اور چچا قادری المشرب صوفی تھے، مگر یہ فیض ان کو بہار ہی میں ایک شیخ وقت سے حاصل ہوا، بیدل نے عنصر اول میں اپنی ظاہری و باطنی ابتدائی تعلیم کا حال اس طرح بیان کیا ہے:-

"وہ بچہ ہی تھے، کہ ان کے والد نے وفات پائی، ماں نے اپنے بچہ کو چھٹے سال چھٹے مہینے (رجب میں) پڑھانے کو بٹھایا، دسویں برس کی عمر میں قرآن پاک ختم کرکے فارسی نظم و نثر اور عربی صرف و نحو کی کتابیں تمام کیں، اور یہی ان کی رسمی تعلیم کی آخری حد ہے اس کے بعد جو کچھ پایا وہ معلم فطرت کی تعلیم کا نتیجہ ہے (ص ۳۰۰ و ص ۱۰۴)"

اس ظاہری تعلیم کے اختتام کے بعد ہی، وہ صوبہ بہار کے ایک بزرگ شاہ کمال قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچ گئے، جو ان کے والد اور چچا کے پیر تھے (ص ۱۰۳)

"اکنون از کمال تعلیمی استاذ معنوی کہ بہ جمال توجہ شان نسخہ آرائے تفاصیل حقائق است، سطرے چندی نگارد و ذکر صحبت فیض منقبت ایشان از مغتنمات توفیق بیان می شمارد، استفادہ صحبت صافی گوہر دریاے یقین رونق انجمن شرع مبین، ہادی عالم فیض، توفیق خضر، سرچشمۂ رمز تحقیق، آئینۂ حقائق تمثال، مولانا شیخ کمال کہ تلقین والد شریف فقیر از روح مقدس حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ بوساطت آن ذات تقدس آیات بود، مرزا قلندر عم من از نسبت ہم خرقگیش کلاہ مباہات بر عرش عزت می سود و آوازۂ سلسلۂ قادریہ از رسائی تدرش مشتہر گردون کمندی و پایہ مدارج سلوک باستقامت ہمتش مفتخر سربلندی؛ حقیقت اخلاق از آئینہ سیمایش چون نور از آفتاب روشن و معنی عظمت از نقش سراپایش چون

رفعت از افلاک میر ہن، ہم در آداب قواعد شریعت نسق زمانہ و ہم در علوم ارشاد طریقت استاد یگانۂ

.... در ممالک بہار بیمن نگاہ ہدایت پناہ جمیع از وادی ضلالت در گذشتند و موصول منزل

توفیق صلاح گشتند...... (ص ۳۰۳)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ بیدل کے والد بزرگوار جو بیدل کے بچپن ہی مین جب وہ چھ برس کے

بھی نہ تھے، وفات پا چکے تھے، اور ان کے والد حضرت شاہ کمال بہاری کے صحبت پروردہ تھے اور ان

کے چچا مرزا قلندر بھی جو بعد کو اپنے یتیم بھتیجے کے ولی تھے، انہی بزرگ کے خوشہ چین تھے۔

یہ بزرگ کہان رہتے تھے، بیدل کے بیان سے صاف نہین معلوم ہوتا، مگر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سرائے

بنارس بہار مین ایک مقام تھا، یہان ان کا قیام تھا۔

"سرائے بنارس کہ موضعے است از نواح ممالک بہار (ص ۳۰۰)

سرائے بنارس نام کا کوئی مقام مجھے ابھی تک معلوم نہین ہوا،

آگے چل کر لکھتے ہین:۔

"مرزا قلندر را چندے در قصبہ رانی ساگر کہ بین توطن مولانا شیخ کمال افتخار مدینۃ الاولیا

داشت، اتفاق اقامت بود...... از بنارس تا رانی ساگر فرسنگے بیش نبود" (ص ۳۰۰)

یہان چھپا ہوا بنارس ہے مگر غالبؔ صحیح سرائے بنارس ہے، جس کا ذکر پہلے گذرا، مرزا قلندر

رانی ساگر جا کر شیخ کے پاس ہفتون مقیم رہتے تھے (ص ۳۰۴) رانی ساگر مین خوشنما تالاب تھا (ص ۳۰۴)

بیدل شیخ کمال کی صحبتون سے آغاز شباب ہی سے مانوس تھے، اور چچا کے ساتھ اس بارگاہ قدس

مین پہنچتے تھے، اور ان کے معارف وحقائق سے بہرہ مند ہوتے تھے، (۳۱۵)

رانی ساگر صوبہ بہار مین آرہ شاہ آباد سے اٹھارہ میل اور پٹنہ سے پچاس ساٹھ میل پچھم اب بھی آباد ہے،

اور تالاب بھی موجود ہے یہی وہ مقام ہے، جہان بیدل کے باپ اور چچا نے تلقین کا فیض پایا، اور بیدل

کے دل و دماغ نے وہاں سے آبیاری پائی، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ بیدل کا مولد اگر پٹنہ نہ بھی ہو تو ان کا منشا یعنی ان کی ابتدائی نشو و نما کی جگہ بہار ہی کا کوئی مقام ہے،

شاہ کمال صاحب قدس سرہ سے ایک اور ملاقات کا ذکر بہار کے قصبہ آرہ میں جو اب ضلع ہے بیدل نے کیا ہے،

"در ایامے کہ قصبہ آرہ اتفاقاً متکدہ امر اتفاقی بود، ادیم افسر زمین بسہیل قدمش رائحہ سعادت می اندوخت (ص ۳۱۹)

دوسرے حلقہ شوق کے ساتھ مرزا قلندر بھی شاہ صاحب کے ہمرکاب تھے،

"خصوص مرزا قلندر کہ در ہر بن موے زبانے داشت، مرہون ستایش کمالش، و در ہر جنبش نفس بیانی مصروف تذکرہ احوالش (ص ۳۱۹)

سنہ ۱۰۶۸ھ میں جس سال شاہ شجاع نے شاہ جہان کی بیماری کے زمانہ میں بنگال اور بہار میں اپنی سلطنت کا علم کھڑا کیا، بیدل پٹنہ میں یا پٹنہ کے پاس ہی کہیں مقیم تھے، اس زمانہ میں اس ملک کی جو کیفیت تھی، اور آس پاس کے راجے اور زمیندار جس طرح ملک میں ہنگامہ برپا کر رہے تھے، اور اس سے ملک میں جو بدامنی پیدا ہو رہی تھی، اور راستے جیسے خطرناک ہو گئے تھے، اس کا پورا حال عنصر چہارم میں کئی صفحوں میں لکھا ہے، اور صوبہ بہار و پٹنہ کا حال جس طریقہ سے لکھا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس صوبہ سے پوری طرح آشنا تھے، اور یہاں کے نہ صرف شہروں بلکہ گاؤں سے بھی واقف تھے، بلکہ کہیں کہیں جا کر رہے بھی تھے، لکھتے ہیں۔

"سالے کہ شاہ شجاع بن شاہ جہان بجاری پدر راسکہ مضمون سلطنت اندیشیدہ از خطہ بنگالہ تا سرحد ممالک بہار...... و از انجملہ تسخیر نواح تربت کہ شمالی حدود پٹنہ ملکے است عظیم و کوہستانی مشتمل بر چندین عقبات (ص ۵۵)

شاہ شجاع کی طرف سے بیدل کے چچا مرزا قلندر کے ایک عزیز مرزا عبد اللطیف ترہت مین فوج کے افسر تھے، (ص ۵۵۱) بیدل بھی ترہت مین کہین رہ نورد تھے، ایک مقام پر پہنچے، جس کا نام چاند چور بتایا ہے، اور وہان کے عجائبات خیالی کا ایک واقعہ حوالۂ قلم کیا ہے (ص ۵۵۲) اور آخر وہ کسی طرح،

"بسواد امن آباد پٹنہ رسید" (ص ۵۵۲)

ایک اور موقع پر پٹنہ کا ذکر کرتے ہین،

دربلدہ پٹنہ دفاق معارف اتفاق مرزا ظریف (ص ۵۵۶)

پٹنہ سے پچاس ساٹھ کوس دریاے گنگا کے اوس طرف مظفر پور اور موتیہاری کے بیچ مین کھسی نام ایک قصبہ تھا جو اب بھی ہے، اس قصبہ مین بیدل کے چچا مرزا قلندر کبھی سکونت پذیر تھے، اور بیدل ان کے ساتھ تھے،

(ص ۵۶۲) ۱۰۷۰ھ مین جب شاہ شجاع کا ہنگامہ سرد پڑ رہا تھا، مرزا قلندر نے اسی کھسی کے راستہ سے بنگال کا رُخ کیا اور اپنا سامان و اسباب یہین چھوڑ دیا، (ص ۵۶۲)

کھسی مین اس وقت کوئی بزرگ خواجہ شاہ محمد تھے، ان کے تابعون مین جان محمد تھے، انہی کے پڑوس مین مرزا قلندر کی سکونت تھی، (ص ۵۶۶)

اسی بدامنی کے زمانہ مین بیدل کو اس قصبہ مین جانے کی ضرورت پیش آئی (ص ۵۶۶) جمعیت کے بجاے تنہا ایک ملازم کو لیکر پا پیادہ چل پڑے، پیادہ چلنے کی عادت نہ تھی، راہ مین بے حد تکلیف ہوئی، گنگا سے پار اُتر کر تین کوس ہی گئے تھے، کہ تھک گئے، کسی طرح جنا پور تک پہونچے، پھر تین کوس اور چلے تھے، کہ بالکل بے بس ہو کر بیٹھ گئے، اتنے مین دیکھا کہ ایک پیرمرد ایک گھوڑی پر سوار سامنے آئے، قریب آکر بڑی گرمجوشی سے سلام کیا، اور اس تباہ حالی کے ساتھ سفر کا سبب دریافت کیا، بیدل کے وہ پرانے ملنے والے تھے، مگر بیدل ان کو پہچان نہ سکے، اُنھون نے کہا،

"من جان محمد م از تابعان خواجہ شاہ محمد کہ در نیمسی با مرزا قلندر ش نسبت ہمسائگی دیوار بدیوار است" (ص ۵۶۶)

انھون نے بڑے اصرار کے ساتھ بیدل کو اپنی گھوڑی پر سوار کیا، اور خود پیادہ ساتھ ہوئے اور دونون نیمسی کی طرف چلے،

"ہنگام نماز عصر محمل تردد بسواد معمورۂ نیمسی رسید، پیر ذلت تخیر بر دروازہ خواجہ شاہ محمد ایستادہ بود" (ص ۵۶۶)

لوگون کو بیدل کی آمد کی خبر ہوئی، تو سب خوش ہوے،

"فردائے آن کہ پسران خواجہ برسم قدیم صحبت فقیر دریافتند" (ص ۵۶۹)

ان لفظون کو پھر پڑھئے کہ خواجہ صاحب کے لڑکون نے رسم قدیم کے مطابق بیدل سے ملاقات کی، اور صحبت رہی، رقعات بیدل کے آخر مین ایک رقعہ بہار کے کسی بزرگ کے نام کا ہے جس کا آغاز ان لفظون سے ہوا ہے،

"نعیم عیش صوبہ بہار میار کباد قبلہ آرزو ے بیدلان ہر چند عبودیت قدیم ہیچ جاے از ادائے خدمات سر بر نمی آرد"

ان اقتباسات اور حالات سے ظاہر ہوگا کہ بیدل کو صوبہ بہار سے موروثی تعلق تھا، اور اگر اس کو عظیم آبادی کہنے مین تامل ہو تو بہاری کہنے مین تو مطلق تامل نہین، اور اکثر قصباتی لوگ بہاری کے بجائے عظیم آبادی ہی کہلاتے ہین،

آخر مین عظیم آباد پٹنہ کے شرفا کی زبان پر بیدل کے متوطن عظیم آباد ہونے کی جو کہانی سینہ بسینہ نقل ہوتی چلی آئی ہے، ہم اس کو ذکر کرتے ہین، شاد عظیم آبادی اپنی تاریخ صوبۂ بہار مین جس کو انھون نے ۱۸۸۳ء مین لکھا ہے، لکھتے ہین :-

"مرزا عبد القادر متخلص بیدل خاص عظیم آباد پٹنہ کے متوطن تھے، ناقدر دانی ابنائے روزگار کے سبب سے وطن کو چھوڑ کر عہد دولت شاہجہان مین دہلی گئے، اور وہان نہایت معزز و مکرم ہوئے، .... اگلے لوگون سے سنا ہے کہ مرزا محلہ پٹن ڈیوی مین رہتے تھے لیکن کسی تاریخ مین نہین دیکھا" (ص ۲۲۰)

چہار عنصر مین میری تلاش مین دو دفعہ اکبر آباد کا ذکر آیا ہے،

"در بلدہ اکبر آباد منظور ابرار امیر کامگار کہ بدلیل سعادت ازلی اوقات گرامی مصروف خدمت فقرار داشت، و دراحترامیکہ لائق حال این طائفہ است .... بہ حکم حسن اعتقاد فقیر را نیز ازین فرقہ تصور فرمودہ (ص ۴۹۲)

دوسرا موقع :-

"تابستانے در گوشۂ از زوایاے اکبر آباد گرمی ہاے صحبت تنہائیم، بساط عافیتے پرداختہ بود" (ص ۵۴۹)

مگر اُن کے ان فقرون مین سے کسی سے بھی بوے وطن نہین آتی،

کلیات شبلی اردو

مولانا شبلی کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جس مین مثنوی صبح اُمید قصائد جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے اور وہ تمام اخلاقی سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمین جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کی چہل سالہ جد وجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے:

قیمت :- عہ

"منیجر"

اسلامی نظریۂ سیاست

از

جناب مولانا حید زمان صاحب صدیقی، فاضل دیوبند، پٹھانکوٹ

"موجودہ بین الاقوامی کشمکش اور عالمگیر بدامنی کے تین بڑے اسباب ہیں، ایک جغرافی حدود اور نسلی اعتبار سے قوموں کی تقسیم اور ان میں باہم تفوق و برتری کا جذبہ، دوسرے اخلاق و روحانیت سے محروم غیر عادلانہ نظام حکومت، تیسرے مختلف قوموں اور طبقوں میں دولت کی غیر مساوی تقسیم، انہی خرابیوں نے دنیا کو امن و سکون سے محروم کر رکھا ہے، بڑے بڑے عقلاء اور مفکرین امن عالم کی تدبیریں کرتے ہیں، لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوتی، اور جب تک ان بنیادی خرابیوں کی اصلاح نہ ہوگی، دنیا کو امن و سکون نصیب نہیں ہو سکتا، بہت سے مسلمان علماء و مفکرین نے بھی ان مسائل کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے، اس مضمون میں بھی اسلامی سیاسیات پر بحث کی گئی ہے، ایسے مضامین میں عموماً یہ بے اعتدالی پائی جاتی ہے کہ ان میں اسلامی سیاست کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت و سیاست ہی اسلام کا نصب العین ہے، حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ اسلام کا اصل مقصد توحید الٰہی، ایمان و عمل، تزکیۂ اخلاق اور تحلیۂ روح وغیرہ ہے، حکومت و سیاست تو اس کا ایک نتیجہ اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے جسے غلطی سے اصل قرار دیدیا جاتا ہے گو یہ مضمون بھی الفاظ کی بے احتیاطی سے یکسر پاک نہیں ہے تاہم اس میں بڑی حد تک صحیح اسلامی نقطۂ نظر کو پیش کیا گیا ہے اس لئے اس کو شائع کیا جاتا ہے"

اسلام کا تصور اجتماع | نفس جذبۂ اجتماعیت انسان کی اصل سرشت مین داخل ہے، اس لئے یہ کہنا کچھ مشکل نہین کہ جذبۂ اجتماع کسی جدید داعیۂ انسانی کی پیداوار نہیں بلکہ انسانی فطرت کا ایک جزو لاینفک ہے، یہ دوسری بات ہے کہ مختلف انسانی وحدتین محرکات اجتماع واتحاد کے اعتبار سے متضاد نظریے رکھتی ہین، ہر وحدت کا نظریۂ اجتماع دوسرون سے مختلف ہے، اور ہر نظریے مین ہر لحظہ تدریجی یا فوری تبدیلی کا امکان ہے، کیونکہ جب سے انسان نے انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف قدم اٹھایا، تدریجی طور پر اس کے تصور اجتماع واشتراک مین تبدیلی پیدا ہوتی چلی گئی، اجتماعیت کا ہر نیا دور پہلے دور کی نسبت وسیع تر ہوتا چلا گیا، انسانی عقل وشعور کے ارتقار کے ساتھ ساتھ حیاتِ اجتماعی کے دائرے بھی بدلتے رہے، تاریخ کے ابتدائی دور مین اجتماع واتحاد کا تصور نہایت تنگ دائرہ مین محدود تھا، یعنی چند افراد کا ایک کنبہ بجائے خود ایک مستقل وحدت شمار ہوتا تھا، دوسرے دور مین جب کہ علائق مین نسبتہً توسیع پیدا ہوگئی، کنبہ سے آگے خاندان کا تصور پیدا ہوگیا، جو پہلے دور کی نسبت اک گونہ وسعت رکھتا ہے، اسی طرز پر قبیلوی، علاقائی اور وطنی تعلق کی بنا پر افراد انسانی کے تصور اجتماع واتیلاف مین پہلے کی نسبت توسیع ہوتی چلی گئی، نظریۂ اجتماع کی یہ وسعت درحقیقت انسان کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور اس کے فکر ونظر کے تدریجی ارتقار کا قدرتی ردِّ عمل (ری ایکشن) ہے، مگر اس کی تشخیص اور حد بندی مین انسان کے ذاتی عواطف، حب النفس اور غرض پرستی کے مکروہ جذبات کو بہت بڑا دخل ہے، یہی وجہ ہے کہ جذبۂ اجتماع اپنے اثر ونتیجہ کے اعتبار سے دنیای انسانیت کے لئے ہمیشہ رنجیدہ ثابت ہوا ہے، اگر اس کے منشار کی تحدید قانون قدرت کے ماتحت ہوتی، تو عالم انسانی ان نامساعد واقعات وحوادث سے یقیناً محفوظ ہوتا،

قدرت الٰہی کا ہرگز یہ منشار نہ تھا کہ اجتماعیت کے اس مقدس جذبہ کو رنگ ونسل کے امتیاز، خاندانی اور قبیلوی عصبیت، لسانی اور ثقافتی اختلافات، وطنیت وقومیت کی تحدید اور امارت وغربت کی طبقاتی تقسیم کے لئے وقف کر دیا جائے، اور انہی بنیادون پر افراد انسانی کی ہیئتِ اجتماعیہ کی تشکیل ہو

اور پھر ان غیر فطری محرکات و دواعی کی بنا پر عالم انسانی کو ہزارہا طبقوں میں تقسیم کر دیا جائے، یہاں تک کہ ان خود ساختہ امتیازی خطوط کے نام پر جنگ و قتال کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع ہو جائے، غرض انسانون نے اجتماعیت کے مقدس جذبہ کو قدرت کی حدود و اقدار کے ماتحت استعمال نہین کیا، بلکہ اس کو ہوائے نفس کے خبث سے ملوث کر دیا،

یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ فیاضی، شجاعت، اور تمام ایسی صفات انسان کے لئے مایۂ عز و شرف ہین، مگر ان کے غلط اور بے محل استعمال اور حدِ اعتدال سے متجاوز ہونے کی صورت مین یہی اعلیٰ صفات انسانی سوسائٹی کے لئے تباہ کن ثابت ہوسکتی ہین، سرمایہ و دولت فی ذاتہٖ بری چیز نہین لیکن اس کے ناجائز صرف مین ہزارہا ہلاکت آفرینیان پوشیدہ ہین، اسی طرح اجتماعیت کا داعیہ انسانی فطرت کا قدرتی نتیجہ ہے، مگر اس کے منشار کے تعیین و تحدید مین انسانی عقل نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی ہے،

خالق ارض و سما نے جہان انسان کو پیدا کیا، وہان اس کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ارسال رسل اور انزال کتب کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے، اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا، کیونکہ خدائے قدوس کا علم انسانی فطرت کے تقاضا و داعیات کو محیط ہے، اور اسی کا بھیجا ہوا ضابطۂ حیات انسان کے انفرادی اور اجتماعی تقاضون کو پورا کرسکتا ہے، خود انسان کی کم مائگی اور بےبسی کا تو یہ حال ہے کہ وہ خود اپنے ہی نفع و نقصان اور سود و زیان سے آگاہ نہین، چہ جائیکہ وہ عالم انسانی کی اصلاح و بہبود کے لئے کوئی جامع دستور حیات مرتب کرسکے،

راہبر ہو ظن و تخمین تو زبون کارِ حیات

گذشتہ جنگ و فساد اسی عقلیت محضہ کا نتیجہ ہے، جس نے عالم انسانی کو اضطراب و بدامنی کے جہنم مین ڈھکیل دیا،

وبالعقل تزدحم الہموم علی الحشا　　　فالعقل عندی ان تزول عقول

اسلام جو ایک خدائی ضابطۂ حیات ہے، درحقیقت انسان کی طبعی حرکت کے نشو ونما مفاد وفطرت کے انسداد وحیات انسانی کے متضا و قوی میں توازن اور نظم وضبط قائم رکھنے کے لئے ایک قانون طبعی اور جامع دستور حیات ہے اور اس کے اصول ونظریات اٹل ناقابل تنسیخ اور غیر متبدل ہیں، جب خالق کائنات نے انسان کو پیدا کیا، تو اس کو زندگی بسر کرنے کے لئے ہدایت ورہنمائی کی ضرورت محسوس ہوئی اس وقت انسان اول کو ان الفاظ میں یقین دلایا گیا،

امایاتینکم منی هدیٰ فمن تبع هدای فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون،

اس آیت میں "هدیٰ" کا لفظ اسی نظریۂ حیات کے لئے استعمال ہوا ہے، جو اسلام کے نام سے پہچانا جاتا ہے، اور یہی سب سے پہلا اور آخری خدائی لائحہ عمل ہے،

مگر انسان کچھ ایسا جدت طراز اور غرض پرست واقع ہوا ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنے ذاتی مفاد کی عینک سے دیکھنا چاہتا ہے، کسی بات کے ذاتی حسن وقبح پر غور کرنے سے پہلے ہوائے نفس کی بارگاہ سے اجازت طلب کرنا ضروری خیال کرتا ہے، ظاہر ہے کہ جذبۂ نفسانیت کسی ایسے امر کو پسند نہیں کرتا جس میں اس کے لئے کوئی سامان راحت وتعیش موجود نہ ہو، اور نہ کسی پابندی کو برداشت کرسکتا ہے تا وقتیکہ اپنے لئے فرار کا کوئی راستہ متعین نہ کرلے، یا اس کو اپنے منشار کے مطابق نہ بنالے، ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کی ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے، جب کہ انسانوں میں ہوائے نفس کے جذبات رذیلہ ترتیب پاکر انتہا تک پہنچ جاتے ہیں، یہانتک کہ خدا کے مقدس دین میں بھی، رد وبدل کرکے اس کو اہوائے نفس کے قالب میں ڈھال لیتے ہیں،

فخلف من بعدھم خلف	ان کے بعد ایسے لوگ کتاب اللہ کے
ورثوا الکتاب یاخذون	وارث بنے جو متاع دنیا پر ٹوٹنے لگے،
عرض ھذا الادنی ویقولون	اور دعوی یہ کہ ہمیں ضرور بخش
سیغفر لنا (اعراف - ۲۱)	دیا جائے گا،

فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات (مریم - ۲)

ان کے بعد ایسے نااہل ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے فریضۂ نماز چھوڑ دیا، اور خواہشات کی پیروی کرنے لگے،

ہر نبی کی آمد درحقیقت دین کے اخلاص اور تجدید و اصلاح کی غرض سے ہوتی ہے، اور دین مین غیر دین کی آمیزش سے جس قدر تحریف ہو جاتی ہے، نبی کا کام یہ ہے، کہ وہ اس کو ان آمیزشون سے منقح اور صاف کر کے دنیا کے سامنے پیش کرے، اور اس کو اپنے ماننے والون کے دلون مین اتار دے،

یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ

ان کو پاک کرتا، اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے،

یعنی تزکیۂ قلوب اور کتاب و حکمت کی تعلیم انبیاء علیہم السلام کا فریضۂ حیات ہے،

نبی کی عظیم الشان اور مقدس شخصیت نظری اور عملی دونون قوتون کی حامل ہوتی ہے، انسانون مین فکری اور ذہنی انقلاب پیدا کرنے کے لئے اس کی پر اسرار صلاحیتین مشکل کو آسان اور ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہین اپنی دعوت حقہ سے دلون کی اقلیم کو حیرت انگیز طریقون پر فتح کر سکتا ہے،

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب

تنہا جہان بگیرد، بے منت سپاہی

یہانتک کہ بہت تھوڑے عرصہ مین وہ اپنے ساتھ ایک زبردست فعال اور سراپا عمل جماعت پیدا کر لیتا ہے، اس جماعت کے افراد مین مابہ الاشتراک وہ نظریۂ حیات ہوتا ہے، جو نبی کے توسط سے اس کو ملتا ہے، یہی وہ وصف خاص ہے، جو اس کو دوسرون سے ممتاز کرتا ہے، اور اسی کو طبعی یا فطری داعیۂ اتحاد کا نام دیا جا سکتا ہے،

سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت مبعوث کیا گیا جب کہ تمام عالم انسانی پر جہالت وغوایت کے گھٹاٹوپ بادل چھا رہے تھے، ہر قوم اور قوم کا ہر فرد دین الٰہی سے کلیتہً بیگانہ ہو رہا تھا،

اور اس ساری کائنات میں خالص دین کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا تھا، خدائی فلسفۂ اجتماع و سیاست اور صحیح طریق عبادت پر خود غرضی، جاہ پسندی اور ضلالت و گمراہی کے تہ در تہ پردے پڑے ہوئے تھے، حریت و آزادی، اور جمہوریت و مساوات کے نام سے بھی کوئی روشناس نہ تھا، ملوکیت و شہنشاہیت کا ہر طرف سکہ رواں تھا، غریب طبقے ملوکیت کے سفاک ہاتھوں سے پامال ہو رہے تھے، اس زمانہ کی کیفیت خود افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنئے،

وان اللہ نظر الی اھل الارض	خدائے عزوجل نے اہل زمین پر نگاہ ڈالی
فمقتھم عربھم وعجمھم الا	تو اہل کتاب کے چند افراد کے سوا عرب و عجم
بقایا من اھل الکتاب وقال	سب کو ان کی بد اعمالی کی وجہ سے بہ نگاہ
انما بعثتک لابتلیک وابتلی	عتاب دیکھا اور فرمایا، میں نے آپ کو اس لئے
بک وانزلت علیک الکتاب لا یغسلہ الماء	مبعوث کیا ہے، کہ آپ کے صبر کا امتحان
(اخرجہ مسلم عن عیاض بن	کروں، اور آپ کے ذریعہ دوسرے لوگوں
حمار المجاشعی)	کا بھی اور میں نے آپ پر ایک ایسی کتاب نازل
	کی ہے، جس کو پانی نہیں دھو سکتا

الا بقایا من اھل الکتاب سے یہود و نصاریٰ کے وہ چند افراد مراد ہیں، جو اس زمانہ میں بھی کتاب اللہ کی ہدایت پر قائم تھے، ورنہ اکثر اہل کتاب ضلالت و گمراہی میں مبتلا تھے، اس کے لئے قرآن کریم کی شہادت کافی ہوگی،

ولئن اتبعت اھوائھم	اے نبی اگر آپ یہود و نصاریٰ کی ملت
بعد الذی جاءک من العلم	(جس کو قرآن کریم اہوا سے تعبیر کرتا ہے)
مالک من اللہ من ولی ولا نصیر ۔ (پ ۱ سورۂ بقرہ رکوع ۱۴)	کا اتباع کریں گے، تو خدا کے مقابلہ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت قلیل عرصہ میں انسانی فکر و عمل میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا، اور ایسا نداروں کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی، جو ایمان و عمل اور سیرت و کردار کے اعتبار سے نوع انسانی کے لئے بہترین نمونہ بنی جس نے اطراف عالم میں پھیل کر عظیم الشان فکری انقلاب پیدا کیا، اس طرح پر اسلام عرب سے اٹھا اور کائناتِ انسانی کے دل و دماغ پر چھا گیا، اور اسلامی نظریۂ حیات کی بنیادوں پر ایک نئی جماعت عالم وجود میں آگئی، جس میں بلا لحاظ ملک و نسب ہر خاندان، ہر قبیلہ اور ہر ملک کے انسان شامل ہوتے گئے، یہاں تک کہ یہ نئے طرز کی جماعت دنیا کی عظیم الشان قوم بن گئی، جو نظریۂ اجتماع و سیاست، اقتصاد و معیشت، تمدن و ثقافت اور مخصوص فکر و عمل کے اعتبار سے اپنا بالکل جداگانہ اور مستقل بالذات وجود رکھتی ہے،

ملة ابیکم ابراھیم ھو سماکم المسلمین، (الآیہ)

تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا،

اسلام میں اجتماع و اتحاد کا تصور فلسفۂ مابعد الطبیعی ایک فکری اساس پر مبنی ہے، کسی جغرافی قبیلوی اور نسلی بنیاد پر نہیں، اور اسلام کی انقلابی دعوت حیاتِ انسانی کے تمام فکری، ذہنی اور عملی قوی کو ایک مخصوص اور متعین شاہراہِ عمل پر چلانا چاہتی ہے، اور اس کا منشا یہ ہے کہ رنگ و نسل کی تفریق، لسانی و ثقافتی امتیاز، امارت و غربت کی طبقاتی تقسیم اور مرز و بوم کی جغرافی حد بندیوں کے علی الرغم عالم انسانی کو ایک عالمگیر وحدت اور بین الاقوامی جماعت میں تبدیل کر کے انسانوں کے خود ساختہ غیر فطری معیار تفوق و امتیاز کو کلیۃً ختم کر دے، نسلی اور قبیلوی برادریاں ایک عظیم الشان برادری میں گم ہو جائیں، وطنیت کی تحدید، زبان اور رنگ کا اختلاف اس اخوتِ عمومی کے راستہ میں حائل نہ ہو، اس عالمگیر برادری کا نام ہے وحدت اسلامی،

خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جتنے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ان کی

نبوت وقتی اور کسی خاص خطۂ ارضی یا کسی خاص قوم کے لئے تھی، اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی عالمگیر اور جامع نظریۂ زندگی موجود نہ تھا، اور نہ کوئی بین الاقوامی حیثیت رکھنے والی جماعت یا قوم تھی، اس لئے قدرتی طور پر عالم انسانی کئی واحدون مین منقسم تھا، ہر واحدہ کی خصوصیاتِ قومی، اور شعائر ملی جداگانہ تھے، اور پھر ان مین سے ہر ایک کے خودساختہ طرز وطریق اور رسم ورواج نے ایک مستقل تفریق پیدا کر رکھی تھی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے درحقیقت عالم انسانی کو ایک عالمگیر وحدت مین تبدیل کرنے کی مہم کا آغاز ہوتا ہے،

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ،

مسند احمد بن حنبل مین ہے،

عن المقداد انه سمع رسول	روے زمین پر کوئی ایسا گھر نہین رہے گا
الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یبقیٰ علیٰ	کہ اللہ تعالیٰ اس کو کلمۂ اسلام سے مشرف
ظهر الارض بیت مدر ولا وبر	نہ کرین گے، باعزت طریقہ پر یا ذلت کے
الا ادخله الله کلمة الاسلام	ساتھ، کسی کو عزت دیکر کلمۂ اسلام کا
بعز عزیز وذل ذلیل اما یعزهم الله	اہل بنادے گا، اور کسی کو ذلیل کرکے
فیجعلهم من اهلها او یذلهم فیدینون	اس کے آگے جھکا دے گا، راوی
لها قلت فیکون الدین کله لله	نے عرض کیا تو دین کل خدا کے لئے
(اخرجه احمد)	ہو جائے گا،

اسلام کی دعوتِ عمومی کا منتہاے نظر یہی ہے، کہ تمام چھوٹی بڑی وحدتین کلمۂ اسلام کی اساس پر ایک عالمگیر وحدت مین تبدیل ہو جائین، اور کائنات ارضی مین کسی دوسری وحدت کا وجود تک نظر نہ آئے، یہی وجہ ہے کہ احادیث نبوی مین تمام افراد انسانی کو ایک ہی اخوتِ بشری کے اعضا وارکان

قرار دیا گیا ہے،

کلکم من آدم و آدم من تراب (مشکوٰۃ)	تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے،
عن زید ابن ارقم کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی دبر کل صلوٰۃ اللھم ربنا ورب کل شیئ انا شہید انک الرب وحدک اللھم ربنا ورب کل شیئ انا شہید ان محمداً عبدک ورسولک اللھم ربنا ورب کل شیئ انا شہید ان العباد کلھم اخوۃ (رواہ احمد و ابوداؤد)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا فرمایا کرتے، اے ہمارے اور ہر چیز کے پروردگار میں گواہی دیتا ہوں، کہ تو ہی رب ہے، اے ہمارے اور ہر چیز کے رب میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد تیرا بندہ اور رسول ہے، اے ہمارے اور ہر چیز کے رب میں گواہی دیتا ہوں، کہ سارے انسان بھائی بھائی ہیں،

اس حدیث میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ توحید و رسالت کی موکد شہادت کے بعد تیسرے درجہ میں اس عالمگیر اخوت انسانی کا تاکیدی اعلان کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اسلام کے تمام مابعد الطبیعی مسائل میں توحید و رسالت کے نظریے بنیادی حثیت رکھتے ہیں، اور ان پر ہی اسلام کی پوری عمارت تعمیر ہوئی ہے، یعنی اسلام کے تمام فکری اور عملی نظریے توحید و رسالت پر مبنی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس حدیث میں سب سے پہلے توحید و رسالت کا اقرار کیا گیا ہے، اور اس کے بعد اسلام کی اخوت عمومی کا اظہار کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وحدت انسانی کا نظریہ بھی اسلام میں بنیادی حثیت رکھتا ہے،

اس عالمگیر برادری میں وجہ اتحاد صرف رب العالمین کی معبودیت کا اعتراف اور اس کی غیر مشروط اطاعت ہے، اس کی ربوبیت عامہ پر یقین رکھتے ہوئے اربابًا من دون اللہ سے علانیہ اظہار بیزاری کرتا ہے،

اور پھر ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ایمان لانا ہے،

کونوا عباد اللّٰہ اخوانا (بخاری) اللہ کے بندے اور باہم بھائی بھائی بنجاؤ،

قومیت و وطنیت کا تصور، رنگ و نسل کے امتیازی خطوط اور خاندان و قبیلہ کی عصبیت کو اس اخوتِ عمومی مین کوئی دخل نہین، یہ مقدس برادری انسانون کے بنائے ہوئے امتیازی تصورات سے بہت بلند ہے، مگر بدقسمتی سے انسان کی مصلحت کوشیون اور غرض پرستیون نے ہمیشہ اس مین رخنہ اندازی کی ہی، اور اس کو اپنے اغراض و مصالح کے تہ در تہ پردون مین چھپا کر نوعِ انسانی مین غیر فطری حدبندیان قائم کردین، خود غرض اور طماع انسانون نے کبھی یہ پسند نہین کیا، کہ تمام انسانون کو مساوی طور پر زندہ رہنے کا حق دیا جائے، بلکہ انھون نے ہمیشہ یہی کوشش کی کہ ہزارہا بھولے بھالے انسانون کے ہجوم پر ناجائز تسلط قائم رکھین، اور ان کے جائز حقوق کو بے دردی کے ساتھ پامال کرتے رہین یہ طبقاتی نظام اجتماع ان درندہ صفت انسانون کا پیدا کردہ ہے، جو اخلاق و انسانیت کے لئے باعثِ ننگ ہین، جو اپنی حاکمانہ شان اور تعیش پسندانہ طرز زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ہزارون ناکردہ گناہ انسانون کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہین، اور ارباباً من دون اللہ بن کر اپنی طرح کے انسانون کو اپنے تختِ جلال وجبروت کے سامنے جھکانے کے لئے سب کچھ کر گذرتے ہین یہی وہ لوگ ہین، جو سب سے پہلے ہر اصلاحی دعوت کے مقابلہ مین غرور و تمرد کا مظاہرہ کرتے ہین، اس کو کچلنے کے لئے اپنی تمام مادی طاقتین وقف کر دیتے ہین، سیم و زر کی تھیلیان کھل جاتی ہین، اور داعیانِ حق کو ڈرانے دھمکانے اور ایذا دینے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا جاتا، قرآن کریم ان سفاک اور ناپاک انسانون کو مترفین کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے،

وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّا ہم نے جب بھی کسی بستی مین کوئی نبی بھیجا تو

قَالَ مُتْرَفُوْهَا اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ وہان کے خوشحال (دولت مند) لوگون

بہ کافرون (الآیہ) نے یہ کہدیا کہ تمھارے پیغام کو ہرگز تسلیم نہ کرینگے،

سرمایہ دارانہ نظام اجتماع اور اسلام

سرمایہ داری اگرچہ ایک جدید اصطلاح ہے، جو غریب اور دولت مند طبقون کے باہم طبقاتی نزاع و تصادم نے پیدا کی ہے، مگر جہانتک اس کے منشا و مصداق کا تعلق ہے، یہ ایک نہایت پرانی حقیقت ہے،

نسلِ آدم مین جب اجتماع و تمدن کا ابتدائی شعور پیدا ہوا تو اس کے ساتھ ہی مختلف الطبائع انسانون مین نظم و ضبط قائم رکھنے کے لئے ریاست کا تصور بھی عالم وجود مین آگیا، اس کی ابتدا بھی ابتدائی اجتماعیت و مدنیت کی طرح نیک مقاصد کی تکمیل کے لئے ہوئی تھی مگر آہستہ آہستہ اسی معصوم تصور ریاست نے خود غرضانہ ملوکیت، استبداد شخصی اور مطلق العنان آمریت کی شکل اختیار کر لی، اور اب یہ چند برسراقتدار افراد کے مصالح ذاتی خود غرضانہ دواعی اور ہوس اقتدار کی تکمیل کے لئے ایک ذریعہ بن گئی، چند افراد جو نسبتۃً زیادہ مکار، خود غرض اور سیاست کار تھے، انھون نے دوسرے لوگون پر حاکمانہ تسلط قائم کر لیا، اور اپنی اپنی قوت و طاقت کے زور سے غریب طبقون کے ذرائع آمدنی پر بھی دست تطاول بڑھانا شروع کر دیا، یہان تک کہ انھون نے اپنے حاکمانہ وسائل کے بل بوتے پر زندگی کے ایسے ظالمانہ طرز و طریق ایجاد کر لئے کہ پس ماندہ طبقون پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا، دراصل یہی چیز نظام سرمایہ داری کا بنیادی پتھر ہے، اور اس نے حیاتِ انسانی کے مرتب اور منضبط اجزار مین بدنظمی اور بے ترتیبی پیدا کر دی ہے،

دراصل انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد مین ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ان منتشر، غیر منظم اور غیر منضبط اجزار کی از سر نو شیرازہ بندی کرین، اور انسانون کی پیدا کی ہوئی غیر فطری طبقاتی تقسیم کو مٹا کر انسانون کو وحدت دینی مین شامل کر دین، جس مین ملک و نسب اور غربت و امارت کا کوئی امتیاز نہین، نظام سرمایہ داری کے پیدا کردہ رسم و رواج اور طرز و طریق کی جگہ اخوت و مساوات کے خدائی ضابطۂ عدل کے اجرار و نفاذ کی جد وجہد کرین،

ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات — ہم نے رسولوں کو بیّن دلائل کے ساتھ بھیجا

وانزلنا معھم الکتاب والمیزان — اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان بھی اتاری

لیقوم الناس بالقسط (حدید) — تاکہ لوگ ایک نقطۂ عدل پر کھڑے ہو جائیں،

میزان کا لفظ ایک محسوس چیز (ترازو) پر اطلاق ہوتا ہے، مگر اس جگہ ایک غیر محسوس معنی کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی خدائی ضابطۂ عدل! کیونکہ یہ ضابطہ بھی مختلف انسانی طبقات اور حیات انسانی کے متفاوت اور غیر متوازن اجزا میں توازن قائم کرنے والا ہے،

اس آیت سے صاف ظاہر ہے، کہ انبیار کی بعثت کا ایک مقصد غیر مرتب اجزائے حیات میں ترتیب اور نظم پیدا کرنا ہے، مگر جو لوگ مطلق العنانہ اور تعیش پسندانہ طرز زندگی کے خوگر بن چکے ہیں وہ کسی ایسی پابندی کو آسانی کے ساتھ کس طرح برداشت کر سکتے ہیں، جس میں ان کو اپنے حاکمانہ اقتدار اور سرمایہ پرستانہ اغراض سے دست بردار ہو کر ان الحکم الا للّٰہ کی ابدی صداقت کے سامنے جھکنا پڑتا ہو، کیونکہ انسان کے لئے اور تو سب کچھ آسان ہے، مگر حاکمانہ اقتدار اور جاہ و حشمت کو از خود چھوڑ دینا سب سے زیادہ مشکل ہے، مگر انبیار علیہم السلام کی دعوت کا نقطۂ آغاز ہی انسانی مراکز اقتدار و حکومت کو ختم کر کے قوت و اقتدار کے مرکز اعلیٰ یعنی خدا ے واحد کے سامنے تمام انسانوں کو جھکا دینا ہے، قبیلہ و نسب اور سرمایہ و دولت کے ناپاک بتوں کو توڑ کر صرف احکم الحاکمین کی معبودیت کا اعلان کرنا ہے، یعنی انبیا کی تعلیمات کی اساس ہی یہ ہے کہ کسی انسان کو انسان پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں، اور کسی انسان کو یہ اختیار ہرگز نہیں دیا جا سکتا، کہ وہ دوسروں سے اپنے احکام کی تعمیل کرائے، یہ منصب صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے،

یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃٍ — اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی

سوآء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا — طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مساوی طور پر

اللّٰہ ولا نشرک بہ شیئاً و لا — مسلّم ہے، کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت

تتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من	﴿	نہ کرین اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک
دون اللّٰہ،	﴾	بنائین، اور بجز اللہ تعالیٰ کے ایک دوسرے

قرآن کریم مین ہر ایسی غیر مسئول شخصیت کو جس کے احکام مین انتقاد کی گنجایش نہ ہو رب سے تعبیر کیا گیا ہے،

یہود نے احبار کو اور نصاریٰ نے رہبان اور پوپ کو یہی حیثیت دے رکھی تھی کہ ان کے احکام کو خواہ وہ کتاب اللہ کے خلاف ہی ہوتے، الہام ربانی کی طرح بغیر کسی نقد و جرح کے تسلیم کر لیا کرتے تھے،

اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللّٰہ (الآیہ)

اسی طرح قدیم یونانی بادشاہت اور روما کی جابرانہ ملوکیت عوام کے سامنے جوابدہ نہ تھی، اور ان کو بھی غیر مسئولانہ درجہ حاصل تھا، جاپان کا بادشاہ تہذیب و تمدن کے موجودہ دور مین بھی خدائی قوت کا حامل اور مافوق الفطرۃ شخصیت تصور کیا جاتا ہے، قرآن کریم ان تمام باطل طاقتون کو ارباباً من دون اللہ سے تعبیر کرتا ہے، کیونکہ اسلام مین یہ منصب صرف احکم الحاکمین کو ہی حاصل ہے، اور پھر تبعیت کے طور پر اس کے برگزیدہ انبیاء کو جو خدائی احکام کے مبلغ ہین، اور جن کی معصومیت پر خود خدائے قدوس نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے خدا اور رسول کے سوا پوری کائنات مین کوئی ایسی طاقت نہین جو غیر مسئولانہ مقام رکھتی ہو، اور اس کے احکام کی بغیر کسی خدائی سند کے پیروی کرنا ضروری ہو،

انما کان قول المؤمنین	ایمانداروں سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ تم
اذا دعوا الی اللّٰہ ورسولہ	اپنے نزاعات کے لئے خدا و رسول کی جانب
لیحکم بینھم ان یقولوا	رجوع کرو تو ان کا ایک ہی جواب ہوتا
سمعنا واطعنا واولٰئک ھم	ہے، کہ ہم سمع و اطاعت کے لئے ہر وقت
المفلحون، (نور)	تیار ہین، یہی لوگ فلاح پانے والے ہین

غرض اس باطل تصور حاکمیت کو ختم کرنا انبیاء علیہم السلام کی دعوتِ حقہ کا نقطہ آغاز ہے، اور یہی وہ بنیادی حقیقت ہے، جو وقت کے برسرِ اقتدار عناصر کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے، چنانچہ یہی او نچے طبقہ کے لوگ نبی کے مقابلہ مین اٹھ کھڑے ہوتے ہین، اور آخر دم تک تمام امکانی ذرائع و وسائل سے اس کی مخالفت کرتے ہین، کبھی نبی کی پر تقدس شخصیت کو لوگون کی نگاہون سے گرانے کی سعی کی جاتی ہے،

فقالوا انؤمن لبشرین مثلنا وقومھما لنا عابدون، — کیا ہم اپنی طرح کے دو انسانون پر ایمان لائین جن کی قوم صدیون سے ہماری غلام چلی آتی ہے، (مومنون - ۳)

کبھی نبی کو کاہن اور ساحر کہکر لوگون کو ان سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور کبھی اقتدار و حکومت کی ساری مشینری حرکت مین آجاتی ہے، اور نبی کے قتل کی سازشین ہونے لگتی ہین، کبھی یہ لوگ نبی اور اس کی مقدس جماعت کو غربت و افلاس کا طعنہ دیتے ہین، اور اپنی شانِ امارت کو صداقت کی سند قرار دیتے ہین،

لَوْ كَانَ خَيْرًا مَا سَبَقُونَا إِلَيْهِ، — اگر دین اسلام بھی کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ گھٹیا درجہ کے لوگ ہم سے سبقت نہ لے جاتے،

یعنی خدا نے جس طرح ہمین ہر طرح کا سامانِ راحت و تعیش دے رکھا ہے، اگر اسلام بھی کوئی اچھی چیز ہوتی، تو اس سے ہم کس طرح محروم رہ سکتے تھے؟ یہ بھی ہمارے ہی حصہ مین آتی، اور یہ مفلس لوگ جس طرح ہر طرح کے اسباب عشرت سے محروم ہین، اسی طرح اسلام سے بھی محروم ہوتے، مال و دولت کی بہتات اور اولاد کی کثرت نے ان کو عذابِ الٰہی سے مطمئن کر دیا تھا،

نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ — ہم مال و اولاد مین تم سے زیادہ ہین، اور

بمُعَذَّبِیْنَ، (الآیہ) ہم کو عذاب کبھی نہ ہوگا،

غرض حق و باطل کی یہ کشمکش آج سے نہیں، بلکہ ہمیشہ سے چلی آتی ہے، سرمایہ و دولت کے پرستاروں نے ہر زمانہ میں اپنے مخصوص مفاد کے تحفظ کے لیے اہلِ حق کا مقابلہ کیا، اخلاق اور انسانیت ہمیشہ ان کی وحشت ناکیوں پر ماتم کرتی رہے گی، مگر اس قسم کے جبر و تشدد اور غصب حقوق انسانی کے واقعات اگر ازمنہ مظلمہ تک ہی محدود رہتے، تو کوئی بات نہ تھی، مگر سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ عہد حاضر کی اقوام جو تہذیب و تمدن اور علم و حکمت کے اعتبار سے بہت آگے جا چکی ہیں، سفاکی، بربریت قتل و غارت، اور غصب و نہب میں اقوام سابقہ سے کسی طرح کم نہیں، بلکہ موجودہ سائنس کے ہلاکت انگیز وسائل نے ان ناپاک مقاصد کے لئے ہر طرح کی آسانیاں پیدا کر دی ہیں، جو گذشتہ زمانوں میں میسر نہ تھیں، مذہب و آئین کی پابندیوں کے باوجود گذشتہ جنگ میں نسل انسانی جن ہولناک مصائب و آلام سے دوچار ہوتی رہی، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، استعمار پرستی اور زرگری کے کتنے ہی معرکے اس زمین پر دیکھے جا چکے ہیں، کروڑہا معصوم اور بے کس انسان غرور و تعلی کے ان دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں، نسلوں کی نسلیں تباہ و برباد ہو گئیں، سیکڑوں گھر اجڑ گئے، اور ملک کے ملک ویران ہو گئے، مگر اقتدار پسندی، اور دولت پرستی کا عیب دیو آج بھی کروڑہا انسانوں کو نگلنے کے لئے منتظر بیٹھا ہے، مذہبی اور اخلاقی پابندیوں کو تو جانتا ہی کون ہے؟ لیکن ان کے اپنے بنائے ہوئے قوانین بھی ہوس استعمار کی نذر ہو چکے ہیں، جمعیتہ الاقوام کے آئین دھرے کے دھرے رہ گئے، بین الاقوامی معاہدات کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا گیا، اور ملک گیری کی ہوس کو پورا کرنے کے لئے بے شمار بے گناہ انسانوں کو خاک و خون میں تڑپایا گیا، معلوم نہیں نسل انسانی کی بدبختی کے دن کب ختم ہونگے، اور یہ کب تک ان وحشتناک اور زہرہ گداز مصائب کا شکار بنی رہے گی،

ان تنج منھا تنج من ذی عظیمۃ

والا فانی لا اخالک ناجیا

اسلام کا نظریۂ سیاست اور فلسفۂ اجتماع اس سرمایہ دارانہ نظام حکومت اور آمرانہ طرز اجتماع و سیاست کے خلاف اعلان جنگ ہے، اس کی پہلی ضرب ملوکیت و آمریت، نامنصفانہ تقسیم دولت، ضبط حریت، سلب حقوق اور انسانی آئین سازی پر پڑتی ہے، دنیا کے آخری ہادی رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ایسے زمانہ مین ہوا، جب کہ ہر طرف جہالت و غوایت کی تیرہ و تار گھٹائین چھائی ہوئی تھین، اس وقت کے خود غرض لوگون نے جبر و تشدد اور غصب حقوق انسانی کے لئے عجیب و غریب طرز و طریق ایجاد کر رکھے تھے نسلی شرافت اور معاشی و اقتصادی تفوق کی بنا پر غریب اور مفلوک الحال انسانون پر ظالمانہ تسلط جما رکھا تھا، کمزور اور ضعیف انسانون کے گاڑھے پسینہ کی کمائی مختلف ذرائع سے غصب کر لیتے اور پھر ارباباً من دون اللہ بن کر ان سے اپنے تخت غرور کی پرستش کراتے، غرض یہ دنیا غریب و بیکس انسانون کے لئے جہنم سے کم نہ تھی، کروڑون انسانون کی آبادی مین چند مکار اور عیاش اشخاص نے ساری آبادی کے عیش و آرام پر قبضہ جما رکھا تھا، خدا کی زمین ظلم و ستم کشت و خون قتل و غارت اور غصب حقوق کے بے شمار منظر دیکھ چکی تھی، آخر غریبون کی آہین آسمان کی جانب بڑھین، بیکسون کے نالے عرش کے کنگرون سے جا ٹکرائے، اور رب العرش نے کائنات ارضی کے قلب (مکہ معظمہ) مین عالم انسانی کے سب سے بڑے محسن نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جنھون نے لا الٰہ الا اللہ کی ایک ضرب سے بتان باطل کے پرزے اڑا دیئے، ان الحکم الا للہ کے ایک ہی نعرہ سے دنیا کی مطلق العنانہ آمریتون کو چیلنج کیا، اور شخصی نسلی ملکی اور قومی تفاخر کے جاہلی تصورات کو مٹا کر مساوات عامہ کا اعلان کیا، گداؤن کو شاہون کے ساتھ کھڑا کر دیا، اور غریب کو امیر کے پہلو مین بٹھا دیا،

امی بود کہ از اثر حکمت او — واقف سر نہانخانۂ تقدیر شدیم

اصل ما یک شرر باختہ رنگے بودست — یک نظر کرد کہ خورشید جہانگیر شدیم

آپ سے پہلے ہزارون نبی اور مصلح پیدا ہوئے، مگر دنیا کی غریب اور مفلوک الحال آبادی کے لئے امن و راحت

کی نوید بن کر کس نے نظام عالم مین ایک نیا انقلاب پیدا کیا، ملکی قومی اور لسانی تفاخر کے بتون کو کس نے پاش پاش کیا؟ امارت وغربت اور نسلی شرافت ودنائت کے امتیازی نشانات کو کس نے پاؤن تلے روندا؟ اس کے جواب مین صرف ہادی عالم سرورِ کائنات ہی کا نام نامی لیا جائے گا،

طبقۂ امراء کو مخاطب کرتے ہوئے، غریبون کی عظمتِ شان کا ان الفاظ مین اظہار فرمایا،

هَل تنصرُونَ وترزقونَ الّا بضعفاءکم، (رواہ البخاری عن سعد بن وقاص)

دولت مندو! کمزور اور غریب لوگون کے توسط سے تمھین ہر قسم کی مدد اور خوراک میسّر آتی ہے،

ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ جن لوگون کو تم غلام کہکر پکارتے ہو، وہ تمھارے بھائی ہین، ان کو ذلیل مت خیال کرو، جو خود کھاؤ ان کو بھی کھلاؤ، جیسا لباس خود پہنو ان کو بھی پہناؤ،

ایک دفعہ حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے نے اپنے قبطی غلام کو سخت پیٹا، اتنے مین سرور دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کا وہان سے گذر ہوا، آپ نے برہمی کے لہجہ مین فرمایا،

مذکم تعبّدتمُ الناسَ وقد ولدتهم امّهاتهم احراراً،

تم نے ان لوگون کو کب سے غلام بنالیا ہے، حالانکہ یہ ماؤن کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے ہین،

آپ نے بھرے مجمع مین حضرت عمرو بن العاص کے صاحبزادے کو اسی غلام کے ہاتھون پٹوایا،

اہلِ عرب دورِ جاہلیت مین نسلی وقومی تفاخر اور خاندانی عصبیت کے لئے ساری دنیا مین شہرت رکھتے تھے، ان کے زورِ سخن، فصاحت وبلاغت اور ادب وشاعری کا منتہا سے نظر آبا واجداد کے کارنامون پر فخر کرنا تھا، مگر رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جاہلی معتقدات کو نہایت قلیل عرصہ مین ختم کر دیا، عربون کے افکار مین عظیم الشان انقلاب پیدا ہوگیا، ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

لیس منا من دعا الی عصبیة وہ شخص ہماری جماعت سے نہین جو عصبیت

وَلَیسَ مِنَّا مَن قَاتَل عَصَبِیَّۃً وَلَیسَ مِنَّا مَن مَاتَ عَلیٰ عَصَبِیَّۃٍ (صحاح) کی طرف دعوت دے یا عصبیت کے لئے جنگ کرے یا عصبیت پر مر جائے،

احادیث نبوی مین "لیس منا" کا تہدیدی فقرہ آپ صرف ایسی حالت کے لئے ارشاد فرمایا کرتے تھے، جو کفر سے قریب تر اور جماعت مومنین کی رکنیت، و عضویت کے منافی ہوتی تھی، اس کی بہت سی مثالین احادیث مین ملتی ہین،

ایک موقع پر کسی شخص نے قومیت و نسب کا نعرہ لگایا، تو آپ نے فوراً اس کو تنبیہ فرمائی،

دعوھا فانھا جیفۃ (بخاری) اس نعرہ کو ترک کردو کہ بہت برا نعرہ ہے،

قبل اس کے کہ موجودہ نظام جمہوریت کے اجزا ترکیبی اور آٹھ نکات کی بنا پر اس طرز جمہوریت کے آٹھ بنیادی نقائص کا تذکرہ کیا جائے، اور پھر ان نکات کے اعتبار سے اسلامی نظام سیاست کے جزئیات پر بحث کی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی طرز سیاست کی لاثانی حیثیت پر سرسری تبصرہ کر دیا جائے، تاکہ قارئین کو اندازہ ہو سکے، کہ موجودہ دور جمہوریت و مساوات کی نظر فریب "تابانی" دراصل اسی مرکزیت کی ہلکی سی جھلک ہے،

یک چراغیست درین خانہ کہ از پرتو آن ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

اسلامی نظریۂ سیاست کی نوعیت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا ملوکیت کے سلاسل مین جکڑی ہوئی تھی، زمین کا کوئی خطہ ایسا نہ تھا، جو اس لعنت مین مبتلا نہ ہو اور اس ساری کائنات مین کوئی ایک انسان جمہوریت کے نام سے آشنا نہ تھا، مگر ظہور اسلام کے ساتھ ہی اس کی سب سے پہلی ضرب ملوکیت کے باطل نظام پر پڑی، کلمۂ توحید کی ایک ہی گونج نے مشرق و مغرب مین شہنشاہیت کی گرفت کو ڈھیلا کر دیا، اور چند دنون مین خالص اسلامی نظریہ سیاست کی بنیادون پر ایک معیاری حکومت قائم کرکے دکھا دی، اس اسلامی نظریۂ حکومت کی نوعیت کیا ہے؟ اس کے لئے ہمین دیگر سیاسی نظریات

کی طرف جانے کی ہرگز ضرورت نہین، موجودہ دنیا مین تمھاری سامنے کوئی ایسا سیاسی نظام نہین جو اسلام کے نظریہ سیاست کے لئے بطور مثال پیش کیا جاسکے، اور نہ کسی خاص نظریہ کو اسلام کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے، اشتراکیت (کمیونزم) جمہوریت (ڈیموکریسی) آمرانہ طرزِ حکومت (ڈکٹیٹرشپ) یا کسی دوسرے انسانی نظریہ سیاست کو اسلام سے کوئی ادنیٰ مناسبت بھی نہین، اسلام اپنی مثال آپ ہے، اور خود ہی اپنے مخصوص نظریہ سیاست و اجتماع کا شارح ہے، اسلام کی نسبت بس اتنا ہی کیا جاسکتا ہے،

"الاسلام ھو الاسلام"

یعنی اسلام چونکہ اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے بالکل جداگانہ اور مستقل بالذات وجود رکھتا ہے" اس لئے ہم اسلام کو صرف اسلام کی اصطلاح سے پہچان سکتے ہین، مگر صرف اس بنا پر کہ اس کا طرز حکومت طریق شوریٰ پر مبنی ہے، اس لئے اس کے نظریہ سیاست کو جمہوریت سے قریب تر کہہ سکتے ہین، مگر اسلام کی جمہوریت، موجودہ جمہوریت سے بالکل مختلف ہے، جمہوریت کا ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے، کہ قانون ساز خود جماعت ہوتی ہے، لیکن اسلام کا قانون الٰہی ہے، اس مین کسی بندے کو تغیر و تبدل کرنے کا اختیار نہین، خلیفۂ وقت صرف اسکا نافذ کرنے والا ہے، پھر اسلام کا طریق شوریٰ اور طرز انتخاب بھی جداگانہ حیثیت رکھتا ہے، لہذا جمہوریت کے اطلاق سے کسی کو یہ شبہہ نہین ہونا چاہئے، کہ اسلام بھی موجودہ نظام جمہوریت (ڈیموکریسی) کی طرح کا کوئی نظام ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شخصیت جامع الشخصیات تھی، آپ کے قول و فعل مین خطا کا احتمال نہ تھا، کیونکہ آپ مؤید من اللہ تھے، مگر اس کے باوجود آپ کو واضح الفاظ مین حکم دیا گیا، کہ آپ حکومت کے کاروبار اور دیگر معاملات مین مومنین سے مشورہ کر لیا کرین،

"وشاورھم فی الامر (الآیۃ)"

نیز اہل ایمان کے اوصاف مین ایک بڑا وصف ارشاد فرمایا، کہ وہ امور خلافت اور دوسرے

معاملات کو باہم مشورہ سے طے کرتے ہیں،

"وامرھم شوریٰ بینھم"

امر کا لفظ کتاب وسنت میں حکومت وخلافت کے لئے اکثر استعمال ہوا ہے، چنانچہ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ میں باتفاق مفسرین اوّلاً و بالذات حکام سیاست مراد ہیں،

انا لانولی ھذا الامر من سألہ (بخاری)	ہم اس شخص کو حاکم نہیں بنا سکتے، جو اس کا خواہش مند ہو،

میں امر سے مراد منصب حکومت ہے،

بے شمار آیات واحادیث میں امر کا لفظ ان معنوں میں وارد ہوا ہے، لہذا آیات مذکورہ شاورھم فی الامر، اور امرھم شوریٰ بینھم میں یہی معنی مراد لئے جائیں گے، ان آیات سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں حکومت وخلافت کی بنیاد طریق شوریٰ پر ہے، اور اس میں نظام ملوکیت کی طرح استبداد شخصی، وراثت وولیعہدی کا کوئی شائبہ موجود نہیں،

اس باب میں احادیث نبوی اور آثار صحابہ اس کثرت سے ہیں، کہ ان کا احاطہ ہمارے لئے بہت مشکل ہے، یہاں صرف چند احادیث وآثار پیش کئے جاتے ہیں جن میں طریق شوریٰ کو شعار اسلامی قرار دیا گیا ہے،

عن ابی عبیدۃ ابن الجراح ومعاذ ابن جبل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ بدء ھذا الامر نبوۃ ورحمۃ ثم کائن خلافۃ ورحمۃ ثم کائن ملکاً عضوضاً ثم کائن عتواً و جبریۃ الحدیث (اخرجہ ابو یعلی)	اسلام کی ابتدا نبوت اور رحمت سے ہوئی ہے، اس کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ اور رحمت کا دور آئے گا، پھر ظالمانہ طرز حکومت، اور آخر میں خالص ظلم اور جبروت کی حکومت ہوگی،

شاطبی نے "موافقات" میں اسی قسم کی ایک روایت ذکر کی ہے، جس میں کچھ لفظی اختلاف کے علاوہ ایک پانچویں دور کی بھی خبر دی گئی ہے،

ان اوّل دینکم نبوۃ ورحمۃ وتکون
فیکم ماشاء اللّٰہ ان تکون ثم یرفعہا
اللّٰہ جل جلالہ ثم تکون خلافۃ
علیٰ منہاج النبوۃ ماشاء اللّٰہ ان
تکون ثم یرفعہا اللّٰہ جل جلالہ
ثم یکون ملکاً عاضاً فیکون ماشاء اللّٰہ
ان یکون ثم یرفعہ اللّٰہ جل جلالہ
ثم تکون ملکاً جبریۃ فتکون ماشاء اللّٰہ
ان تکون ثم یرفعہا اللّٰہ جل جلالہ
ثم تکون خلافۃ علیٰ منہاج النبوۃ
تعمل فی الناس بسنۃ النبی ویلقی
الاسلام بجرانہ فی الارض
یرضیٰ عنہا ساکن السماء وساکن
الارض لاتدع السماء من قطر الا
صبتہ مدراراً ولا تدع الارض
من نباتہا وبرکاتہا شیئاً الا
اخرجتہ،

تمہارے دین (اسلام) کا آغاز نبوت اور
رحمت سے ہے، اور جب تک خدا کو منظور
ہوگا، یہ تم میں رہے گی، پھر خدا اس کو اٹھا لیگا،
اس کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہوگی،
اور یہ بھی جب تک خدا کو منظور ہوگا، رہے گی،
پھر خدا اس کو اٹھائے گا، پھر ظالمانہ ملوکیت
کا دور آئے گا، اور جب تک خدا کی مرضی
ہوگی، رہے گا، اور پھر اٹھا لیا جائے گا، پھر
خالص جبر و قہر کی حکومت ہوگی، جو مشیت
ایزدی کے مطابق ایک عرصہ تک رہے گی،
اور پھر اٹھ جائے گی، آخر میں، ایک دفعہ پھر
خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا مقدس دور
آئے گا، جس کے اعمال سنت کے طریق پر
ہونگے، اور اس دور میں اسلام کو زمین میں استحکام
حاصل ہوگا آسمان والے اور زمین والے اس دور
سعید سے خوش ہوں گے، آسمان رحمت خداوندی
کی موسلا دھار بارش برسائے گا، اور زمین اپنے

موافقات ج ۱ ص ۲۶۳

ان دونون روایتون مین خلافتِ اسلامی ملوکیتِ جابرہ کے بالمقابل ذکر ہوئی ہے، اور پھر دورِ نبوت اور دورِ خلافت کو یکسان طور پر رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے، اور دورِ ملوکیت کو جبر و قہر اور ظلم و تشدد سے، ملوکیت کی حقیقت کیا ہے؟ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ حکم ذاتی اور استبدادِ شخصی کا دوسرا نام ہے، لہذا اسلامی حکومت و خلافت وہی ہو سکتی ہے، جو حکم ذاتی کی جگہ طریق شوری پر مبنی ہو،

حضرت صدیق اکبرؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا، اس کے ایک ایک لفظ سے اسلام کے طرزِ سیاست و جمہوریت کا پتہ چلتا ہے،

ثمّ قام ابوبکرؓ فخطب الناس واعتذر	خدا کی قسم مین نے کسی دن اور رات
الیهم وقال واللّٰه ما کنت حریصًا	مین امارت کی ہوس نہین کی، اور نہ مجھے اس
علی الامارة یومًا ولا لیلةً قطّ	کی کوئی خواہش ہوئی مین نے کبھی تنہائی مین
ولا کنتُ راغبًا فیها ولا سألتها	یا علانیہ طور پر خدا سے بھی امارت کے لئے سوال
اللّٰه عزّ وجل فی سرّ وعلانیة	نہین کیا، لیکن اختلاف مین المسلمین سے ڈر کر
ولکنی اشفقتُ من الفتنة ومالی	مین نے اُسے قبول کر لیا ہے، امارت مین میرے
فی هذه الامارة من راحة	لئے کوئی راحت کا سامان نہین، بلکہ مجھ پر
ولکنی کُلّفتُ امرًا عظیمًا (اخرجه الحاکم)	تو بہت بڑا بوجھ ڈال دیا گیا ہے،

انتخاب عام اور طریقِ شوری کا منشا اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب کہ امارت و خلافت اور نمایندگی کے لئے کوئی شخص خود اپنے آپ کو پیش نہ کرے، بلکہ جمہور اصحاب علم و عمل اور فکر و دانش خود کسی مسلمان کو اس کے اوصاف کے لحاظ سے منتخب کرین، اس طرح ان کو اظہارِ خیال کی پوری آزادی مل سکتی ہے، اور حریتِ رائے عامہ ہر قسم کے جبر و اکراہ اور ترغیب و ترہیب سے محفوظ رہ سکتی ہے، اس کے برعکس جب ایک یا چند اشخاص خود ہی امارت و نمایندگی کے لئے بطور امیدوار کھڑے ہوتے ہین تو رائے عامہ بیرونی اثر سے متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتی، کیونکہ

ہر ایک امیدوار (کانیڈیڈیٹ) ووٹ حاصل کرنے کے لئے ترغیب و ترہیب کے امکانی وسائل استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرے گا، جس سے آزادی رائے پر نہایت برا اثر پڑتا ہے، اسلامی جمہوریت کی یہی سب سے بڑی خصوصیت ہے، جو موجودہ جمہوریت میں کلی طور پر ناپید ہے، حضرت ابوبکر صدیق کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ خلیفہ بنے نہیں، بلکہ بنائے گئے، اور انھوں نے با دل ناخواستہ ملت کو انتشار و طوائف الملوکی سے بچانے کی خاطر یہ منصب قبول کیا،

حضرت عمر فاروق نے وفات سے قبل جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں بھی اسی طریق شوری کا اظہار کیا گیا،

فان عجل بی امر فالخلافة شوریٰ	اگر مجھے موت آجائے تو خلافت کے لئے
بین ھٰؤلاء النفر الذین توفی	ان اشخاص میں سے کسی ایک کو انتخاب
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم	کر لیا جائے، جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
وھو عنھم راضٍ،	اس حال میں رخصت ہوئے کہ آپ اُن
(اخرجہ مسلم وابویعلی)	سے راضی تھے،

اس کے بعد آپ نے چھ اصحاب کے نام لئے، الفاظ سے ظاہر ہے کہ آپ نے ان چھ حضرات کے لئے سفارش کی، کیونکہ یہ سبقت فی الاسلام اور خدمات ملی کے اعتبار سے مستحق خلافت تھے، مگر آپ نے کسی کو نامزد نہیں کیا، بلکہ اس کا فیصلہ رائے عامہ کے سپرد کیا،

حضرت عمر کا یہ قول مشہور ہے :-

لاخلافة الا من مشورة (کنز العمال)

خلافت کا معاملہ جمہور امت کے مشورہ سے ہی طے ہو سکتا ہے،

حضرت علی کو جب حضرت امیر معاویہ نے ایک خط میں لکھا کہ آپ کو کس نے خلیفہ بنایا ہے تو

آپ نے نہایت جامع اور مدلل جواب دیا، جس سے اسلامی جمہوریت کے تمام اجزا معلوم ہو جاتے ہیں، آپ کے اس جواب کے چند فقرے یہ ہیں،

وانما الشوریٰ للمهاجرین	حق رائے صرف مہاجرین اور انصار کو حاصل
والانصار فان اجتمعوا علیٰ رجلٍ	ہے، وہ جس شخص پر متفق ہو جائیں، اور اس
وسموہ اماماً کان ذٰلک رضیً	کو اپنا امام تسلیم کرلیں، تو یہ جمہور امت کا
فان خرج من امرهم خارج	ناطق فیصلہ متصور ہوگا، اگر کوئی شخص طعن
بطعنٍ او بدعةٍ ردّوہ الیٰ	یا بدعت کی بنا پر اس فیصلہ کو تسلیم نہ کرے
ماخرج منه فان ابیٰ قاتلوہ	تو اس کو اس کے لئے مجبور کرنا چاہئے، اور
علیٰ اتباعه غیر سبیل المؤمنین	اگر وہ پھر بھی انکار کرے، تو اس سے جنگ
(نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر)	کی جائے کیونکہ اس نے سبیل المؤمنین کو ترک

حضرت علیؓ کے ان الفاظ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں رائے دہندگی کا معیار علم وعمل ہے، اور علم وعمل کے اعتبار سے انصار و مہاجرین سب سے زیادہ ممتاز تھے، مگر موجودہ طرز جمہوریت میں علم وعمل اور اخلاق وسیرت کو کسی بعید سے بعید کونے میں بھی جگہ حاصل نہیں، اس کی تفصیل انشاء اللہ آگے چل کر آئے گی،

سلیمان بن عبد الملک نے اپنے بعد محی السنہ حضرت عمر بن عبد العزیز کو اپنا جانشین بنایا تھا مگر حضرت عمر بن عبد العزیز نے مجمع عام میں یہ اعلان کیا کہ میں غیر اسلامی طرز پہ مسلمانوں کا حاکم بنایا گیا ہوں، اس لئے خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں مسلمانوں کو اختیار ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ جس کو چاہیں امیر منتخب کرلیں،

ایها الناس انی ابتلیتُ بهذا الامر	اے لوگو! مجھے میری رائے اور خواہش نیز
من غیر رایٍ منی ولا طلبةٍ ولا مشورۃ	مسلمانوں سے مشورہ کئے بغیر حاکم بنا دیا گیا ہے

من المسلمین وانی قد خلعت مافی اعناقکم من بیعتی فاختاروا لانفسکم غیری،

اس لئے میں اپنی بیعت سے تمھیں آزاد کرتا ہوں اب تم میرے سوا جس کو چاہو، اپنا امیر بنالو،

دنیا میں شاید کوئی ایسی مثال نہ مل سکے، کہ ایک عظیم الشان سلطنت کو صرف اس لئے ٹھکرا دیا گیا، کہ یہ جائز طریق سے حاصل نہیں ہوئی تھی، حضرت عمرؒ ابن عبدالعزیز ہی وہ بلند پایہ انسان ہیں، جنھوں نے شاہانہ وقار اور مسندِ حکومت کو اصولِ اسلامی کے لئے قربان کر دیا،

آپ شاہی خاندان کے چشم وچراغ تھے، اور ناز و نعم میں زندگی گذاری تھی، ان کے والد مصر کے گورنر تھے، نیز ان کی اپنی جائداد کی آمدنی پچاس ہزار اشرفی سالانہ تھی، عیش و عشرت کے وسائل کی ہر طرح فراوانی تھی، اور اس پر سلیمان بن عبدالملک ایسے باجبروت بادشاہ کی مسند حکومت اور حشمت و دولت بھی ان کے حصہ میں آئی، مگر خدائے قدوس کو ان سے کچھ اور ہی کام لینا تھا، چنانچہ اس مردِ خدا نے اپنی زندگی کے قلیل عرصہ میں تجدید دین کا فریضہ کما حقہٗ انجام دیا،

آپ نے بالکل طریقِ سنت اور منہاج نبوت پر خلافت کا نظام چلایا، بنو امیہ کے روایتی ٹھاٹھ کو ترک کرکے فقیرانہ زندگی بسر کی، یہاں تک کہ خلیفہ بننے کے بعد ان کی ذاتی آمدنی پچاس ہزار کے بجائے صرف دو سو اشرفی سالانہ رہ گئی،

تا ابد بوے محبت بمشامش نہ رسد
ہر کہ خاکِ درِ میخانہ برخسار نرفت

بہرحال خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے طرزِ عمل سے یہ دکھا دیا، کہ اسلام کا نظامِ سیاست وراثت و جانشینی کے ملوکانہ تصور سے بالکل الگ ہے، اسلام اس جاہلی تصور کو کسی حال میں برداشت نہیں کرتا،

رفعِ خوف وحزن

از

ڈاکٹر میر ولی الدین (جامعہ عثمانیہ)

(۱)

حق تعالیٰ میرے مولیٰ ونصیر ہیں، میرے محسن ومنعم ومکرم ہیں، میری قوت بازو اور میری پناہ گاہ ہیں! ان ہی پر مجھے بھروسہ ہے! میری زندگی کی قوت وحرکت حق تعالیٰ ہی ہیں! ان ہی پر مجھے اعتماد ہے، وہی میرا سہارا ہیں!

حَسْبِیَ اللّٰہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر!

اللّٰھُمَّ اِنِّی اسئلک یا اللہ یارحمٰنُ	اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں، اے اللہ
یارحیمُ یاجارالمستجیرین یاامانَ	اے رحمٰن، اے رحیم، اے پناہ مانگنے والوں
الخائفین یاعمادَ مَنْ لاعمادلہ یا	کی پناہ، اے ڈرنے والوں کو امان دینے والے
سَنَدَ مَنْ لاسَنَدَ لہ یاذُخرَ مَنْ	سہارا اس کا جس کا کوئی سہارا نہیں، تکیہ اس
لاذُخرَلہٗ یاحرزالضعفاء یا	کا جس کا کوئی تکیہ نہیں، اے بخشایش اس
کنزالفقراء یاعظیم الرجاء	کی جس کی کوئی بخشایش نہیں، اے ضعیفوں
یامنقذالھلکیٰ یامنجی الغرقیٰ	کے بچانے والے، اے فقیروں کا خزانہ،
یامحسنُ یامکرمُ یامنعمُ یامُفضِلُ	اے بڑی امید، اے ہلاک ہونے والوں کو

یاجبارُ یامُنیرُ انت الذی سجد | بچانے والے، اے ڈوبنے والون کو نجات
لک سواد اللیل وضوء النہار و | دینے والے، اے محسن، اے کرم کرنے والے
شعاع الشمس ونور القمر و | اے انعام والے، اے فضل والے آقا،
وخفیق الشجر ودوی الماء یااللہ | اے جبار، اے روشن کرنے والے، تیری
انت اللہ لاشریک لک اسئلک | وہ ذات ہے کہ سجدہ کیا تجھکو رات کی
ان تصلی علی محمد عبدک ورسولک | سیاہی نے اور دن کی روشنی نے آفتاب
وعلی آل محمد، ! | کی شعاع نے اور چاند کے نور نے، درخت
| کے جانداراور پانی کے حیوانون نے، یااللہ
| تیرا کوئی شریک نہین، تجھ سے چاہتا ہون
| کہ رحمت بھیج تو اپنے بندے اور رسول
| محمدؐ پر، اور آل محمدؐ پر،

خوف کا تسلط میرے قلب پر کیسے ہوسکتا ہے، جب میرے مولی میرے قریب ہین، میرے ساتھ ہین، مجھ پر محیط ہین! کسی قسم کی پریشانیون سے مجھے کیا غم، جب ان کی قوت میرے اندر موجود اور سرگرم عمل ہے!؟

"اللہ حاضری اللہ ناظری اللہ معی"

"اِنَّ رَبِّی قَرِیبٌ مُجِیب، (ھود ع ۵)

نحن اقرب[۱] از کتاب حق بخوان | نسبت خود را بحق نیکو بدان
ہست حق از ما بما نزدیک تر | ماز دوری گشتہ جویان دربدر

---

[۱] اشارہ بجانب آیۂ شریفہ، نحن اقرب الیہ من حبل الورید،

قرب حق کے اس احساس کو قلب میں لئے ہوئے میں اپنے روزمرہ زندگی کے فرائض کو بے فکری اور خوش دلی کے ساتھ ادا کرتا رہوں گا، سکون و طمانیت میرے ہر فعل و حرکت سے ظاہر!

"لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا"

سوے نومیدی مرو کامیدہاست

سوے تاریکی مرو خورشیدہاست (رومی)

مجھ پر کون غالب آسکتا ہے، حق تعالیٰ میری قوت بازو ہیں، میرے مولیٰ، اور ناصر حقیقی!

"وما النصر الا من عند اللّٰہ! اللّٰھم انت عضدی وناصری"

دامن او گیر اے یار دلیر! کو منزہ باشد از بالا وزیر! (رومی)

مجھ پر کوئی غالب نہیں آسکتا، کیونکہ میرے قلب سے ہر آن محبت اور خیر خواہی کی شعاعیں نکل رہی ہیں! اُن کے مقابلہ میں غیظ و غضب، طنز و تعریض سب فنا ہو جاتے ہیں، وجود ہی میں نہیں آسکتے!

دشنام خلق رانہ دہم جز دعا جواب

ابرم کہ تلخ گیرم و شیرین عوض دہم! (صائب)

اب میں ہر خوف ہر شبہہ اور وسواس ہر فکر و غم سے ماورا ہوں، اکوئی سلبی خیال، کوئی باطل خطرہ، میرے قلب میں جگہ نہیں پا سکتا، میں قطرۂ نور ہوں، سراپا نور ہوں، حزن و غم سے دور ہوں، دائماً مسرور ہوں!

واکشیدم لذت و غم را برون کردم ز دل

چون تہی از مغز گردید استخوان اندا ختم (ناصر علی)

خوف کا تسلط اب میرے قلب پر ممکن نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ میرے ساتھ ہیں، افکر و تردد کا بار میرے سینہ پر نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ میرے تمام کاروبار کے وکیل و کارساز ہیں!

قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ! (پ ۱۳ ع ۱۰)

آپ فرما دیجئے کہ وہ میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہین مین نے اسی پر بھروسہ کرلیا، اور اسی کے پاس مجھ کو جانا ہے

اے ناخدا ز مصلحت ما بشوی دست

ما با خداے خویش بکشتی نشستہ ایم! (صائب)

میرا دل قوی ہے، خوش ہے، مین خوف سے بالکل آزاد ہون، کیونکہ مین نے اپنا سارا بوجھ حق تعالیٰ کے کندھون پر رکھدیا ہے، اور ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ مین لے لیا ہے!

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ — پس اللہ بہترین محافظ ہے، وہ ارحم الراحمین ہے،

بِسْمِ اللّٰهِ اَفْتَتِحُ وَبِهٖ اَخْتَتِمُ اللّٰه اللّٰه اللّٰه! — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہون اور اسی کے نام پر ختم کرتا ہون، اللہ اللہ اللہ!

این ہمہ غمہا کہ اندر سینہا ست — از غبار و گرد و باد و بود ماست

این غمان بیخ کن چون داس ماست — این چنین ؟ آن چنان وسواس ماست (رومی)

ڈرون کس چیز سے جب حق تعالیٰ ہر جگہ حاضر و موجود ہین، وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا! غم و حزن سے مجھے کیا سروکار جب حق تعالیٰ میری رہبری فرما رہے ہین، اور ہر روز میرے معاملات کو اپنی خاص توجہ سے درست فرما رہے ہین؟ کیا وہ میرے لئے کافی نہین؟ ان کے ہوتے ہوئے مجھے کسی کا کیا ڈر؟

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ، (پ ۲۴ ع ۱)

کیا اللہ اپنے بندون کے لئے کافی نہین! کیا تجھ کو یہ لوگ اُن سے ڈراتے ہین، جو خدا کے ماسوا ہین: (دوست)

سینۂ افلاک سے اٹھتی ہے آہِ سوزناک

مردِ حق ہوتا ہے جب مرعوبِ سلطان امیر (اقبال)

حق تعالیٰ میری راہ کو آسان بنا رہے ہیں، ان کے لئے ہر چیز آسان ہے! مومن کی تائید انھوں نے اپنا حق قرار دے لیا ہے!

کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْن،

اب مجھے ٹھوکر کا کوئی اندیشہ نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ میرے راستہ کا نور ہیں!

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ! (پ ۳ ع ۲)

اللہ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے، اور ان کو تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور کی طرف لاتا ہے،

یارب ز کرم امید بے بیم دہ گلے کہ رضائے تست تعلیم دہ!

تاریکی عقل در کشاکش دارد از شمع رضا فروغ تسلیم دہ!

اب میں زندگی کے ہر واقعہ کو بلاخوف و ہراس خوش آمدید کہوں گا، اور منظر ہر واقعات سے قطعاً متردد نہ ہوں گا، ان میں تو ہر آن تغیر ہے، کوئی دو آن پر قائم نہیں ہیں۔ میں نے ذاتِ ازلی و ابدی کو اپنا مقام بنا لیا ہے! ایمان کی مضبوط چٹان پر کھڑا ہوں اور کوئی چیز میرے سکون و وقار کو متزلزل نہیں کر سکتی!

"کُنتُ و تَکُون وَاَنتَ حَیٌّ لَا یَمُوتُ تَنَامُ العُیُونُ وَتَنکَدِرُ النُّجُومُ وَاَنتَ حَیٌّ قَیُّومٌ لَا تَأخُذُکَ سِنَۃٌ وَلَا نَومٌ یَا حَیُّ یَا قَیُّومُ!"[1]

---

[1] حضرت موسیٰ جب فرعون کے مقابلہ کو چلے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حنین کی لڑائی کے لئے نکلے تو یہ دعا پڑھتے تھے اور ہر مصیبت زدہ کو یہ دعا پڑھنی چاہئے،

حاشا کہ دلم از تو جدا خواہد شد یا کس دیگر آشنا خواہد شد

از مہر تو بگسلد کرا دارد دوست وز کوے تو بگذرد کجی خواہد شد

مین حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہون جو میرے مولا و ناصر ہین جنھون نے میرے قلب کو ہر غم وحزن خوف وفکر سے آزاد فرما دیا ہے، اور اس کو سکون واطمینان سے معمور فرما دیا ہے، اَلحمدُ للہ حمدًا کثیرًا طیبًا مُبارکًا فیہ،

(۲)

ہم پر کوئی حادثہ یا مصیبت نہین نازل ہو سکتی، مگر وہی جو حق تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمائی ہی، وہ ہمارے مولیٰ ہین، آقا ہین، ہمین اپنے سب کام ان ہی کے سپرد کر دینے چاہئین، ان ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے، ان ہی کا آسرا ڈھونڈھنا چاہئے، مجھے ان کے در کے سوا کہان پناہ مل سکتی ہے؟ اور کون مجھے پناہ دے سکتا ہے.؟!

قُلْ لَنْ یُصِیبَنَا اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ھُوَ مولینا وعلی اللہ فلیتوکل المومنون،

(پارہ ۱۰ ع ۱۲)

شاد و خندان پیش تیغش سر بنہ!

ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ! (رومی)

میرا یہ پختہ ایمان ہے، کہ ہر غم و مصیبت کا مجھ پر دورہ حق تعالیٰ ہی کی مشیت و ارادت سے ہوتا ہے:

مااصاب من مصیبۃ اِلَّا باذن اللہ (پ ۲۸ ع ۱۵) کوئی مصیبت بدون خدا کے حکم کے نہین آتی،

جب ہر مصیبت کا ورود حق تعالیٰ ہی کے حکم وارادہ سے ہوتا ہے، اور حق تعالیٰ مجھ پر بعد ایمان[1] رحیم ہیں، جیسا کہ ان کا ارشاد ہے، کان بالمومنین رحیما، تو اب جو کچھ بھی ان کی طرف سے پیش آئے گا، اس میں رحمت بھی ہوگی۔ اور حکمت بھی، !

جامی از یار پسندیدہ مہر یہ حاشا

کان پسندیدہ بجز کار پسندے نکند (رومی)

حواس کی آنکھ مظاہر و حقائق میں فرق نہیں کر سکتی، نمود و بود کے امتیاز سے قاصر ہوتی ہے، اسی لئے تاکید فرمادی گئی ہے،

عسیٰ ان تکرھوا شیئا ویجعل — شاید تم کسی چیز کو برا جانو اور حق تعالیٰ نے

اللہ فیہ خیرا کثیرا (پ ع ۱۴) — اس میں خیر کثیر رکھا ہو،

میری عقل بھی امروز و دوش کی زنجیروں میں پابستہ ہے، تابع نفس ہے، حقیقی اقدار سے غافل، حقیقت سے جاہل ہے، اسے منزل کی خبر نہیں، اس کو حقائق حیات کا علم نہیں؛

زین خرد جاہل ہمی باید شدن — دست در دیوانگی باید زدن،

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد — این عسس را دید و در خانہ نشد (رومی)

عاقل و بالغ تو وہی مرد ہے، جو ہوی وہوس سے آزاد ہے، علم اللہ کا تابع ہے، اس کے سوا سب ہی بچے ہیں، نادان اور بے عقل!

خلق اطفال اند جز مست خدا

نیست بالغ جز رسیدہ از ہوی (رومی)

بچہ ہی تو دودھ چھوٹتے وقت پریشان ہوتا ہے، سخت تکلیف محسوس کرتا ہے، اس کو ایک

---

[1] بہر صورت مجھے اپنے ایمان کی حفاظت ہے،

مصیبت خیال کرتا ہے لیکن وہی کچھ عرصہ بعد اپنی ماں کو دعا بھی دیتا ہے، کہ

ع جزاک اللہ چشمم باز کردی!

اگر تو میرا دودھ نہ چھڑاتی، تو میں آج یہ لذیذ اور نفیس غذائیں کیونکر کھاتا!

بچہ ہی تو ختنہ کو ایک مصیبت عظمیٰ خیال کرتا ہے، اس سے پناہ مانگتا ہے لیکن اس کی مہربان ماں اس کو مصیبت نہیں سمجھتی!

طفل می لرزد زنیش احتجام

مادر مشفق از ان غم شادکام! (رومی)

مجھ پر جو مصیبت آئی ہے، وہ حق تعالیٰ ہی کے ارادہ اور مشیت سے آئی ہے، اور حق تعالیٰ میرے آقا اور مولیٰ ہیں، اور مجھ پر رحیم و حلیم ہیں، ان کی طرف سے جو بات بھی آتی ہے، اس میں خیر ہی ہوتا ہے، وہ رحمت سے مملو ہوتی ہے اور ہرگز حکمت سے خالی نہیں ہوتی! اس لئے میں اپنی ارادت حق تعالیٰ کی ارادت اور مرضی کے تحت کردیتا ہوں، ان کے فعل سے راضی ہوجاتا ہوں، ان کے حکم کے آگے سر جھکا دیتا ہوں لیکن ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں تھامے رکھتا ہوں، اور اب وہ جس تاریکی میں بھی مجھے لے جانا چاہے، ذوق و شوق کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوں یقیناً وہ مجھے بالآخر سرسبز و شاداب وادی ہی میں پہنچادینگے، وہ میرے مولیٰ ہیں، میرے مالک ہیں، ستر ماؤں سے زیادہ مجھ پر رحیم ہیں! بے ضرورت وہ مجھے آزار میں کیوں مبتلا کریں گے؟!

آن کسے را کہ چنین شاہے کشد سوئے بخت و بہترین جائے کشد

نیم جان بستاند و صد جان دہد آنچہ در وہمت نیاید آن دہد! (رومی)

ایسے کریم کا در چھوڑ کر کہاں جاؤں، کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں، کس کے قدم پکڑوں؟!!

تو کریم مطلق و من گدا چہ کنی جز انیکہ نخوانیم!

در دیگرے بنما کہ من بکجا روم چو برانیم!

نہ بنقش بستہ مشوشم نہ بحرف ساختہ سرخوشم!

نفسے بیاد تو می کشم چہ عبارت و چہ معانیم!

ہمہ عمر برنہ دو دیدہ ام بخیلم کنون کہ خمیدہ ام!

من اگر بحلقہ تنیدہ ام تو بروں در منشانیم (بیدل)

اللّٰھمّ لک الحمد والیک المشتکیٰ — یا اللہ تیرے ہی لئے تعریف ہے اور تجھی سے

وبک المستغاث وانت المستعان — لائق ہے شکایت، اور تجھ ہی سے فریاد ہے

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ، — اور تو ہی مستعان ہے، اور اللہ کے سوا نہ

کوئی طاقت اور قوت نہیں۔

تابعینؓ

علم و عمل اور مذہب و اخلاق میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابۂ کرام کے بعد انہی کی زندگی مسلمانوں کے لئے نمونۂ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے اس میں حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت حسن بصری، حضرت اویس قرنی، حضرت امام زین العابدینؒ حضرت امام باقر، حضرت امام جعفر صادق، حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت سعید بن مسیب، حضرت سعید بن جبیر، حضرت محمد بن سیرین، حضرت ابن شہاب زہری، امام ربیعہ رائی، امام مکحول شامیؒ قاضی شریحؒ وغیرہ چھیانوے اکابر تابعینؒ کے سوانح، ان کے علمی، مذہبی، اخلاقی اور علمی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے، ضخامت ۶۰۰ صفحے، قیمت :- للعہ "منیجر"

مثنوی گلزار نسیم کے ماخذ

از

جناب سید ظہور حسن صاحب رامپوری

بعض اوقات ردی میں ایسے غیر مطبوعہ پرانے قلمی نسخے ملجاتے ہیں جن سے عجیب وغریب حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے، ہمارے پاس دو مثنویاں قلمی ہیں جنھیں ہر طرح مثنوی گلزار نسیم کی اصل کہا جا سکتا ہے، ان میں کی ایک مثنوی اردو میں ہے جس کا تاریخی نام باغ بہار ہے، یہ ریحان الدین لکھنوی تخلص ریحانی کی لکھی ہوئی ہے. دوسری مثنوی فارسی میں ہے، یہ رفعت لکھنوی کی تصنیف ہے، افسوس باوجود کوشش بسیار مکمل نہیں مل سکی، لیکن جگہ جگہ تخلص کے آنے سے اس کے مصنف کا پتہ چلتا ہے،

ان تینوں مثنویوں کا ایک ہی قصہ سے تعلق ہے ایک ہی بحر ہے اور نام اور مقام بھی ایک ہی ہیں؛ اس کے علاوہ اکثر مصرعوں اور شعروں کا لفظ بہ لفظ مثنوی گلزار نسیم میں موجود ہونا خود اس خیال کا بڑا مؤید ہے، کہ نسیم کی نظر سے پہلی یا دوسری یا دونوں مثنویاں ضرور گذری ہیں لیکن حیرت یہ ہے کہ خود نسیم نے اس کا اقرار نہیں کیا، بلکہ اپنی مثنوی کی اصل ایک نثری قصے کو بتایا ہے،

وہ نثر ہے، داد نظم دوں میں
اس مے کو دو آتشہ کروں میں

مثنوی گلزار نسیم کا سنہ تصنیف ۱۲۵۴ھ خود نسیم ہی کے مصرع

توقیع قبول روز بیش باد

سے نکلتا ہے، اور باغ بہار کا سال تالیف ۱۲۱۷ھ ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گلزار نسیم، باغ بہار سے ۴۴ سال بعد وجود میں آئی، ۴۴ سال میں زبان میں جتنی صفائی آسکتی ہے، وہ گلزار نسیم اور باغ بہار کے مقابلہ سے ظاہر بھی ہے، اگر اردو زبان نصف صدی گذر جانے پر بھی اسی نقطہ پہ موجود رہتی جہاں نصف صدی پہلے تھی، تو یہ ایک مردہ زبان کہے جانے کی مستحق تھی، لیکن ہر زندہ زبان ترقی کرتی ہے، اور دنیا کی کوئی زندہ زبان اگر کچھ قبل کی زبان سے مقابلہ کرکے دیکھی جائے گی، تو یہی صورت پیش آئے گی جو یہاں نظر آرہی ہے،

رفعت لکھنوی نے اپنی فارسی مثنوی میں اس بات کا اعتراف کیا ہے، کہ یہ فسانہ انھیں نثر میں ملا،

یعنی چو کہن بشد زمانہ | کم قدر شدہ است این فسانہ
خواہم کہ بگویمش دگر بار | یارب بکشا بسم بہ گفتار

اگرچہ اس مثنوی کا صحیح سنہ تصنیف نہیں ملا، لیکن اس کے بعض بعض مصرعوں اور شعروں کا ہو ترجمہ مثنوی گلزار نسیم میں پایا جاتا ہے، اس سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ رفعت لکھنوی فارسی کے شاعر نسیم سے پہلے گزرے ہیں،

ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ نسیم کو کسی طرح یہ قلمی مثنویاں مل گئی تھیں، اور انھوں نے ان سے فائدہ بھی اٹھایا ہے، ہم اس وقت ان مثنویوں کے بعض بعض مقامات نقل کرتے ہیں، جن کا طرز بیان وغیرہ گلزار نسیم سے ملتا ہے، ناظرین کی آسانی کے خیال سے ہم نے گلزار نسیم کے ہم مضمون اشعار بھی نقل کر دیئے ہیں،

پہلے رفعت کی فارسی مثنوی اور گلزار نسیم کا تقابل مطالعہ فرمائیے،

رفعت	نسیم
چون مردمکش نگاہ دارید	پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا

رفعت	نسیم
۲- عازم بہ سفر شدند ہر چار	شہزادے ہوئے وہ چاروں تیار
زیشان بہ برید شاہ ناچار	رخصت کئے شہ نے چار ناچار
۳- گفتند کہ چشم شاہ شد کور	سلطان زین الملوک شہ زور
ناچید ز عارض پسر نور	دیدار پسر سے ہو گیا کور
بارے چو رخش ترا بیاید	پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھ اس کو
بینائی چشم تو رباید	پھر دیکھ نہ سکے گا وہ کسی کو
۴- می گشت چو گردہ بدشتے	میدان میں خاک اڑا رہا تھا
۵- در مشت تو باد پیما	مٹھی میں ہوا کا تھامنا کیا
۶- در دیدہ کنم چو مردمک جا	ہے چشم یہی میں جائے مردم
۷- چون سرو بہ ہر طرف خرامان	شمشاد رواں ہوا چمن میں
۸- از بہر تو اے بت پری رخ مشہور شدم بنام فرخ	فرخ ترے واسطے ہوئی میں
۹- حالت بزبان تو شنیدم	سب تجھ سے سنی تری زبانی
۱۰- اے شاہ ارم بت گل اندام	اے شاہ ارم کی دخت گلفام
فرخ لقب و بکاولی نام	فرخ لقب و بکاولی نام
۱۱- باز آمدہ آب رفتہ در جو	آیا پھر آب رفتہ جو میں
۱۲- ہمچون در توبہ در کشادہ	توبہ کا سا در کھلا ہوا تھا
۱۳- در جامہ خویشتن نگنجید	پھولا نہ وہ جامہ میں سمایا

اس مقابلہ سے اندازہ ہوجاتا ہو کہ نسیم نعمت کا کس درجہ زیر بار احسان ہے، اس کے بعد باغ بہار اور گلزار نسیم کے اشعار پیش ہیں ان کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ جہان تک لطف زبان، صفائی، سادگی، روانی اور شستگی کا تعلق ہو باغ بہار نسیم کی مثنوی سے بہت بلند ہے، اس مین وہ مصنوعی صنعت گری بالکل نہین پائی جاتی جس سے گلزار نسیم کے مصنف نے کام لے کر اپنے آپ کو ریحان سے آگے بڑھانے کی کوشش کی ہو

نسیم	ریحان
۱- پورب مین ایک تھا شہنشاہ	تھا زین الملوک نام جس کا
سلطان زین الملوک ذیجاہ	دوران فلک غلام جس کا
لشکر کش و تاجدار تھا وہ	یون کہتے ہین راویان آگاہ
دشمن کش و شہریار تھا وہ	تھا شرق کی سرزمین مین کوئی شاہ

ریحان تاج الملوک کی پیدایش نسیم

القصہ عنایت خدا سے	امید کے نخل نے دیا بار
بیٹا جنا اس پری لقا نے	خورشید حمل ہوا نمودار
بیٹا کہون یا کہ ماہ پارا	وہ نور کہ صدقے مہر انور
یا ٹوٹ پڑا فلک سے تارا	وہ رخ کہ نہ ٹھہرے آنکھ جس پر

تاج الملوک کا جوان ہونا۔

طفلی گئی آئی نوجوانی	جب نام خدا جوان ہوا وہ
غنچہ لگا کرنے گلستانی	مانند نظر رواں ہوا وہ

باپ بیٹے کی مڈبھیڑ اور زین الملوک کا نابینا ہونا

تقدیر سے شاہزادۂ وشاہ	آتا تھا شکارگاہ سے شاہ

ریحان

باہم ہوئے دو بدو سر راہ
جب شاہ نے اس پسر کو دیکھا
آنکھوں تلے آگیا اندھیرا
گویا کہ تھی اس جواں کی تقصیر
اس پیر کی آنکھوں کے لئے تیر

نسیم

نظارہ کیا پسر کا ناگاہ
صاد آنکھوں کی دیکھ کر پسر کی
بینائی کے چہرے پر نظر کی
مُہرِ لبِ شمع ہوئی خموشی
کی نورِ بصر سے چشم پوشی

علاج کے لئے دوڑ دھوپ

۵- سو طرح کی ہو چکی تلافی
پہنچا نہ اُسے علاج کافی
عاجز ہوئے سارے تجربہ کار
حاصل نہ ہوئی شفائے بیمار

تقدیر سے چل سکا نہ کچھ زور
بینا نہ ہوا وہ دیدۂ کور

۶- تھا اک طبیب سن رسیدہ
دانائے جہاں زمانہ دیدہ
آیا جو پئے علاج سلطان
کہنے لگا یوں کہ شاہ دوران
ہے ایک دوا بہت مجرب
بے سعی مگر ملے ہے وہ کب
اے سرورِ حدیقہ تجمل
کہتے ہیں اُسے بکاؤلی گل

تھا ایک کحال پیر دیرین
عیسیٰ کی تھیں اُس نے آنکھیں دیکھیں
وہ مردِ خدا بہت کراہا
سلطان سے ملا کہا کہ شاہا
ہے باغِ بکاؤلی میں اک گل
پلکوں سے اسی پہ مار چنگل

	ریحان	نسیم
	کر دیتی ہے کور کو وہ بینا	
	یون لکھ گیا بو علی سینا	
۷-	القصہ وہ چارون ہی بد اختر	وہ ہاتھ مین چار دن اس نے لوٹے
	صدقے ہوے بسوا کے گھر پر	پنجے مین پھنسے تو چھکے چھوٹے
	وان آیا جو بسوا کا سرکوب	ملتی تھی کھلاڑونکے کی چوٹ
	نقارہ پہ زور سے جڑی چوب	نقارۂ چوب مین چلی چوٹ
	معمول تھا یہ کوئی جو آتا	
	چوب ایک نقارہ پر لگاتا	
	تھا یہ تو بڑا گھمنڈ والا	
	نقارہ کو دھر کے پیٹ ڈالا	
	ایسا کہ جو کانپ اٹھی حویلی	
	اور چونک پڑی وہ بسوا بھی	
	اندر سے نقارہ کی سن آواز	
	کرنے لگی اپنے جی مین انداز	
	معلوم نہین یہ کون آیا	
	معمول سے کیون سوا بجایا	
۸-	چٹ پٹ لگی چٹکیان بجانے	وہ چشم و چراغ بسوا کے
	چوہے کو اشارون مین بلانے	کرنے لگے تاک جھانک آکے

	ریحان	نسیم
	شہ کی جو تھا آستین مین راسو	نیولا وہ کہ مارِ آستین تھا
	چٹکی کی صدا جو پہونچی اسکو	چٹکی کے بجاتے ہی وہین تھا
	غرایا وہ آستین کے اندر	بلی تو چراغ پا تھی خاموش
	چوہا وہین دب گیا جو ڈر کر	بل ہو گیا موش کو فراموش
۹	اک دن بزبان خود ہو گویا	لونڈی ہوں نہیں عدول مجھکو
	کی شاہ سے عقد کی تمنا	خدمت مین کرو قبول مجھکو
۱۰	جانا ہی اگر ہے تم کو جانا	یہ کہہ کے اٹھا کہا کہ دو جان
	تو بہرِ خدا شتاب آنا	جاتے ہین کہا خدا نگہبان
	حق حافظ حال ہے سدھارو	....
	دل سونپا تمھین، تمھین خدا کو	....
۱۱	اور کہنے لگا کہ واہ جی واہ	کہنے لگا کیا مزا ہے دلخواہ
	یہ تو کوئی اور شے ہے واللہ	اے آدمی زاد واہ وا وا
۱۲	ہمشیر یہ میری ہے امانت	پیارا یہ مرا ہے آدمی زاد
	رکھنا تو اسے بہ مہر و شفقت	رکھیو اسے جس طرح مری یاد
۱۳	جب تاج نے دیکھا وہ سراپا	سوچا کہ یہ زلف کف مین لینی
	سو دل سے ہوا پری پہ شیدا	ہے سانپ کے منہ مین انگلی دینی
	پس کھو دیا صبر و طاقت و تاب	یہ پھول انھی اژدہون کا ہے من
	تھا جس پہ ہنوز فتنہ در خواب	یہ کالے چراغ کے ہین دشمن

۸

ریحان

چاہے تھا کہ جی سے ہاتھ دھوکر
جاگر پڑے بے تحاشا اس پر

یاد آئی اسے پدر کی حالت
پھر آگئی دل مین استقامت
کہنے لگا کچھ نہین ہے یہ کام
معیوب ہے اس جگہ یہ اقدام
تجھ پاس ہے ایک کی امانت
مردون سے بعید ہے خیانت
گر تونے یہ اس جگہ کیا کام
تو باپ کو ہو چکا بس آرام
بس لے کے انگوٹھی اس پری کی
پہنا دیا جھٹ انگوٹھی اپنی
لے ہاتھ مین گل و نگین وہ حال
نکلا تو سہی پہ رہ گیا دل

۱۴- جس وقت سیاہ دزد شب کا
شحنہ سے سحر گہی کے دبکا

نسیم

گل چھین کر ہنسی نہووے بالکل
خندہ نہ ہو برق حاصل گل
پھر سمجھین گے ہے جو زندگانی
کچھ نام کو رکھ چلو نشانی
انگشتری اپنی اس سے بدلی
مہر خط عاشقی سند لی
گل ہاتھ مین مثل دست بیضا
اس نقب کی آستین سے نکلا

گلچین نے وہ پھول جب اڑایا
اور غنچۂ صبح کھل کھلایا

ریحان

روشن ہوئی شرق سے سحرگاہ
نکلا شہ خاوری کا خرگاہ
اٹھ بیٹھی بکاؤلی پلنگ پر
مانند طلوع مہر خاور
جس جا کہ نہ ہو صبا کو جرأت
لیجائے چرا کے گل کو نکہت
مقدور نہیں کہ کوئی بلبل
اس باغ میں ہووے عاشق گل
یاں اور کو ہو گزر یہ معلوم
ہو گل سے جہان نسیم محروم
ہے آدمی کیا بساط کیا مال
جلتے ہیں یہاں فرشتہ کے بال
جب ہاتھ ملا یا ہوگا ہیہات
باقی رہی ہوگی کونسی بات
اے کاش اسے پکڑنے پاتی
کیا کیا مزے چوری کے چکھاتی

نسیم

وہ سبزۂ باغ خواب آرام
یعنی وہ بکاؤلی گل اندام
جاگی مرغ سحر کے غل سے
اٹھی نکہت سی فرش گل سے
اپنوں میں سے پھول لے گیا کون
بیگانہ تھا سبزہ کے سوا کون
شبنم کے سوا چرانے والا
اوپر کا تھا کون آنے والا
ہاتھوں کو ملا کہا کہ ہیہات
خاتم بھی بدل گیا ہے بدذات
جس نے مجھے ہاتھ ہے لگایا
وہ ہاتھ لگے کہیں خدایا

---

(۱۵) فی الفور چلی تلاش کرنے
دل پھول کے چور کو پکڑنے

کہتی تھی پری کہ اڑ کے جاتی
گلچین کا کہیں پتہ لگاتی

ریحان

ہر جا اُسے ڈھونڈتی چلی وہ
کوچہ کوچہ گلی گلی وہ
وہ ڈھونڈھ چکی جہان سارا
سارے عالم کو چھان مارا
دوڑی گئی بے تحاشا ہو کر
جا گر پڑی تاج کے قدم پر
محمودہ کو دیکھ وہ پری رو
کہنے لگی شہ سے مضطرب ہو
یہ کون ہین کیا ہے ان کی تعریف
کچھ کیجئے بیان وصف توصیف
اس نے کہا اے نگار دلجو
کچھ پوچھ مت آپ کی صفت کو
ہے ان کی صفت بیان سے خارج
اوصاف مری زبان سے خارج
اس ملک مین ان کی ہی بدولت
مری رہی زندگی سلامت
گر ان کی نہ ہوتی درمیان ذات
ہرگز نہ بر آتے میرے حاجات

نسیم

ہر باغ مین پھولتی پھری وہ
ہر شاخ پہ جھولتی پھری وہ
جس تختہ مین مثل باد جاتی
اُس رنگ کے گل کی بو نہ پاتی
چار آنکھیں ہوئین تو تھی تنا سا
قدمون پہ گری وہ سایہ سا
صدقے ہو کر کہا خوش آئے
جس گل کی ہوا لگی تھی لائے
ہمراہ یہ کون دوسری ہے
سایہ ہے کہ ہم قدم پری ہے
بولا شہزادہ شکر ہے ہان
پر ہے گل آرزو سے دامان
محمودہ نام ہین جو یہ ساتھ
پھول ان کے سبب سے آگیا ہاتھ

(باقی)

سیام کے مسلمان

از

جناب طاہر و لادر حسین صاحب ناظم جمعیۃ الاسلام بنکوک سیام

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

سیام مین مدت سے ہندوستانی مسلمان تاجرانہ حیثیت سے مقیم ہین بمبئی گجرات، بڑودہ، پنجاب، یوپی، سرحد، مدراس، وغیرہ صوبون کے مسلمان ہین، پٹھان مسلمان تو پہرہ داری کا پیشہ کرتے ہین، ان مین تاجر بہت کم ہین، مگر عزت سے زندگی گذار رہے ہین، ہندی مسلمانون کی تعداد تقریباً ایک ہزار تک پہنچی ہے، شیعہ سُنی کے امتیازی نامون سے یہان کے مسلمان عموماً بیزار ہین، مسلمان کی حیثیت سے آپس مین ملتے ہین شادی غمی مین بلا تفریق دل سے شریک یکدگر ہین جمعیۃ الاسلام کے نام سے بارہ سال سے ایک انجمن سیام مین قائم ہے، جس مین مختلف خیال کے مسلمان متحد ہین سب صوبون کے مسلمانون کے نمایندے اس کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبر ہین جمعیۃ الاسلام کے پیش نظر ہندوستان سے باہر رہنے والے مسلمانون مین دینی اسپرٹ قائم کرنا ایک اہم مقصد ہے اس مقصد مین جمعیت کو کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے، سیام مین مسلمان تقریباً دس لاکھ اور پوری آبادی مین چھ فی صدی ہین، ان مین غلط وطنیت کا جذبہ ضرورت سے زیادہ نمایان ہے اسلامی نامون سے سیامی حکومت کی جانب سے کسی زمانے مین ناراضی ظاہر کی گئی تھی، مقامی مسلمان

نام تک بدل ڈالنے کے لئے تیار ہو گئے، چنانچہ مسلمان افسرون مین سے اکثرون کے نام اسلامی نہ ہونے کی وجہ سے ان کا پہچاننا مشکل ہے، اب سے تین سو سال پہلے عرب مسلمانون کا کوئی وفد سیام آیا تھا، اُس یہان کے راجہ کو دعوتِ اسلام دی تھی، راجہ نے تو اسلام قبول نہین کیا مگر عوام مین سے چند اسلام کے گرویدہ ہو گئے، حسن اتفاق سے چند صوفیہ بھی اسی زمانہ مین آئے، اُن کے روحانی فیوض سے اشاعت اسلام مین تیزی ہوئی، جنوبی سیام مین مسلمان زیادہ ہین، اور چونکہ ملایا سے قریب ہین، اس لئے سیامی زبان کے ساتھ ساتھ ملائی زبان بھی جانتے ہین، خود شہر بنکوک مین ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان ہین، اور اسّی سے اوپر مساجد ہین، اکثر مسلمان کاشتکار اور دستکار ہین، لکڑی کے تاجر بھی چند ہین، وہی خوشحال ہین، چند حاجی بھی جابجا نظر آتے ہین، ہندوستانی مسلمان جس طرح حج کرکے فوراً وطن واپس آجاتے ہین، اس طرح سے سیامی حاجی واپس نہین آتے، بلکہ دس دس پندرہ پندرہ برس حجاز مین قیام کرتے ہیں اور سیام کے عام مسلمان ان کے سفر حج کے موقع پر اور اُن کے زمانۂ قیام مین بھی ان کی مدد کرتے رہتے ہین، چنانچہ اس طرح کے اچھے خاصے تعلیم یافتہ ملک بھر مین جابجا پھیلے نظر آتے ہین، تعلیم یافتہ سیامی مسلمان عربی زبان پر کافی عبور رکھتے ہین، اگر کوئی نووارد مسلمان عربی دان ہو تو تبادلۂ خیالات مین بڑی سہولت ہوتی ہے، ہندوستانی نسل کے مخلوط مسلمان بھی کہین کہین شاذ و نادر نظر آتے ہین، چونکہ ان مین ہندوستانی خون ہوتا ہے اس لئے وہ ہندوستانیون کے ساتھ زیادہ میل جول رکھتے ہین، مگر نسوانی آزادی قابلِ اصلاح ہے، لباس مین کوئی تمیز مسلم وغیر مسلم مین نہین ہے، مساجد مین اسلامی لباس مین ان نوجوانون کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے جن مین سے بہتون کو باہر غیر مسلم سمجھے ہوئے تھے، جمعیۃ الاسلام کی کوشش ہے کہ سیامی مسلمان اسلامی نقطۂ نظر سے اپنی پوزیشن سنبھالنے لگ جائین، اور بیرونی مسلمانون سے روابط و تعلقات قائم کرلین، سیامی مسلمانون مین الاصلاح نامی ایک انجمن اصلاحی کام کر رہی ہے غنیمت ہے کہ اس انجمن کے ارکین شوق سے اور سمجھ کر کام کر رہے ہین، یون تو برائے نام اور دوسری انجمنین بھی قائم ہین، سب انجمنون کی شرکت سے ایک مرکزی

انجمن کے قیام کی تحریک جمعیتہ الاسلام کی جانب سے کی گئی ہے جو امید ہے کہ کامیاب ہو جائے گی، اس سے انشاء اللہ آیندہ سیامی مسلمان بہت کچھ کام آسانی سے کرسکیں گے،

ہندوستانی نسل کے مسلمان بچون کے لئے تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہین ہے، اور وہ مجبوراً سیامی اسکولون مین تعلیم پاتے ہین، اس طرح سیامی طرز بود و باش کے عادی ہو گئے ہین، ناواقفیت کے سبب اسلامی طرز سے ناآشنا ہین، جمعیتہ الاسلام کا ارادہ ہے، کہ ایک انگریزی اور عربی دان نوجوان عالم کو ہندوستان سے بلاکر اس کے ماتحت ایک مدرسہ چلایا جائے، چنانچہ ابھی سے اس مدرسہ کی بنیاد پڑ گئی ہے، آپ سے ہماری استدعا ہے، کہ سیام مین تبلیغ و اشاعت کی ذمہ داریون کو سنبھالنے کے قابل مذکورالصدر اوصاف سے متصف کسی نوجوان عالم کی ہمین اطلاع دین، یہان آنے کے بعد سیامی زبان پر دسترس حاصل کر لینا بہت آسان ہی، چند سال پیشتر ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹگور کے ایک شاگرد اور شانتی نکیتن کے تعلیم یافتہ سوامی ستیانند پوری نام ایک آدمی یہان آیا تھا، اور قلیل زمانے مین سیامی زبان مین مہارت حاصل کر کے یہان کے لوگون مین کافی مقبولیت پیدا کر لی تھی، راجہ تک کے یہان اس کا رسوخ بڑھ گیا تھا، اس نے اچھی اچھی کتابین سیامی زبان مین لکھنا شروع کر دی تھین، لیکن مسلمانون کے خلاف درپردہ سازش بھی کر رہا تھا، جاپان کے غلبہ کے زمانہ مین جاپان جاتے ہوئے ہوائی حادثہ سے ہلاک ہو گیا، ہم چاہتے ہین کہ مسلمانون مین اس قسم کے آدمی نکل آئین، جو سیام کے لوگون اور ہندوستانی الاصل مسلمان نوجوانون کو سنبھالین، ہماری حوصلہ افزائی کے لئے آپ کی ہدایات ضروری ہین، اور ہم کو توقع ہے کہ آپ سیام کے دورافتادہ ہندوستانی مسلمانون کو خبرگیری و دستگیری سے محروم نہ فرمائین گے، جمعیتہ الاسلام کے ماتحت ایک لائبریری کھولی گئی ہے، ہم چاہتے ہین، کہ وہ تمام اسلامی رسائل اور کتابین جو ہندوستان کی مختلف زبانون مین شائع ہوتی ہین، ان کو منگائین، اس سلسلہ مین بھی آپ کی مدد کے منتظر ہین،

ادبیات

سیلِ تخئیل

از جناب شفق جوالاپوری

ہر اک نقش برآب ہر چیز فانی مگر عشق کا ہر نفس جاودانی

رہی جوہر و عرض کی سرگرانی مگر آپ اپنی حقیقت نہ جانی

محبت کا قصہ جنون کی کہانی کسی نے نہ سمجھا کسی نے نہ جانی

بھڑکتے ہیں شعلے سے قلب و جگر میں نہ پوچھو کہ کیا شے ہے سوزِ نہانی

بجز اشکِ حسرت بجز نقشِ حیرت محبت کی کس سے ہوئی ترجمانی

مٹایا مجھے کاہشِ غم نے لیکن نشان بن گئی خود میری بے نشانی

خروشِ جنون میں سکون آچلا تھا مزا دے گئی اور رہی بدگمانی

کوئی رازِ بے تابیٔ دل نہ سمجھا بہت چشمِ حسرت نے کی خونفشانی

ہجومِ حوادث مصائب کے طوفان انھیں سے عبارت ہے کیا زندگانی

تری ہر صدا باعثِ سازو نغمہ تری ہر ادا رقصِ حسن وجوانی

میرے سیلِ تخئیل کا ہے یہ عالم کہ جیسے پہاڑی ندی کی روانی

شفق میرے ساقی کا فیضِ نظر ہے

یہ گل ہائے معنی، یہ رنگین بیانی

گلبانگِ سرخوشی

از جناب سید انور کرمانی

میسّر کہاں اُن کو یہ درد دوری | فرشتے تیرے گو ہیں نوری حضوری
ادب شرطِ اول ہے راہ وفا میں! | جنوں کے لئے موت ہے بے شعوری
تڑپ دل کی تاثیرِ حسنِ نظر ہے | متاعِ گرانمایہ ہے ناصبوری
یہی سرمستی، یہی سترِ ہستی! | دوام آگہی ہے مع اللہ حضوری
حجابِ تعین اٹھا دے نظر سے | کہانی نہ رہ جائے دل کی ادھوری
فریبِ نظر ہیں، حجاب آفریں ہیں | یہ آنی یہ فانی، یہ خاکی یہ نوری

حشرِ جذبات

از ثاقب کانپوری

جب سے بے تابیٔ حیات گئی | میں نے سمجھا کہ کائنات گئی
دل میں اک ٹیس سی جو ہوتی تھی | عشق کے ساتھ اب وہ بات گئی
درد ہی سے تھی زندگی مفہوم | یہ گیا ساری کائنات گئی
ختم قصہ نہ ہو سکا دل کا | اس فسانے میں ساری رات گئی

محو جلوہ ہوں رات دن ثاقبؔ
جب سے شرطِ تعینات گئی



باب التقریظ والانتقاد

مجمع فواد الاول للغۃ العربیۃ

از

مولانا محمد ناظم صاحب ندوی استاد ادب دارالعلوم ندوۃ لکھنؤ

جس طرح انسانی زندگی کا ہر شعبہ بدلتا رہتا ہے یہی حال زبان کا بھی ہے، دنیا کی تمام زبانیں مختلف عوامل واسباب کی بنا پر بدلتی رہتی ہیں، عربی زبان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں، گو عربی زبان میں عجمی الفاظ کے استعمال کی مثالیں اسلام سے قبل عہد جاہلیت سے ملتی ہیں، مگر یہ الفاظ بہت تھوڑے ہیں اور ان ہی قبائل کی زبان میں پائے جاتے ہیں، جو حکومت ایران یا حکومت روم کے زیر اقتدار علاقہ کے قریب آباد تھے، یا ان شعراء عرب کے کلام میں ملتے ہیں جو عجمی درباروں سے وابستہ تھے، جیسے اعشیٰ اور عدی بن زید العبادی وغیرہ کا کلام، عام عرب شعراء کا کلام اور عرب قبائل کی زبان عجمی الفاظ اور عجمی اسلوب ادا سے پاک تھی، قرآن شریف میں بعض لغویوں کے نزدیک فارسی، سنسکرت یا حبشی کے جو الفاظ ہیں، وہ عربی زبان میں اس طرح رل مل گئے تھے کہ ان کی حیثیت عجمی نہیں رہی تھی اور وہ عربی الفاظ بن گئے تھے، تاہم ان کی تعداد بہت کم ہے،

طلوع اسلام کے بعد عربوں کی زندگی میں ایک ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا ہوا، جس کے اثر سے اس کی زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوا، زبان بھی اس سے مستثنیٰ نہ رہی، اور عربی زبان میں سیکڑوں الفاظ جدید مفہوم میں بولے جانے لگے، ان کا قدیم مفہوم متروک یا مغلوب ہو گیا، صلوٰۃ، زکوٰۃ،

عموم اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ پہلے سے موجود تھے، مگر ان معانی میں نہیں بولے جاتے تھے جن میں ظہور اسلام کے بعد بولے جانے لگے، قرآن کریم اور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور معجزانہ بلاغت سے طبیعتوں میں جو نرمی، اخلاق میں جو بلندی اور کردار میں جو پختگی پیدا ہوئی، اس کا اثر زبان پر بھی نمایاں ہوا کیونکہ انسان کی زبان اس کے اخلاق کا آئینہ ہے، قرآن کریم کی روزانہ تلاوت، پانچ وقتوں کی نماز میں اس کی قرأت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلیغ و حکیمانہ گفتگو کا اثر صحابۂ کرام کی زبان پر خصوصاً اور عام مسلمانوں کی زبان پر عموماً الفاظ کی سلاست، ترکیبوں کی چستی اور جملوں کی جامعیت کی شکل میں ظاہر ہوا، جس کا اندازہ صحابۂ کرام کے خطوط، خطبوں اور جاہلیت کی تقریروں کے موازنہ سے ہو سکتا ہے،

این الثریا من الثری، اس تغیر کے باوجود عربی زبان کا قالب وہی رہا جو جاہلیت میں تھا، مگر اسلام کا دائرہ جس قدر پھیلتا گیا، اور عرب کے دور افتادہ قبائل جیسے جیسے حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے، زبان میں بھی تغیر ہوتا گیا، اور مختلف قسم کی لسانی اور صوتی غلطیاں کرنے والے قبائل کا جب ایک دوسرے سے میل جول بڑھا، تو وہ غلطیاں جو مخصوص علاقوں میں محدود تھیں، عام ہونے لگیں، مگر یہ صوتی عیوب[1] جو بنی تمیم، ہذیل، اہل یمن اور دوسرے قبائل کی زبان میں پائے جاتے تھے ان کا عربی زبان کی اصل ہیئت اور مخصوص ساخت یا اسلوب ادا پر کوئی اثر نہیں ہوا،

بنی امیہ کی حکومت خالص عربی حکومت تھی، اس لئے اس کے زمانہ میں عربی عصبیت کے ساتھ عربوں کی دوسری خصوصیتیں بھی باقی تھیں، حکومت کے تمام عہدوں پر عرب تھے، فوج سے لیکر

---

[1] بنی تمیم اگر کسی لفظ کے شروع میں ہمزہ ہوتا، تو اسے عین سے بدل دیتے تھے، مثلاً اسلم کو عسلم کہتے تھے، اس عیب کو عنعنہ کہا جاتا ہے، ہذیل ح کو عین سے بدلتے تھے، اس کو فحفحہ کہا جاتا ہے، قضاعہ کلمہ کے آخر میں یاے مشدد کو جیم سے بدلتے تھے، اس کو عجعجہ کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ اور دوسرے تغیرات بھی تھے، المزہر سیوطی جلد ۱ ص ۱۰۹ تاریخ ادب اللغۃ العربیہ جرجی زیدان جلد ۱، ص ۵۴،

دیوانی و قضا کے تمام بڑے اور چھوٹے منصب عربون ہی کے ہاتھون مین تھے، قرآن کریم کی بلاغت نے آغازِ اسلام مین گو عربون کی توجہ شاعری کی جانب سے پھیر دی تھی، مگر اموی عہد مین پھر شعر و شاعری کی محفلین گرم ہوگئی تھین، عکاظ کا بازار گو ماند پڑ گیا تھا، مگر اس کی جگہ کوفہ و بصرہ کے بازار لگ گئے تھے، جہان جریر و فرزدق کی ہجو گوئی، تغزل اور فخریہ اشعار پر مباحثہ ہوتا تھا، انھی بازارون مین ابوالنجم اور الراعی جیسے رجز گو شعراء دادِ سخن دیا کرتے تھے، جمیل، عمر بن ربیعہ، کثیر، عزہ، ذوالرمہ اور مجنون جیسے شعرا اپنے ترانون سے خوش عیش اور بے فکر نوجوانون کا دل بہلایا کرتے تھے، بنی ہاشم اور بنی امیہ کی سیاسی کشمکش، خوارج اور دوسرے فرقون کے نزاعات سے عربی زبان مین خطابت، شاعری اور انشاء کا ایک نیا دور شروع ہوا، ہر فریق نے نقلی و عقلی دلائل کے ساتھ زبان و قلم کے اسلحہ بھی سنبھالے ان کی دعوت کی زبان بلیغ اور ان کا اسلوب بیان موثر و دلکش ہوتا تھا، اس طرح اس سیاسی کشمکش نے زبان کو بہت فائدہ پہنچایا، اموی دور مین اہلِ عجم گو اسلام قبول کر چکے تھے، مگر ان کا غلبہ و استیلاء نہین ہوا تھا، اس لئے ان کے میل جول سے نہ زبان کا قوام بگڑا، اور نہ خالص ادبی اور لغوی نقطۂ نگاہ سے اس کا قالب بدلا، مگر عباسی حکومت چونکہ عجمیون کی قوت بازو اور ان کی امداد سے قائم ہوئی تھی، اس لئے شروع ہی سے اس مین عجمی عنصر داخل ہوگیا تھا، اور رفتہ رفتہ حکومت کے تمام شعبون پر چھا گیا، عربی ان عجمیون کی مادری زبان نہ تھی، بلکہ انھون نے اسکو سیکھا تھا، اس لئے ان کی گفتگو عجمی الفاظ، عجمی اسلوب ادا سے لبریز ہوتی، عجمی لونڈیون اور غلامون کی کثرت اور عجمیون سے ازدواجی تعلقات کا شہرون کی زبان پر گہرا اثر پڑا، خلفاء، امراء اور رؤساء کی محلسرائین عجمی نژاد مرد و زن سے آباد تھین، عربون اور عجمیون کے درمیان ازدواجی تعلقات کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے، کہ امین الرشید کی مان کے سوا تمام عباسی خلفا کی امین عجمی نژاد تھین، ان کی گودون مین پلے ہوئے خلفاء، رؤساء اور امراء کی زبان کا جو حال ہوگا، اس کا اندازہ مشکل نہین، اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ عباسی عہد مین غیر عربی الفاظ کا نہ تھمنے والا سیلاب آنے لگا

غیر عرب قوموں کے قبول اسلام سے عربی صرف عربوں کی زبان نہیں رہی تھی، بلکہ وہ تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کی مذہبی اور بہت سے غیر عرب ممالک کی تمدنی اور مادری زبان بھی بن گئی تھی، اس وسعت اور پھیلاؤ سے جہاں عربی زبان کے طریقۂ ادا میں تنوع، اسلوب بیان میں دلکشی اور تاثیر اور بہت سے تمدنی افکار و خیالات ادا کرنے کی زبان میں صلاحیت پیدا ہوگئی تھی، وہاں ادبی اور لسانی حیثیت سے ایک بڑا نقصان یہ ہوا، کہ بہت سے غیر عربی الفاظ جن کے معانی ادا کرنے کے لئے خود عربی میں الفاظ موجود تھے، زبان میں داخل ہوگئے، رفتہ رفتہ ان الفاظ نے اصل عربی کی جگہ لے لی، اور بہت سے عربی الفاظ خود اہل عرب بھول گئے، خالص عربی الفاظ کو عجمیوں کے اختلاط سے عرب بھی غلط طریقہ پر ادا کرنے لگے، اس افراتفری سے عربی زبان کا مزاج بگڑ گیا اور اس کی اصل ہیئت و ساخت میں نقص پیدا ہوگیا، اسی بنا پر دوسری صدی ہجری کے اخیر تک تو عرب کے شہروں کی زبان قابل اعتبار اور مستند رہی، لیکن اس کے بعد اہل لغت نے ان کی زبان کو پایۂ اعتبار سے ساقط کر دیا، البتہ عرب کے بدوی قبائل کی زبان عجمیوں سے عدم اختلاط کے باعث محفوظ تھی، اور چوتھی صدی ہجری تک جزیرۂ عرب کے بدوی قبائل صحیح اور فصیح زبان بولتے تھے، اسی وجہ سے خلفاء عباسیہ اپنی اولاد کو صحیح زبان سکھنے، ان میں صحیح لسانی ملکہ اور ذوق ادب پیدا کرنے کی غرض سے فصیح قبائل میں بھیج دیا کرتے تھے، چوتھی صدی ہجری جو علوم و فنون کی تدوین مصنفین و مولفین کی کثرت، ادباء و نسابہ کے کمال اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے عربوں کا عہد زرین سمجھا جاتا ہے، لسانی و لغوی اعتبار سے انتہائی انحطاط کا زمانہ ہے، شہروں کی زبان کا مزاج تو دوسری صدی ہی سے بگڑنے لگا تھا، اور سوائے ادبا، شعراء اور اہل علم کے عام عربوں کی زبان اسی زمانہ میں بگڑ گئی تھی مگر چوتھی صدی ہجری کے بعد ہی قبائل عرب کی زبان بھی ناقابل اعتبار ہوگئی کیونکہ عجمیوں کا غلبہ ہر جگہ ہو گیا تھا اور تمدن کے ہمہ گیر اثر سے دیہات بھی محفوظ نہ رہ گئے تھے، چوتھی صدی ہجری کے بعد عربی زبان کا جو توازن بگڑا تو بگڑتا ہی چلا گیا، حجاز، نجد، عراق، شام، مصر، طرابلس، الجزائر، مراکش، اور دوسرے عربی بولنے والے ممالک کی زبان میں عجمی الفاظ، غیر عربی اسلوب ادا،

نیز صوتی نقائص سے ایسی خراب ہوئی کہ اسے فصیح عربی سے کوئی مناسبت باقی نہ رہی، حق تو یہ ہے کہ اگر قرآن کریم نازل نہ ہوا ہوتا جس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، تو عربی زبان بھی دوسری سامی زبانوں کی طرح تاریخ کی ایک مردہ زبان ہو جاتی، مگر اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن کریم کے الفاظ کو تحریف و تغیر سے محفوظ رکھنے کے اسباب مہیا کئے، اسی طرح اس کی لسان مبین کو بھی حوادث روزگار کے ہاتھوں مٹنے سے بچا لیا، نزولِ قرآن کے بعد ہی سے صحابۂ کرام کو جب کسی آیت یا لفظ کے سمجھنے میں وقت پیش آتی تو کلام عرب کی طرف رجوع کرتے، اور اس لفظ کے معنی کو اس کے محل استعمال سے متعین کرتے، اس طرح کلام مجید اور احادیث نبوی کے مشکل الفاظ کے حل کرنے کے سلسلہ میں علماء کی توجہ عربی زبان کی طرف ہوئی، اور قرآن حکیم اور حدیث نبوی کے طفیل میں عربی زبان کے الفاظ جمع کرنے اور اسکے معنی لکھنے کی داغ بیل پڑی، چنانچہ دوسری صدی ہجری میں باضابطہ لغت کی تدوین کا آغاز ہوا، اور خلیل بن احمد (متوفی ۱۷۰ھ) نے فن لغت میں کتاب العین کو مخارج حروف کے لحاظ سے مرتب کرنے کا کام شروع کیا، اور اسی دوسری صدی میں خلیل کے ہم عصر اور شاگرد مورج سدوسی (متوفی ۱۹۵ھ) نے غریب القرآن پر کتاب لکھی جو نایاب ہے[۱]، اصل میں لغت کے جمع و ترتیب کا کام تیسری صدی میں کم اور چوتھی میں زیادہ ہوا، ابو عالی قالی متوفی ۳۵۶ھ کی کتاب البارع اور ابو غالب المعروف بابن تیانی (متوفی ۴۳۶ھ) کی کتاب الموعب، چوتھی پانچویں صدی ہجری میں فن لغت میں بہت اچھی سمجھی جاتی تھیں[۲]، مگر دونوں نایاب ہیں، البتہ کتاب البارع کے کچھ متفرق اوراق پیرس[۳] کے کسی کتب خانہ میں موجود ہیں، ابن درید (متوفی ۳۲۱ھ) کی کتاب الجمہرۃ مطبوعۂ دائرۃ المعارف حیدرآباد جس کا زمانہ ابو عالی قالی کی کتاب البارع سے مقدم ہے، اس فن پر بہت ہی اعلیٰ کتاب ہے، اس کے بعد انہی کتابوں

---

[۱] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ جرجی زیدان جلد ۲ ص ۳۱۱ [۲] مقدمہ تاج العروس ص ۱۲۰ [۳] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، جرجی زیدان جلد ۳ ص ۲۱۱،

کو پیش نظر رکھکر قزاز (متوفی ۴۱۲ھ) نے جامع، جوہری (المتوفی ۳۹۳ھ) نے صحاح اور ابن فارس متوفی ۳۹۵ھ) نے مجمل لکھی، البتہ اس فن پر آخری تصنیف ابن سیدہ اندلسی (متوفی ۴۵۸ھ) کی کتاب المحکم سمجھی جاتی ہے، اس کی دوسری تصنیف کتاب المخصص اس فن پر بہت ہی عمدہ اور بے مثال تصنیف ہے، اس کی ترتیب حروف تہجی کی ترتیب کے بجائے فقہ لغت کے اصول پر معانی کے لحاظ سے ہے، اس لئے عام علماء و طلبہ اس سے کم مستفید ہوتے ہیں، اس کے بعد لغت کی تدوین و ترتیب کا کام برابر جاری رہا، آخر میں جمال الدین ابن منظور (المتوفی ۷۱۱ھ) کی لسان العرب اپنی جامعیت کے لحاظ سے اس فن کی تمام دوسری کتابوں سے زیادہ اہم ہے، اور سب سے اخیر میں صاحب تاج العروس شارح قاموس نے گذشتہ تمام معاجم کو پیش نظر رکھکر شرح قاموس مرتب کی،

لغت کے جمع و ترتیب کے اس اجمالی ذکر سے تدوین لغت کی تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا ہے، کہ قرآن کریم اور حدیث نبوی کے مشکل الفاظ کے حل کرنے کے سلسلہ میں مسلمانوں کی توجہ اس فن کی طرف ہوئی، اور چونکہ مسلمانوں کے تمام اسلامی علوم و فنون کا محور قرآن حکیم رہا ہے اس لئے غریب و مشکل الفاظ کو حل کرنے کے لئے فن لغت، اس کی قرأت کی تصحیح کے لئے علم نحو اور اس سے مسائل استنباط کرنے کے لئے علم فقہ کی داغ بیل پڑی، اسی طرح اور بہت سے علوم کا آغاز بھی قرآن حکیم سے ہوا، ایک طرف علمائے لغت نے دوسری صدی ہجری سے لغت کے جمع و ترتیب کا کام شروع کر دیا تھا، دوسری طرف ابو اسود دوئلی بانی علم نحو کے شاگردوں نے نحو کا حلقۂ درس قائم کیا تھا، گو سیبویہ سے پہلے لغت و نحو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے تھے، اور علم نحو کی حیثیت مستقل فن کی نہیں تھی،

سب سے اول سیبویہ متوفی ۱۸۰ھ نے اس فن کی پہلی اور آخری کتاب لکھکر اس فن کو مستقل بنا دیا، یہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، کہ دوسری صدی ہجری سے پہلے ہی جزیرۃ العرب کے شہروں کی عام زبان بگڑنے لگی تھی، چنانچہ اسی صدی سے نحویوں نے باضابطہ نحو پر کتابیں لکھنا شروع کر دیں اور ساتھ ہی لغویوں نے اغلاط عوام پر کتابوں کی تصنیف کا سلسلہ شروع کر دیا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی زبان کی صحت، فصاحت اور

بلاغت کی حفاظت کے اسباب مہیا کر دیئے اور اغلاط عوام پر حسب ذیل کتابین لکھی گئین،

۱- کتاب لحن العامۃ مصنفہ حمزہ کسائی، (متوفی ۱۹۱ھ/۸۰۶ء)

۲- لحن العامۃ مصنفہ ابو عبیدہ، (متوفی ۲۰۹ھ/۸۲۴ء)

۲- لحن العامۃ مصنفہ ابو عثمان المازنی، (متوفی ۲۴۹ھ/۹۰۲ء)

۴- لحن العامۃ مصنفہ ابو حنیفۃ الدینوری (متوفی ۲۹۰ھ/۹۰۲ء)

۵- لحن العامۃ مصنفہ ابو بکر محمد زبیدی اشبیلی تلمیذ ابو علی قالی (متوفی ۳۷۹ھ/۹۸۹ء)

۶- لحن الخاصہ مصنفہ ابو ہلال عسکری (متوفی ۳۹۵ھ/۱۰۰۴ء)

۷- التکملۃ فیما تلحن بہ العامۃ مصنفہ ابو منصور جوالیقی (متوفی ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء)

۸- المعرب فیما تکلمت بہ العرب من الکلام الاعجمی مصنفہ ابو منصور جوالیقی،
اس کا صرف ایک حصہ یورپ مین چھپا ہے،

۹- درۃ الغواص فی اوہام الخواص مصنفہ ابو القاسم حریری صاحب مقامات حریری (متوفی ۵۱۶ھ/۱۱۱۲ء) مصر اور یورپ مین چھپی ہے،

۱۰- لحن العامہ مصنفہ ابو الفرج ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ/۱۲۰۱ء)

مذکورۂ بالا کتابین چھٹی صدی تک تصنیف ہو چکی تھین، اس کے بعد ہر صدی مین اس کا سلسلہ قائم رہا، ان کی فہرست بہت طویل ہے، ان مین حمزہ فتح اللہ مصری کا رسالہ الترجمۃ والتعریب اور ابراہیم یازجی کی لغات الجرائد اس صدی کے آغاز کی قابلِ ذکر تالیفات مین،

مغربی تمدن کے اثرات سے دنیا کا کوئی حصہ محفوظ نہین، عربی زبان بولنے والے ممالک چونکہ ایشیا اور یورپ کے نقطۂ اتصال سے قریب ہین، اس لئے ان پر مغربی تہذیب و تمدن اور اس کے افکار و خیالات کا بہت زیادہ اثر پڑا چنانچہ جب تمدن کے لوازم، ضروریاتِ زندگی کے

سامان اور مختلف مخترعات مشینیں اور آلات عرب ممالک مین آنے لگے، تو اُن کے نئے عربی الفاظ کی ضرورت پڑی، ان کے علاوہ جدید علوم و فنون کے مصطلحات کے ترجمے کی بھی ضرورت پیش آئی، اس سے عربی مین بہت سے نئے الفاظ کا اضافہ ہوا، گزشتہ صدی ہی سے عربی مین مغربی علوم کی تصنیفات کا ترجمہ ہونے لگا تھا، اس سے ان کے طریقۂ ادا اور اسلوب بیان کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ پر اثر پڑا، مغربی یونیورسٹیون کے تعلیم یافتہ عرب نوجوانون کے ذریعہ جو اپنی زبان سے زیادہ مغربی زبانون پر قدرت رکھتے تھے، مغربی اسالیب عربی زبان مین داخل ہو گئے، ان مین سب سے زیادہ فرنچ کا اثر پڑا، عربی زبان کے محافظون نے اس کے برخلاف سخت تنقیدین کین، ایک طرف یہ طبقہ اس لسانی تجدد کے خلاف سخت اعتراضات کرتا تھا، دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ اس بدیسی اسلوب پر مصر تھے، ان کا مقولہ تھا کہ

"الخطاء المشہور خیر من الصواب المہجور"

قدیم عربیت کے نقیبون مین حمزہ فتح اللہ اور ابراہیم یازجی نے اخبارات و رسائل اور عام کتابون کی زبان پر سخت تنقیدین کین، حمزہ فتح اللہ مصر کے سرکاری مدارس کے انسپکٹر تھے، اس لئے ان کو زبان کے عیوب و نقائص کی واقفیت کا زیادہ موقع ملا تھا، اور ابراہیم یازجی گو اخبار نویس لیکن لغوی تھے، اس لئے وہ قدیم زبان کے پرستار تھے، ان کی تنقیدون سے کسی نہ کسی حد تک زبان کی اصلاح ہوئی، اور نصاب تعلیم مین ادب و لغت کی تعلیم کا معیار بھی بہت بلند ہو گیا، مگر ضرورت تھی کہ عربی زبان کے قدیم اصول و قواعد کی پوری چھان بین کی جائے، اور زبان کے بنیادی امتیازات کو باقی رکھتے ہوے، ایسے اصول وضع کئے جائین، جن سے وقت کے ادبی مطالبات اور لسانی مقتضیات پورے ہو سکین، اور عربی زبان جدید علوم و فنون کی اصطلاحات اور دوسری چیزون مین دوسری زبانون کی دست نگر نہ رہے، ظاہر ہے کہ ہزارون الفاظ کا وضع کرنا، اسالیب بیان کی تصحیح زبان

کے قدیم اصول وضوابط میں مناسب ترمیم کرکے ان کو عصری ضروریات سے ہم آہنگ کرنا ایک فرد کا کام نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے ادبا و علماے لغت کی ایک بڑی جماعت کی ضرورت تھی، چنانچہ حکومتِ مصر نے اس عظیم الشان کام کی طرف توجہ کی، اور دسمبر ۱۹۳۲ء میں ایک ادبی ولغوی اکیڈمی (مجمع اللغۃ العربیۃ الملکی) کی بنیاد ڈالی گئی، اور جنوری ۱۹۳۴ء سے باضابطہ کام شروع ہوا،

اس اکیڈمی کے ۲۰ ارکان ہیں، جن میں مصر، شام، عراق کے ادبار کے علاوہ یورپ کے پانچ مستشرقین بھی ہیں، ان میں جدید علوم وفنون کے ماہر بھی ہیں، اور عرب کے لغوی اور ادیب بھی ان کے علاوہ بہت سے ادبا، وفضلا اعزازی ارکان ہیں، جو مراسلت کے ذریعہ علمی وفنی حیثیت سے رائے دیتے ہیں،

اس اکیڈمی کے حسب ذیل مقاصد ہیں،

۱- عربی زبان کی اصل شکل اور اس کے بنیادی امتیازات کو قائم رکھنا،

۲- نئے علوم وفنون کے لئے عربی زبان کے قدیم اصول کو پیش نظر رکھ کر اصطلاحات اور نئے الفاظ وضع کرنا،

۳- موجودہ دور کے بڑھتے ہوئے ادبی تقاضوں کے مطابق ایک ایسا لغت مرتب کرنا جس میں صحیح الفاظ اور صحیح اسالیب بیان بتائے جائیں، اور غلط الفاظ اور غلط طریقۂ ادا کی تصحیح کیجائے،

۴- عربی ممالک کی مقامی بولیوں کی علمی تحقیق اور ان کے لہجوں پر علمی اور تحقیقی بحث کیجائے،

۱۹۳۴ء سے ۱۹۵۳ء تک اس کی آٹھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، ان کے علاوہ فنی مصطلحات کا ایک مجموعہ بھی ہے، ان میں چار جلدیں اکیڈمی کے ارکان سالانہ کی ہیں، بقیہ روئداد کی ہیں، روئداد میں ایک حصہ کی حیثیت قانونی ہے، یعنی علمی حیثیت سے بعض مسائل کے متعلق اکیڈمی کے فیصلے اور منظور کئے ہوئے اصول وضوابط ہیں، دوسرا حصہ غیر قانونی

جس مین اہلِ علم حضرات کی علمی و فنی بحثین ہین، اور علمی فیصلون کے متعلق کارروائیون کی تفصیل ہے،

اکیڈمی کے رسالہ (مجلۃ مجمع فواد الاول للغۃ العربیۃ) مین تمام منظور کردہ اصول وضوابط، مختلف علوم وفنون سے متعلق جدید الفاظ اور عربی زبان سے متعلق مفید علمی مقالات ہین،

عربی زبان کے قدیم اصول و قواعد مین بعض مناسب ترمیمین اور بعض جدید قواعد ہین، اکیڈمی نے جدید فنی اصطلاحات نیز نئے الفاظ وضع کرنے کے لئے تقریباً سات آٹھ سب کمیٹیان بنائی ہین، جن مین ہر فن کے ماہر خصوصی شریک ہین، ان سب کمیٹیون نے علوم وفنون سے متعلق بہت سے الفاظ وضع کئے ہین، اس کے پیش نظر تین قسم کے لغتون کی ترتیب و تدوین ہے، ایک مختصر ابتدائی مدارس کے لئے، دوسرا متوسط عام لوگون کے لئے، تیسرا مفصل جس مین الفاظ کے تاریخی تغیر کو ظاہر کرتے ہوے ہر لفظ سے متعلق بحث و تحقیق ہو گی،

ان روئدادون اور رسائل کا مطالعہ ہندوستان کے اہلِ علم اور اونچے درجون کے طلبہ کے لئے مفید ہے آئندہ نمبر مین ان مجلات کے مضامین اور اصول وضوابط کے متعلق خیالات پیش کئے جائین گے،

(باقی)

عائشہؓ

اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ کے حالاتِ زندگی اور ان کے مناقب و فضائل واخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر ان کے احسانات اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیان اور معترضین کے جوابات، (طبع سوم باضافہ حواشی)

قیمت:۔ ہے

ضخامت:۔ ۳۹۰ صفحے،

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

تاجدار دو عالم مترجمہ جناب مولوی ظہوری جدانی صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۲۳۹ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد سہر سکہ حالی ؎۲ کلدار، پتہ نفیس اکیڈمی، عابد روڈ، حیدرآباد دکن،

عبد الرحمن عزام بک مصر کے مشہور صاحب قلم اور مشرقی و مغربی دونوں علوم کے فاضل ہیں، قاہرہ کی نشرگاہ سے سیرت نبوی پر انھون نے پندرہ مقالے نشر کئے تھے جن کو بطل الابطال کے نام سے کتابی صورت مین شائع کر دیا گیا تھا، تاجدار دو عالم اسی کا ترجمہ ہے، یہ سیرت ایک خاص طرز سے لکھی گئی ہے، اس مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح کے بجائے آپ کے اخلاق و سیرت اور اوصاف و کمالات سے آپ کی پیغمبرانہ عظمت اور اخلاقی مرتبہ دکھایا گیا ہے، اور آپ کی شجاعت، جہاد، تدبیر و سیاست، زہد و قناعت، حلم و بردباری، عفو و درگذر، عبدیت و بندگی، رافت و رحمت اور فصاحت و بلاغت وغیرہ کے واقعات کو نہایت مؤثر اور دلنشین انداز مین پیش کیا گیا ہے، اور آخر مین اسلامی تبلیغ اور اس کے اثرات و نتائج دکھائے گئے ہین، واقعات سب حدیث و سیرت کی مستند کتابون سے ماخوذ ہین، مغربی علوم سے متاثر سیرت نگارون مین عام طور سے یہ نقص پایا جاتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ایک مصلح رفارمر اور محسن عالم کی حیثیت سے پیش کرتے ہین، آپ کی پیغمبرانہ عظمت اور تقدس کا لحاظ کم رہتا ہے، اس کتاب مین بھی گو کہین کہین الفاظ کے استعمال مین بے احتیاطی ہو گئی ہے، تاہم بڑی حد تک اس نقص سے

پاک اور بڑے خلوص عقیدت سے لکھی گئی ہے، مصنف نے خلق نبوی کے واقعات کو اس موثر انداز مین لکھا کہ جنھین پڑھکر ایک غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتا، اور مسلمان کے دل مین ایمان کی تازگی پیدا ہوتی ہے، ترجمہ بھی نہایت سلیس اور شستہ ہے، لائق مترجم نے کتاب کو اردو کے قالب مین ڈھال دیا ہے، بعض مقامات پر الفاظ کے استعمال مین البتہ لغزش ہوگئی ہے، مثلاً حضرت عمرؓ قبل از اسلام بُری صحبتون اور شریر لوگون کی صحبتون مین زندگی بسر کرتے تھے، یا سختی و شرارت مین مشہور تھے، گو یہ واقعہ قبل از اسلام سے متعلق ہے، لیکن اس قسم کے الفاظ حضرت عمرؓ کے احترام کے خلاف ہین، اس مفہوم کو دوسرے الفاظ مین بھی ادا کیا جا سکتا تھا، فصاحت نبوی کے باب مین ترجمہ کے ساتھ اصل عربی عبارتون کو نقل کرنے کی ضرورت تھی اس لئے کہ ترجمہ سے فصاحت کا پورا اندازہ نہین ہوتا، ان خفیف فروگذاشتون سے قطع نظر کتاب اس لائق ہے، کہ ہر مسلمان کے مطالعہ مین آئے،

فلسفۂ ایمان از مولانا سید سلیمان ندوی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ۸ر، پتہ ادارہ دعوۃ الحق، بیگم بازار کوچہ گھاس منڈی، حیدر آباد دکن،

حضرت الاستاذ مدظلہ نے سیرۃ النبی جلد چہارم مین ایمان پر جو بحث لکھی تھی، اس کا ایک حصہ تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ معارف مین شائع ہوا تھا، اب موصوف کی مزید ترمیم کے بعد ادارہ دعوۃ الحق نے اس کو رسالہ کی شکل مین شائع کیا ہے، اس مین قومون اور ملتون کی تعمیر و تنظیم کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے، اور ان کی بقا مین اُن کے بنیادی تصورات وعقائد کی کی اہمیت ظاہر کرکے اسلامی عقائد کی خصوصیات اور ان کی حکمتون پر روشنی ڈالی گئی ہے، ایک مسلمہ حقیقت ہے، کہ جماعتون کا وجود اور ان کی بقاء اور ترقی کا مدار خواہ وہ قومین ہون یا فرقے اور مذاہب، چند ذہنی تصورات کے اذعان ویقین پر ہے، جسے اسلامی اصطلاح مین ایمان وعقیدہ اور

موجودہ اصطلاح مین کریڈ سے تعبیر کیا جاتا ہے، انہی عقائد پر قومون کی زندگی اور موت کا دارومدار ہوتا ہے، ان پر اعتقاد راسخ اور ان کے مطابق عمل سے وہ ترقی کرتی اور آگے بڑھتی ہین، اور ان مین ضعف سے زوال پذیر ہوکر ختم ہوجاتی ہین، اس لئے کوئی قوم عقیدہ اور کریڈ سے خالی نہین ہے، لیکن ان سب کے عقائد خالص مادی اور نسل و وطن کے تنگ دائرے مین محدود ہین، اس لئے اُن سے کسی بلند نصب العین کے حصول کی توقع اور ان مین عالمگیر بننے کی صلاحیت نہین، اور ان دونون خامیون کے تباہ کن نتائج دنیا کی نگاہون کے سامنے ہین، موجودہ دور کا شاہکار یعنی اشتراکیت کا عقیدہ تو اور بھی خالص مادی اور اس کی بنیاد تمامتر پیٹ اور روٹی اور دولت کی مساوی تقسیم پر ہے، اور ایک خالص مادی اور محدود اقتصادی نظریہ پوری زندگی کا نظام نہین بن سکتا، صحیح عقیدہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ نسل و وطن کے اندر محدود نہ ہو، بلکہ ان تفرقون کو مٹا کر عالمگیر برادری قائم کرسکے، اس کی بنیاد خالص مادی اغراض پر نہ ہو، جو حالات کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی رہتی ہین، بلکہ ایسے اخلاق پر ہو جو انسانون کو برائیون سے روک سکے اور نیکی اور بھلائی کی تلقین کرسکے، خالق سے مخلوق کا تعلق اور ہم جنسون کے ساتھ محبت و ادائے حقوق کا جذبہ پیدا کرسکے، ایسا عقیدہ صرف اسلام ہے، اور اسی پر انسانون کی دنیوی اور اُخروی فلاح منحصر ہے، اس رسالہ مین انہی امور کو علمی استدلال کے ساتھ تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، اور اسلامی عقیدۂ ایمان کی اہمیت اُس کے اجزاء کی حکمتون اور اس پر یقین و عمل کے نتائج کو وضاحت کے ساتھ دکھایا گیا ہے، یہ رسالہ گو مختصر ہے، لیکن اس مین اسلامی عقائد کی حکمتون کی روح آگئی ہے،

تنقیدات از جناب ابوالاسلام نعیم صدیقی صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۱۳۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر ضخامت ۱۴۴، صفحات قیمت مجلد عہ، پتہ مکتبہ نشاۃ ثانیہ چنچل گوڑہ، حیدرآباد دکن،

مصنف روشناس صاحب قلم ہین، اور دین و ملت کا درد اور مسلمانون کی دینی و اخلاقی اصلاح

کا جذبہ رکھتے ہیں، تنقیدات ان کے اصلاحی مضامین کا مجموعہ ہے، اس میں حسب ذیل مضامین ہیں، نیا نظام، نیا انسان، کھوٹی دھات، کھوٹے سکے، تبلیغ اسلام، اشتہاری وعظ، عمل عمل کی بے معنی پکار، مسلمانوں کی اجتماعی نفسیات، اپنی بھی عید ہو گی، مجددین آستے، دو دو باتیں، ملوکیت کا الزام اسلام پر، اسلام اور جمہوریت، دعوت حق اور اقتصادی مسئلہ ہندوستان کو الٹی میٹم، ان مضامین میں مسلمانوں کے مروجہ رسمی مذہب، ان کی اخلاقی کمزوریوں، غیر اسلامی زندگی، اور اسلامی تعلیمات کی غلط تعبیر وغیرہ مختلف پہلوؤں پر تیز و تند تنقیدیں ہیں، مصنف کے اخلاص و حسن نیت میں شبہ نہیں، ان کا دینی جذبہ لائق ستائش ہے، ان کے خیالات اور مقصد سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا، لیکن تبلیغ و اصلاح کے لئے طعن و طنز کا طریقہ کچھ زیادہ مفید نہیں، اس کا انداز خریفانہ اور مخالفانہ نہیں، بلکہ دوستانہ اور ہمدردانہ ہونا چاہئے، بعض مضامین کا لہجہ بھی متانت سے گرا ہوا ہے، تاہم یہ کتاب اصلاحی نقطۂ نظر سے قابل قدر ہے،

رموز اقبال، از ڈاکٹر میر ولی الدین استاذ جامعہ عثمانیہ، تقطیع اوسط ضخامت ۱۸۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد کلدار عہ سکہ عثمانیہ ؏ پتہ :- ادارۂ نشریات اردو، حیدرآباد دکن،

مصنف نے تعلیمات اقبال کے بعض اہم مسائل، فلسفۂ خودی، نظریہ عقل و عشق، حدیث جبر و قدر، عہد حاضر کے انسان اور مسلمان کی زندگی کے متعلق اقبال کے تصورات اور ان کی تشریح پر جو مضامین لکھے رموز اقبال ان کا مجموعہ ہے، جیسا کہ فاضل مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے، کہ ان مضامین میں دانائے راز اقبال سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کہ عہد حاضر کی تہذیب نے انسان کی ذہنیت میں کیا انقلاب پیدا کیا، اس کے تصورات، نظریات، عقائد، اقوال و اعمال میں کیا تغیر پیدا کیا، مسلمان کی زندگی اصل میں کیا ہے، اس کے عقائد کیا ہیں، اور اعمال کی نوعیت کیا ہے، عقل و عشق کا اس کی زندگی میں کیا مقام ہے، اس کے علم کی بنیاد کیا ہے، اور ایمان پر اس کے اعمال کا انحصار کس حد تک ہے،

قرآن کریم نے اس کی خودی کا اس کو کیا علم بخشا ہے، خودی کے عرفان کے بعد مسلمان مین کیا تغیر پیدا ہوتا ہے، یقین و عمل کے لحاظ سے کیا انقلاب پیدا ہوتا ہے، اپنی حقیقت و ماہیت سے واقف ہو کر انسان کے نقطۂ نظر مین کیا تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، خود کو نقیرا مین اور خلیفہ مان کر انسان کس طرح آفاق کو اپنے اندر سمو لیتا ہے اور کائنات کو مسخر کر لیتا ہے، اقبال کے نازک اور دقیق مسائل کو سمجھنے کے لئے انہی کی جیسی جامعیت کی ضرورت ہے جو کم لوگون کو حاصل ہے، اس لئے اس کی تشریح مین اچھے اچھے ٹھوکر کھا جاتے ہین، فاضل مصنف اقبال ہی کی طرح مشرقی اور مغربی علوم کے جامع ہین، اور حکیمانہ دماغ اور فلسفیانہ ژرف نگاہی کے ساتھ دل آگاہ اور چشم بینا رکھتے ہین، اور ان کی کوئی تحریر فلسفیانہ فکر و استدلال کے ساتھ ایمان کی لذت سے خالی نہین ہوتی، یہ خصوصیت ان تمام مضامین مین بھی موجود ہے، بعض مباحث ایسے دقیق ہو گئے ہین، کہ خود ان کی تشریح کی ضرورت ہے، یہ مضامین اقبالیات سے ذوق رکھنے والون کے مطالعہ کے لائق ہین،

مولانا ابو الکلام آزاد، از جناب ابوسعید صاحب بزمی ایم اے، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ اقبال اکیڈمی نمبر ۴ ۵ سرکلر روڈ بیرون موچی دروازہ لاہور،

ابوسعید صاحب بزمی سابق اڈیٹر اخبار مدینہ نے آٹھ نو سال پیشتر ۱۹۳۶ء مین مولانا ابو الکلام کے دولت کدہ پر اُن سے کئی ملاقاتین اور مختلف سیاسی مسائل پر اُن سے گفتگو کی تھی، ان ملاقاتون کا حال انھون نے اسی زمانہ مین مدینہ مین شائع کیا تھا، اب اقبال اکیڈمی نے اس کو کتابی شکل مین شائع کر دیا ہے، اس کتاب مین دو قسم کے معلومات ہین ایک ہندوستان اور مسلمانون کی سیاست کے متعلق مولانا کے خیالات اور ان کا نقطۂ نظر معلوم و مشہور ہے کانگریس کی تنگ نظری اور مسلمانون کی جداگانہ تنظیم کی ضرورت کے متعلق مولانا نے جو رائے ظاہر کی ہے، وہ اگرچہ عام طور پر مشہور نہین ہے، لیکن نئی نہین ہے، اور انھون نے بارہا پرائیوٹ صحبتون مین معتمد علیہ اشخاص سے اس قسم کے خیالات ظاہر کئے ہین، مولانا کی موجودہ سیاست مسلمانون کی

اکثریت کے خواہ کتنی ہی خلاف ہو لیکن ان کے متعلق کبھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا، کہ وہ اپنی راے کے مطابق مسلمانون کے مفاد کو نظر انداز کر سکتے ہین، دوسرے مولانا کے متعلق مصنف کے ذاتی جذبات و تاثرات اس پہلو سے کتاب کا صفحہ صفحہ مولانا کے ساتھ مصنف کے جذبات عقیدت سے لبریز ہے، مولانا کے اوصاف و کمالات سے ان کے مخالفین کو بھی انکار نہین ہوسکتا، لیکن غلو و مبالغہ ہر چیز کو بد نما بنا دیتا ہے، جس کی متعدد مثالین اس کتاب مین موجود ہین، مثلاً "مشرق و مغرب کے بڑے بڑے دعویداران علم و فضل آتے ہین، اور اس سے (مولانا) بات کرکے جب لوٹتے ہین، تو بے اختیار پکار اٹھتے ہین، کہ ہم نے مشرق و مغرب مین اس سے بڑا فاضل کوئی نہین دیکھا، یا ایک جگہ لکھتے ہین، غور کیجئے دنیا کی تاریخ مین آپ نے کوئی ایسی شخصیت دیکھی ہے اس کا جواب یقیناً نفی مین ہے (ص)، اس قسم کا مبالغہ خود مصنف کی متانت تحریر کے خلاف ہے،

روح صہبائی از جناب اثر صہبائی تقطیع اوسط ضخامت ۱۲۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عا، پتہ تاج محل پبلشرز جمون کشمیر،

جناب اثر صہبائی اور ان کی شاعری کی شہرت تعارف سے مستغنی ہے، ان کے کلام کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہین، روح صہبائی نیا اسم با مسمیٰ مجموعہ ہے، اس مین انھون نے مختلف عنوانون کے ماتحت علٰحدہ علٰحدہ ہر دور کا اپنا منتخب اور پسندیدہ کلام تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا ہے، اس سے ان کی شاعری کا تدریجی ارتقاء اور اس مین وقتاً فوقتاً جو تغیرات ہوئے، سامنے آجاتے ہین، مصنف کی مشق سخن پر اتنی مدت گذر چکی ہے، کہ ان کو بلا تکلف کہنہ مشق کہا جا سکتا ہے، ان کو ہر صنف پر پوری قدرت، اور ان کے کلام مین بڑی نیرنگی ہے، چنانچہ اس مجموعہ مین ملبند اور پاکیزہ غزلین بھی ہین، حکیمانہ اور فلسفیانہ رباعیان بھی اور موثر و دلکش نظمین بھی، جناب اثر کی صہباے شاعری ابتدا ہی سے پرکیف تھی، اب یہ شراب دو آتشہ ہو کر اور زیادہ تیز ہو گئی ہے، اور یہ مجموعہ تو اُن کے کلام کا خلاصہ اور عطر ہے، امید ہے کہ اصحاب ذوق اس سے لطف اندوز ہون گے،

"م"

جلد ۵۸ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۶ء عدد ۳

مضامین

شذرات

آج کل خاکسار بھوپال مین ہے اور عجب نہین کہ یہ اقامت کچھ دراز ہو، واقعہ یہ ہے کہ وسط ہند کے ظلمت کدہ مین یہی ایک اسلامی مرکز ہے، یہان علم کی مشعل حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے خاندان سے مولانا عبد الحیٔ صاحب بڈھانوی کے صاحبزادہ مولانا عبد القیوم صاحب بڈھانوی لائے، اور معرفت کا نور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے خانوادہ کے چشم و چراغ حضرت شاہ رؤف احمد صاحب مجددی جو حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی کے خلیفہ تھے، لائے، اور بحمد اللہ کہ یہ چراغ اب بھی روشن ہے، پھر منشی جمال الدین خان مدار المہام اور نواب صدیق حسن خان کے زمانہ مین عرب و ہند کے بہت سے علما، و فضلار کا یہان مجمع تھا جن کی یاد بھی اب فراموش ہو چکی ہے،



زمانہ کا جو انقلاب عہد انگریزی سے شروع ہوا، اس کے اثرات آخر کار اسلامی ریاستون مین بھی پہنچے، اور انگریزی تعلیم کے سامنے علوم عربی و مشرقی کا زوال دیکھتے دیکھتے آنکھون کے سامنے ہو گیا، بھوپال جو کبھی علما، اور طلبہ کی منزل مقصود تھا، نئی تعلیم کے فروغ نے اس کو بالکل ماند کر دیا، یہان تک کہ یہان کے عربی و مذہبی مدرسے تنزل کی انتہا کو پہنچ گئے، اور درسگاہین جو کبھی علما، اور طلبہ سے معمور تھین، ویران ہو گئین، اور وہ شہر جو کبھی اپنے علمی کارنامون کے سبب سے شہرۂ آفاق تھا، اپنے مرتبہ سے گر گیا،



اعلیٰ حضرت فرمانروا ے بھوپال کو سات آٹھ سال سے بھوپال کے اس انحطاط اور تنزل کا احساس ہے، چنانچہ چھ سات برس ہوئے کہ انھون نے چند علما، اور اہل تعلیم کی ایک مجلس مقرر کی تھی جس کی صدارت پر اس ہیچمدان کو نامزد فرمایا تھا، اس مجلس نے ان مدارس کے لئے نیا نصاب بنایا، اور ان کی اصلاح و تنظیم کے لئے کچھ ضوابط بنائے، دوسرے سال پھر یہ مجلس طلب ہوئی جس مین مقامی اور بیرونی اصحاب علم اس حقیر کی صدارت مین

پھر جمع ہوئے اور ان مدارس کے لئے فنون کی تعیین کی اور ہر فن کے مدرسین کی تعداد مقرر کی اور ان کی تنخواہ، مصارف کا پورا موازنہ (بجٹ) تیار کیا، یہ موازنہ امسال ریاست کے مالی اور انتظامی اداروں کی بحث وتمحیص اور فرمانروائے بھوپال کی پیشی سے منظور ہوا، اور اس کے لئے چالیس ہزار کی رقم بجٹ مین رکھی گئی،

ایک سال سے زیادہ ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے مجھے یاد فرمایا، اور مجھ سے یہ خواہش کی کہ ان مدارس کا جو خاکہ میری صدارت مین بنا ہے مین ہی اس کو عملی صورت مین بھی لاؤن، اور اظہار فرمایا کہ مین چاہتا ہون کہ بھوپال جس طرح پہلے ان علوم کا مرکز تھا، پھر ہو جائے" مجھ پر اعلیٰ حضرت کے اس فقرے کا بڑا اثر ہوا، اور مین نے ان کے اس بلند جذبہ کی بڑی قدر کی، اور اسی احساس سے متاثر ہو کر مین نے عرض کیا کہ گو میری صحت اچھی نہین اور دار العلوم ندوہ اور دار المصنفین کی ذمہ داریون سے گرانبار رہون، تاہم ارشاد والا کے مطابق مین سال ڈیڑھ سال یہان رہ کر ان مدارس کی خدمت کرون گا،

چنانچہ اسی کے مطابق اس سال اپریل ۱۹۴۶ء کے وسط مین مجھے بھوپال آنے کی دعوت دی گئی، لیکن مین اپنی مصروفیتون کے سبب اخیر جون مین یہان پہنچا، اور یکم جولائی سے جو یہان کے تعلیمی سال کے آغاز کا زمانہ ہے، مین نے اپنا کام شروع کر دیا، اس اثنار مین دار القضاء اور بعض دوسرے صیغے بھی میرے حوالہ کئے گئے جن کا گو مین اہل نہین مگر ان کی خدمت کا جذبہ اپنے دل مین پاتا ہون، اور جی چاہتا ہے کہ ان صیغون کو جو ریاستون مین ان کی شان کے مطابق نہین ہین، ایسی ترقی دی جائے کہ وہ ریاستون کے دوسرے ترقی یافتہ صیغون کے برابر ہو جائین،

اسی سلسلہ مین سرکار بھوپال سے تالیف وتصنیف اور مفید کتابون کی طبع واشاعت کی غرض سے پانچ سو ماہانہ کی امداد بھی منظور کی گئی ہے تاکہ اس سے غیر مطبوعہ عربی و فارسی کتابون کی اشاعت کا سلسلہ جاری کیا جائے اور مفید اردو کتابون کی تالیف واشاعت عمل مین آئے، اور یہ کام بھی میری ہی نگرانی مین دیا گیا، چنانچہ اس کی بعض تجویزین پیش ہین

اس سلسلہ مین بے شبہہ کچھ زمانہ تک مجھے بھوپال مین قیام کرنا پڑے گا، لیکن ریاست نے یہ منظور کیا ہے کہ دار العلوم اور دار المصنفین کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے سال مین تین چار بار مجھے

لکھنو اور اعظم گڈھ آنے جانے کی اجازت رہے گی، وافوض امری الی اللہ ان اللہ رؤف بالعباد،

ہمارے دوست مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی رکن دار المصنفین نے ہمیشہ میری طویل غیر حاضری کے زمانہ میں، دار المصنفین کی علمی نگرانی کی ہے، چنانچہ میرے سفر یورپ کے زمانہ میں آٹھ ماہ کے قریب اور سفر حجاز کے موقع پر تین ماہ تک دار المصنفین اور معارف کی نگرانی فرمائی ہے، اور اس وقت بھی جب میں بھوپال میں ہوں ارکان دار المصنفین کی خواہش پر انھوں نے اس خدمت کو قبول کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزائے خیر دے،

احباب سے درخواست ہے کہ ان میں سے جو صاحب ذاتی طور سے مجھ سے خط و کتابت کرنا چاہتے ہیں، وہ بھوپال کے پتہ سے کریں لیکن معارف سے متعلق ہر قسم کی مراسلت صرف اڈیٹر کے نشان سے اعظم گڈھ اور دار المصنفین سے متعلق مراسلت مہتمم دار المصنفین اعظم گڈھ کے نام سے کی جائے، اور ان دونوں میں میرا نام نہ لکھا جائے، ورنہ تعمیل میں وقت ہوگی،

دار المصنفین میں پرانی کتابوں کے ذخیروں کے ختم ہو جانے کے سبب سے ان کی دوبارہ اشاعت کا کام اتنا بڑھ گیا ہے کہ نئی کتابوں کی اشاعت کا کام التوا میں پڑ رہا ہے، اسی لئے اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ مطبع کے سامان کو بڑھایا جائے، چنانچہ نئی مشینوں کی خریداری اور تلاش کا کام جاری ہے، اگر مقصد کے مطابق مشین مل گئی تو انشاء اللہ نئی کتابوں کی اشاعت کا کام بھی شروع کر دیا جائیگا،

دار المصنفین میں بعض نئے رفقا کا اضافہ ہوا ہے، گذشتہ سال سے مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی دار المصنفین کی رفاقت میں ہیں جن کا مضمون "سرہند" معارف کی پچھلی اشاعتوں میں نکلا ہے اور اب مولوی وحید احمد صاحب ندوی اور مولوی وحید الرحمٰن صاحب ندوی کا انتخاب ہوا ہے، یہ دونوں صاحب دار المصنفین میں آگئے ہیں اور کتابوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں،

مقالات

علماے اسلام کا اخلاق

از

مولانا عبدالسلام ندوی

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف ماہ جولائی)

"گذشتہ نمبرون مین علماے اسلام کے جو محاسن اخلاق بیان کئے گئے ہین، ان سے یہ اندازہ ہوا ہوگا، کہ دور صحابہ و تابعین مین علما کے جو مخصوص محاسن اخلاق تھے، وہ کم و بیش ہر دور مین ان مین موجود رہے لیکن جون جون زمانہ گذرتا گیا، ان مین چند اخلاقی معائب بھی پیدا ہوتے گئے، ان کے محاسن اخلاق پیش کرنے کے بعد ان کے معائب پر بھی اس حیثیت سے نگاہ ڈالنا مفید ہے، کہ ہم یہ غور کرسکین کہ آج بھی ہم مین یہ عیوب کہانتک موجود ہیں اور اگر ہین تو ہمکو انکی اصلاح کرنی چاہئے:

اسلام کی اخلاقی تاریخ مین سب سے پہلے امام غزالی نے ان معائب پر نگاہ ڈالی ہے اور علما کے ہر گروہ کی اخلاقی برائیان دکھلائی ہین، اور احیاء العلوم مین ایک خاص باب باندھا ہے، جس کی سرخی ہی "بیان اصناف المغترین" اس مین ان لوگون کی اخلاقی حالت بیان کی ہے جن کو اپنی نسبت دھوکا ہوتا ہے اور وہ غلطی سے اپنے عیب کو ہنر سمجھتے ہین، اس مین انھون نے علما کے مختلف گروہ قرار دیئے ہین، اور ہر گروہ کے اخلاقی معائب بیان کئے ہین، چنانچہ لکھتے ہین کہ

ان مین ایک گروہ تو وہ ہے، جو ہمیشہ ظاہری عبادات مین مشغول رہتا ہے، اور گناہون سے اجتناب کرتا ہے لیکن اس کا دل صفاتِ مذمومہ سے پاک نہین ہوتا، مثلاً غرور، حسد، ریا، شہرت پسندی، ریاست طلبی اور اپنے ہمسرون کو نقصان پہنچانا، یہانتک کہ ان مین بعض لوگون کو یہ بھی معلوم نہین کہ یہ اوصاف مذموم ہین،

دوسرا گروہ وہ ہے جو یہ جانتا ہے کہ شریعت مین یہ اخلاق مذموم ہین لیکن خود پسندی کی وجہ سے اس کو اپنے یہ اخلاقی معائب نظر نہین آتے، اور وہ اپنے آپ کو انسانون سے بالاتر سمجھتا ہے، اور جب اس مین غرور، جاہ پسندی، اور ریاست طلبی کی علامتین ظاہر ہوتی ہین، تو کہتا ہے کہ یہ غرور نہین ہے، یہ علم و دین کے عزو شرف کا اظہار اور دین کی حمایت ہے، اگر مین ادنیٰ درجے کے کپڑے پہنون، ادنیٰ درجہ کی مجلس مین بیٹھون تو دشمنان دین اس پر خوش ہون گے، اور میری ذلت، اسلام کی ذلت ہوگی، لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی حالت کو بھول جاتا ہے، کہ انھون نے کس تواضع اور فقر و مسکنت کے ساتھ اسلام کی حفاظت کی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام مین نہایت معمولی کپڑے پہن کر آے، تو لوگون نے اس پر نکتہ چینی کی، لیکن انھون نے کہا کہ خدا نے ہم کو اسلام سے معزز کیا ہے، اس لئے ہم اس کے سوا اور کوئی عزت نہین چاہتے، اسی طرح جب وہ اپنے ہمسرون کے ساتھ حسد کا اظہار کرتا ہے، تو یہ نہین سمجھتا کہ یہ حسد ہے، بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ غم و غصہ محض حق کے لئے ہے، اسی طرح جب وہ اپنے علم و عمل کی نمائش کرتا ہے، اور اس کو ریاکاری کا شبہہ پیدا ہوتا ہے تو کہتا ہے حاشا یہ ریاکاری نہین ہے، بلکہ علم و عمل کے اظہار سے میرا مقصد یہ ہے کہ لوگ میری اقتدا کر کے دین کا راستہ پائین، اور عذاب الٰہی سے نجات حاصل کرین، لیکن اگر لوگ دوسرے عالم کی اقتدا کرنے لگین تو وہ اس پر خوش نہ ہوگا، اور اس حالت مین شیطان اسکو یہ دھوکا دیگا، کہ اگر لوگ مجھ سے ہدایت حاصل کرتے تو اس کا ثواب مجھ کو ملتا، لیکن اگر کوئی پیغمبر اس کو یہ بتائے، کہ گمنامی اور علم کے چھپانے مین اس کے ظاہر کرنے سے زیادہ ثواب ملے گا، اور اس کے ساتھ اگر

قید کرکے بیڑیوں مین جکڑا دیا جائے، تو وہ قید وبند سے نکلنے کی تدبیرین کرے گا، تاکہ پھر درس کے مسند اور وعظ کے منبر پر چڑھ کر اپنی ریاست کا اظہار کر سکے، وہ بادشاہون کے دربار مین جاتا ہے، اُن سے دوستانہ تعلقات رکھتا ہے، ان کی مدح وثنا کرتا ہے، اور ان کے ساتھ یہ تواضع پیش آتا ہے، اور جب اس کے دل مین یہ بات کھٹکتی ہے کہ ظالم بادشاہون کے ساتھ یہ تواضع پیش آنا حرام ہے، تو شیطان اس کو دھوکا دیتا ہے کہ یہ تو اس وقت ہے جب اُن سے مال کی خواہش کی جائے، لیکن تمھارا مقصد تو مسلمانون کی سفارش کرنا اور ان کو نقصان سے بچانا ہے،

غرض اسی طرح امام صاحب نے متکلمین، فقہا، اہل حدیث، وعاظ اور اہل ادب، سب کے اخلاق پر تنقید کی ہے، اور نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لوگ نفس کے دقیق اخلاقی معائب سے ناواقف ہین، اور ان علوم سے ان کا مقصد صرف شہرت طلبی اور جاہ پسندی ہے، اور بعض واقعات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ حافظ ذہبی نے شیخ الاسلام حافظ ابو اسمٰعیل (المتوفی ۴۸۱ھ) کے حال مین لکھا ہے کہ وہ اپنی مجلس مین عمدہ کپڑے پہن کر اور قیمتی سواری پر سوار ہو کر جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ "مین دین کی عزت بڑھانے اور اس کے دشمنون کے ذلیل کرنے کیلئے ایسا کرتا ہون، تاکہ وہ میرے اعزاز اور شان وشوکت کو دیکھین تو اسلام کی طرف مائل ہون"، پھر جب اپنے گھر مین آتے تھے، تو وہ گدڑی پہن کر خانقاہ مین صوفیون کے ساتھ بیٹھ جاتے تھے، ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، اور ان سے کسی چیز مین امتیاز نہین حاصل کرتے تھے"[۱]

امام سفیان ثوری کا قول ہے کہ "علم حدیث کی تحصیل موت کا زاد راہ نہین ہے، بلکہ وہ نفس کے مشغول رکھنے کا ایک حیلہ ہے"، حافظ ذہبی اس قول کو نقل کرکے لکھتے ہین کہ انھون نے بالکل سچ کہا کیونکہ علم حدیث کی تحصیل اور چیز ہے اور حدیث اور چیز، علم حدیث کی تحصیل ایک عرفی نام ہے، جو

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۳۵۱،

اُن امور پر مشتمل ہے، جو ماہیت حدیث پر زائد ہین، اور زیادہ تر ان امور سے محدث اپنے دل کا شوق پورا کرتا ہے، مثلاً عمدہ نسخون کا حاصل کرنا، معالی کی تلاش کرنا، شیوخ کی تعداد کا بڑھانا، خطاب ولقب اور تعریف سے خوش ہونا، روایت کرنے کے لئے طول عمر کی آرزو کرنا، اور چند ایسے امور مین سب سے منفرد ہونا، جو اغراض نفسیانہ کے لئے نہ کہ اعمال ربانیہ کے لئے ضروری ہین، جب علم نبوی کی تحصیل ان آفات مین گھری ہوئی ہے، تو تم کو اخلاص کیونکر حاصل ہوسکتا ہے، اور جب علم آثار خدشات سے محفوظ نہین، تو علم منطق، جدل اور حکمت کی نسبت تمھارا کیا خیال ہے، ؟ جو ایمان کو سلب کر لیتے ہین اور شکوک وحیرت پیدا کرتی ہین[۵]، اسی نکتے کو امام غزالی ان الفاظ مین بیان کرتے ہین، کہ "ان مین بعض لوگ شہرون مین گھومتے ہین، اور شیوخ کو دیکھتے ہین، تاکہ وہ یہ کہہ سکین کہ بنی فلان سے روایت کرتا ہون، اور مین نے فلان کو دیکھا ہے، اور میرے پاس ایسی اسناد ہین، جو اورون کے پاس نہین ہین"،

علماء کی اخلاقی حالت پر مناظرون کے عام رواج کا نہایت مضر اثر پڑا، دور عباسیہ تک تو یہ مناظرے علم کلام کے مسائل کے متعلق ہوا کرتے تھے، لیکن جب ان کی وجہ سے سخت تعصب پھیل گیا، اور جنگ وخونریزی تک نوبت پہنچ گئی، تو مناظرے کے لئے فقہ کا میدان انتخاب کیا گیا، اور زیادہ تر امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رح کے اختلافی مسائل کے متعلق مناظرے ہونے لگے، غالباً اس تخصیص کی وجہ یہ ہوگی کہ دوسرے مذاہب مین عقلی زورآزمائی کا موقع بہت کم ملتا تھا، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے مذہب مین عقل وقیاس کی آمیزش نے طباعی اور احتمال آفرینی کے مواقع زیادہ پیدا کر دیئے تھے، اس لئے مناظرے کے لئے یہ دونون مذاہب زیادہ موزون تھے، بہرحال ان دونون مذاہب کے درمیان مناظرے کا عام

---

[۵] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۸۵

رواج ہوا، اور امرا و وزرار کے سامنے اس قسم کی مجلسین منعقد ہونے لگین، اونھون نے اس قدر وسعت حاصل کی کہ ماتمی حلقے بھی ان سے خالی نہ رہے، ابوالولید باجی کا بیان ہے کہ بغداد مین یہ رسم ہے کہ جب کسی کا کوئی محبوب عزیز مرجاتا ہے تو وہ چند دن اپنے محلے کی مسجد مین اپنے پڑوسیون اور عزیزون کے ساتھ اس کے ماتم مین بیٹھتا ہے، اور سوگ کے دن یا تو قرآن مجید کی تلاوت مین گذارے جاتے ہین، یا فقہا کے درمیان مناظرے کرائے جاتے ہین[۱]، یہ طریقہ اگرچہ علم وفن کی ترقی کے لئے نہایت مفید تھا لیکن اس سے علما، مین بہت سی بداخلاقیان پیدا ہوگئین، امام غزالی نے احیاء العلوم مین ان کی جو تفصیل کی ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

۱۔ حسد، کوئی مناظر حسد سے خالی نہین ہوتا، کیونکہ وہ کبھی غالب ہوتا ہے، اور کبھی مغلوب، کبھی اس کے کلام کی تعریف ہوتی ہے، اور کبھی دوسرے کا کلام قابل ستائش خیال کیا جاتا ہے، اس لئے جب تک دنیا مین علم و مناظرہ مین اس سے بہتر کوئی شخص موجود ہوگا وہ اس پر حسد کرے گا،

۲۔ تکبر و ترفع ۔ کوئی مناظر کبر و ترفع سے خالی نہین ہوتا، یہان تک کہ مناظرے کی بعض مجلسون مین وہ اس پر جنگ کرتے ہین، کہ کون نیچے بیٹھا ہے، اور کون اوپر، اور کون رئیس کے مسند سے قریب ہے، اور کون دور، اور اس کا نفس یہ دھوکا دیتا ہے، کہ اس سے علم کی عزت کا تحفظ مقصود ہے، اور مسلمان کو ذلت اختیار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے،

۳۔ کینہ و عداوت، ہر مناظر مین یہ بداخلاقی پائی جاتی ہے، کیونکہ جو شخص اس کے فریق کی بحث کو پسند کرتا ہے، اور خود اس کی بحث کو پسندیدگی سے نہین سنتا، اس کے دل مین اس سے بغض پیدا ہو جاتا ہے، اگر اس کے حریف نے اس کی بحث کے ساتھ تھوڑی سی بھی بے اعتنائی کی، تو اس کے

---

[۱] طبقات الشافعیہ جلد ۳ ص ۱۰۵،

دل مین ایسی عداوت پیدا ہوجاتی ہے، جو قیامت تک زائل نہین ہوسکتی

۴۔ غیبت، کوئی مناظر ایسا نہین ہے جو اپنے فریق کی بحث کی برائی بیان نہ کرتا ہو، اور اسی کا نام غیبت ہے، اسی طرح جو لوگ اس کی بحث سے اعراض کرتے ہین، اور اس کے فریق کی بحث کو سنتے ہین، ان کو جاہل، احمق، اور غبی کہتا ہے،

۵۔ خودستائی، ہر مناظر علم و فضل مین اپنی بڑائی بیان کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ بھلا مجھ جیسے شخص سے یہ بات مخفی رہ سکتی ہے؟ علم حدیث اور اصول کا مین سب سے بڑا ماہر ہون،

۶۔ تجسس، مناظر ہمیشہ اپنے فریق کی برائیون کی ٹوہ مین رہتا ہے، یہان تک کہ جب کوئی مناظر اوس کے شہر مین آتا ہے، تو اس کو ایسے شخص کی تلاش ہوتی ہے، جو اس کی اندرونی حالت کو بتائے، وہ لوگون سے پوچھ پوچھ کر اس کے عیوب کا پتہ لگاتا ہے تاکہ اس کے ذلیل و شرمندہ کرنے کے لئے مسالہ ہاتھ آئے، یہان تک کہ وہ اس کے بچپن کے حالات اور جسمانی عیوب کا پتہ لگاتا ہے اور تمسخر و استہزار سے ان کا اظہار کرتا ہے،

۷۔ شماتت، جو شخص علم و فضل کا اظہار فخر و مباہات کے لئے کرتا ہے، اوس کو یقیناً اس چیز سے مسرت ہوتی ہے جس سے اس کے حریف کو رنج پہنچتا ہے، ایسی حالت مین رنج و غم مین باہمی شرکت جو علمائے قدیم مین پائی جاتی تھی، وہ کہان باقی رہتی ہے؟

۸۔ نفاق، ایک مناظر اپنے حریف سے بظاہر تو نہایت تپاک سے ملتا ہے لیکن اس کا دل اس کے بغض سے بھرا ہوا ہوتا ہے، اور اسی کا نام نفاق ہے،

۹۔ اعراض عن الحق، مناظر کو یہ بات سخت ناگوار ہوتی ہے، کہ اس کے حریف کی زبان سے حق کا اظہار ہو، چنانچہ جب کبھی اظہار ہوتا ہے تو وہ اس کا انکار کرتا ہے، اور اس مین ہر قسم کے مکر و فریب سے کام لیتا ہے، یہان تک کہ کج بحثی اس کی فطرت بن جاتی ہے،

۱۰۔ ریاکاری: مناظر کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے، کہ لوگون مین اس کا نام و نمود ہو، اور لوگ اس کی مدح و ستایش کرین، اس لئے لوگون کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے وہ سعی بلیغ کرتا ہے، اور اسی کا نام ریا ہے،

یہ برائیان تو اکابر و عقلا مین پائی جاتی ہین، اور ان برائیون سے اور بھی بداخلاقیان پیدا ہوتی ہین، مثلاً ضد، غصہ، دشمنی، حرص، جاہ و مال کی خواہش، فخاری اور غرور وغیرہ اور جو لوگ کم درجہ کے ہوتے ہین، وہ جھگڑا فساد، مارپیٹ، سب و شتم اور افترا و بہتان سے بھی دریغ نہین کرتے، جو لوگ شہرت طلبی اور زرپرستی کے لئے وعظ و پند کا پیشہ اختیار کرتے ہین، ان مین بھی یہ تمام بداخلاقیان پائی جاتی ہین، اور جو لوگ قاضی بننے اوقاف کے متولی ہونے اور ہمسرون پر تفوق حاصل کرنے کے لئے علم فقہ اور علم فتاوی مین مشغول رہتے ہین، وہ بھی ان بداخلاقیون سے خالی نہین ہوتے[۱]

ان تمام بداخلاقیون کا ظہور تعصب کی شکل مین ہوا، اور یہ وبا صرف علما تک محدود نہین رہی بلکہ اس سے عوام بھی شدت کے ساتھ متاثر ہوئے، اور باہم سخت جنگ و خونریزیان ہوئین، ابن حوقل لکھتا ہے، کہ رے کے باشندے شافعی المذہب اور حنفی المذہب ہین لیکن شافعیون کی تعداد حنفیون سے کم ہے، ان دونون مین سخت تعصب ہے، اور اس تعصب کی وجہ سے ان مین بہت سی لڑائیان ہوئین جن مین باوجود تعداد کی کمی کے شافعیون کو غلبہ حاصل ہوا،[۲]

یاقوت حموی نے ان لڑائیون کے دردانگیز نتائج کو بچشم خود دیکھا ہے، اور عبرت انگیز طریقے پر ان کی تفصیل کی ہے، وہ لکھتا ہے کہ مین رے کے ویرانہ سے ۶۱۷ھ مین گذرا تو دیکھا کہ اس کے کھنڈرون کی دیوارین کھڑی ہین، اس کے منبر باقی ہین، اور چونکہ جلد ہی ویران ہوا ہے، اس لئے اس کی دیوارون کے نقش و نگار علی حالہ قائم ہین، مین نے وہان کے ایک سمجھدار آدمی سے اس ویرانی کا سبب

---

[۱] احیاء العلوم جلد اول بیان آفات المناظرۃ و ما یتولد منہا من مہلکات الاخلاق [۲] ابن حوقل ص ۲۴۴،

پوچھا اس نے کہا کہ سبب تو معمولی ہے، لیکن خدا جب کوئی کام کرنا چاہتا ہو تو اس کو پورا ہی کر دیتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس شہر مین تین گروہ تھے، ایک تو شافعیہ جن کی تعداد بہت کم تھی، دوسرے حنفیہ جن کی تعداد بہت زیادہ تھی، تیسرے شیعہ جن کی تعداد ان سب سے زیادہ تھی، کیونکہ اہل شہر مین نصف شیعہ تھے، اور دیہات کے باشندون مین زیادہ تر شیعہ اور تھوڑے سے حنفی تھے، اور ان مین شافعی کوئی بھی نہ تھا، پہلے سنیون اور شیعون مین تعصب پیدا ہوا اور حنفیون اور شافعیون نے اُن پر غلبہ حاصل کر لیا، اور طویل لڑائیون کے بعد ان دونون نے شیعون کا نام و نشان تک مٹا دیا، اس کے بعد حنفیون اور شافعیون مین تعصب پیدا ہوا، اور ان دونون کے درمیان لڑائیاں ہوئین جن مین باوجود تعداد کی کمی کے شافعیون کو غلبہ حاصل ہوا، دیہاتی لوگ جو حنفی تھے، شہر مین ہتھیار لیکر آتے تھے، اور اپنے ہم مذہب لوگون کی مدد کرتے تھے، لیکن اس سے حنفیون کو کچھ فائدہ نہین پہنچا، اور شافعیون نے ان کا بالکل خاتمہ کر دیا، یہ ویران محلے جن کو تم دیکھ رہے ہو، شیعون اور حنفیون کے محلے ہین، صرف یہ محلہ جو شافعیہ کے نام سے مشہور ہے، باقی رہ گیا ہے، اور وہ رے کا سب سے چھوٹا محلہ ہے، اور شیعون اور حنفیون مین صرف وہی لوگ رہ گئے ہین، جو اپنے مذہب کو چھپاتے ہین[1]،

اصفہان مین بھی اس خانہ خراب تعصب نے اسی قسم کی ویرانی پیدا کر دی، چنانچہ یاقوت حموی اصفہان کے حالات مین لکھتا ہے، کہ شافعیون اور حنفیون کے تعصب اور دونون کی متصل لڑائیون کی وجہ سے اصفہان اور اس کے اطراف مین اس وقت اور اس سے پہلے عام ویرانی پیدا ہو گئی ہے، کیونکہ جب کسی فریق کو غلبہ حاصل ہوتا ہے، تو وہ دوسرے فریق کے محلے کو لوٹ لیتا ہے، اس کو جلا دیتا ہے اور اس کو ویران کر دیتا ہے[2]،

اختلاف عقائد کی وجہ سے جو تعصب پھیل گیا تھا، وہ اس پر مستزاد تھا، ابو نصر عمید الملک کندری

---

[1] معجم البلدان جلد اول ص ۳۰۲، [2] ایضاً ج اول ص ۲۷۳۔

جو طغرل سلجوقی کا وزیر تھا، نہایت متعصب تھا، اوس نے الپ ارسلان سلجوقی سے اس بات کی اجازت لی کہ خراسان کی مسجدون مین سر منبر شیعون پر لعنت بھیجی جائے، اس نے اس کی اجازت دیدی عمید الملک نے اس مین اشعریون کو بھی شامل کرلیا جس سے ائمۂ خراسان مین سخت برہمی پھیل گئی، اور ابو القاسم قشیری اور امام الحرمین نے خراسان کو چھوڑ دیا، [۱]

تعصب و مناظرہ کے علاوہ فقہا کی موشگافیون نے فقہی حیلون کا ایک اور فتنہ پیدا کیا جس سے اسلام مین ایک عظیم الشان مذہبی اور اخلاقی انقلاب پیدا ہوگیا، اور بہت سی ناجائز چیزین ان حیلون کے ذریعہ سے جائز ہوگئین، اس قسم کی حیلہ بازیان فقہ کے چوتھے دور مین شروع ہوئین، جو دوسری صدی ہجری سے شروع ہوا، اور چوتھی صدی تک ختم ہوگیا، کیونکہ اس دور مین مسلمانون مین عقلی ترقی کے ساتھ اخلاقی انحطاط شروع ہوگیا تھا، اور عیش و عشرت کی گرم بازاری ہو چلی تھی لیکن اسی کے ساتھ مذہب کا اثر بھی قائم تھا اس لئے مذہب کی دارو گیر سے مفر کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہ تھی، کہ جو کچھ کیا جائے، اس کے جواز کے لئے مذہب ہی کی سند حاصل کی جائے، اس قسم کی حیلہ بازیون کے بہت سے واقعات کتابون مین مذکور ہین،

یہ حیلے امراد سلاطین کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تراشے جاتے تھے، ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ان لوگون کو کسی مذہبی کشمکش سے نجات دلائی جائے،

لیکن بعد کو ان باتون کی کوئی تخصیص نہین رہی، اور یہ ایک مستقل فن بن گیا، اور اس پر کتابین لکھی گئین جن پر عمل کرنے سے تمام حقوق شرعیہ ساقط ہو سکتے ہین مثلاً ایک شخص کے پاس اس قدر مال ہے، کہ سال کے ختم ہونے پر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اب زکوٰۃ سے بچنے کا حیلہ یہ ہو کہ سال کے ختم ہونے پر اس کو اپنے اہل و عیال پر ہبہ کردے پھر جب نیا سال شروع ہو تو اپنے اوپر ہبہ کرالے،

---

[۱] ابن خلکان جلد دوم ص ۷۰،

بنے ہوئے صوفیہ نے بھی ان حیلوں سے فائدہ اٹھایا، اور جو چیزیں شرعاً ناجائز تھیں، نام بدل کر ان کو جائز کرلیا، بھانگ کا ایک خاص نام رکھ لیا، طنبور، عود، بربط وغیرہ باجوں کے نام بدل دیئے، گویّے کو حادی، مطرب وغیرہ کہنے لگے[1] لیکن محدثین نے ان حیلوں پر سخت اعتراضات کئے، ان کے نزدیک تمام اعمال کی بنیاد نیت پر ہے، اور نام اور صورت بدل دینے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدل جاتی، خود حدیث میں ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے نام سے حلال کرلی جائیں گی، شراب ایک خاص نام سے، رشوت ہدیہ کے نام سے، قتل، رعب و داب کے نام سے، زنا نکاح کے نام سے، اور سود بیع کے نام سے[2] ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اور علامہ ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی میں ان حیلوں کے ابطال پر نہایت مفصل بحثیں کی ہیں، اور ان کے متعلق محدثین کے نہایت سخت اقوال نقل کئے ہیں، امام احمد بن حنبل وغیرہ ائمہ نے ان حیلہ بازوں کی تکفیر کی ہے، اور ان کا متفقہ قول یہ ہے کہ جو شخص ان حیلوں کے مطابق فتوی دیتا ہے، وہ اسلام کے نظام کو الٹ پلٹ دیتا ہے، اور اسلام کے شیرازے کی ایک ایک گرہ کھول کر رکھ دیتا ہے، ایک عورت اپنے شوہر سے خلع کرانا چاہتی تھی، لیکن شوہر اس پر راضی نہیں ہوتا تھا، اب اس کو یہ تدبیر بتائی گئی کہ اگر تم مرتد ہوجاؤ تو نکاح ٹوٹ جائے گا، چنانچہ اس نے اس پر عمل کیا، حضرت عبداللہ بن مبارک سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ جس شخص نے اس قسم کے حیلوں پر کتاب لکھی ہے، وہ کافر ہے، جس نے اس کو سنا اور پسند کیا وہ کافر ہے، اور جو شخص اس کو ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں لے گیا وہ کافر ہے، نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ کتاب الحیل میں تین سو بیس یا تیس مسئلے ایسے ہیں، جو سب کے سب کفر ہیں، قاسم بن معن کہتے تھے، کہ تم لوگوں نے حیلوں پر جو کتابیں لکھی ہیں، وہ بدکاری کی کتابیں ہیں[3] لیکن

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۳ ص ۱۰۷، [2] اعلام الموقعین جلد ۳ ص ۱۰۶،

[3] اعلام الموقعین، جلد ۳ ص ۱۴۸، ۱۴۷،

باایںہمہ اوس زمانہ مین مذہب واخلاق کا اس قدر اثر تھا کہ لوگ ان کتابون کو علانیہ اپنے نام سے نہین لکھ سکتے تھے، چنانچہ آج تک یقین کے ساتھ ان کے مصنفین کا نام نہین بتایا جا سکتا، دور جدید کے ایک مصنف نے لکھا ہے، کہ فقہ کے اس دور مین نئے نئے مسائل کے ایجاد کرنے کا جو میلان پیدا ہو گیا تھا، اوس نے ضعیف المذہب لوگون کو اس قسم کے حیلون کے ایجاد کرنے پر آمادہ کیا[1] لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ عباسی دور مین جو عجمی فرقے علمی حیثیت سے مسلمانون کے مذہب واخلاق مین ضعف پیدا کرنا چاہتے تھے، انھون نے گمنام طریقے پر اس قسم کی کتابین شائع کر دی ہون،

بہرحال یہ ایک مذہبی اور اخلاقی فتنہ تھا، جو عباسی دور مین عقلی ترقی اور اخلاقی تنزل کے ساتھ ساتھ پھیلا، اور رند مشرب اور اہل دول اس سے خاص طور پر متاثر ہوئے، اور محدثین نے اس کی روک تھام مین خاص طور پر حصہ لیا، امام غزالی نے بھی احیاء العلوم مین ان حیلون کو فقہا کا ایک دھوکا قرار دیا ہے،[2]

علماء مین جن لوگون نے وعظ و پند کو اپنا پیشہ بنا لیا تھا، ان کی حالت اس سے بھی بدتر تھی، اور علماء کے بعض اخلاق مذہبی اور صوفیانہ نقطۂ نظر سے گو قابلِ اعتراض ہون، لیکن دنیوی حیثیت سے اُن مین ترفع، بلندی، اور طباعی پائی جاتی تھی، لیکن واعظون نے بالکل گداگری کا پیشہ اختیار کر لیا تھا، اور عبارت آرائی، رنگین بیانی اور قصہ خوانی کے ذریعہ سے لوگون کے دلون کو اپنی طرف مائل کرتے تھے، امام غزالی نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کے واعظون کی یہی حالت ہے، اگر کوئی شخص شاذ و نادر ملک کے کسی گوشے مین اس کے خلاف ہو تو ہو، لیکن ہم کو کوئی ایسا شخص معلوم نہین، ابن جبیر نے اپنے سفرنامہ مین ایک بڑے خطیب کی مجلس وعظ کے ذکر مین لکھا ہے، کہ انھون نے اپنی مجلس ان الفاظ مین ختم کی کہ حاضرین مین نے ایک رات تو خدا کے حرم مین تمھارے سامنے وعظ کہا اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم مین

---

[1] تاریخ التشریع الاسلامی ص ۲۰۵، [2] احیاء العلوم جلد ۳ ص ۲۴۴،

وعظ کہتا ہون، "واعظ کے لئے گداگری ضروری ہے" اس لئے مین تمھارے سامنے ایک حاجت پیش کرتا ہون، اگر تم لوگ اس کے پورا کرنے کا وعدہ کرو تو مین اس کو بیان کرکے اپنی آبروریزی کرون، لوگون نے نہایت گریہ وزاری کے ساتھ اس حاجت کے پورا کرنے کا اعلان کیا، تو اس نے کہا کہ میری حاجت یہ ہے کہ تم لوگ اپنے سرون کو کھول کر اور ہاتھون کو پھیلا کر اس پیغمبر کے سامنے دعا کرو کہ وہ مجھ سے راضی رہے، اور خدا کو بھی مجھ سے راضی کردے،

یہ ایک نہایت دولت مند آدمی تھا، اس لئے اوس نے کوئی دنیوی غرض پیش نہین کی، تاہم اس کے آخری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وعظ گوئی کے لئے گداگری ضروری تھی، اور یہ گداگری جس طرح بھری مجلس مین کی جاتی تھی، ابن جبیر نے اس کا ذکر بھی نہایت ناگواری کے ساتھ کیا ہے[۵]، اسی قسم کے فقہاء و واعظین تھے جن پر شیخ سعدی اور خواجہ حافظ نے ریاکاری، جاہ طلبی، زرپرستی اور عجب وغرور کے الزامات لگائے ہین،

لیکن ہر دور کے علمائے حق کے امتیازی اوصاف وہی رہے ہین جن کی تفصیل گذشتہ نمبرون مین بیان کی گئی ہے،

---

[۵] سفرنامہ ابن جبیر ص ۲۰۱،

عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب رفیق دار المصنفین

(۱۰)

حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف فروری ۱۹۴۲ء)

حضرت شیخ رکن الدین قدس سرہ العزیز حضرت شیخ صدر الدین کے لڑکے اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے، والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی تھا، جو اپنے زہد و تقوی کی وجہ سے رابعۂ عصر کہلاتی تھیں، انھوں نے اپنے خسر حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے زیر سایہ باطنی و روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی، ان کو کلام مجید کی تلاوت سے خاص شغف تھا، روزانہ ایک کلام مجید ختم کرتی تھیں، حضرت شیخ رکن الدین کی ولادت سے پہلے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے یہ بشارت دی تھی کہ ان کی وجہ سے خاندان کا چراغ روشن ہوگا، ایک دن جب کہ شیخ رکن الدین چار سال کے تھے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا چارپائی پر بیٹھے تھے، اور دستار مبارک سر سے اتار کر چارپائی کے پایہ پر رکھدی تھی، حضرت شیخ صدر الدین بھی پاس ہی مودب بیٹھے تھے کہ شیخ رکن الدین کھیلتے ہوئے آئے، اور دادا کی دستار مبارک اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی، والد ماجد نے ڈانٹا کہ یہ بے ادبی ہے، مگر دادا نے فرمایا کہ صدر الدین بگڑی

پہننے سے اس کو نہ روکو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ اس کا مستحق ہے، اور مین یہ پگڑی اس کو عطا کرتا ہون، چنانچہ ؤ پگڑی محفوظ کردی گئی، اور جب حضرت شیخ رکن الدین اپنے والد بزرگوار کے بعد مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو وہ انکے سر پر رکھی گئی،[۱]

ظاہری تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، اور روحانی تربیت مین جد امجد سے فیضیاب ہوئے، دونون ان کو بہت محبوب رکھتے تھے، شیخ رکن الدین دونون بزرگون کا اتنا احترام کرتے تھے کہ کبھی اُن سے آنکھین چار نہ کرتے، اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولتے، اس خورد سالی مین ان کے اس ادب سے متاثر ہوکر حضرت خواجہ شمس الدین تبریزی نے ان کو رکن الدین عالم کا لقب عطا فرمایا، اور وہ رکن عالم کے نام سے مشہور ہوئے،[۲] انہی دونون بزرگون کی صحبت مین انھون نے صوری و معنوی کمالات حاصل کئے علم تواضع شفقت، حلم، موافقت، بشاشت، مروت، عفو، حیا، وقار، حسن ظن، اور تصفیۂ نفس جملہ صفات ان مین بدرجۂ اتم پائی جاتی تھین، اور انھون نے مکاشفہ و محاسبہ سے اتنے مدارج طے کر لئے تھے، کہ ان کو "مخزن مشہود الٰہی" "منبع جود نا متناہی" "ادریس خلوت وحدت" "برصیس برج معرفت" "گوہر معدن صفات لاریب، لولوے سجۂ دریاے غیب، زبدۃ المشائخ، مفتاح قفل حق الیقین"[۳] کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، سیر العارفین کے مؤلف نے اُن کے روحانی مرتبہ کی مدح ان الفاظ مین کی ہے،

جہانِ معرفت سلطانِ معنی ۔۔۔ وجودش آیتے در شانِ معنی
دلش از طلعتِ اسرار مسرور ۔۔۔ ہمیشہ جانش از انوار معمور
بباطن در حقیقت بستہ بے باک ۔۔۔ بظاہر در شریعت جست و چالاک
بریدہ گردنِ شیطانِ خناس ۔۔۔ خریدا نفش زتیغ پاس انفاس

---

[۱] سیر العارفین ج ۲ ص ۲ و فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۱، و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین،

[۲] مراۃ الاسرار قلمی [۳] سیر العارفین ج ۲ ص ۱،

بملک فقر از کشف و کرامات زدہ بر عرش کوسِ استقامات

کلامش پاک از طامات و از شطح یگانہ شیخ رکن الدین ابوالفتح

بملک فقر جز نعمت نبو دش جماعی ریزہ چین خوان جودش

چھتیس سال کی عمر میں جب وہ والد بزرگوار کی مسند خلافت پر بیٹھے، تو ہر گوشہ سے لوگ خدمت میں حاضر ہو کر فیضیاب ہوئے، جو بھی اہلِ حاجت حاضر ہوتا، اس کی حاجت روائی ضرور فرماتے، اسی لئے "قبلۂ حاجات" بھی کہلاتے تھے، مجلس میں جس کے دل میں کوئی بات آتی، اس کا ان کو کشف حاصل ہو جاتا، اور اس کی دلجوئی کرتے،

مشائخ وسلاطین دونوں سے ملتے، مگر ان کے مراتب کے حدود کو ملحوظ رکھ کر تعلقات قائم کرتے تھے، سلطان علاؤالدین خلجی کے زمانہ میں ایک بار ملتان سے دہلی تشریف لائے، تو سلطان نے شاہی کروفر کے ساتھ دہلی سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا، اور بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ ان کو دہلی لایا، اور دو لاکھ ٹنکے نذر پیش کئے، پھر رخصت کے وقت پانچ لاکھ نذر کئے، حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی چھوڑنے سے پہلے یہ کل رقم فقرا و مساکین میں تقسیم دی اور اپنے ساتھ ایک حبہ بھی نہ لے گئے، سلطان وقت کی طرف سے اس اعزاز واکرام کے باوجود فرماتے تھے کہ میں ملتان سے دہلی صرف سلطان نظام الدین اولیاء کی محبت اور شوق ملاقات میں آتا ہوں، حضرت سلطان الاولیاء کو بھی اُن سے قلبی لگاؤ تھا، چنانچہ جب وہ سلطان علاء الدین کی دعوت پر دہلی آئے، تو اگر ایک طرف ان کے استقبال کے لئے سلطان وقت اپنے خدم وحشم کے ساتھ تھا، تو دوسری طرف حوض علائی کے پاس سلطان الاولیاء بھی اپنی جلالت وعظمت کے ساتھ ان کے لئے چشم براہ تھے،

حضرت شیخ رکن الدین گو دہلی میں شاہی مہمان ہوتے تھے، مگر زیادہ وقت سلطان الاولیاء ہی کی صحبت میں بسر کرتے تھے، دونوں ایک دوسرے کا غیر معمولی احترام کرتے، ایک مرتبہ جب حضرت شیخ

رکن الدین دہلی آئے، تو جمعہ کی نماز ادا کرنے جامع مسجد تشریف لے گئے، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء پہلے سے مسجد میں موجود تھے، خود بڑھ کر حضرت شیخ رکن الدین سے ملے، اور تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھ کر اپنی جگہ واپس آئے، اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین جا کر ان کے قریب بیٹھے، اسی قیام کے زمانہ میں حضرت شیخ رکن الدین حضرت سلطان الاولیاء کی زیارت کے لئے ان کی خانقاہ بھی گئے، لیکن پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، اس لئے پالکی سے باہر نہ نکل سکے، اور خود حضرت شیخ نظام الدین دوسرے درویشوں کے ساتھ پالکی کے پاس بیٹھے رہے، وہیں کھانا منگوایا، کھانے کے بعد اعلیٰ درجہ کا کپڑا اور سو اشرفیاں حضرت شیخ رکن الدین کی خدمت میں بطور نذر کے پیش کیں، انھوں نے قبول کرنے میں تامل کیا، اس لئے محبوب الٰہی نے ان کے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیل کے حوالہ کر دیا[۱]

حضرت بہاء الدین زکریا کے نواسے مولانا علم الدین فرماتے ہیں، کہ ایک بار حضرت شیخ رکن الدین نے کیلوکری کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد سلطان الاولیاء کی خانقاہ میں قدم رنجہ فرمایا، یہاں پہلے سے کچھ فقراء اور مشائخ موجود تھے، اس قران السعدین کے وقت مولانا علم الدین کے دل میں بعض علمی نکات کے حل کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور دونوں بزرگوں سے اجازت لے کر عرض کی کہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا مصلحت تھی؟ حضرت شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات کی تکمیل مدینہ منورہ کی ہجرت پر موقوف و منحصر تھی، اس لئے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب جلوہ فرما ہوئے حضرت سلطان الاولیاء نے ارشاد فرمایا کہ اس مسئلہ میں میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب کو مدینہ طیبہ اس لئے بھیجا، کہ وہ اصحاب مدینہ جو اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے مکہ معظمہ حاضر ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے مستفیض و مستسعد ہو کر ظاہری و باطنی کمالات میں مکمل ہو جائیں[۲]

غالباً حضرت شیخ رکن الدین دہلی کے پہلے ہی قیام کے زمانہ میں حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۶۲، [۲] سیر العارفین جلد دوم ص ۴ و تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۴۱۲،

کے عرس کا زمانہ آگیا، چنانچہ پاک پٹن کی طرح دہلی میں بھی عرس کی تقریب منائی گئی، سماع کی محفل میں حضرت شیخ رکن الدین بھی شریک ہوئے مجلس سماع میں حضرت سلطان الاولیاء پر وجد طاری ہوگیا، اور غایت اضطراب میں کھڑے ہونا چاہا، مگر شیخ رکن الدین نے ان کا دامن پکڑ کر بٹھا دیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر وجد کی کیفیت شروع ہوئی، تو پھر کھڑے ہوگئے، اس مرتبہ شیخ رکن الدین نے ان کو بٹھانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اور مشائخ کی طرح خود دست بستہ مؤدب کھڑے ہوگئے، مجلس ختم ہوئی تو مولانا علم الدین نے حضرت شیخ رکن الدین سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب تھا کہ پہلی بار تو آپ نے سلطان الاولیاء کو کھڑا نہ ہونے دیا، لیکن دوسری بار نہیں روکا، حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا، کہ پہلی بار شیخ نظام الدین کی رسائی عالم ملکوت تک ہوئی تھی وہاں تک میری گذر ممکن تھی، اس لئے میرا ہاتھ پہنچ گیا، اور ان کو بٹھا دیا، دوسری بار ان کی رسائی عالم جبروت میں ہوئی، وہاں تک میں نہیں پہنچ سکتا تھا، اس لئے مزاحم نہ ہوا،[۵]

حضرت سلطان الاولیاء سے حضرت شیخ رکن الدین کی محبت وعقیدت کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے، کہ انھوں نے اپنے محبوب خلیفہ حضرت شیخ وجیہ الدین عثمان سیاح سنامی کو محبوب الٰہی کی قربت کی خاطر دہلی ہی میں قیام کرنے کا حکم دیا، حضرت عثمان جن کا مزار شریف دہلی میں ہے، جب سنام سے سیر و سیاحت کرتے ہوئے دہلی پہونچے، تو ایک دن کیلوکری میں نہر کے پاس حضرت شیخ رکن الدین کو نماز پڑھتے دیکھا، چہرۂ اقدس پر نظر پڑتے ہی دل انوار روحانی سے منور ہوگیا اور وہیں بیعت حاصل کرلی، حضرت شیخ ان کو اپنے ساتھ ملتان لے گئے، اور دو سال تک اپنی معیت میں رکھا، اسی مدت میں کلام پاک حفظ کیا، اور مرشد سے حضرت شیخ شہاب الدین کی تصنیف عوارف پڑھتے رہے، خود حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ جس دن سے شیخ عثمان مرید ہوئے، ترک دنیا اور تجرد کلی اختیار کرلیا، ایک تہبند کے علاوہ ان کے پاس کوئی چیز نہیں رہتی تھی، اسی بے سروسامانی کی حالت میں حج کے لئے تشریف لے گئے، مدینہ منورہ میں ایک سال رہکر دو مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، طواف کے دوران میں چشم بینا

---

۵ سیر العارفین ص ۱۰۶، ۱۰۵، و فرشتہ جلد دوم صفحہ ۴۱۲

سے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام اُن کے سر پر سایہ کئے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر بے چین ہوگئے، اور اسی وقت دوسرے ممالک کی سیاحت کو روانہ ہوگئے، سات برس کے بعد ملتان لوٹے تو مرشد نے گلے سے لگایا اور سر کو بوسہ دیکر فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا کہ جس روز اپنے سر پر حضرت خضر علیہ السلام کا سایہ دیکھا، اسی وقت مسافرت اختیار کر لی ورنہ مخلوق کے فتنہ مین پڑ جاتے، یہ کہکر اپنا پیراہن محبوب مرید کو پہنایا، اور اپنی دستار ان کے سر پر باندھی، اور پھر چند روز اپنے ساتھ ٹھہرا کر دہلی روانہ کر دیا، رخصت کرتے وقت فرمایا کہ تم وہین قیام کرنا جہان حضرت شیخ نظام الدین مقیم ہین، وہان جاکر پہلے حضرت شیخ نظام الدین کو میرا سلام پہنچانا، اور وہ جہان رہنے کا حکم دین، وہین سکونت اختیار کرنا، چنانچہ حضرت شیخ عثمان نے دہلی پہونچکر محبوب الٰہی کی خدمت مین مرشد کا سلام پہنچایا، انھون نے کھڑے ہوکر علیک وعلیہ السلام فرمایا، حضرت شیخ عثمان کو محبوب الٰہی کی صحبت مین اُن سے ایسی محبت و شیفتگی پیدا ہوگئی کہ مرتے دم اس کا جذبہ باقی رہ گیا، حضرت شیخ عثمان کو سماع کا ذوق پہلے سے بھی تھا، محبوب الٰہی کی مجلسون مین شرکت سے یہ ذوق اور بھی بڑھ گیا، ایک بار اپنی قیامگاہ پر مجلس دوستون کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، کہ سامنے امیر حسن قوال اپنے ساتھیون سمیت گذرا، امیر حسن کو محبوب الٰہی بہت ہی عزیز رکھتے تھے، اور اس کے گانے کے بہت فریفتہ تھے، امیر حسن بھی محبوب الٰہی اور شیخ عثمان کے گہرے مراسم سے واقف تھا، ان کو دیکھ کر ان کی خدمت مین حاضر ہوا، حضرت شیخ عثمان محبوب الٰہی کے ہمدم مجلس اور محرم صحبت قوال کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے، اور اس سے کچھ سنانے کی فرمایش کی، اس زمانہ مین سلطان غیاث الدین تغلق کی طرف سے محفل سماع پر قدغن تھی، اس لئے امیر حسن کو اس فرمایش کی تعمیل مین تامل ہوا، حضرت شیخ عثمان کواڑ مین زنجیر لگا کر گانے کے لئے مصر ہوئے، امیر حسن نے سلطان وقت کے خوف سے دھیمی آواز مین یہ بیت شروع کی،

زاہد ز دیں برآمد و صوفی ز اعتقاد

ترسا محمدی شد و عاشق ہمان کہ ہست

امیر حسن نے جب تکرار کے ساتھ اس کو گایا، تو حضرت شیخ عثمان بے خود اور بے قابو ہو گئے، اور امیر حسن سے زور سے گانے کو فرمایا، وہ بھی شیخ کے جذب و بے خودی کو دیکھ کر بے اختیار ہو گیا، اور کھول کر گانے لگا، حضرت شیخ عثمان نے اس بے خودی مین دروازہ کھول دینے کا حکم دیا، بائیس قوال اور آ گئے، اور یہ محفل سماع جذب و کیف کی ایسی مجلس بن گئی، کہ شہر کے تمام صوفیہ آکر جمع ہو گئے، اور کئی ہزار تماشائیون پر حال و قال طاری ہو گیا، اور حضرت شیخ عثمان مذکورہ بالا شعر پڑھتے ہوئے بے خودی کی حالت مین جماعت خانہ سے نکل آئے، اور تغلق آباد کی طرف چل کھڑے ہوئے، قوال بھی ساتھ ساتھ گاتے جاتے تھے، پیچھے لوگون کا مجمع تھا، اور سب کے سب شیخ کے جذب و تجرید کے اثر سے سرشار تھے، اسی حال مین شیخ تغلق آباد شاہی محل کے پاس پہونچے، سلطان غیاث الدین تغلق سمجھا کہ کوئی فتنہ اٹھا ہے، ملک شادی خان کو تحقیقات کے لئے بھیجا، اس نے واپس آکر اطلاع دی کہ حضرت شیخ عثمان صوفیون اور قوالون کی ایک کھلی ہوئی محفل سماع منعقد کئے ہوئے ہین، سلطان پر برہمی کے آثار ظاہر ہوئے، مگر پھر اس نے اس فہرست کو منگا کر دیکھا جس مین ان درویشون اور فقراء کے نام درج تھے، جنھون نے اس کے حریف اور شاہی تخت کے دعویدار خسرو خان سے رشوتین قبول کی تھین، مگر اس مین حضرت شیخ عثمان کا نام نہ تھا، اس لئے سلطان کی برہمی نرمی مین بدل گئی، اور وہ حضرت شیخ عثمان کو مست الست دیکھ کر خود بہت متاثر ہوا، اور حکم دیا کہ ان کو اور ان کے ساتھیون کو لا کر محل کے اندر ٹھہرایا جائے، اور شاہی باورچی خانہ سے ان کی ضیافت کا سامان کیا جائے، چنانچہ پوری جماعت تین روز تک شاہی باورچی خانہ کے الوان نعمت سے متمتع ہوتی رہی، اور جب حضرت شیخ عثمان رخصت ہونے لگے، تو سلطان نے نذر پیش کی، مگر انھون نے اس کو قبول نہین کیا، اور غیاث پور کی طرف چل کھڑے ہوئے[۵]، یہ واقعہ اس محضر سے پہلے کا ہے جس کا ذکر حضرت شیخ نظام الدین اولیاء

---

[۵] سیر العارفین جلد دوم ص ۱۰۹،

کے حال مین کیا جا چکا ہے،

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین کے تعلقات سلاطین وقت سے بھی تھے، مگر یہ تعلقات محض خدمت خلق اللہ کی خاطر تھے، علاء الدین خلجی کے بعد جب اس کا لڑکا قطب الدین خلجی تخت نشین ہوا، تو اس کو محبوب الٰہی سے ذاتی مخاصمت پیدا ہو گئی جس کی تفصیل حضرت نظام الدین اولیاء کے حال مین بیان کی جا چکی ہے، اس مخاصمت وعناد کی وجہ سے سلطان نے دوسرے مشائخ سے مراسم پیدا کئے، اس سلسلہ مین اس نے حضرت شیخ رکن الدین سے بھی اپنی گرویدگی اور شیفتگی کا اظہار کیا، اور آپ کو ملتان سے دہلی آنے کی دعوت دی، جب آپ دہلی تشریف لائے، اور سلطان سے ملنے گئے، تو اس نے پوچھا کہ دہلی مین سب سے پہلے کس شخص نے آپ کا استقبال کیا تھا، گو آپ کو حضرت سلطان الاولیاء سے سلطان کے عناد کا حال معلوم تھا، تاہم آپ نے جواب دیا کہ اس نے جو اس شہر کا سب سے اچھا آدمی ہے یعنی حضرت نظام الدین اولیاء نے،

حضرت شیخ رکن الدین کا معمول تھا کہ جب آپ سلطان قطب الدین کے پاس تشریف لیجاتے تو راستہ مین اپنی سواری تخت رواں کو ٹھہرا کر آگے بڑھاتے تاکہ اہلِ ضرورت اپنی درخواستین سلطان کی خدمت مین پیش کرنے کے لئے ان کی سواری مین ڈال دین بعض ضرورتمندون کی عروضات زبانی بھی سنتے تھے، شاہی محل کے پاس پہنچکر دو دروازون تک تخت رواں پر سوار رہتے، تیسرے دروازے کے قریب جہان سلطان آپ کی تعظیم واستقبال کے لئے کھڑا نظر آتا، آپ اتر جاتے، سلطان بڑے ادب وتکریم سے دربار مین لیجا کر بٹھاتا، اور خود مؤدب دوزانو ہو کر آپ کے سامنے بیٹھتا، اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین شہر کے لوگون کی درخواستین سلطان کے سامنے پیش کرتے، وہ ہر ایک درخواست کو بغور پڑھتا، اور اس کی پشت پر اسی وقت حکم صادر کر دیتا، حضرت شیخ رکن الدین واپسی

۱۔ اخبار الاخیار ص ۱۶۲

کے وقت تمام درخواستوں کو ساتھ لیتے آتے[1]

سلطان غیاث الدین تغلق سے بھی حضرت شیخ رکن الدین کے مراسم خوشگوار رہے ۷۲۵ھ میں جب وہ بنگال کی مہم سے دہلی واپس آرہا تھا، تو حضرت شیخ رکن الدین دہلی سے افغان پور تک اس کے استقبال کو گئے تھے، شب کو سلطان کے ساتھ ما حضر تناول فرما رہے تھے، کہ نور باطن سے کشف ہوا، کہ جس عمارت میں وہ بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں، وہ اچانک گر جائے گی، اس لئے آپ کھانا چھوڑ کر باہر چلے آئے، اور سلطان کو بھی باہر نکلنے کے لئے فرمایا، مگر اس نے نکلنے میں دیر کی اتنے میں عمارت گر پڑی، اور سلطان اس کے نیچے دب کر ختم ہو گیا[2]

غیاث الدین تغلق کے بعد سلطان محمد تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا، اس سے بھی حضرت شیخ رکن الدین کے تعلقات قائم رہے، اور آپ دہلی میں اس کے مہمان ہوئے، اسی زمانہ میں محبوب الٰہی نے رحلت فرمائی، جنازہ کی نماز حضرت شیخ رکن الدین نے پڑھائی، اور اس سعادت پر وہ ہمیشہ فخر کرتے تھے[3]

حضرت محبوب الٰہی کی وفات کے دس سال کے بعد حضرت شیخ رکن الدین اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، وفات سے تین مہینے پہلے لوگوں سے ملنا جلنا اور بولنا چالنا بالکل ترک کر دیا تھا، صرف نماز جماعت کے لئے حجرہ سے باہر آتے تھے، اور پھر لوٹ جاتے تھے، ۷۳۵ھ کے رجب کی سولھویں تاریخ جمعرات کے دن عصر کی نماز کے بعد حضرت نے اپنے خادم خاص کو حجرہ کے اندر بلایا، اور اشارہ سے فرمایا کہ میری تجہیز و تکفین کا سامان کرو، اور مغرب کی نماز کے لئے پیش امام کو حجرہ کے اندر ہی بلا لیا، اور نماز مغرب

---

[1] سیر العارفین ص ۵ و فرشتہ جلد دوم ص ۴۱۲۔

[2] سیر العارفین جلد دوم ص ۷،

[3] اخبار الاخیار ص ۶۳،

کے بعد اوابین پڑھ رہے تھے، کہ اسی حالت مین سجدہ مین جان، جان آفرین کے سپرد کر دی[1] آپ کا مرقد مبارک ملتان مین آپ کے جد امجد اور والد ماجد کے مزار کے پاس ہی ہے،

حضرت شیخ رکن الدینؒ کا ایک بڑا وصف یہ بھی بتایا جاتا ہے، کہ ان کو نور باطن سے اپنے ملنے والون اور مریدون کے دلون کی باتون کا کشف ہو جاتا تھا، اسی لئے ابوالفتح کے لقب سے ملقب تھے، ان کے ایک مرید نے اس سلسلہ مین اپنی تصنیف مجمع الاخبار[2] مین ایک واقعہ نقل کیا ہے، کہ ایک بار سلطان غیاث الدین تغلق نے مولانا ظہیر الدین لنگ سے پوچھا کہ شیخ رکن الدین کی کوئی کرامت آپ نے دیکھی ہے، مولانا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن جب لوگ ان کی قدمبوسی کے لئے جمع تھے، مین نے دل مین خیال کیا کہ شاید شیخ کے پاس تسخیر کا کوئی عمل ہے، مین بھی عالم ہون، لیکن میری طرف کوئی توجہ نہین کرتا، مین نے سوچا کہ دوسرے دن صبح کو شیخ کی خدمت مین حاضر ہو کر پوچھون گا کہ وضو مین کلی کرنے اور ناک مین پانی ڈالنے مین کیا حکمت ہے، رات کو جب سویا تو خواب مین دیکھا کہ شیخ مجھکو حلوا کھلا رہے ہین جس کی شیرینی دن تک زبان پر قائم رہی، مین نے خیال کیا کہ اگر یہی کرامت ہے، تو شیطان بھی عوام کو اسی طرح گمراہ کر سکتا ہے، صبح کو جب مین شیخ کی خدمت مین حاضر ہوا، تو مجھ کو دیکھتے ہی فرمایا، کہ مین تمہارا ہی منتظر تھا، پھر گفتگو شروع کی، اور فرمایا کہ نجاست دو قسم کی ہوتی ہے، نجاست جسم اور نجاست دل، نجاست جسم کا سبب تو بالکل ظاہر ہے، مگر دل کی نجاست ناہموار آدمیون کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے، جسم تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے، مگر دل کی نجاست آنکھون کے پانی سے دور ہوتی ہے، اس کے بعد فرمایا کہ پانی مین تین صفتین ہین، رنگ، مزہ اور بو، اسی لئے شریعت نے وضو مین کلی کرنے اور ناک مین پانی ڈالنے کو مقدم رکھا ہے، کلی سے مزہ معلوم ہوتا ہے اور ناک مین پانی ڈالنے سے اس کی بو معلوم

[1] سیر العارفین جلد دوم ص ۱۱۱، فرشتہ جلد دوم ص ۴۱۲، مرآۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین،

[2] اس تصنیف کا ذکر اخبار الاخبار ص ۲۲۷ پر ہے،

ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ جس طرح نبی کی صورت میں شیطان ظاہر نہیں ہو سکتا، اسی طرح شیخ حقیقی کی صورت میں بھی شیطان نمودار نہیں ہو سکتا، کیونکہ شیخ حقیقی کو نبی کی کامل متابعت حاصل ہوتی ہے، مولانا ظہیرالدین کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت شیخ رکن الدین کی زبان مبارک سے یہ باتیں نکل رہی تھیں اوس وقت میرے تمام جسم سے پسینہ جاری تھا[1]

حضرت شیخ رکن الدین کی کسی تصنیف کا پتہ نہیں، مگر مجمع الاخیار میں ان کے ومایا وملفوظات درج ہیں جن کے کچھ اقتباسات اخبار الاخیار میں نقل کئے گئے ہیں، موخر الذکر کتاب کی مدد سے حضرت شیخ رکن الدین کی صوفیانہ تعلیمات ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں،

اپنے ایک مرید کو لکھتے ہیں، کہ آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے، صورت اور صفت ان میں سے قابل اعتنا آدمی کی صفت ہے، خدائے عزوجل صورتون کو نہیں بلکہ قلوب کو دیکھتا ہے، اگر کسی کا قلب اوصاف ذمیمہ سے پر ہے، تو اس کا شمار بہائم میں ہے، اوصاف ذمیمہ کو دور کرنے کے لئے تزکیۂ نفس کی ضرورت ہے، اور تزکیۂ نفس اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک بندہ خدائے عزوجل سے التجا و استعانت نہ کرے، یعنی اس کی بارگاہ میں گڑگڑائے، اور اس سے مدد طلب کرے التجا و استعانت سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے فضل اور رحمت حاصل ہوتی ہے فضل و رحمت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی چشم بینا میں اس کے عیوب ظاہر ہو جاتے ہین، اور عظمت الٰہی کے انوار کے پرتو سے ساری کائنات اس کی نظر میں ہیچ ہو جاتی ہے، دنیا کے پھندون میں پھنسے ہوؤں کی وقعت اس کے دل سے بالکل جاتی رہتی ہے، اور جب اوس کے قلب پر یہ کیفیت مستولی ہو جاتی ہے تو اس کے اوصاف فرشتون کے اوصاف مین تبدیل ہو جاتے ہین، اور اس میں ظلم کے بجائے عفو، غضب کے بجائے حلم، کبر کے بجائے تواضع بخل کے بجائے سخاوت اور حرص کے بجائے ایثار کی خوبیاں پیدا

---

[1] بحوالہ اخبار الاخیار ص ۱۹۲

ہو جاتی ہیں، مگر یہ خوبیان خقبی کے طلب کرنے والوں کے لئے ہیں، طالبانِ حق کے اوصاف اور بھی بلند ہیں، وہان تک پہنچنے کے لئے ہر شخص کی عقل کام نہیں دیتی،

عہدیست مرمرا کہ نگیرم بجز تو دوست

شرطیست مرمرا کہ نخواہم بجز تو ہیچ

ایک دوسرے موقع پر اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے ہیں، کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ارشاد فرمایا، کہ مین نے آج تک کسی کے ساتھ نہ نیکی کی اور نہ بدی، حاضرین نے استعجاب سے پوچھا کہ امیر المومنین بدی تو خیر آپ سے نہیں ہو سکتی، مگر نیکی کے متعلق آپ کیا فرما رہے ہیں، ارشاد فرمایا کہ حق جل وعلا کا قول ہے کہ جس نے اچھے کام کئے، اپنے نفس کے لئے کئے، اور بُرے کام کئے وہ بھی اپنے نفس کے لئے کئے، پس جو کچھ نیکی یا بدی مجھ سے صادر ہوئی، وہ درحقیقت میرے لئے تھی، نہ کہ دوسرون کے لئے

اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین لکھتے ہیں کہ

ایک عاقل کو دنیا و آخرت کے لئے اتنی نصیحت کافی ہے بزرگون نے کہا

سلاح این کس صلاح اوبس است

یعنی ایک شخص کا ہتھیار اس کی نیکی ہے،

چو میدانی ہر آنچہ کاری دروے

آخر ہمہ حال نکو کاری بہ

فرماتے تھے کہ اعضاء و جوارح کو شرعی ممنوعات سے قولاً اور عملاً باز رکھنا چاہئے، لایعنی مجلس سے بھی پرہیز لازم ہے، اس سے مراد ایسی مجلس ہے، جو حق تعالیٰ سے برگشتہ کرکے دنیا کی طرف مائل کرتی ہے، بطالون سے بھی احتراز ضروری ہے، بطال وہ لوگ ہین جو طالبِ حق نہیں[۱]   (باقی)

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۶۲،

عبدالواسع جبلی

از

جناب غلام مصطفیٰ خان صاحب لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی، برار،

سنہ ۱۹۴۲ء سے معارف میں میں نے فارسی کے قدیم شعراء کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، اُسی کی یہ بھی ایک کڑی ہے، اس میں عبدالواسع جبلی کے حالات کو اُن مجموعوں میں سے اخذ کیا جاتا ہے، جو حبیب گنج، جامع مسجد بمبئی، جامعہ عثمانیہ، وغیرہ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں[1]،

دولت شاہ (براؤن ایڈیشن ص ۷۳، ۷۴) لکھتا ہے کہ یہ شاعر غرجستان (بالائی مُرغاب کی وادی) کے جبال سے آیا تھا، جیسا کہ اس کے تخلص جبلی سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اور وہ ہرات ہوتا ہوا غزنین پہنچا جہاں وہ قریب چار سال تک سلطان بہرام شاہ غزنوی (۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء سے ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء) کی مدح سرائی کرتا رہا، لیکن اس شاعر کے کلام کے جتنے مجموعے ہمارے پیش نظر ہیں، ان میں کوئی قصیدہ اس سلطان کی مدح میں نہیں ملتا، اس لئے فی الحال ہم دولت شاہ کے اس قول کی تائید سے قاصر ہیں، گو وہ لکھتا ہے کہ شاعر نے ایک قصیدہ جس کا مطلع ذیل میں درج کیا جاتا ہے، سنجر (م ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء) کی مدح میں لکھا تھا جب کہ وہ بہرام شاہ کو تخت نشین کرانے کے لئے (۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء میں) غزنین آیا تھا،

ز عدلِ کاملِ خسرو ز امنِ شاملِ سلطان تدرو و کبک و گور و مور درگشتند درگیہان[2]

---

[1] کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد کی نئی فہرست میں ایک مجموعۂ کلام کو دیوان جبلی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، جو غلط ہے، میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ حکیم قطران تبریزی کا دیوان ہے [2] پروفیسر براؤن (ج ۲ ص ۳۴۱) نے

یہ قصیدہ حبیب گنج کے مخطوطہ میں بھی موجود ہے، لیکن اس کی داخلی شہادت کوئی ایسی نہیں ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ وہ اسی موقع پر لکھا گیا تھا،

پھر تاریخ گزیدہ (حبیب گنج، رائل ایشیاٹک جرنل ۱۹۰۱ء ص ۵، براؤن ج ۲ ص ۳۴۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعر، سنجر کا ہم عصر تھا، ہو شروع میں ایک دہقان تھا، جب کہ اس نے کپاس کے کھیت سے اونٹوں کو روکتے ہوئے اور بغیر کسی اور شخص کی موجودگی کا خیال کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تھے :-

اشتر دراز اگردنا، وانم چہ خواہی کردنا
گردن دراز کردہ، پنبہ نہ خواہی خوردنا

اور سلطان نے یہ اشعار سن کر جبلی کو اپنے ساتھ لے لیا، اور پڑھایا لکھایا، یہاں تک کہ وہ اس درجہ تک پہنچ گیا کہ آج تک کوئی دوسرا شاعر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اس قصہ کے مبالغہ یا حقیقت سے قطع نظر یہ اشعار اچھے مستقبل کے ضرور آئینہ دار ہیں، اور اس موسیقیت آمیز کلام کا پیش خیمہ ہیں جو

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۹) دولت شاہ (ص ۷۰) کے بیان سے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے، کہ یہ قصیدہ جبلی نے ۱۱۳۵ء میں لکھا تھا، جب کہ سنجر نے بہرام شاہ پر حملہ کیا تھا، اور شاعر نے قصیدہ کہہ کر اس کو خوش کیا تھا، دولت شاہ کے الفاظ یہ ہیں، کہ

"چون سلطان سنجر بہ مدد و تقویت بہرام شاہ..... لشکر بہ غزنین کشید عبدالواسع این قصیدہ در مدح سلطان سنجر گفت"،

اور یہ موقع ۱۱۱۷ء؁ کا تھا، ہاں ۱۱۳۵ء میں ضرور سنجر حملہ آور ہوا تھا، لیکن اس وقت جبلی نے نہیں، بلکہ فخرالدین محمد بن محمود بن احمد نیشاپوری نے سنجر کو خوش کیا تھا، جیسا کہ لباب (ج ۱ ص ۲۸۰) سے معلوم ہوتا ہے، اس واقعہ کی تفصیل طبقات ناصری (راورٹی ص ۳۵۲)، ابن الاثیر (ج ۱ ص ۱۷۰) وغیرہ میں دیکھیں،

اس شاعر کا طرۂ امتیاز ہے :

بہرحال اگر یہ اشعار نہیں، تو ذیل کے اشعار ضرور قدیم ہیں، اور ۵۱۱ھ / ۱۱۱۷ء میں لکھے گئے ہیں، جب کہ بہرام شاہ کی مدد کے لئے سنجر کے ساتھ سیستان کا حاکم امیر ابوالفضل تاج الدین (م ۵۵۹ھ / ۱۱۶۴ء) اور اس کا بھائی فخرالدین بھی آیا تھا :-

چه جرم است این بر آورده سر از دریای موج افگن — بکوه اندر دمان آتش بجر اندر کشان دامن

مصاف افروز و عالم سوز شاه نیمروزان کس — که در ملک ست کانی کف و انی عهد صافی ظن

ملک بوالفضل نصر ابن خلف فرزانه تاج الدین — که بر باید همی تاج از سر شیران شیر اوژن

بدانگه کز سجستان شد سوی غزنین یکی لشکر — همه با دولت خسرو، همه با صولت بهمن

ملک تاییدی دو آهن فلک تاثیر، کوه آلت — نهنگ آسیب، شیر آفت، ملک آشوب پیل افگن

دلیرانی که از گردون بنوک نیزه ستاره — ربودندی چو گنجشکان بمنقار از زمین ارزن

مخالف جنگ را آمد برون با لشکری دیگر — چو شیران عرین پر دل چو دیوان لعین پرفن

در آورده به پیش صف چو گردون تن زنده پیلانی — که گردون شان بوقت کین نیارد گشت پیرامن

چنان رفت از کمان تو سوی دشمن همی ناوک — که گاه رجم سیاره ز گردون سوی اهریمن

چون شد رای همایونت قرین رایت اعلیٰ — شده آثار اقبال ظاهر، شد اسباب ظفر بیّن

نه گشت از فر تو جسته ازین خون خوارگان یک کس — نه گشت از زخم تو رسته ازین بیچارگان یک تن

درین رفعت پدید آمد که نادر دار بنی آدم — چو اهل سیستان هرگز به مردی ایزد ذوالمنن

خداوندا اگر هستم به تخفیض از خدمت غایب — ز جود عالم جانی ز دور گشته بد توسن

مرا احوال ست پیوسته ثنای تو بهر موضع — مرا در واست همواره دعای تو بهر مسکن[1]

[1] مونس الاحرار ص ۲۰۷، ۴۳۰، حبیب گنج، تاریخ ابوالخیر خانی (ق) و ۱۳۰، لغت نامہ (یومن) میں کچھ اشعار تو ابھی باقی ہیں

آخری دو شعر واضح کرتے ہیں کہ شاعر اس وقت اپنے ممدوح تاج الدین کے دربار سے دور تھا، یعنی سنہ ۵۱۱ھ میں غائبانہ مدح کر رہا تھا، اب اگر دولت شاہ کے اس قول کی تائید کرنی ہو کہ شاعر اس وقت غزنین میں تھا، تو یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اس نے تاج الدین کے واپس ہو جانے پر غزنین میں یہ قصیدہ لکھا ہوگا، بہر حال اس میں کوئی شک نہیں، کہ شاعر اس کی تخت نشینی ہی سے اس کے دربار سے وابستہ تھا، ایک قصیدے کا مطلع ہے،

آمد از اجدادِ ماضی ملک را نعم الخلف　　　میر تاج الدین ملک بوالفضل نصر ابن خلف[1]

اسی امیر کے وزیر جمال الدین علی بن اسعد (جس کے متعلق تاریخ خاموش ہے) کی مدح میں یہ قصیدہ لکھا گیا ہوگا :-

ایا ستودہ خصالے کہ کردگار قدیم　　　نیافرید ترا در فنون فضل نظیر

سر علا و سخاوت علی بن اسعد　　　جمال دین کہ جہان از جمال تست منیر

آیا بتقویتِ تو قوام دین رسول　　　آیا بتربیت تو نظام ملک امیر[2]

اور امیر تاج الدین کے بھائی فخر الدین کی مدح میں یہ قصیدہ لکھا تھا :-

میرے کہ پادشاہِ جہان را برادر ست　　　دایم ز ہیبتش دلِ دشمن برآذر ست

صدرے کہ رائے روشن و طبع کریم او　　　چون آسمان بلند و چو دریا توانگر ست

قہرست دولتِ وے و ایام خاتم ست　　　جان ست سیرتِ وے و اسلام پیکر ست

خشمش بہ گاہ کینہ و خلقش بہ وقتِ مہر　　　چون آتش جہنم و چون آب کوثر ست

امروز حاضر است درین بزم گاہِ تو　　　ہر جوہرے کہ ساختہ چار گوہر ست

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۱) مستوفی سیستانی بھی ملتے ہیں، جو اس موقع پر کہے گئے تھے، اس کا تذکرہ ہم نے معارف دسمبر ۱۹۴۱ء میں بھی کیا ہے [1] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی [2] مخطوطہ حبیب گنج، قصائد جبلی

مداحِ خاص تو جبلی را بہ نامِ تو اشعار بے نہایت و اطرات بے مرست

قلمش ز خدمتِ تو و طبعش ز مدحِ تو چون آسمانِ اعظم و دریاے اخضرست[۵۵]

پانچوین شعر سے معلوم ہوتا ہے، کہ شاعر یہ قصیدہ پیش کرتے وقت ممدوح کے دربار مین حاضر تھا، اور وہ زمانہ ۵۱۱ھ کے پہلے ہی ہوگا، کیونکہ اس سال کے قریب وہ عراق مین تھا، جہان وہ سلطان محمد بن ملک شاہ کے انتقال پر اُس کے لڑکے سلجوق شاہ کی مدح اس طرح لکھ رہا تھا :-

جاودان چون خضر ماند زندہ نامِ آن پدر کز پسِ وے چون ملک سلجوق شہ ماند پسر

ز آسمانِ دین اگر تاقب شہابے شد جدا ہست گر دونِ ممالک را جلال الدین

گر ز دیدارِ پدر محروم کرد او را قضا شہر یار مشرق و مغرب بس است او را پدر

خسروے کو را ملک شاہ ست و سنجر عم درہمہ عالم کہ دارد زین بزرگی بیشتر

برجبینش از مردمی و جوان مردی نشان در نگینِ او ز پیروزی و بہروزی اثر

گرچہ دارد سال اندک ہست چون اسلافِ خویش وارثِ علمِ علیؓ و باعثِ عدلِ عمرؓ

کوہ با نعل سمند او نہ باشد مستقر چرخ با رائے بلندِ او نماید مختصر

ملجاء آزادگان ست از کریمی و سخا مفخر شہزادگان است از بزرگی و ہنر[۵۶]

شروع کے اشعار مین شاعر اپنے ممدوح کے مرحوم والد کو یاد کرتا ہے اور پھر تسلی دیتا ہے کہ سنجر جیسا چچا اُس کے لئے پشت و پناہ ہے، چھٹے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت سلجوق شاہ نوعمر تھا، اس کے بعد شاعر ایک ممدوح قطب الملوک فرخ شاہ کے دربار سے وابستہ ہوتا ہے، جو تمراک (تیراک ؟) بن اتابک کی نسل سے تھا، اس کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہین ہوئین، صرف اخبار الدولۃ السلجوقیہ (ص ۵۶-۵۷)

---

[۵۵] مخطوطہ جامعہ عثمانیہ نمبر ۸۰۷، ق ۳۰۴، الف،

[۵۶] مخطوطہ حبیب گنج، تتمہ جبلی،

مین ایک نام تیراک (؟) بن امیر فرخ شاہ ملتا ہے، جو سنجر (۵۱۱ھ تا ۵۵۲ھ) بن ملک شاہ سلجوقی (م ۴۸۵ھ) کے لئے کرمانی امیر قاورد کے خلاف لڑا تھا، لیکن اس کے مستقر[۱] اور خاندان کے متعلق بھی کوئی بات معلوم نہین ہوتی، ان دونون شعرون سے اس کے نام اور نسل پر کچھ روشنی پڑتی ہے،

ترا ست غمزہ خون ریز و زلف عنبر بیز　　چو تیغ و خامۂ قطب الملوک فرخ شاہ
جمال نسل تمراک (؟) بن آنکہ کوست　　جہان حشمت و گردون فضل و کعبۂ جاہ[۲]

یہان قطب الملوک فرخ شاہ کو "جمال نسل تیراک (؟)" کہا گیا ہے، ایک دوسرے قصیدے مین صرف نام ملتا ہے :-

ہمیشہ تا عدۂ دین کردگار جلیل　　مہ ست بہ شمشیر شہریار اصیل
سراج امت، قطب الملوک فرخ شاہ　　کہ ذوالجلال بہ عدلش نیافرید بدیل
ایا شمائل تو بر معانی تو گواہ　　و یا فضائل تو بر معانی تو دلیل[۳]

پھر ہمارا شاعر خراسان کے پاس تخت قرز کی طرف رُخ کرتا ہے، اور یہ قصیدہ لکھتا ہے،

ایا بودہ حاکی تخت سلیمان　　بہ تیزی کہ نہ ہم و ہم باکی چو یمان
زمین چون سلامے رسانی بہ دہر　　بہ من چون بیابے گذاری بجانان
طمع دارم از تو کہ گر ہیچ باشد　　ترا راہ بہ جانب مرد شتابان
دعا و زمین بوسی و خدمت من　　رسانی بہ صدر سپہ دار ایران
ایا در معالیت اوہام عاجز　　ایا در معانیت افہام حیران
مرا گرچہ ہستند پیوستہ طالب　　ملوک و سلاطین ایران و توران

---

[۱] اخبار الدولۃ السلجوقیہ کے اس بیان سے صرف اتنا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ خراسان مین کسی جگہ تھا [۲] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی ... مخطوطہ جامع مسجد بمبئی نا پید [۳] ... مین بھی یہ قصیدہ ملتا ہے لیکن اس مین یہ شعر شاہ کے نام سے خالی ہے

دگر چند دارند چون زر عزیزم — صدور عراق و سران خراسان
نہ تن دادہ‌ام در ثنا گفتن کس — نہ دل بستہ‌ام در طلب کردن نان
کنون چون درآمد بروز دو رکن — ز طاعات نامہ ز خیرات دیوان
بدہ داد آن ماہ جبین عیار دستت — چو عید آید از خرمی داد بستان
الا بر سرت باد ہموارہ مغفر — ظفر بر تنت باد پیوستہ تابان
جہانت مسخر شدہ تابعت — سپہرت مساعد ہدایت نگہبان[1]

چوتھے شعر میں ممدوح کو سپہدار ایران کہا ہے جو امیر نظام الدین محمود کاشانی ہوگا، کیونکہ ایک دوسرے قصیدے میں اسی سپہدار کے نام صاف صاف بیان ہے،

الا اے امیر نوروزی شبا روزے ہمی تانی — شہا نگر یہ بہا سانی نہ از شاہ فرمانی
ز یاران ہمزبان صحرا کئی چون نور لالا — تو گوئی دست مولانا نظام الدین یزدانی
جوان بخت جہانگیرے قضا تیغ قدر تیری — سپہدار اجل امیر اجل محمود کاشانی
سرافرازے کہ در عالم نہ بہ دست تو باشدم — زمیزان نہی آدم بہ جود او کہ ثانی[2]

یہ نظام الدین محمود کاشانی سلجوقی فوج کا سپہدار تھا، جو ۵۳۶ھ/۱۱۴۱ء میں سنجر کی طرف سے قرلق ترکوں کے امیر گورخان کے خلاف لڑنے میں قطوان میں مارا گیا تھا[3]،

سنجر کی مدح میں بھی کئی قصیدے ملتے ہیں، ایک کی زمین یہ ہے،

شہنشاہ سلاطین مشرق و مغرب معز الدین — ملوک دین و الدنیا خداوند جہان سنجر[4]

۱؎ مخطوطہ عثمانیہ نمبر ... ق ۴۳۴ ب ۲؎ مخطوطہ جامع مسجد بمبئی ۳؎ اخبار الدولۃ السلجوقیہ ص ۹۴، ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے (ایضاً ص ۲۱۱) اس محمود کاشانی کو اس کے ہم نام سے مختلف قرار دیا ہے، جو سنجر کا حاجب تھا،

۴؎ مخطوطہ جامع مسجد بمبئی، سنجر کا لقب اس کے بھائی محمد م ۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء کے عہد تک ناصر الدین تھا، بعد میں معز الدین ہوا، ملاحظہ ہو ابن خلدون (ترجمہ ج ۹ ص [illegible])

ایک اور قصیدہ میں سنجر کی مدح کے ساتھ ساتھ اس کے ایک امیر مجد الدین ابو القاسم علی بن جعفر الموسوی (ممدوحِ ادیب صابر) کی مدح بھی کرتا ہے:-

خداوندے کہ در تیرش نشاند نسر طائر پر | شہنشاہے کہ بر تاجش فشاند چرخ دار خور؟
سلاطین را بحق دارث معز الدین ابوالحارث | شہ آفاق و برہان امیر المومنین سنجر
سلاطین وخلائف را بدو فخرست ہموارہ | چو سادات واکابر را بہ مجد دین پیغمبرؐ
رئیس مشرق و مغرب ابوالقاسم علی صدرے | کہ چون ہم کنیت وہم نام خویش آمد بہ فضل و فر
امیر سادۂ عالم، چراغ گوہر آدمؑ | مشیر خسرو اعظم، جمال دودۂ جعفرؓ
بزرگی کز بیان و طبع و دست مدحش انزاشد | قلم حرمت کرم جاری سخا رونق سخن مفخرؓ

یہ شخص ادیب صابر (م ۵۴۶ھ/۱۱۵۱ء) کا خاص ممدوح تھا، جس کے متعلق ہم کچھ تفصیل معارف ستمبر ۱۹۴۲ء میں دے چکے ہیں، ادیب صابر نے ایک جگہ اُسے جیحون کے قریب کسی قلعہ سے متعلق دشعر ۵) کہا ہے،

گرہمی خواہی کہ قدر ماہ بسرو افزون کنی | آسمان دوستان از بزم مجد الدین گزین
صدر سادہ سید مشرق ابوالقاسم علی | پروریدہ در معالی، آفریدہ ز آفرین
آن خداوندے کہ اندر علم و حلم و بذل و فضل | مقتدائے عالمش کردہ ست رب العالمین
آفتاب آل پیغمبرؐ تو ئی کز فر تست | مشرق و مغرب بنور و زینت و نعمت عجین
قلعہ بغداد ستہ جیحون دجلہ و قصر تو کرخ | تو بحرمت اہل ایمان را امیر المومنین
سنت و تطہیر شمس الدین کہ فرمودی ؓ | شد بنائے عشرت و نزہت چو عزم تو متین
تا موقت یافت این سنت ز یمن سیر تو | خانہا خاندرین شد، بادہا مارمین

---

۵) مخطوطہ جامع مسجد بمبئی ۵۲ مونس الاحرار ص ۱۵۳، ۵۴، حبیب گنج لیکن ان اشعار سے شمس الدین کے متعلق کوئی

غالباً اسی مجد الدین ابوالقاسم کا نائب عبد الصمد تھا جس کی مدح میں جبلی نے متعدد قصیدے لکھے تھے، ایک قصیدے میں اس کو نائب وزیر عجم (شعر ۲) کہا ہے،

ایا اساس شریعت بعون تو محکم — ایا لباس وزارت بعون تو معلم

عزیز جمع ملوک اختیار شاہ جہان — معین دین عرب، نائب وزیر عجم

ابو المعالی عبد الصمد کہ فخر کند — ہمی بذات شریف تو در بہشت آدم[1]

اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خراسان ہی میں ہے،

ایا بزرگی کاندر جلالت و رفعت — چو رای و ہمت تو آفتاب و کیوان نیست

معین دین و عزیز ملوک کو جز تو — سزای این دو لقب خواجہ در خراسان نیست

ز خواجگان بہ کفایت عدیل نیست ترا — بدان صفت کہ ز شاہان نظیر سلطان نیست

تو ئی کہ در عرب و در عجم چو تو یک تن — ہنر پرست و سخا گسترد سخن دان نیست[2]

دوسرے شعر سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خراسان میں تھا، اور تیسرے شعر میں سنجر کی طرف اشارہ ہوگا، ایک دوسرے قصیدے میں جو غالباً ازرقی کی تقلید میں ہے[3] ہمارے شاعر جبلی نے اسی ممدوح کو (شعر ۲) سرخس سے متعلق کہا ہے،

ز عید داد خبر خلق را طلوع ہلال — بہ آخر رمضان و بہ اول شوال

نصیر دین و عزیز ملوک کو را ہست — فلک مطیع و جہان بندہ و زمانہ عیال

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۶) معلومات حاصل نہیں ہیں جبلی نے ادیب صابر کی بھی مدح کی ہے (جامعہ عثمانیہ نمبر ۸، ورق ۱۲۵ الف)

اشعار صابر بن سماعیل ملک را — چون برج برستارہ نزاہر کند ہمی

ہست ادیب میر شعرا و زبان خویش — ہر دم ترا ز معجزہ ظاہر کند ہمی

[1] مخطوطہ حبیب گنج قصائد جبلی [2] ایضاً [3] ملاحظہ ہو لباب الالباب ج ۲ ص ۹۹-۱۰۴،

ابوالمعالی عبدالصمد کہ نیابد
چہار چیز ش ہرگز ز چار چیز ملال

نہ نفس او ز تواضع نہ دست او ز سخا
نہ طبع او ز مروت، نہ سمع او ز سوال

گرفت صدر سیاست بہ عون او رونق
رسید قدر سیادت ز جاہ او بہ کمال

شنیدہ بودم ازین پیشتر کہ راہ سخن
بود نشیمن آفات و مرکز اہوال

طریقہاش بہ باریکی پل محشر
مضیقہاش بہ تاریکی دل جہال

چو در مصاحبت تو بدیدم آن رہ را
مرا معاینہ شد کان حدیث بود محال

ازان قبل کہ دران رہ بفر تو گفتی
کہ روضہاے جنان اند تو دہ آمال

ہمی ز خارہ بفر تو دست برگ سمن
ہمی ز خارہ بہ یمن تو راہ آب زلال[1]

اس ممدوح کی تعریف میں متعدد قصیدے ہیں، جس سے ظاہر ہے کہ شاعر اس کے دربار سے عرصہ تک وابستہ رہا ہوگا، کچھ اور اہم اشعار ایک قصیدے سے نقل کیے جاتے ہیں،

اے خواب من ربودہ بیاقوت پر شکر
دست آب من فزودہ بہ بادرت دل شکر

گہ بر رخ تو از کف موسیٰ بود نشان
گہ در لب تو از دم عیسیٰ بود اثر

این عین زندگانی و آن اصل روشنی
چون راے خوب و لفظ خوش صدر نامور

عبدالصمد عزیز ملوک و نصیر دین
کز عقل ہست عاقلہ نسل بوالبشر

نور دو سرور چشم و دل حمزہؓ و علیؓ
آن مایہ بزرگی و پیرایہ ہنر[2]

آخری شعر میں ممدوح کو حضرت امیر حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے "چشم و دل" کا "نور دو سرور" کہا ہے، جو شاید بہادری کی وجہ سے کہا ہو یا اس لئے کہ وہ ہاشمی ہو، لیکن غالباً اسی ممدوح کو سید حسن

---

[1] مخطوطہ حبیب گنج، لباب ج ۲ ص ۱۰۴، ۱۰۵ میں بھی یہ قصیدہ ہے لیکن وہ مذکورہ بالا قصیدے کے دوسرے شعر پر ختم ہو جاتا ہے [2] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی آخری دو اہم شعروں کے علاوہ بقیہ اشعار لباب جلد ۲ ص ۱۰۷، ۱۰۰ میں بھی ہیں،

غزنوی (م ۵۵۶ھ / ۱۱۶۱ء) نے عباسی کہا ہے،

گہر نتیجۂ ابراست بر خلاف قیاس	نتیجہ آمد بحرے ز گوہر عباس[۱]
ابو المحاسن عبد الصمد کہ بخت ابد	بنائے دولت او را قوی نہاد اساس
بکن ز فضل بزرگی نہ ابن عم تو ام	ز مقتضائے کرم حق ابن عم شناس[۲]

دوسرے شعر میں "ابو المحاسن" کنیت نہیں ہے بلکہ مذکورۂ بالا قصیدوں کے "ابو المعالی" کی جگہ ایک لقب ہے، تیسرے شعر میں سید حسن نے اپنی سیادت کا رشتہ جتایا ہے، عمادی شہریاری (م ۵۷۳ھ / ۱۱۱۷ء) نے بھی غالباً اسی کی مدح میں لکھا ہے،

اے دست تو جود را بہانہ	پائے تو وجود را نشانہ
عبد الصمد اکرم الخلائق	سرمایۂ بخت جاودانہ
آنی کہ بہ ہمت تو آراست	سیمرغ مکارم آشیانہ[۳]

میرا خیال ہے کہ جبلی کا یہ ممدوح[۴] مشرقی خراسان میں ۵۴۰ھ / ۱۱۴۵ء کے پہلے رہا ہوگا، کیونکہ اس سال کے قریب جیسا کہ ہم معارف (اکتوبر ۱۹۴۲ء ص ۲۸۴، ۲۹۰) میں لکھ چکے ہیں، وہ ضیاء الدین مودود احمد عصمی یعنی ناصر الدین طاہر بن فخر الملک بن نظام الملک (م ۵۴۸ھ / ۱۱۵۳ء) کے "نائب"[۵] کی مدح

---

[۱] مخطوطہ انڈیا آفس نمبر ۱۳۰۹ [۲] مخطوطہ علی گڈھ [۳] ... [۴] یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ عبد الصمد کا صحیح زمانہ اور مستقل مستقر کہاں تھا، بلکہ ایک جگہ جبلی نے اُسے کسی خاقان کے دربار سے وابستہ کہا ہے،

آن دین یزدان را نصیر | آن ملک خاقان را بصیر

اگر خاقان سے مراد کوئی ترکی خاقان ہو تو وہ محمود خان خواہر زادۂ سنجر ہوگا، جو بعد میں سنجر کا جانشین ہوا، یا ممکن ہو کہ عزیز طغرائی ہو کیونکہ عزیز الملوک لقب کئی جگہ اوپر آچکا ہے محمود خان کے سفیر عزیز طغرائی کے متعلق ترکستان بارتھولڈ ص ۳۳ کلیات انوری ص ۷، ۳۰ اور تاریخ ابن اسفندیار ص ۷۱، ۷۲، ملاحظہ ہو [۵] کلیات انوری ص ۲۰۸

مین لکھ رہا تھا،

اے بزرگے کہ ذو الجلال بجود   از عدم نا آورد چو او موجود

صدر کافی موید اسلام   بالمعالی ضیاء دین مودود[1]

اور یہ ممدوح غزنین بھی رہ چکا ہے، جیسا کہ جبلی کے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے،

سپاس از ایزد کامد بشارت غزنین   بہ صحت تن صدر اجل ضیاء الدین

ابو المعالی مودود احمد عصمی   کہ وقت خشم چو ناماست گاہ حلم چو طین

موید ے کہ ز خلق و ز قدر او گویند   شرف سپہر اثیر و لطف بہشت برین

پہلے شعر سے واضح ہے کہ ممدوح اس وقت غزنین مین تھا، اور وہ ضرور کسی بڑے عہدے پر فائز رہا ہوگا، اسی لئے شاعر نے مدح کی ہے،

جبلی نے رشید الدین وطواط (م ۵۷۳ھ) کی مدح مین بھی کچھ اشعار لکھے تھے، جو یہان نقل کئے جاتے ہین:-

عالم علم رشید الدین در باغ خرد   آن درخت ست کہ پیوستہ ہنر بار دہد

گرچہ در گفتن اشعار چنان منفرد است   کہ ہمہ کس بہ بزرگی وے اقرار دہد

از قبل پنجہ (؟) کہ در انواع علوم است او را   خاطر خویش نہ زیبد کہ بہ اشعار دہد

گرچہ کس نیست (؟) ز احرار و سلاطین و ملوک   کہ مر او را نہ ہمہ خدمت بسیار دہد

خلعت آنست کہ او را سخن خویش ہمی   بہ ملوک و بہ سلاطین و بہ احرار دہد[2]

جبلی کا آخری ممدوح مجد الدین محمد بن علی اشعث (حاکم مازندران) رہا ہوگا جس کی مدح ظہیر فاریابی

---

[1] مخطوطہ حبیب گنج ص ۵۲، [2] ایضاً ص ۵۳ ایضاً وطواط نے ضیاء الدین بلخی کی مدح کی ہے، ملاحظہ ہو مقدمہ حدائق السحر عباس اقبال، طہران ۱۳۰۸)

(براؤن، ج ۲ ص ۱۵۴) نے بھی کی ہے، جبلی کا ایک قصیدہ یہ ہے،

چند باشم در دیار و منزل رعد و رباب ‎   ‎ روز و شب نالندہ گرینده چون عذر باب

دلبرے کز عارض او آب روی گل برفت ‎   ‎ وز فراق روے او شد دیدۂ من پر گلاب

حلقہ ہاے زلف او ہستند چون اہرمنان ‎   ‎ برہم افتادہ ز عکس آن رخان چون شہاب

بر مثال دشمنان منہزم روز مصاف ‎   ‎ از سنان مجد دین ایزد مالک رقاب

شاہ فرزانہ محمد کز ملوک او را خداے ‎   ‎ چون محمدؐ را ز جمع انبیا کرد انتخاب

خسرو مازندران آن کس کہ رسم و راے اوست ‎   ‎ ساعد دین را سوار و گردن حق را سحاب

دست گوہر بار او شد مایۂ رزق بشر ‎   ‎ تیغ گوہر بار او شد عمدۂ قوت کلاب[1]

اس کی مدح میں ایک اور قصیدہ یہ ہے،

مظفرے کہ معین است کردگار او را ‎   ‎ مؤیدے کہ مطیع ست روزگار او را

سراج دین محمدؐ، محمد ابن علی ‎   ‎ کہ در محامد اخلاق نیست یار او را

ازان گزیدۂ شاہان عالم ست کہ ہست ‎   ‎ نہاد خوب و نژاد بزرگوار او را[2]

لیکن خود اس ممدوح کے متعلق ابن اسفندیار (براؤن) اور مازندران (رابینو) جیسی کتابوں میں نام کے سوا کوئی تفصیل نہیں ملتی، اس لئے ہم فی الحال یہ بتانے سے قاصر ہیں، کہ جبلی کا سال وفات ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء جو انڈیا آفس کیٹلاگ (جلد ۲ ص ۹۳۰) میں ملتا ہے کہاں تک صحیح ہے۔

---

[1] مخطوطہ جامعۂ عثمانیہ نمبر ۸۰، ق ۲۲۹، الف۔ لیکن پانچواں شعر جو اہم ہے وہ اس میں نہیں ہے بلکہ حبیب گنج کے مجموعۂ قصائد نمبر 29/2 ص ۱۰۲ میں ملتا ہے [2] مخطوطۂ جامعۂ عثمانیہ ایضاً ق ۲۲۸، الف، جبلی نے فارسی کے کلام کے علاوہ عربی میں بھی لکھا ہے، لباب ج ۲ ص ۱۰۸-۱۱۰ میں اس کے دو قصیدے مطمع مجوب[3] میں ملتے ہیں،

اسلامی نظریۂ سیاست

از

از مولانا حیدر زمان صدیقی فاضل دیوبند

(۲)

موجودہ طرز جمہوریت کی حد کمال | سہولت فہم اور توضیح مطالب کی خاطر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ حال کے تصور جمہوریت کے چند اہم اجزا پر تبصرہ کر دیا جائے،

موجودہ تصور جمہوریت (Demacracy) سے مراد ایک ایسا نظام حکومت ہے جس میں آمریت مطلقہ اور اقتدار ذاتی کی جگہ قوت و اقتدار کے تمام مناصب ملک کی عوامی جماعتون کو حاصل ہون، حکومت کے کسی چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے ادارے مین وراثت وجانشینی اور ولی عہدی کے قدیم دقیانوسی تصور کو قطعاً کوئی دخل نہ ہو، بلکہ نیابت واقتدار کا اصل مبنی جماعتون کے قومی و وطنی زوایاے فکر، پارٹی نظریے اور جماعتی کردار ہون یعنی جمہوری طرز حکومت طریقۂ انتخاب پر مبنی ہے، اور ملک کے عوام کو حق حاصل ہے، کہ وہ ملک کی جماعتون مین سے جس جماعت کے قومی و ملکی پروگرام کو قومیت کے نقطۂ نظر سے بہتر خیال کرتے ہون، اس کو اپنے ووٹون سے حکومت واقتدار کی گدی پر بٹھادین، گویا اصل قوت عوام کے ہاتھ مین ہو، اور وہ اپنی مرضی سے اس کو استعمال کرسکین اور اپنی صواب دید کے مطابق مجلس تشریعی (لیجسلیٹیو اسمبلی) اور مجلس تنفیذی (ایگزیکیٹو کونسل) مین اپنے نمایندے انتخاب عام کے طریق پر بھیج سکین،

نیز اس نظام حکومت مین ملک کے تمام اصل باشندے ہر قسم کے اقتصادی، معاشرتی، اور شہری حقوق مین مساوی الدرجہ تصور کئے جائین، ہر ایک باشندۂ ملک کو حق حاصل ہو کہ وہ اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق شہری اور ملکی معاملات مین حصہ دار بن سکے، اور اس کی ترقی کے راستے مین کوئی امر مانع نہ ہو، صنعت و تجارت اور حیات عامہ کے تمام وسائل کے اخذ و اختیار مین اس کو پورا پورا حق حاصل ہو، ہر شہری شایان طور پر زندگی بسر کر سکے، سیاسی اعتبار سے اس کو بشرط قابلیت بڑے سے بڑے عہدۂ حکومت کے حصول مین کوئی رکاوٹ نہ ہو، ان امور کو "حریتِ اجتماع" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے،

حریت فکر و خیال اور صحافت پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ ہو، بلکہ ہر باشندۂ ملک کو تقریر و تحریر کی پوری آزادی حاصل ہو، ملک کے ہر فرد کو حیات عامہ کے تمام مسائل پر رائے زنی اور تنقید کرنے کا حق حاصل ہو، اس کو حریت فکر یا حریتِ نشر سے تعبیر کیا جاتا ہے،

ملکی خزانہ کسی شخص یا اشخاص کی ملکیت نہ ہو، بلکہ عوام کی ملک ہو، اس کا صرف امن و دفاع (دفاع نفس) نظم و نسق اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ہونا چاہئے، یہ ہین وہ بنیادی اہم نکات جن پر جمہوریت کا محل تعمیر ہوا ہے۔

انقلابی جد وجہد کی ابتدا | اٹھارھوین صدی کے اواخر اور انیسوین صدی کی ابتدا مین بعض مغربی ممالک مین پہلے پہل حریت و آزادی کی شعاع نمودار ہوئی، جو آنا فاناً تمام کرۂ ارضی مین پھیل گئی، اس کا سبب فاقہ کش عوام کی بے چینی، ان کی مظلومیت اور سرمایہ دارانہ طرز حکومت کا جبر و تشدد تھا، مخلوق خدا ظالم بادشاہون کے پیہم مظالم سے تنگ آچکی تھی، اور عوام کے دلون مین احساس خودی پیدا ہو گیا تھا، اور وہ یہ محسوس کرنے لگ گئے تھے کہ یہ کوئی انصاف نہین کہ چند اشخاص کروڑہا انسانون کی قسمت کے مالک بن جائین، اُن کے سارے وسائل معیشت پر غاصبانہ قبضہ کر کے خود عیش کی زندگی بسر کرین، اور ان کو دائمی غلامی کی زنجیرون مین جکڑے رکھین، خود سر بفلک عمارتون مین ریشمی گدون پر آرام کرین، اور فاقہ کش مزدور کے بچون کو جھونپڑی بھی نصیب نہ ہو،

غرض یہ وہ اسباب تھے، جن کی بنا پر عوام بے قرار تھے، اور رفتہ رفتہ اُس نے ایک آتشگیر مادہ کی شکل اختیار کر لی، اور بالآخر وہ پھٹکر انقلابِ فرانس کی شکل میں نمودار ہوا، یہ انقلاب بظاہر دنیا کی ظالمانہ آمریتون کے لئے تازیانۂ عبرت تھا، اور غریب فاقہ کشون کے لئے پیامِ امن وراحت!

اٹھارہوین صدی کے عشرۂ اخیر مین فرانس کے حریت پسندون نے آزادی وحریت اور اخوت ومساوات کا جھنڈا بلند کیا، اور مسلسل تگ ودو، جانکاہ مصائب اور صبر آزما جد وجہد کے بعد ان کو کامیابی نصیب ہوئی، فرانس کی جمعیتِ وطنیہ نے ایک انقلابی دستور "منشور حریت" کے نام سے جاری کیا جس کے بنیادی اجزا اس سے قبل ذکر ہو چکے ہین،

قدرتی طور پر انقلابِ فرانس کا اثر دوسرے ممالک پر بھی پڑا، اور دوسرے چھوٹے بڑے ملکون مین بھی اسی قسم کی تحریکین اٹھین، امریکہ کے باشندون نے بھی غلامی کے خلاف زبردست جد وجہد کی اور بالآخر اس کو کامیابی حاصل ہوئی، اور کچھ عرصہ کے بعد روس مین اسی جذبۂ آزادی نے ایک جدید شکل اختیار کر لی، کارل مارکس، اور لینن کی جد وجہد نے عوامی حلقون مین آزادی ومساوات کی نئی روح پھونک دی، اور چند دنون مین زارِ روس کی ظالمانہ شاہنشاہیت کا تختہ الٹ کر رکھدیا، اور اشتراکی نظامِ حکومت کی بنیاد ڈالی گئی، روس کے اس انقلاب نے دنیا کے تمام چھوٹے بڑے ممالک کے عوامی طبقون کو اپنی جانب متوجہ کر لیا، اور کم وبیش ہر ملک مین سیاسی بیداری اور زندگی پیدا ہونے لگی، اور غربت زدہ عوام مین تنظیمی شعور رونما ہونے لگا، اور ملوکیت پرست طبقے اپنے وقار شاہی کے لئے خطرہ محسوس کرنے لگے، بالآخر متعدد چھوٹے ممالک مین ملوکیت کو انقلاب پسندون کے سامنے جھکنا پڑا، اور آج دنیا کے بیشتر ممالک مین اشتراکی نظریۂ سیاست کا اثر ونفوذ بڑھ رہا ہے، بالخصوص گذشتہ عالمگیر جنگ مین سوویٹ یونین کو جہان مادی طور پر عظیم الشان فتح حاصل ہوئی، وہان نظریاتی اعتبار سے وہ اس سے بھی زیادہ کامیاب رہی، عربی ممالک مین بھی یہ زہر نہایت سرعت سے پھیل رہا ہے،

اگر موثر طریقہ پر اس کا مقابلہ نہ کیا گیا تو تھوڑے عرصہ مین یہ تحریک عربون کے جسم کو مفلوج کر دیگی، اور صرف اسلامی نظریۂ سیاست و اجتماع ہی اس زہر کا تریاق ہو سکتا ہے،

موجودہ طرز جمہوریت کے اہم نقائص | حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کو جس زندگی کی تلاش و جستجو ہے اس سے وہ اب تک محروم ہے، جس آخری منزل تک اسے پہنچنا ہے وہ ابھی کوسون دور ہے، اور حیات انسانی کا اصل مرض اب تک اس کے رگ وریشہ مین سرایت کئے ہوے ہے خوش فہم اور غلط کار انسان لاکھ کہین کہ ہم نے انسانیت کے دکھ کا علاج پالیا ہے، مگر درحقیقت وہ جس کو علاج سمجھ رہے ہین، خود ایک مستقل مرض ہے اور جس کو وہ مسیحا تصور کر رہے ہین، وہ فرشتۂ موت ہے،

موجودہ نظام جمہوریت مین اس قدر نقائص ہین، کہ اگر ان سب کو یکجا کیا جائے، تو اس مین اور آمریت وملوکیت مین کوئی نمایان فرق باقی نہین رہتا، زیادہ سے زیادہ لیبل کا فرق نظر آسکتا ہے، یعنی ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہین،

(۱) موجودہ نظام سیاست کی بنیاد ہی اس غیر فطری تصور پر قائم ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسانون پر، یا سب سے بڑی جماعت (مجارٹی) کو کمزور اور چھوٹی جماعتون (منارٹیز) پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے، اور یہی وہ بنیادی نقص ہے جو انسانی سوسائٹی کے تمام مفاسد کا سرچشمہ ہے، انسانی فطرت اس سے ابا کرتی ہے، کہ وہ اپنی ہی جنس کی غلامی اختیار کرے، خواہ یہ حکومت اور تسلط استبداد شخصی کی صورت مین ہو یا جمہوریت کے لباس مین،

(۲) ایک صالح اور مہذب نظام حکومت وہی ہو سکتا ہے جس کی بنیاد اخلاقی اور مابعد الطبیعی تصورات پر قائم ہو کیونکہ یہی چیز حیات انسانی کے لئے اصل روح کی حیثیت رکھتی ہے، اور اسی سے زندگی کے منتشر اجزاء مین ربط و نظم پیدا ہو سکتا ہے، اور عالمگیر بےچینی و اضطراب کو دور کیا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ اور کسی نظام کے ذریعہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہین ہو سکتا،

زمانۂ حال کے سیاسی نظریات مین روس کا اشتراکی نظریۂ سیاست سب سے زیادہ ترقی یافتہ خیال کیا جاتا ہے، اس لئے کہ اس مین بہت حد تک عوام کے مطالبات کی تسکین کا سامان ہے، مگر اس مین بھی یہ نقص بدرجۂ اتم موجود ہے، کہ اس کے فلسفۂ فکر و عمل کا محور محض چند مادی اغراض ہین، بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان کی جد وجہد لا ہی تک پہنچ کر رک گئی ہے، اور الا کی منزل کا ان کو سراغ تک نہین مل سکا،

کردہ ام اندر مقاماتش نگاہ — لاسلاطین، لا کلیسا، لا الٰہ

فکر او در تند باد لا بماند — مرکب خود را سوے الا نراند

چونکہ دنیا کے سیاسی نظامات مین اخلاقی اقدار کو کوئی جگہ نہین دی گئی، اس لئے موجودہ جمہوریت مین منتخب ہونے والے نمایندون کے لئے کوئی اخلاقی معیار مقرر نہین، اور آج نمایندگی کا اہل اس شخص کو تصور کیا جاسکتا ہے، جو سب سے زیادہ زمانہ ساز ڈپلومیٹک اور چرب زبان ہو، اگرچہ اس کا اخلاق اور کیرکٹر کتنا ہی گرا ہوا ہو، ظاہر ہے کہ ایسے نمایندون سے انسانیت کے اہم مسائل کسی طرح حل نہین ہو سکتے ع

کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

(۳) جمہوری آئین کو وطنیت و قومیت (نیشنلزم) کی حدود مین مقید کر دیا گیا ہے، اور اسکو ہمہ گیر (یونیورسل) حیثیت حاصل نہین، اس لئے اگر وہ مفید ہو سکتا ہے تو صرف اپنے ملک کے اصل باشندون کے لئے، آبادی کا وہ حصہ جو غیر ملکی کہلاتا ہے، اس کی برکات سے محروم رہتا ہے، مثلاً امریکہ مین یہودی یا افریقی افراد کو وہ شہری یا معاشرتی حقوق حاصل نہین، جو ملک کے اصل باشندون کو حاصل ہین،

(۴) موجودہ نظام جمہوریت کا دار و مدار جماعتی طرز فکر، جماعتی کردار اور جماعتی نظریۂ سیاست

پر ہے، ملک مین اگر دو یا دو سے زائد جماعتین ہین، تو ہر جماعت کا نمایندہ اپنے مخصوص جماعتی طرز پر سوچتا ہے، اور جماعت سے وفاداری یا جماعتی عصبیت کی بنا پر ہر بات مین اسی کی حمایت کرتا ہے خواہ وہ بات کتنی ہی غلط اور غیر منصفانہ کیون نہ ہو، اس لئے کہ ہر جماعت کا اپنا نصب العین ہوتا ہے، اور پارٹی کے ہر رکن کو جائز یا ناجائز طور پر اسی کی حمایت کرنی پڑتی ہے،

(۵) اس طرز جمہوریت مین طاقت ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھون مین ہوتی ہے، اور مختلف جماعتون مین جس کی اکثریت ہوتی ہے وہی بااقتدار ہوتی ہے، آئین جمہوریت کی رو سے اکثریت (مجارٹی) کا ہر فیصلہ جائز تصور کیا جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی ظالمانہ ہو، اور وہ ہر جائز اور ناجائز طریقہ سے اقلیتون پر اپنا تسلط قائم رکھتی ہے،

(۶) موجودہ نظام جمہوریت مین نمایندگی کے لئے متعدد اشخاص خود اپنے آپ کو پیش کرتے ہین جس سے حریت عامہ پر نہایت برا اثر پڑتا ہے، ان مین سے ہر شخص ترہیب و ترغیب کے ذرائع اختیار کرتا ہے اور بسا اوقات عوام محض خوف یا طمع کی وجہ سے راے دینے پر مجبور ہو جاتے ہین، اس طرح عوام کی آزادی فکر کو نقصان پہنچتا ہے، اور وہ صحیح نمایندہ منتخب نہین کر سکتے،

جس طرح نمایندگی کے لئے کوئی اخلاقی معیار مقرر نہین ہے، اسی طرح راے دہندگی کے لئے بھی نہین بلکہ اس کا معیار عموماً ٹیکس اور لگان کی ادائگی تک محدود ہوتا ہے، اور ہر جماعت اور سوسائٹی اسی کو نمایندگی کے لئے موزون سمجھتی ہے، جو اس کے مخصوص مفاد اور نقطۂ نظر کی نمایندگی کر سکے، خواہ وہ کتنا ہی غلط کیون نہ ہو، ایسی حالت مین ملک و قوم کی صحیح نمایندگی ہو سکتی ہے، اور نہ صحیح انتخاب ہو سکتا ہے، اور وہی شخص انتخاب مین آئے گا، جو زیادہ سے زیادہ اپنی اپنی جماعتون کی ہمنوائی کر سکے،

یہ کتنا بڑا ظلم ہے، کہ تجارتی تعلیمی اور معالجاتی امور مین تو قابلیت، صداقت اور دیانتداری کا امتحان کر لیا جاتا ہے، مگر جہان پوری قوم اور ملک کے نفع و ضرر کا سوال ہو وہان نمایندگی کے لئے کوئی اخلاقی معیار

مقرر ہے، اور نہ رائے دہندگی کے لئے،

(۸) موجودہ طریقِ انتخاب سے منتخب ہونے والے اشخاص کو ایک مقررہ مدت تک کے لئے بالکل آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے، اور اس مین رائے دہندگان کو اس کے عزل کا اختیار نہین ہوتا، گویا وہ اتنی مدت تک طوعاً و کرہاً اس کی قیادت تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہین، خواہ وہ ان کے اعتماد کا اہل نہ رہ گیا ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نمایندہ اسی وقت تک عوام سے میل جول اور ربط و علاقہ رکھتا ہے، بلکہ ان کی خوشامد اور چاپلوسی کرتا ہے، جب تک کہ وہ ان سے ووٹ حاصل نہین کر لیتا، منتخب ہونے کے بعد وہ ہر طرح مطمئن ہو جاتا ہے، اور پھر اپنے رائے دہندگان کی خواہشات کا مطلق لحاظ نہین کرتا،

ان آٹھ بنیادی نقائص سے قطع نظر جن امور کو موجودہ جمہوریت کے اجزائے ترکیبی ہونے کا فخر حاصل ہے، یعنی جو منشورِ آزادی مین درج ہین، وہ بھی آج تک ذہنی دنیا سے آگے نہین بڑھ سکے، اور عملی لحاظ سے اب تک وہی سب کچھ ہو رہا ہے، جو زمانۂ جمہوریت سے قبل تھا، اعلیٰ و ادنیٰ شریف و رذیل اور امیر و غریب کی طبقاتی تقسیم آج بھی بدستور قائم ہے، اعلیٰ طبقون مین آج بھی وہی فرعونی روح کارفرما ہے، حکومت کے شعبون اور ملک کے صنعتی کارخانون مین تنخواہون اور اجرتون کا وہی معیار آج بھی ہے، اور موجودہ جمہوریت آج تک انسانی آلام کا مداوانہ کر سکی، اس کی وجہ یہ ہے کہ جمہوریت کا صرف نام ہے، لیکن اس کے اندر اسی استبداد کی روح کارفرما ہے،

دیو استبداد جمہوری قبا مین پائے کوب تو سمجھتا ہے کہ آزادی کی ہے نیلم پری

لا یصلح الناس فوضیٰ لا سراۃ لھم ولا سراۃ اذا جھالھم سادوا

اب ہم ان ہشتگانہ نکات کو پیش کرنے کے بعد اسلامی نظریۂ سیاست کی وضاحت کرنا چاہتے ہین،

اسلام کا نظام سیاست و اجتماع

تو اے گردِ تو ہم شوکتِ دریا چہ می دانی اسیرِ عذرِ تنگی وسعتِ صحرا چہ می دانی

جن لوگوں کی آنکھیں اس برعکس نہند نام زنگی کا نور نہی روشنی سے خیرہ ہین، کاش ان کی نگاہ غلط بین اسلام کے مرکز انوار کی طرف بھی اٹھ سکتی جن کی زبان پانی کے چند قطرون کے لئے ترس رہی ہے، کاش وہ اس آب حیوان تک پہنچ سکتے، جس مین پوری دنیا کو سیراب کرنے کی صلاحیت موجود ہے، اور کاش ان کو یہ معلوم ہوسکتا کہ وہ جس کو مسیحا سمجھ کر اس کے گرد طواف کر رہے ہین، وہ تو خود نیم جان بیمار اور دوسرے کے دست شفا کا محتاج ہے، سنگریزون کو جواہر تصور کر لینے سے حقیقۃً سنگریزے جواہر نہین بن سکتے، خاکستر کو آگ سمجھ کر پھونک مارنے والے خوب سمجھ لین کہ ان کے ہوا دینے سے اس مین اشتعال پیدا نہین ہوسکتا،

ونارٌ لو نفخت بہا اضائت

ولکن انت تنفخ فی الرماد

اسلام کا نظریۂ اجتماع و سیاست، ضابطۂ اخلاق و تمدن اور آئین اقتصاد و معیشت ہی انسانی زندگی کے مشکل مراحل طے کرانے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور یہی وہ نظریۂ حیات ہے جس مین بڑھنے، پھیلنے اور صالح تمدنی ارتقا کا ساتھ دینے کی نہ صرف صلاحیت ہے، بلکہ وہ خود ایک صالح تمدن کا بانی ہے، جو سارے عالم کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور ایک نہ ایک دن زمانہ آنے والا ہے، جب کہ دنیا کا ہر انسان اسلام کے عالمگیر فلسفۂ زندگی مین پناہ لینے پر مجبور ہو گا،

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ	خدائے بزرگ و برتر نے اپنے رسول
و دین الحق لیظھرہ علی الدین	کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا
کلہ،	تاکہ اس دین کو سارے ادیان پر غالب کرے
لا یبقی علی ظھر الارض بیت مدرٍ	روے زمین پر کوئی ایسا گھر

لا وبر الا ادخله الله کلمۃ الاسلام بعز عزیز و ذل ذلیل۔ (رواہ احمد)

نہیں رہے گا، جس میں کلمۂ اسلام داخل نہ ہوگا، کوئی باعزت طریق پر اسلام میں داخل ہوگا، اور کوئی ذلیل ہوکر، اور بالآخر سب کو اسلام کے آگے جھکنا پڑے گا،

اسلام کا تصور حاکمیت حاکمیت کے سلسلہ میں اسلام کا ایک بنیادی نظریہ ہے کہ کسی انسان کو انسانوں پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں، حکومت واقتدار اور قانون سازی کا منصب صرف احکم الحاکمین کو حاصل ہے، انسان کا یہ منصب ہی نہیں کہ وہ خدائی کاموں میں دخل دے،

ان الحکم الا للّٰہ،

حکومت کا کاروبار چلانے اور انسانی سوسائٹی میں نظم (ڈسپلن) قائم رکھنے کے لئے اس زمین میں خدا کی طرف سے ایک نیابتی جماعت کام کرتی ہے، جو ایک مزدور کی حیثیت سے اپنے آقا کے معین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیتی ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں اس کے طور وطریق ایک معیاری (آئیڈیل) حیثیت رکھتے ہیں، اور اسی حیثیت سے اس جماعت کو غلبہ ونفوذ اور تمکن فی الارض کا منصب حاصل ہوتا ہے، اس کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں ہے کہ وہ خدائی آئین میں کسی قسم کا ردوبدل یا ترمیم کرسکے، بلکہ اس کا فریضہ صرف اسی قدر ہے، کہ اس قانونِ خداوندی کو اس کی اصل شکل میں انسانوں پر نافذ کرے، اور یہ جماعت خود بھی اسلامی آئین کی اسی طرح پابند ہوتی ہے، جس طرح وہ دوسروں کو پابند بنانا چاہتی ہے،

الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ

(وہ لوگ جن کو جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت دی گئی ہے، اور جو بلاوجہ اپنے گھروں)

وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ	سے نکالے گئے ہیں) ان کو اگر ہم تمکنت فی الارض عطا کریں گے، تو وہ نماز، زکواۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرائض کو کما حقہ انجام دیں گے،

درحقیقت یہی جماعت ہے جو نیابتِ الٰہی کے فرائض انجام دیتی ہے اور قیادتِ عظمٰی کی مستحق ہے، اس کی راہ متعین ہے، اور اس کا آئین اٹل ہے، اقوام عالم کے نظریوں میں ہر لمحہ تبدیلی کا امکان ہے، مگر اس جماعت کا ہر نظریہ غیر متبدل، ہر تصور غیر متغیر اور ہر قانون دائمی اور پائدار حیثیت رکھتا ہے، رات کی تاریکی میں بھٹکنے والی قومیں راستہ کے ہر سنگِ میل کو آخری منزل مقصود تصور کر لیتی ہیں، ظُلُمٰتٌ بعضها فوقَ بعضٍ، مگر اس جماعت کا ایک قدم کبھی اندھیرے میں نہیں اُٹھ سکتا کہ اس کے چاروں طرف انوار الٰہی کی بارش ہو رہی ہے، نُورٌ عَلٰی نُورٍ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَاءُ،

محض حسنِ ظن کی بنا پر نہیں، بلکہ واقعات، فکر و نظر اور علم و بصیرت کی بنا پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلام کا پیش کردہ نظریۂ حیات ہی انسانی دنیا کی تمام مشکلات کو احسن طریق پر حل کر سکتا ہے، اور اسی کے ذریعہ دنیا میں قیادتِ عظمٰی کی داغ بیل ڈالی جا سکتی ہے، مسلمان اس فلسفۂ زندگی کا علمبردار ہے اور اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ بنی نوع انسان کی رہنمائی کرے،

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا،	مسلمانو! ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا ہے، تاکہ تم تمام انسانوں پر گواہ اور نگران بنو، اور رسول تم پر نگران اور گواہ بنے،

وَسَطًا کے لفظ میں ایک لطیف اشارہ پایا جاتا ہے، کہ امتِ مسلمہ اقوام عالم کے لئے مرکز اور

نسا حقیقی کی حیثیت رکھتی ہے، اور ساری کائنات اس کے گرد چکر کاٹتی ہے، نیز اس میں عالم انسانی کو اپنے اندر جذب کرنے کی قوت جاذبہ موجود ہے،

شہید کے معنی اہل لغت اور مفسرین نے گواہ، حاضر، اور محاسب ونگران کے بیان کئے ہیں یعنی جماعت مومنین عالم انسانی میں ایک گواہ اور نگران کی حیثیت رکھتی ہے، انسانی سوسائٹی میں نظم وضبط قائم رکھنا، ابیض واسود اور شاہ وگدا میں قانونی اور مجلسی مساوات قائم کرنا اور تمام اخلاقی مجلسی اور معاشی خرابیوں کی اصلاح کرنا اس کا فرض قرار دیا گیا ہے، دوسری اقوام وملل کے دور قیادت وامامت کے ختم ہونے کے بعد قیادت کی تمامتر ذمہ داریاں اسی جماعت کے سپرد کی گئی ہیں

ثم جعلنٰکم خلٰئف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون،	پہلی قوموں کے بعد مسلمانو! ہم نے تم کو خلافت ارضی کا منصب عطا کیا ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ تم اس کے فرائض سے کیسے سبکدوش ہوتے ہو،

بخاری کی ایک حدیث کا آخری ٹکڑا ہے،

انتم شھداء اللہ فی الارض (بخاری)	تم خدا کی زمین میں اس کی طرف سے محاسب اور گواہ ہو،
نحن آخر الامم (اخرجہ ابن ماجہ)	ہم اقوام عالم میں سب سے آخری قوم ہیں،
نحن الآخرون السابقون، (بخاری ومسلم ونسائی)	ہم زمانہ کے اعتبار سے سب سے آخری قوم ہیں، مگر منصب کے اعتبار سے سب سے پہلا مقام[ص]

---

[۱] اس موضوع پر حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کا ایک بصیرت افروز مقالہ امت مسلمہ کی بعثت کے عنوان سے معارف ماہ اپریل ۱۹۴۶ء میں شائع ہو چکا ہے، مزید تفصیل کے لئے اس کی جانب رجوع کرنا چاہئے،

امارت وخلافت کا معیار | اخلاقی قیود واقدار کی رعایت کے علاوہ اور کسی دوسرے ذریعہ سے عالم انسانی میں حقیقی امن ہرگز قائم نہیں ہو سکتا، انسانی طبائع کا میلان فطرۃً ظلم و تعدی حصول منفعت ذاتی اور غصب حقوق کی جانب ہے، اس فطری رجحان کی روک تھام کے لئے دین فطرت ہی کا ضابطہ اخلاق زیادہ موثر ثابت ہو سکتا ہے، اس کے مقابلہ میں ریاست (سٹیٹ) کی حیثیت محض ثانوی ہے، وہ مستقل بالذات اور منفرد طور پر اس کام کو انجام دینے سے قاصر ہے، دنیا کے قدیم اور جدید واقعات کی شہادت اس کے لئے کافی ہے، کہ محض ریاست قیام امن کے سلسلہ میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکی ہے اور ان دونوں قوتوں کے اجتماع سے ہی مطلوبہ زندگی کا حصول ممکن ہے، ان میں سے تنہا ایک اصل مقصد کے لئے کافی نہیں،

این دو قوت حافظ یک دیگر اند
کائنات زندگی را محور اند

اس کی مزید تشریح اس طرح کی جا سکتی ہے، کہ جہاں انسانی طبائع میں نظم و انضباط پیدا کرنے اور خیر و شر کی متضاد قوتوں میں توازن قائم رکھنے کے لئے ریاست کی ضرورت ہے، وہاں ایک قادر علی الاطلاق اور غیر محسوس ہستی پر کامل ایمان اور اس کے محاسبۂ اعمال پر یقین و اذعان بھی ضروری ہے، اسی لئے قرآن کریم نے ان دونوں چیزوں کو اس طرح بیان کر دیا ہے، کہ گویا ان میں رشتۂ تلازم ہے،

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ	ہم نے اپنے رسول آیات بینات کے
وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَ	ساتھ بھیجے، اور ان کے ہمراہ کتاب اور
وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ	میزان بھی اُتاری تاکہ لوگ نصفت، عدل
وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ	پر کھڑے ہو جائیں، اور لوہا بھی اتارا

شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ جس مین جنگ وقتال کے سازوسامان

(حدید) اور لوگون کے لئے بے شمار فائدے ہین،

"میزان" اور "حدید" کو فعل کے تکرار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہر ایک کا مفہوم ومصداق جدا جدا ہے، عبوری منزل مین بھی اختلاف ہے، کیونکہ اول الذکر خیر محض ہے اور ثانی الذکر مین شر کی بھی آمیزش ہے، مگر ان دونون کو ایک ہی جگہ ذکر کرنے سے یہ مفہوم ہوتا ہے، کہ ان کی آخری منزل ایک ہے، اور وہ حقیقی نظام امن کا قیام اور فتنہ وفساد کا استیصال ہے،

یہ ظاہر ہے کہ موجودہ نظامہاے سیاست مین کردار کی بلندی اور اخلاق وسیرت کی پاکیزگی کو کسی بعید سے بعید گوشہ مین بھی جگہ حاصل نہین، اور نہ ان کو ایمان باللہ اور حیات بعد الممات کے محاسبۂ اعمال ہی کے تصور سے کوئی نسبت ہے، مگر اسلام کا نظریۂ سیاست درحقیقت اسی ایک اصل پر مبنی ہے، کہ انسان کی زندگی دو حصون مین منقسم ہے، حیات قبل الممات اور حیات بعد الممات، موت ان دونون مین حد فاصل ہے، اور پہلی زندگی دوسری کے لئے ایک موثر کا حکم رکھتی ہے، یعنی اس زندگی کا ہر فعل آنے والی زندگی پر اثر انداز ہوگا، یہی وجہ ہے، کہ اسلام کی نظر مین عظمت وبرتری صرف تقوی وطہارت اور عمل وکردار سے وابستہ ہے، نسلی شرافت، خاندانی وجاہت اور ملکی وقومی عظمت ہرگز قابلِ اعتبار نہین، اور یہ چیزین آنے والی مستقل اور دائمی زندگی کے لئے کارآمد نہین، اس لئے عزت وشرف کا معیار کردار کی بلندی اور اخلاق کی پاکیزگی ہے،

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ، تم مین سب سے زیادہ معزز اور شریف وہی ہو سکتا ہے، جو سب سے زیادہ پرہیزگار ومتقی ہو،

لیس لاحد علی احد فضل الا دینداری اور خدا ترسی کے سوا

بدین او تقوی (مشکوٰۃ) کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہو سکتی،

اسی بنا پر اسلامی نظریۂ اجتماع و سیاست کے تمام اجزا میں یہی حقیقت جاری و ساری نظر آتی ہے، اور امارت و نمایندگی کے لئے بھی سب سے زیادہ عمل و کردار اور اخلاق و سیرت کو ملحوظ رکھا گیا ہے ایک بہتر صالح اور جامع الشروط شخص کی موجودگی میں اگر کسی نااہل اور بے عمل شخص کو امیر بنا دیا جائے، تو یہ اسلام کی نظر میں نہایت خطرناک جرم ہے

عن ابن عباسؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من استعمل رجلا من عصابۃ وفی تلک العصابۃ من ھو ارضی منہ فقد خان اللہ و رسولہ وخان المومنین۔	جو شخص کسی کو ایک جماعت کا امیر بناتا ہے اور اس جماعت میں اس سے بہتر اور پسندیدہ آدمی بھی موجود ہے، تو وہ خدا، رسول اور مومنوں سے خیانت کرتا ہے،
عن ابی بکر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولی من امر المومنین شیئًا فامر علیھم احدًا محاباۃ فعلیہ لعنۃ اللہ، (اخرجھما الحاکم)	جس شخص کو مسلمانوں کی طرف سے کچھ اختیار مل جائے، اور وہ ان پر حمیت نسبی کے پیش نظر کسی شخص کو امیر بنا دے تو وہ خدا کی طرف سے لعنت کا سزاوار بن جاتا ہے،

حضرت فاروق اعظمؓ انتخاب عام کے ذریعہ منتخب ہوئے، مگر اس کے باوجود انھوں نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا،

قال عمر بن الخطاب لو علمت ان احدًا اقوی علی ھذا الامر منی لکان ان اقدم فتضرب	اگر میں جانتا کہ کوئی دوسرا مجھ سے زیادہ امور خلافت کو انجام دینے کی قوت رکھتا ہے تو اس صورت میں منصب خلافت کی ذمہ داری کے

عنقی اھون علی (اخرجہ محمد فی الموطا) مقابلہ مین میرا قتل کیا جا میرے لئے آسان تر ہوتا

اس مین شک نہین کہ احکام و قضایا کا علم، فہم قرآن، سیاسی شعور و فراست، فن سپہ گری کی مہارت، اعدار کے مقابلہ و دفاع کی پوری صلاحیت اور دیگر بہت سے امور شرائط امارت و قیادت مین شامل ہین، مگر اخلاق و سیرت کی پاکیزگی ان سب کے لئے روح کی حیثیت رکھتی ہے،

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ	اگر ہم ان لوگون کو زمین مین غلبہ وتمکنت
اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ	عطا کرین تو وہ نماز کو قائم کرین گے
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا	زکوٰۃ دین گے اور امر بالمعروف و نہی
عَنِ الْمُنْکَرِ	عن المنکر کا فریضہ بھی ادا کرین گے،

اس آیت قرآنی مین تمام شرائط امامت و خلافت کی طرف بالاجمال اشارہ کر دیا گیا ہے، اقامت صلوٰۃ ایتاء زکوٰۃ، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر مین تمام انفرادی اور اجتماعی فرائض آجاتے ہین، امر بالمعروف کے لئے فہم قرآن اور احکام و قضایا کا علم ہر حال مین لازمی ہے، اسی طرح یہ فریضہ اس وقت تک تکمیل پذیر ہو ہی نہین سکتا، جب تک کہ قوت مقتدرہ اور اعداے دین کے مقابلہ کی صلاحیت تامہ موجود نہ ہو، نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرآن کریم کی اُن جامع اصطلاحات مین سے ہین، جن کا اطلاق انسانی زندگی کے ہر گوشہ پر ہے، مگر اخلاقی حدود و اقدار پر ان کا اطلاق زیادہ بیّن ہے، اس صورت مین امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس بات کو مستلزم ہون گے کہ آمر بذات خود بھی بہترین اخلاق اور بلند کیرکٹر کا حامل ہو،

(باقی)

تتمۂ مسئلۂ سود و قمار وغیرہ

مسلم و حربی میں

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صدر شعبۂ عربی ڈھاکہ یونیورسٹی

ہم نے معارف میں مسئلۂ سود مسلم و حربی پر جو مضامین لکھے تھے، اور ان میں امام ابو یوسف اور امام شافعی وغیرہما جمہور علماء امت کی طرف سے جو دلائل بیان کئے تھے، ان میں سے بعض اپنی طرف سے پیش کئے تھے، پھر مبسوط سرخسی سے مراجعت کی تو اس میں میرے قول کی تائید مل گئی، جی چاہا کہ اس کی عبارت کو بھی پیش کر دوں وللہ الحمد علی الموافقۃ،

قال و حجتهما ای ابی	مبسوط میں ہے کہ امام ابو یوسف رح و امام
یوسف والشافعی رحمہما اللہ	شافعی رح (وغیرہما) کی حجت عبد اللہ بن
تعالی حدیث ابن عباس رضی	عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ
اللہ عنہما انہ وقع للمشرکین	(غزوہ خندق میں) مشرکین کی ایک
جیفۃ فی الخندق فاعطوا بذلک	لاش خندق میں رہ گئی تو انھوں نے
للمسلمین مالا فنہی رسول	اس کے عوض مسلمانوں کو (بہت سا)
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن	مال دینا چاہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ذلك ولا معنى لقول من يقول
كان موضع الخندق من دار
الاسلام لانا نقول عندكم
يجوز هذا بين المسلم والحربي
الذي لا امان له سواء كان
في دار الاسلام او في دار
الحرب، والمعنى فيه ان
المسلم من اهل دار الاسلام
فهو ممنوع من الربا بحكم
الاسلام حيث كان ولا يجوز
ان يحمل فعله على اخذ مال
الكافر بطيبة نفسه لانه
قد اخذ بحكم العقد و
لان الكافر غير راض باخذ
هذا المال منه الا بطريق
العقد منه ولو جاز هذا في
دار الحرب لجاز مثله في دار
الاسلام بين المسلمين
على ان يجعل الدرهم

مسلمانون کو اس سے منع فرمایا، (اگر
معاملہ ربا و قمار وغیرہ دار الحرب مین
مشرکین سے جائز ہوتا، تو آپ اس سے
منع نہ فرماتے) اور یہ جو بعض نے کہا
ہے کہ خندق کی جگہ دار الاسلام مین واقع
تھی، (اس لیے حضورؐ نے منع فرمایا، کہ
دار الاسلام مین عقد فاسد نہ ہو) تو اس
مین کوئی وزن نہین، کیونکہ تمھارے نزدیک
ایسا معاملہ دار الاسلام مین بھی حربی غیر
مستامن سے جائز ہے، (حربی محارب سے
بدرجۂ اولیٰ جائز ہونا چاہئے) اور اصل
علت (ممانعت کی) یہ ہے کہ مسلمان
دار الاسلام کا رہنے والا ہے، اسلام
کے حکم کی وجہ سے اس کو عقد ربا ممنوع
ہے، خواہ وہ کسی جگہ ہو، اس کے فعل
مین یہ تاویل جائز نہیں، کہ وہ (عقد
کی وجہ سے نہین بلکہ) کافر کی خوشی سے
مال ربا لے رہا ہے، کیونکہ اس نے (علانیہ)
محض عقد کی وجہ سے یہ مال لیا ہے دوسرے

بالله رهو والله رهو الاخو هبة، (جلد ۱۳ ص ۵۶، ۵۷)

وہ کافر بھی محض عقد کی وجہ سے یہ مال دینے پر راضی ہوا ہے، بدون عقد کے وہ ہرگز راضی نہین تھا، اور اگر اس قسم کی تاویل دار الحرب مین کی جا سکتی ہے تو دار الاسلام مین بھی مسلمانون کے معاملات مین کی جا سکتی ہے، کہ ایک درہم کے عوض دو درہم دینے والے نے ایک درہم تو ایک درہم کے بدلہ مین دیا ہے، اور دوسرا بطور ہبہ کے دیا ہے،

یہی مین نے عرض کیا تھا کہ مسلم مستامن دار الحرب مین حربی سے عقد ربا کے ذریعہ جو کچھ وصول کرتا ہے، محض عقد کی وجہ سے کرتا ہے، عقد کو کالعدم قرار دیکر بین دین کو تراضی طرفین پر محمول کرنا ظاہر کے خلاف اور بعید تاویل ہے۔

امام شافعی و امام ابو یوسف کی طرف سے یہ حجت بیان کرکے صاحب مبسوط نے امام ابو حنیفہ و امام محمد کی دلیل مین وہی مکحول والی مجہول و مرسل روایت اور فتح مکہ مین حضرت عباسؓ کی ربا ساقط کئے جانے کا واقعہ اور رکانہ کی کشتی کا اور حضرت صدیقؓ کا اہل مکہ سے شرط لگانے کا قصہ نقل کرکے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حربی کا مال مُباح ہے، مسلم مستامن کو صرف غدر سے بچنا ضروری ہے، اور جیسے بھی ہو وہ ان کا مال لے سکتا ہے، مگر مین تبلا چکا ہون کہ روایات مذکورہ سے استدلال نہین ہو سکتا، اور معاہدہ استیمان کے بعد اباحت مال حربی کا دعویٰ محتاج دلیل ہے، اور واقعہ خندق کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ حضورؐ نے کفار کو غیظ دلانے اور ذلیل کرنے کے لئے لاش واپس کرنے سے منع فرمایا، مگر یہ جواب صحیح نہین،

کیونکہ بعض طرق مین اس کی تصریح ہے، کہ آپ نے بلا قیمت لاش دیدینے کا امر فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عقد فاسد سے منع کرنا مقصود تھا، اور موقع خندق کو دارالاسلام کہنا بھی صحیح نہین کیونکہ جنگ کے وقت جس مقام پر کفار کا غلبہ ہو اس کو دارالاسلام مین شمار نہین کیا جا سکتا، جب تک کفار کا غلبہ وہان سے دور نہ ہو جنگ کے وقت لشکر کفار کی فرودگاہ کو دارالحرب قرار دیا جائے گا، جب کہ ان کی طاقت کافی ہو اور ظاہر ہے کہ خندق کے ایک کنارہ پر کفار کا قبضہ تھا، دوسرے کنارہ پر مسلمانون کا قبضہ تھا، اور حالت ایسی نازک تھی کہ مسلمانون کے کلیجے منہ کو آ رہے تھے، ایسی حالت مین خندق کو دارالاسلام قرار دینا دشوار ہے، پس صحیح جواب یہ ہے کہ خندق اس وقت دارالاسلام نہ تھا، نہ یہ کہ امام ابو حنیفہ اور محمد دارالاسلام مین بھی مسلم و حربی کے درمیان عقد ربا کو جائز کرتے ہین، کیونکہ وہ اس کے قائل نہین۔

قال واذا کان لرجل علی رجل دین الی اجل وھو من ثمن مبیع فحطّ عنہ شیئًا علی ان یعجل لہ ما بقی فلاخیر فیہ ولکن یرد ما اخذ والمال کلہ الی اجلہ وھو مذھب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما وکان زید بن ثابت رض یجیز ذلک (فی ثمن المبیع دون القرض) و لسنا ناخذ بقولہ الان ھذا

مبسوط مین ہے کہ جب ایک شخص کا دوسرے پر دین ہو جو مبیع کی قیمت ہو (یہ قید اس لئے لگائی کہ حضرت زید بن ثابت کا اختلاف ایسی صورت مین ہے، اور اگر دین قرض کی وجہ سے ہو تو اس مین اختلاف نہین) پھر بائع اس شرط پر کچھ مقدار دین کی کم کر دے کہ مشتری باقی کو جلدی ادا کر دے، تو اس مین کچھ خیر نہین (بلکہ ناجائز ہے) اس کو لازم ہے کہ جو کچھ لیا ہے واپس کر دے، اور اپنا پورا

مقابلة الاجل بالدراهم و
ومقابلة الاجل بالدراهم
ربا الا ترى ان فی الدین الحال
لو زاده فی المال لیؤجله لم یجز
فکذلك فی المؤجل اذا حط
عنه البعض لیعجل له ما بقی
والذی روی ان النبی صلی
الله علیه وسلم لما اجلی بنی
النضیر فقالوا ان لنا دیونا
علی الناس فقال صلی الله علیه وسلم
ضعوا وتعجلوا فتاویل ذلك
ضعوا وتعجلوا من غیر شرط
او کان ذلك قبل نزول حرمة
الربا۔

(جلد ۱۳ ص ۱۲۶)

مال مدت تمام ہونے پر لے لے، یہی مذہب
عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے، اور
زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (ثمن بیع)
میں اس کو جائز کہتے تھے، مگر ہم اُن
کے قول کو نہیں لے سکتے، کیونکہ یہاں
مدت کا مقابلہ دراہم سے ہے، (یعنی
مدت کے عوض روپیہ کم کیا جارہا ہے)
اور مدت کا مقابلہ دراہم سے کرنا ربا ہے
کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر مدیون دین معجل
کی مقدار اس لئے بڑھا دے کہ اس کو
مہلت مل جائے تو یہ جائز نہیں، اسی
طرح دین موجل کی مقدار اس لئے کم کردینا
کہ دین جلدی وصول ہو جائے، یہ بھی جائز
نہیں ہو سکتا، (کیونکہ دونوں صورتوں
میں مدت کے مقابلہ میں مال لیا جارہا ہے
اور یہ ربا ہے) اور وہ جو روایت
کیا گیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے جب بنو نضیر کو جلا وطن کیا تو انھوں نے
کہا کہ ہمارا بہت قرضہ لوگوں کے ذمہ ہے،

(اس کے وصول ہونے تک ہم کو مہلت
دی جائے) تو حضور نے ان سے فرمایا کہ
قرضہ کم کرکے جلدی وصول کرلو، تو اس
ارشاد کا (یہ مطلب نہ تھا، کہ جلدی کی
شرط پر قرضہ کم کر دو، بلکہ) مطلب یہ تھا
کہ بغیر کسی شرط کے قرضہ کم کر دو، اور
جلدی وصول کرکے چل دو، یا یہ واقعہ
حرمت ربا کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہوگا،

ہمارے مولانا گیلانی نے سیر کبیر سے بنو نضیر کے اسی واقعہ کو امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل میں بیان کیا تھا، مگر صاحب مبسوط نے بتلا دیا کہ اس میں اُن کے لئے کوئی دلیل نہیں اور بعینہٖ وہی احتمال نکال دیا جو احقر نے بیان کیا ہے،

القضاء فی الاسلام

اس میں طریقۂ شہادت اور فیصلۂ مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی کتابوں سے اخذ کرکے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے۔

ضخامت :- ۹۲ صفحے، قیمت :- ۱۰/

"منیجر"

ادبیات

شوقِ دیدار

از حکیم الشعراء سید احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ، الخ (اعراف ۔ ۱)

یعنی موسیٰ جب کوہِ طور پر آئے اور اپنے خدا سے گفتگو کی تو اثنائے گفتگو میں کہا اے میرے مالک جب کان تیری آواز سنتے ہین، تو آنکھین دیکھنے کے لئے بے چین ہو جاتی ہین، کبھی تو ان دیدار طلب آنکھون کو اپنا جلوہ دکھادے

محرومیِ گذشتہ پہ ہم کیون کرین قیاس
شاید بدل گئی ہو طبیعت حضور کی
کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کرین کوہِ طور کی

ساقی! ترے در پہ تشنہ کام آیا ہون
ٹوٹے ہوے دل کا لیکے جام آیا ہے
دل مین سو حسرتین لئے آیا ہون
مین دیدۂ دیدار طلب لایا ہون
لے دیکھ، مرا حال ہے ابتر کیسا
پردہ بندے سے بندہ پرور کیسا!
دریا دیکھا، تمام صحرا دیکھا
گلزارِ جہان کا پتہ پتا دیکھا
دنیا کا ہر ایک ذرہ ذرہ دیکھا
دیکھا نہ تجھی کو جب تو پھر کیا دیکھا
اب کچھ دیکھا ہے اور جب کچھ دیکھا
دنیا مین ترے سوائے سب کچھ دیکھا
ہین دید سے محروم طلب گار آنکھین
کیون دی گئین مجھ کو ایسی بیکار آنکھین

جو تجھ کو نہ دیکھے اس سے تو کور اچھا ایسے زندہ سے زندہ در گور اچھا
ہر ایک سے کیوں نہ موڑ لوں میں آنکھیں جی چاہتا ہے کہ پھوڑ لوں میں آنکھیں
جب حد سے گذر گئی شکایت میری بے طرح بگڑنے لگی حالت میری
معلوم ہوا کہ کوئی نزدیک آیا چپکے سے کسی نے کان میں فرمایا
اللہ اللہ ہم سے اتنا شکوہ کیا یاد نہیں ہے، خَرّ مُوسیٰ صَعِقَا
ایک جلوے میں ایک حشر برپا دیکھا تم نے دیکھا کلیم نے کیا دیکھا
اک آن میں مستی سے گذرتے ہی بنی دو ہاتوں سے توبہ کرتے ہی بنی
کیوں میرے فراق کا تجھے ماتم ہے کیوں مجھ کو نہ دیکھنے کا تجھکو غم ہے
تو دیکھ کے مجھ کو کیا کرے گا امجد میں دیکھ رہا ہوں تجھ کو یہ کیا کم ہے

غزل

از صاجزادہ شفق قادری ٹونکی

حد نہیں صبر آزمائی کی ہائے کیا شام ہے جدائی کی
بندِ غم سے نہ ہو سکے آزاد لاکھ تدبیر کی رہائی کی
دیکھتا ہوں جہاں تم ہی تم ہو کوئی حد بھی ہے جلوہ زائی کی
ذرّے ذرّے سے مسکرا اٹھے موج آئی جو خود نمائی کی
آسمان کو زمین بنا ڈالا ہم نے جب ہمت آزمائی کی
خود قفس کھولدے گا در اپنا جب گھڑی آے گی رہائی کی
دیکھیے کس طرح بسر ہو شفق
رات اور رات بھی جدائی کی

باب التقریظ والانتقاد

مجمع فواد الاول للغۃ العربیۃ

از

مولانا محمد ناظم صاحب ندوی استاذ ادب دار العلوم ندوہ لکھنؤ

(۲)

گذشتہ نمبر مین یہ ظاہر کیا جا چکا ہو کہ اکیڈمی کے مقاصد مین یہ بھی ہو کہ وضع الفاظ کے سلسلہ مین عربی زبان کے قواعد کی چھان بین، اور اس مین ایسی مناسب ترمیم کی جائے، جس سے وضع الفاظ مین سہولت ہو، چنانچہ اس سلسلہ مین اس اکیڈمی کے ارکان نے قواعد لغت پر محققانہ نظر ڈالی ہے، اور بعض قواعد صرف مین مناسب ترمیمین کین، کوفہ و بصرہ کے علمائے لغت مین جس مسئلہ مین اختلاف تھا، ان مین کسی ایک گروہ کی رائے کو قانونی حیثیت دیدی، یا کسی ایسے صرفی مسئلہ کو جسے علمائے لغت سماعی کہتے آئے ہین، لیکن اس کو قیاسی بنانے کی ضرورت تھی، تو اکیڈمی نے اس کے متعلق اصول وضع کر دیئے تاکہ وضع الفاظ مین سہولت ہو، مثلاً ایسے مقامات جہان کوئی چیز کثرت سے ہوتی ہے، ان کے لئے اسماء اعیان سے مَفْعَلَۃ کے وزن پر اسم مشتق کرتے ہین، جیسے ذِئب سے مَذْئَبَۃ (ایسا مقام جہان کثرت سے بھیڑیے ہون) اسد سے مَأسَدۃ اور سَبُع سے مَسْبَعَۃ، رضی نے شافیہ کی شرح مین وزن مفعلۃ کی متعدد مثالین دے کر لکھا ہے، کہ گو اس قسم کی مثالین کثرت سے کلام عرب مین ملتی ہین، مگر یہ قیاسی نہین یعنی عرب سے جتنی مثالیں سُنی گئی ہین ان پر

قیاس کرکے دوسرے الفاظ نہیں مشتق کئے جا سکتے، مظہر الدین شارح مفصل نے کمل مین مفعلۃ کو قیاسی لکھا ہے، اکیڈمی نے بھی عصری ضروریات کے پیش نظر مفعلہ کو قیاسی مان کر یہ قاعدہ مقرر کیا ہے، کہ ثلاثی مجرد اسمار اعیان (خواہ وہ جمادات و نباتات ہون یا حیوانات ہون) سے اس مقام کے لئے جہان وہ اسمائے اعیان کثرت سے پائے جاتے ہین، مفعلۃ کے وزن پر اسم مشتق ہوگا، جیسے بقل سے مقبلۃ (سبزی منڈی) اور تجارت سے متجرۃ (تجارت کی منڈی) وغیرہ،

ثلاثی مجرد افعال کے مصادر مختلف اوزان پر آتے ہین، اور چند مصادر کے سوا اکثر سماعی ہین، ان مین بعض اوزان تو کثرت سے مستعمل ہین، اور بعض بہت کم استعمال مین آتے ہین، کثیر الاستعمال اوزان بعض نحویون کے نزدیک قیاسی اور قلیل الاستعمال سماعی ہین، لیکن بعض نحوی تمام ثلاثی مجرد مصادر کو سماعی کہتے ہین، اکیڈمی نے سیبویہ، اخفش اور ابن مالک وغیرہ کا مسلک اختیار کیا ہے، جن کے نزدیک ثلاثی مجرد مصادر کے وہ اوزان جو کثیر الاستعمال ہین، قیاسی ہین،

چنانچہ اکیڈمی نے مصدر فعالۃ (بکسر الفار) کو جو کثرت سے کسی پیشہ یا صنعت وحرفت کو ظاہر کرتا ہی، جیسے تجارۃ، حدادۃ (لوہاری) نجارت (بڑھئی کا پیشہ) قیاسی قرار دیکر یہ قاعدہ وضع کر دیا، کہ ثلاثی مجرد سے خواہ کسی باب سے فعل آتا ہو پیشہ یا ہنر یا صنعت و حرفت کو ظاہر کرنے کے لئے فعالۃ کے وزن پر صیغہ مشتق کیا جائیگا، اس اصول سے بہت سے ایسے پیشے اور ہنر کے لئے الفاظ وضع کرنا آسان ہوگیا، جن کے لئے عربی مین الفاظ نہین ملتے، جیسے شعاع سے شعاعۃ، کیمرہ سے تصویر کشی کے فن کے لئے جس میں شعاع آفتاب کو دخل ہے، تاجرون اور مل کے مالکون کے درمیان دلالی کے لئے وساطۃ کا لفظ، اور سونے کی ملمع کاری کے لئے ولاصۃ کا لفظ وضع کیا ہے، اسی طرح صحافۃ اور طباعۃ وغیرہ الفاظ کا استعمال جدید معنی مین صحیح ہوگا،

اکیڈمی نے یہ ضابطہ بھی بنایا ہے، کہ فعَل لازم (عین کے فتحہ کے ساتھ) سے مصدر فعلان (ف اور ع دونون کو زبر) کے وزن پر مشتق کیا جائے گا، بشرطیکہ اس فعل لازم کے معنی مین حرکت و اضطراب

بھی پایا جائے، اس اصول سے بہت سے ایسے کلمات کا وضع کرنا آسان ہوگیا جن کی جدید فنون مین ضرورت ہوتی ہے، جیسے بجلی کی لہرون کی مسلسل حرکت کو موجان کہا جائے گا، خوف یا مرض کی بنا پر آنکھون کے بار بار جھپکنے کو طرفان کہا جائے گا،

اکیڈمی نے عربی کے بہت سے قدیم اصول مین مناسب ترمیمین کی ہین، جن سے عربی زبان وقت کے جدید تقاضون کے پورا کرنے کے لائق ہو جائے گی، اور اس کے بنیادی امتیازات بھی باقی رہین گے، کیونکہ یہ تمام قواعد قدیم اصول اور فصحاے عرب کے استعمالات کو پیش نظر رکھ کر وضع کئے گئے ہین، کہین بھی روح عربیت کے خلاف کوئی قاعدہ نہین وضع کیا گیا ہے،

فصحاے عرب نے اسمار اعیان سے بہت سے الفاظ مشتق کئے ہین، اور لغت کی کتابون مین اس کی سیکڑون مثالین موجود ہین، مگر ائمہ لغت نے اعیان سے اشتقاق کو ناجائز لکھا ہے، اور اشتقاق کو محض مصادر اور افعال کے ساتھ مخصوص کیا ہے، اس وقت فنی اصطلاحات وضع کرنے مین اسمار اعیان سے مشتق الفاظ کی بڑی ضرورت ہے، اسی بنا پر اکیڈمی نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے، کہ علوم (سائنس) مین اور ادب (آرٹ) مین نہین، بوقت ضرورت اسمار اعیان سے الفاظ مشتق کئے جائین،

قدیم عرب نے ذہب (سونا) سے مُذہب (سونے کا ملمع کیا ہوا) فضہ سے مفضض، کبریت (گندھک) سے مُکبرت اور زئبق (پارہ) سے مزوق مشتق کیا ہے، اس جدید اصول کے بعد اب نحاس (تانبا) سے مُنحس زرنیخ (ہڑتال) سے مزرنج اور بلّور سے مُبلّر مشتق کرنا صحیح ہے، کیونکہ طب، کیمیا (کیمسٹری) طبیعیات اور دوسرے مختلف صنعتون مین اسمار اعیان سے اشتقاق کی ضرورت پیش آتی ہے،

اب برنیق (وارنش) سے برنقہ وارنش کرنا، مُبرنق وارنش کیا ہوا مشتق کرنا صحیح ہوگا،

بہت سے افعال کے مصادر اور اسمار مشتق کے افعال کی تفصیل لغت کی کتابون مین موجود نہین، اس کے متعلق اکیڈمی نے چند اصولی ضوابط وضع کئے ہین، بہت سے مفرد کی جمع کتب لغت مین موجود نہین ہے، نیز

جو وسیع تر موضوع پر سیر حاصل بحثیں اور مفید مضامین ہیں،

مذکورۂ بالا مثالون کے علاوہ اور متعدد نئے اصول و قواعد وضع کئے گئے ہین جن سے فنی اصطلاحات مین مدد ملتی ہے، لیکن ان کی تفصیل سے ناظرین کو کوئی دلچسپی نہین ہوگی،

احادیث کے الفاظ سے لغوی استدلال کے بارے مین علماء عربیت کی رائین مختلف رہی ہین، بہت زیادہ محتاط علماء لغت نے حدیث سے لغوی استدلال کرنے مین صرف اس بنا پر احتیاط کی ہے، کہ حدیث کی روایت بالمعنی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے راویون مین بڑی تعداد اہل عجم کی ہے جن کی عربی مستند نہین مگر دوسرا گروہ جو احادیث کی لسانی قدر سے واقف ہے، اور اسے تدوین احادیث کی تاریخ معلوم ہے، اس نے خالص لغوی حیثیت سے بھی احادیث نبوی کو مستند اور ان سے استدلال کو صحیح قرار دیا ہے،

احادیث کی تدوین خود عہد نبوی ہی سے ہونے لگی تھی، متعدد صحابۂ کرام نے احادیث کے مجموعے مرتب کئے تھے، ظاہر ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ مین عربی زبان کے خدوخال مین کوئی تغیر نہین ہوا تھا، زبان کا قوام خالص عربی تھا، اس مین عجمیت کی کوئی آمیزش نہین ہوئی تھی، حدیث کی تاریخ تدوین کے متعلق شیخ خضر حسین کا مضمون اچھا خاصہ ہے، مگر اردو مین اس سے بہتر مضامین اس موضوع پر لکھے جا چکے ہین:

اکیڈمی نے مندرجہ ذیل قسم کی احادیث سے استدلال لغوی کو صحیح قرار دیا ہے،

(۱) متواتر و مشہور حدیث،

(۲) عبادات مین استعمال ہونے والے الفاظ احادیث،

(۳) وہ احادیث جو جوامع الکلم (مختصر حکیمانہ جملے) شمار ہوتی ہین،

(۴) خطوط نبوی،

(۵) ایسی حدیثین جن مین یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قوم سے اس کی زبان مین گفتگو فرماتے تھے،

۶- ایسی احادیث جن کے راویون کے متعلق معلوم ہے، کہ وہ روایت بالمعنی کے قائل نہین تھے، جیسے قاسم بن محمد، رجا بن حیوۃ اور ابن سیرین وغیرہ،

۷- ایسی احادیث جو متعدد طرق سے مروی ہونے کے باوجود سب روایتون کے لفظ یکسان ہون،

اس صدی کے آغاز مین علماے لغت نے رسائل و اخبارات اور جدید مطبوعات کی لسانی جدتون پر سخت اعتراضات شروع کردیئے تھے، خصوصًا فعل لازم کو متعدی اور متعدی کو لازم استعمال کرنے اور صلات افعال کے استعمال پر بڑی تنقیدین کین، چنانچہ لغت کی کتابون مین جو صلے مذکور ہین جہان اس کے خلاف کوئی صلہ دیکھتے، فورًا اس کی تغلیط کرتے، حالانکہ از روے بلاغت دوسرے افعال کے صلات تضمین کی غرض سے استعمال ہوتے ہین، چنانچہ اساس البلاغت کی طباعت کے بعد بہت سے وہ استعمالات جو پہلے غلط سمجھے جاتے تھے صحیح ثابت ہوئے، اصل مین موجودہ کتب لغت تمام استعمالات عرب اور کل عربی الفاظ پر محیط نہین ہین اور نہ اُن سے اصول بلاغت کے لحاظ سے استعمالات عرب کی جانب پوری رہنمائی ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہو کہ لغت کے مصنفین کے نزدیک علم بلاغت اور علم نحو نے ان کو اس سے بے نیاز کر دیا ہے،

ابراہیم یازجی کی لغات الجرائد کے انتقادات کی اہل علم نے پوری تردید کی ہے، اور کلام عرب کی سند سے مصنف کے اوہام کی قلعی کھولی ہے،

صلات (حروف جر) علماے کوفہ کے نزدیک ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہین، یعنی ایک حرف جر مثلاً فی جو ظرفیت کے لئے ہے کبھی علی کے معنی مین آتا ہے، مگر اس کی جتنی مثالین کلام عرب مین ہین، کوفی نحویون کے نزدیک وہ سب سماعی ہین، اور ان پر قیاس نہین کیا جا سکتا،

بصری علماء نحو کے نزدیک حروف جر کے اپنے خاص معنی ہین، ایک حرف دوسرے کی جگہ پر استعمال نہین ہو سکتا، جہان اس کے خلاف کوئی مثال ہے، وہان بھی درحقیقت حرف جر اپنے معنی ہی مین استعمال ہوا ہے، مگر وہ صلہ دوسرے فعل کا ہے، اور فعل مذکور مین دوسرے فعل کے معنی کو شریک (تضمین) کیا گیا ہے،

اس کی مثالیں کثرت سے فصیح کلام میں ملتی ہیں، اس لئے بہت سے علماء نحو کے نزدیک "تضمین" قیاسی ہے،

تضمین کی متعدد صورتیں ہیں، کبھی فعل متعدی کے مخصوص صلہ (حرف جار) کے بجائے دوسرے فعل متعدی کا صلہ استعمال ہوتا ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ دوسرے فعل متعدی کے معنی فعل مذکور میں شامل کئے گئے ہیں، کبھی فعل متعدی بحرفِ جار کو با حرفِ جار استعمال کرکے (براہِ راست) مفعول لاتے ہیں،

"رفث" استعمال عرب میں کبھی ب حرفِ جار سے متعدی ہوتا ہے مثلاً رفثتُ بالمرأۃ اور کبھی مع کے ساتھ، قرآن میں الی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے، کوفی علماء کے نزدیک یہ الی باء کے معنی میں ہوگا، مگر دوسرا گروہ کہتا ہے، کہ رفث کے معنی میں افضاء کی تضمین ہوئی ہے جس کا صلہ الیٰ آتا ہے، اس تضمین کے سبب سے رفث کی صراحت میں افضاء کے کنایہ سے ایک خاص بلاغت پیدا ہوگئی،

اسی طرح لا تاکلوا اموالھم الیٰ اموالکم میں الیٰ سے "ضم" کی تضمین کی گئی، یعنی لا تضموھا آکلین، زبان دان حضرات جانتے ہیں، کہ تضمین کی صورت میں جو معنی ذہن نشین ہوتے ہیں وہ الی بمعنی مع کی شکل میں نہیں ہوتے،

(سَفِہَ) لازم ہے لیکن قرآن کریم نے سفہ نفسہ میں متعدی استعمال کیا ہے یہ تعدی اھلک کی تضمین کی بنا پر پیدا ہوئی ہے،

کلام عرب میں تضمین کی اتنی کثرت سے مثالیں ہیں، کہ ان کو سماعی کہنا صحیح نہیں اور قیاسی کہنا ناگزیر ہے، البتہ صلات کے استعمال اور لازم کو متعدی اور متعدی کو لازم استعمال کرنے کے لئے بہت سی شرطیں ہیں، سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ عربی زبان پر پوری قدرت رکھتا ہو اور اس کا مزاج شناس ہو، چنانچہ اکیڈمی نے تضمین پر پوری بحث و تحقیق کے بعد یہ قرارداد منظور کی ہے،

(۱) اکیڈمی کے نزدیک تضمین سماعی نہیں بلکہ قیاسی ہے، بشرطیکہ دونوں فعل میں مناسبت ہو، دوسرے

فعل کے ملحوظ ہونے پر کوئی قرینہ ہو اور اشتباہ کا خطرہ نہ ہو، تضمین ذوقِ عرب کے ہم آہنگ ہو،

۲۔ اکیڈمی کا مشورہ ہے کہ صرف بلیغ اسلوب مین تضمین کی جائے، ورنہ اس سے احتراز اولیٰ ہے

تضمین پر شیخ حسین والی (المتوفی ۱۹۳۶ء) کا ایک مفصل مقالہ ہے، جس کا مطالعہ اہل ادب کے لئے بہت مفید ہے،

اکیڈمی کے پروگرام مین متعدد قسمون کے لغات کی ترتیب و تدوین ہے،

معجم الاصطلاحات پر مشہور مستشرق پروفیسر فیشر عرصہ سے کام کر ہے تھے، اکیڈمی نے ان کے جمع کردہ مواد کو اپنا لیا ہے، اور پروفیسر موصوف سے درخواست کی ہے کہ وہ اس لغت کی تدوین مین دوسرے رفقاء کے ساتھ تعاون کرین، پروفیسر فیشر کے ساتھ دو اور مستشرق پروفیسر ماسینون (فرانس) اور نلینو (اٹلی) کو بھی شریک کیا گیا تھا،

زیر تبصرہ رسائل اور روندادین ۱۹۳۷ء تک کی ہین، معلوم نہین، ایام جنگ مین کتنا کام ہوا اور اب لغت کی تدوین کا کام کس منزل مین ہے، اہلِ علم کو عرصہ سے اس کا انتظار ہے،

ان مستشرقین کا ذوق علمی قابلِ داد ہے، وہ اجنبی زبان مین ایسے خشک موضوع پر اس انہماک سے کام کرتے ہین، کہ خود اہلِ زبان ان کے تجربہ سے استفادہ کرتے ہین، لغت کی تدوین مین کئی مستشرقین علماے عرب کے ساتھ برابر کے شریک ہین، لیکن افسوس کہ کسی ہندوستانی عالمِ لغت کا نام اس مین نہین نظر آتا، پروفیسر عبد العزیز صاحب میمنی صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی جیسے لغوی کا نام نہ ہونا حیرت انگیز ہے،

اکیڈمی کی رونداد ین اس حیثیت سے نہایت مفید ہین، کہ ان مین ارکان اکیڈمی کے قلم سے متعدد بلند پایہ مضامین اور لغوی و ادبی بحثین اور رسالہ مین اکثر ارکان کے محققانہ ادبی مقالات ہین، شیخ عبد القادر مغربی کا مقالہ "تعریب الاسالیب" عربی اسکندر معلوف کا "اللہجۃ العربیۃ العامیۃ" اور احمد کبس عوامری کا

"بحوث و تحقیقات لغویۃ" خصوصیت کے ساتھ نہایت فاضلانہ مضامین ہیں،

الاب انطاس ماری کرملی کی لغوی تحقیقات بھی قابلِ مطالعہ ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سے مفید مضامین و مقالات ہیں، ڈاکٹر احمد عیسیٰ بک کا "العاب الصبیان عند العرب" بہت دلچسپ ہے، ادبی اور لغوی نقطۂ نگاہ سے عبد اللہ امین کا "بحث فی الطرق التی سلکہا العرب عند اشتقاقہم من اسماء الاعیان" بہت خوب ہے،

استاد کرد علی کا مضمون "افعال للاستعمال" قابلِ مطالعہ ہے، اس مضمون میں ابن القوطیہ کی کتاب الافعال سے اکثر مثالیں دی گئی ہیں، یہ کتاب مطبوع اور متداول ہے، کرد علی کا یہ مشورہ صحیح ہے، کہ عربی زبان کے دورِ انحطاط سے اس وقت تک بہت سے افعال متروک ہوگئے ہیں، حالانکہ ان افعال، اور اُن کے مشتقات سے بہت سی عصری ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں، اس لئے انھیں پھر رائج کرنے کی ضرورت ہے،

بندلی جوزی پروفیسر باکو (کاکیشیا) یونیورسٹی کا مضمون "بعض اصطلاحات یونانیۃ فی اللغۃ العربیۃ" قابلِ مطالعہ ہے، پروفیسر موصوف کے نزدیک عربی زبان میں یونانی الفاظ کی تعداد تقریباً سات سو ہے، عربی زبان میں ان کا داخلہ بہت قدیم ہے، سکندر مقدونی کے زمانہ میں یونانی الفاظ عربی زبان میں آنے لگے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ اسکندر مقدونی کی فتوحات سے قبل بعض عرب قبائل، عراق، شام فلسطین اور مصر میں آباد تھے، جب ان ممالک کو اسکندر مقدونی نے فتح کیا، تو طبعی طور پر فاتح کی زبان کے بہت سے الفاظ مفتوح قوموں کی زبان میں داخل ہوگئے، مگر اس دور میں بہت تھوڑے یونانی الفاظ عربوں نے قبول کئے، کیونکہ عربوں کی سادہ اور بدویانہ زندگی میں لوازمِ تمدن کی ضرورت نہ تھی، لیکن دوسرے دور میں جب رومیوں نے ۳۰ سنہ قبل مسیح میں مصر کو اور ۶۴ سنہ قبل مسیح میں شام و فلسطین کو فتح کیا تو عربی زبان میں یونانی الفاظ خلاف توقع بہت زیادہ داخل ہوئے، حالانکہ رومی اقتدار کے بعد

یونانی الفاظ کا داخلہ حیرت انگیز ہے، اس کی توجیہ پروفیسر موصوف نے یہ کی ہے، کہ مفتوح و مغلوب یونانی، رومیون سے زیادہ ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ اور فاتح رومی اپنی مفتوح قوم کے فلسفہ اور علوم کے دست نگر تھے، اسی لئے یونانی فلسفہ اور یونانی علوم کی تعلیم خود روم مین ہونے لگی، اور رومی یونانی زبان مین تصنیف و تالیف کرنے لگے، اسی لئے عربی مین بھی لاطینی کے بجائے یونانی الفاظ زیادہ داخل ہوئے،

سب سے زیادہ یونانی الفاظ عہد عباسی مین جب کہ یونانی فلسفہ اور طب کا عربی مین ترجمہ ہوا، عربی مین داخل ہوئے، مترجمین زیادہ تر سریانی اور کچھ قبطی اور یہود تھے، جو عربی زبان پر پوری قدرت نہین رکھتے تھے، اور یونانی اصطلاحات عربی مین ترجمہ نہیں کر سکتے تھے، اس لئے یونانی اصطلاحات بجنسہٖ عربی مین داخل ہو گئین،

پروفیسر موصوف نے اپنے مضمون مین تقریبًا سوا سو عربی الفاظ کی اصل یونانی لکھی ہے، بہت سے الفاظ کو یونانی الاصل ثابت کرنا مشکل ہے، اور بعض معمولی صوتی مناسبت کی بنا پر ان کو یونانی کہنا زیادتی ہے،

مثلاً

قلم	Kalam-os
قفل	Klausr-on
قمیص	Hpokamis-on
کرخ	Kharak-s
قرطاس	Khartees-
قارب	Karabei-on
قرنفل،	Koryophil-on

غالبًا قرنفل کی اصل سنسکرت مین کرنک پھل ہے، کیونکہ عرب تاجر جزائر الہند سے مسالہ اور عطر وغیرہ اپنے ملک مین لیجاتے تھے۔

روداد اور رسالہ کی آٹھ جلدون کا تقریبًا تین چوتھائی حصہ علوم و فنون سے متعلق الفاظ اور اصطلاحات

پر مشتمل ہے، ان جلدون مین جو الفاظ اکیڈیمی نے وضع کئے ہین، ان کو ایک مجموعہ (مجموعۃ المصطلحات العلمیۃ والفنیۃ التی اقرّ ہا المجمع) کی شکل مین شائع کیا ہے،

اس مجموعہ مین علم الاحیا، طب و تشریح (سرجری)، ریاضی، بجلی (الیکٹرک) مقناطیس طبیعیات (سائنس) نقاشی، مصوری، طباعت، تاریخ، فلسفہ، علم الحرارۃ، اور موسیقی سے متعلق ہزارون الفاظ ہین یورپ کی بڑی بڑی یونیورسٹیون مین علاوہ عام مطالعہ کے کمرون کے ایک بڑا ہال ہوتا ہے جس مین تحقیق کرنے والے طلبہ اور ماہرین فن اساتذہ ملکر مطالعہ کرتے ہین، اس بڑے ہال مین اس فن سے متعلق تحقیقات و مراجعت کی کتابیں ہوتی ہین مطالعہ کرنے والے طلبہ اساتذہ سے فائدہ اٹھاتے ہین، ایسے دار المطالعہ کے لئے ایک قدیم لفظ مدراس وضع کیا ہے، یہ لفظ کتب لغت مین موجود ہے، یہودیون کے مکتب کو مدراس کہتے تھے، المدرس الموضع الذی یدرس فیہ والمدراس البیت الذی یدرس فیہ القرآن وکذلک مدراس الیہود ہو البیت الذی یدرسون فیہ (لسان العرب مادہ درس) مدرس کے بجائے مدراس اس لئے اختیار کیا کہ مدرس کی جمع مدارس آئے گی، اور مدراس کی مداریس آئے گی، اس سے مدرسہ کی جمع مدارس سے التباس نہین ہوگا، اس طرح کے چند الفاظ ذیل میں لکھے جاتے ہین،

المسمع	ریڈیو،	الثریا	بہت سے بلبون کا مجموعہ (جھاڑ)
المذیاع	ریڈیو،	الثقابۃ	ماچس کی سلائی، (تیلی)
المجہار	لاؤڈاسپیکر	الموصلۃ	بجلی کے منفی و مثبت تارون کو جوڑنے والا،
الجماز	ٹرام،	المقود	موٹر کا ہینڈل
المسخن والمحم	حمام مین گرم پانی کا حوض	المظلّۃ	دھوپ سے بچانے والی چھتری
النفّاطۃ	گیس کا بڑا ہنڈا،	الممطرۃ	برساتی، بھیگنے سے بچانے والا کپڑا،
الکوکبۃ	بلب		

المھبطۃ پیراشوٹ، ہوائی جہاز سے اترنے والی چھتری،

المِصفاۃ چائے یا قہوہ کی چھلنی

المذکّرۃ نوٹ بک

الاضمامۃ کتابوں کا پشتارہ، فائلوں کا مجموعہ

الضمام فائل بک

الماسِر چنگی کی چوکی

اللفائف (واحد لفیفۃ) سگریٹ

النُفاضۃ سگریٹ کی جلی ہوئی راکھ، گل

منفضۃ سگریٹ کے گل رکھنے کی ڈبیہ یا جگہ

ارتکاس رد عمل Reaction

المھرق دستی پریس میں استعمال ہونے والا

روغنی کاغذ (Stencil) فرقون میں

نقل رکھنے کیلئے کثرت سے استعمال ہونے والا بوک کاغذ

الأتون انجن کا آتش دان

الوَقّاد کوئلہ جھونکنے والا (فائرمین)

المحالۃ پہیا،

الجزع پہیا کا محور، جس میں پہیا گردش کرتا ہے

المِزْلَۃ گاڑی کا بریک

العَوّاقۃ بریک، روکنے والا آلہ

طامۃ الاشارات سگنل گھر اسٹیشن کا کیبن،

المُلوّح سگنل دینے والا آدمی

التّذکری ٹکٹ بابو، ٹکٹ بیچنے والا کلرک

النَقّاب ٹکٹ چیک کرنے والا کرو،

السَبّاق سب سے زیادہ تیز چلنے والی ریل گاڑی

گویا طوفان میل،

الجھیز الزفوف ایکسپریس گاڑی

الوقاف پسینجر گاڑی،

قطار البضاعۃ مال گاڑی

المیدع ڈاکٹروں یا نرسوں کا وہ لمبا لباس جو

ہسپتالوں میں کام کے وقت پہنا جاتا ہے نیز

خانساموں کا خاص لباس (یونیفارم)

البِذْلَۃ قدیم استعمال میں ماما یا نوکر کے کام کے وقت

والمبذلۃ کا لباس، اب اس کو گھر کے اندر کام کے وقت

عہدوں کے معمولی لباس پر اور حکومت کر

خاص لباس (یونی فارم)

امید ہے کہ ہندوستان کے اہل علم اکیڈمی کے ان تمام مطبوعات سے مستفید ہونگے اور عربی زبان کی تعلیم

مطبوعات جدیدہ

تشریحاتِ پاکستان مرتبہ جناب مولوی عبدالقدوس صاحب ہاشمی تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، عثمانیہ ہیر، کلدار، پتہ نفیس اکیڈمی عابد روڈ حیدرآباد دکن،

اس سے قطع نظر کہ پاکستان کا تخیل اور اس کا مطالبہ صحیح ہے یا غلط اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اب وہ ہندوستان کی سیاست کا اہم مسئلہ بن گیا ہے، اور اس کے مناسب حل اور اس کے اصلی مقصد و منشا کے حصول ہی پر ہندوستان کی حقیقی آزادی اور اس کے امن وسکون کا انحصار ہے، اس موضوع پر انگریزی میں کافی کتابیں ہیں، لیکن اردو میں مواد کی بڑی کمی ہے، اس کتاب میں لائق مرتب نے پاکستان کے متعلق ضروری معلومات اور اعتراضات و جوابات سلیقہ سے جمع کر دیئے ہیں، اور ۱۸۵۷ء سے لے کر شملہ کانفرنس ۱۹۴۵ء تک ہندوستان کی مختصر سیاسی سرگذشت بیان کرکے اس پر تبصرہ کیا گیا ہے، اور آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد ۱۹۳۰ء کے سر اقبال کے خطبۂ صدارت کا وہ حصہ نقل کیا گیا ہے جس میں پاکستان کی حقیقت بیان کی گئی ہے، اور اس کا خاکہ پیش کیا گیا ہے، اس کے بعد پاکستان کی تائید میں بعض یورپین اور ہندوؤں کے بیانات نقل کئے گئے ہیں، اور اس کی تشریح میں مؤلف نے خود اپنے اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، دنیائے اسلام کے مشہور مفکر امیر شکیب ارسلان اور محب الدین الخطیب مصری کے مضامین اور ان کی رائیں نقل کی ہیں، اور پاکستان کی مخالفت میں جو سیاسی و اقتصادی مشکلات بیان کی جاتی ہیں، اعداد و شمار سے ان کا جواب دیا گیا ہے، کتاب کے آخر میں

مسلمانون کے مرتب کردہ پاکستان کے مختلف نقشون اور ہندؤون کے فارمولون کو دیدیا گیا ہے، اس طرح اس کتاب مین پاکستان کے متعلق بہت سے ضروری معلومات آگئے ہین، مولانا ابوالاعلیٰ کے مضمون کا تعلق مسلم لیگ کے مجوزہ پاکستان سے نہین، بلکہ جماعتِ اسلامی کے حکومتِ الٰہیہ کے تصور سے ہے، اسی طریقہ کر امیر شکیب ارسلان کے مضمون کا مقصد ہندوستان مین ایک مستقل اور جداگانہ قوم کی حیثیت سے مسلمانون کے کلچر کا تحفظ ہے، گو ان دونون مضامین کی بعض جہتین پاکستان سے مل جاتی ہین،

رہنمائے قرآن، از نواب سر نظامت جنگ مترجمہ ڈاکٹر میر ولی الدین استاذ جامعہ عثمانیہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۶ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مرقوم نہین، پتہ ادارہ اشاعت اسلام کنج حسین ساگر حیدر آباد دکن،

نواب سر نظامت جنگ حیدر آباد کے صاحبِ علم امرا مین ہین، دینیات اور کلام مجید پر بھی ان کی نظر ہے، اور دین وملت کا بھی وہ درد رکھتے ہین، انگریزی کے ... نامور ادیب ہین، انھون نے انگریزی مین ایک کتاب "An Approach to study of the Quran" لکھی تھی، رہنمائے قرآن اسی کا ترجمہ ہے، اس مین مصنف نے قرآن مجید سے اسلامی عقائد وضابطۂ اخلاق اور اس کی دوسری تعلیمات کو مغربی انداز فکر مین پیش کیا ہے، خالص اسلامی نقطۂ نظر سے مصنف کے بعض تصورات اور ان کی تشریحات محلِ نظر ہین، اور ان کا طریقہ تعبیر مناسب نہین ہے، لیکن انھون نے یہ کتاب مغربی اقوام خصوصاً انگریزون کے لئے لکھی ہے، جن کا نقطۂ نظر اور اندازِ فکر مذہب کے بارہ مین مسلمانون سے مختلف ہے، اور ٹھیٹھ اسلامی تصور اور طریقۂ تعبیر کو ان کا ذوق قبول نہین کرسکتا، اس لئے مصنف نے "کلم الناس علی قدر عقولھم" کے مطابق ان کے ذوق کا خاص لحاظ رکھا ہے، اور اس پہلو سے یہ کتاب جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے لئے بھی مفید ہے، مصنف کا حسنِ نیت اور ان کا دینی جذبہ لائق قدر ہے، اس کا اجر ان کو بہرحال ملے گا، لائق مترجم نے بھی مقدمہ مین تصنیف کے اس پہلو کی جانب اشارہ

کر دیا ہے، اصل کتاب بہت انشا پردازانہ ہے، بلکہ اس کی خاص خوبی انشا پردازی ہے، لائق مترجم نے حتی الامکان اصل کتاب کے زور بیان اور اس کی لطافتوں کو قائم رکھنے کی پوری کوشش کی ہے،

نثر ریاض خیرآبادی، مرتبہ جناب عقیل احمد صاحب جعفری تقطیع اوسط ضخامت ۱۵۲ صفحے، کاغذ، کتابت، وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ/، کلدار، ۴ عہ/ عثمانیہ، پتہ :- نفیس اکیڈمی روڈ حیدرآباد دکن،

حضرت ریاض مرحوم خیرآبادی نہ صرف ایک استاد فن شاعر بلکہ اپنے دور کے شگفتہ نگار ادیب بھی تھے، اُنھوں نے مختلف اوقات میں متعدد اخبارات و رسائل اور شعر و سخن کے گلدستے نکالے، جو اس زمانہ میں بہت مقبول ہوئے، اور بڑے بڑے اہل نظر ان کے قدر دان تھے، لیکن ان کی شاعری کی شہرت نے ان کی نثر نگاری کے پہلو کو دبا دیا تھا، ایک سبب یہ بھی تھا، کہ ان کی شاعری کا زور پیری تک قائم رہا، لیکن نثر کی رنگینی عمر کے انحطاط کے ساتھ ساتھ پھیکی پڑ گئی تھی، اس لئے نئی نسل ان کے کمال کے اس پہلو سے بہت کم واقف ہے، اُن کے نواسہ جناب عقیل احمد صاحب جعفری نے اس کتاب میں ان کی نثر کے مختلف نمونوں ادبی مضامین و مباحث، شعری نکات، ریاض کی زندگی سے متعلق خود ان کے تحریر کردہ واقعات اور لطائف و ظرائف؛ اس زمانہ کے سیاسی و معاشرتی مسائل کے متعلق ان کے تبصرے، مکاتیب اور مختلف النوع نگارشات وغیرہ کا ایک خوشرنگ گلدستہ سجا دیا ہے، مصنف کی فطری شوخی و ظرافت ان تمام مضامین میں نمایاں بلکہ وہی ان کی روح ہے، یہ تحریریں آج سے نصف صدی سے لے کر چوتھائی صدی پیشتر کی ہیں، اب زمانہ کا مذاق بہت بدل گیا ہے، اس لئے بعض تحریریں شاید موجودہ مذاق سے مختلف نظر آئیں، اور طبائع پر گراں گذریں، لیکن یہ ان کا نقص نہیں، بلکہ زبان و ادب کی ترقی اور مذاق کے تغیر کا فطری نتیجہ ہے، ان تحریروں سے اس زمانہ کے بہت سے دلچسپ واقعات کی جنھیں اب زمانہ بھول چکا ہے، یاد تازہ ہو جاتی ہے، لائق مرتب نے اس مجموعہ کو مرتب کرکے اردو ادب و انشاء کی ایک شگفتہ

کڑی کو محفوظ کر دیا، امید ہے کہ یہ مجموعہ عام اصحاب ذوق خصوصاً حضرت ریاض کے قدر دانوں میں مقبول ہوگا،

آثار اقبال، مرتبہ جناب غلام دستگیر رشید صاحب ایم اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۲۰ صفحے،

کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ہے کلدار، للعہ عثمانیہ، پتہ :- ادارہ اشاعت

اردو حیدر آباد دکن،

مؤلف کو اقبالیات سے خاص دلچسپی ہے، اور اس موضوع پر اُن کے قلم سے مضامین بلکہ مستقل کتاب نکل چکی ہے، اب انھوں نے سر اقبال مرحوم کے ذاتی حالات اور ان کے کلام و تعلیمات کے متعلق بہت سے اصحاب قلم کے شائع شدہ مضامین کو آثار اقبال کے نام سے جمع کر دیا ہے بعض مضمون نگاروں کے نام یہ ہیں، نواب بہادر یار جنگ مرحوم، ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم، مولانا محمد علی مرحوم، مولانا اسلم جیراجپوری، پروفیسر محمد حبیب، پروفیسر عبد القادر سروری، پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی، ڈاکٹر میر ولی الدین اور پروفیسر خواجہ عبد الحکیم وغیرہ، خیال آتا ہے کہ بیشتر مضامین جامعہ ملیہ کے رسالہ جوہر کے اقبال نمبر سے جو جوہر اقبال کے نام سے نکلا تھا منقول ہیں، اس مجموعہ میں اقبال کے ذاتی حالات اور ان کی شاعری سے متعلق بہت سے مفید معلومات یکجا ملجاتے ہیں،

اسلام اور مشاہیر عالم، مؤلفہ جناب مولوی حبیب اللہ بن فقیہ صاحب تقطیع اوسط،

ضخامت ۱۱۶ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت معلوم نہیں، پتہ، مصنف محلہ دھول

پیٹھ حیدر آباد سے ملے گی،

ایک مدت تک غیر مسلم قومیں خصوصاً اہل مغرب کچھ تو ناواقفیت اور زیادہ تر تعصب کی بنا پر اسلام کے متعلق غلط رائے رکھتے تھے لیکن جب اُن کی آنکھوں سے جہالت و تعصب کا پردہ ہٹا، تو انھیں اسلام کی صداقت و حقانیت اُس کے محاسن اور دنیا میں اس کی برکتوں کا اعتراف کرنا پڑا، لائق مؤلف نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کلام مجید اور اسلام کے متعلق

دنیا کی مختلف قوموں اور مذہبوں کے فضلاء اور مشاہیر کی رائیں اور اُن کے اعترافات کو جمع کر دیا ہے

خدا کا دین برحق انسانوں کی تحسین و تنقیص سے بے نیاز ہے، اُن کی تحسین و آفرین سے نہ اس کی حقیقی عظمت

میں کوئی اضافہ ہوتا ہے، اور نہ ان کی تنقیص سے اس میں کوئی کمی آتی ہے، اس لئے اسلام کے متعلق ان

رایوں کی کوئی وقعت نہیں لیکن الفضل ما شہدت بہ الاعداء کے اصول پر البتہ ان کی کچھ قیمت ہو سکتی ہے،

یا جن لوگوں کو دوسروں کے اعترافات ہی سے تسکین ہوتی ہے، اس کتاب میں ان کی تشفی کا پورا سامان

موجود ہے، فاضل مؤلف کا جذبۂ خدمتِ دین بہرحال لائق ستائش ہے،

تحلیل نفسی اور تعبیر خواب

از جناب عبد الحی جمیل صاحب علوی ایم اے صدر شعبہ نفسیات ٹریننگ کالج کابل تقطیع اوسط ضخامت ۲۴۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ:۔ اشار ایجوکیشنل سپلائی کمپنی، عابد روڈ حیدرآباد دکن،

سگمنڈ فرائڈ نفسیات کی شاخ تحلیل نفسی کا بڑا عالم تھا، اس کے نظریہ کے مطابق انسان کے بیشتر جذبات وعواطف کا سرچشمہ خواہش جنسی کی طلب وتکمیل ہے، خواب کو بھی اس نے اسی کا نتیجہ قرار دیا ہے، مصنف نے اس نظریہ کو اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، راقم الحروف نفسیات سے بالکل ناواقف ہے، اسلئے فنی حیثیت سے اس کتاب کے متعلق کوئی رائے نہیں دیسکتا لیکن خواب کے متعلق اس نظریہ اور مشرقی بلکہ اسلامی نظریہ میں بڑا فرق ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے خواب دیکھنے والے کے حالات اس کی نفسی کیفیت اور خواب کی نوعیت کے اعتبار سے خواب اور اس کے اسباب اچھے اور برے مادی اور روحانی دونوں طرح کے ہوتے ہیں، جو خواب مادی اسباب کا نتیجہ ہوں، انھیں اضغاثِ احلام کہا جاتا ہے، لیکن رویاے صالحہ کی حیثیت ایک گونہ روحانی کشف کی ہوتی ہے، لیکن فرائڈ پر جنسیات کا اتنا غلبہ تھا کہ اسے ہر چیز میں اسی کا کرشمہ نظر آتا تھا تاہم جن لوگوں کو اس موضوع سے دلچسپی ہو انھیں اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے،

(م)

جلد ۵۸ ماہ ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۶ء عدد ۴

مضامین

شذرات

خاکسار تین ماہ کے بعد دار المصنفین کے کامون کی دیکھ بھال اور معائنہ کے لئے حسب تجویز سابق آیا ہوا ہے اور ایک ہفتہ کے قیام کے بعد بھوپال واپس جائے گا، مجھے اس کے اظہار مین خوشی ہے کہ بحمد اللہ توقع کے مطابق دار المصنفین کے علمی اور انتظامی کاروبار بدستور سابق چل رہے ہین، نئے رفقاء مطالعہ و تحقیق کے کامون مین مصروف ہین، اور مراسلت و مکاتبت سے وہ اس حقیر سے اپنے لئے مشورے حاصل کرتے رہتے ہین،

تاریخ ہند اور تاریخ اسلام کی اکثر جلدین تیار ہو چکی ہین، مگر کاغذ اور سامان طباعت کی کمیابی اور پریس مین کامون کے ہجوم کے سبب سے ان کے چھپنے مین اندیشہ ہے کہ کافی انتظار کرنا پڑیگا، دوسرے شہرون اور پریسون مین بڑی بڑی کتابون کے چھپنے اور اصلاح سنگ و تصحیح کا انتظام بھی ممکن نہین، اس لئے دوسری جگہون پر بھی چھپنے کا انتظام ناممکن نظر آتا ہے، نئی مشینون کی نایابی کے سبب سے پریس مین بھی اب تک زیر تجویز اضافہ نہ ہو سکا،

خوشی کی بات ہے کہ دار المصنفین کا سلسلۂ تاریخ اسلام مختلف یونیورسٹیون کے نصاب مین داخل ہو رہا ہے، انشاء اللہ جب یہ سلسلہ مکمل ہو جائے گا، تو معلوم ہوگا کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح یہ سلسلہ بھی دار المصنفین کی عظیم الشان علمی و مذہبی خدمت ہے،

دار المصنفین کو علمی حلقون مین جو فروغ اور استناد حاصل ہے، اس کا اندازہ اس سے ہوگا، کہ مشرقی و ادبی

و تاریخی علوم مین سارے ملک سے اس کی طرف رجوع عام ہے، ڈاکٹریٹ کے مقالون کے امتحان کی خدمت بھی اس کے سپرد ہوتی ہو اور ان علوم مین امتحانات کے پرچون کے ممتحن بھی ہمارے رفقا ہوتے رہتے ہین،



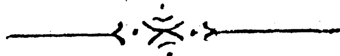
پچھلے مہینہ دار المصنفین کے رفقا سے ملنے اور ان کے علمی کامون مین مشورہ کی خاطر ہماری مجلس کے رکن مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی یہان تشریف لائے، اور تین روز قیام فرما کر ان کے کامون مین مناسب مشورے دیکر واپس تشریف لے گئے، امید ہو کہ ان کا یہ سلسلۂ فیض آیندہ بھی اسی طرح اکثر جاری رہے گا،



گاندھی جی نے ۱۹۲۰ء مین جو خواب دیکھا تھا ۱۹۴۷ء مین اس خواب کی تعبیر ان کو مل گئی، وہی قیدی و زندانی مجرم جو کبھی تختۂ دار کے مستحق تھے، آج تختِ حکومت پر متمکن ہین، اور جو کبھی باغی قرار دیئے جاتے تھے آج اُنہی کو حکومت کی عنان سپرد کی جارہی ہو لیکن یہ تاریخ کا نیا واقعہ نہین، دنیا مین ہمیشہ یہی ہوا ہو اور ہمیشہ یہی ہوتا رہے گا،



اس کے ساتھ اگر کوئی یہ سمجھ لے کہ اس سے ہندوستان کی سطح مین سیاسی سکون پیدا ہو جائے گا، تو وہ سخت غلطی کا ارتکاب کریگا، دنیا مین نہ کبھی کسی انقلاب سے سب نے موافقت کی ہے، اور نہ اس پر قناعت کی ہو، کانگریس کے پیچھے پیچھے سوشیلزم کا انقلاب اور اس کے پیچھے کمیونزم کا سیلاب آنے والا ہو، جس طرح کانگریس نے سابق حکام سے آزادی چاہی، اور گویا پائی، اسی طرح آیندہ کانگریسی حکام کے مظالم کے نام سے سوشیلسٹ اٹھین گے اور سوشیلسٹون کے مظالم کے خاتمہ کے لئے کمیونسٹون کا گروہ آگے بڑھے گا،



مجھے اس موقع پر محمد علی مرحوم کا ایک فقرہ یاد آیا، ۱۹۲۰ء کے دسمبر مین گاندھی جی جب سوراج دلا رہے تھے مین نے مرحوم سے کہا کہ مبارک! آپ کی قید و بند کا زمانہ ختم ہو رہا ہے، اب آپ ہی حکمران ہون گے، فرمایا مجھے اطمینان

کہان نصیب! اب جو فریق برسر حکومت آئے گا اوس سے لڑنا پڑیگا، اور اب وہ ہم کو قید خانون مین بھیجا کریگا، موجودہ سوراج کے عہد مین دوسری سیاسی پارٹیون سے جو سلوک ہوگا یا ہونا شروع ہوا ہے، وہ اس پشینگوئی کی صداقت کی دلیل ہے، اور یہ طبعی ہے،

اس نقطہ پر سب سے اہم مسئلہ ہندو مسلمانون کی مصالحت اور مفاہمت کا ہے، اس مصالحت اور مفاہمت کے بغیر ہندوستان مین سکون پیدا نہین ہوسکتا، اور نہ ہندوستان یہ دعوی کر سکتا ہے، کہ وہ کل ہندوستانیون کی حکومت ہے، بلکہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ پہلے انگریزون کی حکومت تھی، اب کانگریسیون کی ہے اور اس کا لازمی نتیجہ ملک مین نئے نئے فتنون اور فسادون کا پیدا ہونا ہے،

چنانچہ اس کا بدترین مظاہرہ، کلکتہ، ڈھاکہ، بمبئی، احمدآباد، الہ آباد اور آگرہ مین ہوا اور ہورہا ہے، ہندو ہون یا مسلمان اس خونی سیلاب کی رو سے نہ وہ ملک مین کوئی انقلاب کرسکتے ہین، اور کسی اکثریت کو اقلیت سے بدل سکتے ہین، نہ اس سے مصالحت کی شرطون مین آسانی پیدا ہوسکتی ہے، بنگال کی لیگی وزارت اور بمبئی کی کانگریسی وزارت کے احاطون مین یکسان بلوون کا ہونا دونون ہی کے لئے مشکلات کا باعث ہوا ہے،

ریڈیو کی زبان کے متعلق نئی حکومت کے عہد مین جو فیصلہ ہوا ہے اس سے ہندی اور اردو دونون زبانون کے دعویدار خوش ہین یعنی یہ کہ خبرون کے علاوہ باقی تقریرین یا خالص معیاری ہندی مین ہون گی، یا خالص معیاری اردو مین، معلوم نہین ریڈیو کے بعد عدالتون اور کونسلون اور اسمبلیون اور یونیورسٹیون اور تعلیم گاہون کی زبانون کے متعلق بھی یہی فیصلہ ہوگا، یا اس سے مختلف ہوگا، اس کے معنی یہ ہین کہ اس فریق کی جیت ہے کہ جو ملک مین دو زبانون کا مطالبہ کرتا ہے لیکن اس کے اثرات بہت دور تک پہنچتے ہین، اور ابھی اس پر پوری طرح غور نہین کیا گیا ہے،

مقالات

ضمیمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ

الملقب بہ

دافع الضنک عن الانتفاع بالبینک

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صدر شعبہ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

حامدًا و مُصلیاً، مین گذشتہ مضمون لکھ چکا تھا کہ ایک چھوٹا سا رسالہ نظر سے گذرا جس مین چند تمہیدات کے بعد یہ دعوی کیا گیا ہے کہ بینک کا سودی کاروبار جائز ہے، کیونکہ وہ سود ہی نہین ہے آگے ترقی کرکے فرمایا ہے کہ صرف جائز ہی نہین بلکہ واجب ہے،

رسالہ کے مصنف ایک معقولی فلسفی عالم ہین، اس لئے اُن سے اس کی اُمید تو فضول تھی کہ وہ تمہیدات مین قرآن وحدیث و فقہ سے بھی کوئی دلیل پیش کرنے کی تکلیف برداشت کرین گے، انھون نے وہی کیا، جو اُن سے اُمید کی جا سکتی تھی، کہ منطقیانہ و فلسفیانہ رنگ مین اول یہ مقدمہ قائم کیا، کہ "اسلام تمدنی مذہب بھی ہے، جیسا کہ تبتلی مذہب ہے، اور اس کی دلیل مین اسوۂ محمدیہ (علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ) کو پیش کرتے ہوئے یہ دعوی کر دیا کہ حضرت محمدیت مین تبتل کی شان کے ساتھ ہی ساتھ تمدن کی شان بھی اتنی روشن ہے، گویا گھٹاؤن مین بجلیان چمک

رہی ہیں کبھی اچھے سے اچھے کھانا کھا رہے ہیں، اچھے سے اچھا لباس بھی پہن رہے ہیں بہتر سے بہتر سواریان

ہیں، اعلیٰ سے اعلیٰ جاہ وجلال ہے بڑی سے بڑی نمود ونمایش ہے ایک مسلسل طلب اقتدار ہے، لگاتار

تحصیل اختیار ہے، تعلیم ہے تنظیم ہے تقدیم ہے تتمیم ہے، اور کیا چیز ہے، ایک پکے دنیادارانہ تمدن

میں جو اس ذات طیبہ اور حیات طاہرہ میں مظاہرہ نما نہیں انا للہ وانا الیہ راجعون

اس دلیل کے رد کرنے کی مجھے ضرورت نہیں، یہ خود ہی اپنا رد ہے جس ذات طیبہ اور حیات طاہرہ

کی تمام تر زندگی کی ایک ایک ادا یہ ظاہر کر رہی ہو کہ یہ نبوت ہے، ملوکیت نہیں، عبدیت ہے شہنشاہی نہیں

تکمیل احکام الٰہیہ ہے اپنی نمود ونمایش نہیں، اعلائے کلمۃ اللہ ہے، طلب اقتدار نہیں، خدمت خلق اللہ

ہے تحصیل اختیار نہیں، اخلاص واحسان ہے، نمود ونمایش نہیں، اس میں پکے دنیادارانہ تمدن کو

مظاہرہ نما بتلانا مذہبی فلسفیت اور اسوۂ محمدیہ سے انتہائی ناواقفیت نہیں تو اور کیا ہے،

اس کے بعد دوسرا مقدمہ یہ قائم فرمایا ہے کہ "ربوا یا سود اس لئے حرام ہے کہ وہ جمعیت اور تمدن

کو نقصان پہنچاتا ہے، اور انفرادی دولتیت کو خطرناک صورت میں بڑھاتا ہے" اس کی بھی کوئی دلیل

بیان نہیں کی گئی، محض دعویٰ بلا دلیل پر اکتفا کیا گیا ہے، تیسرا مقدمہ یہ بیان فرمایا ہے، کہ

"بنک جو سود لیتا ہے، وہ سود نہیں بلکہ اس کی حیثیت کچھ تو حق المحنت کی ہے، یعنی وہ

معاوضہ ہے خدام اداروں کی اس محنت کا جس کے بل پر بنک قائم رہتا ہے، اور چلتا ہے، اور کچھ حق الاعانت ہے

یعنی وہ معاوضہ ہے ان لوگوں کی اعانت کا جن کے سرمایوں سے بنک قائم ہوتا اور چلتا ہے کیونکہ بنک کے حصہ داروں کا

گروہ اس غرض سے بنک کو قائم کرتا ہے کہ علاوہ اس کے سرمایوں کی حفاظت کے دوسروں کی اعانت بھی ہوتی ہے"

مگر سوال یہ ہے کہ حرمت ربا کی یہ علت کونسی آیت یا کس حدیث سے آپنے سمجھی؟ اور جس دلیل

سے آپنے بنک کے سود کو حق المحنۃ اور حق الاعانۃ قرار دیا ہے، اسی دلیل سے انفرادی ربا کو حق المحنۃ

اور حق الاعانت کیوں نہیں قرار دیا جا سکتا؟ فرض کیجئے ایک تاجر کسی کو ہزار روپیہ قرض دیتا ہے، اور

سال بھر کے بعد بارہ سو روپیہ یہ کہکر وصول کرتا ہے کہ یہ دو سو روپیہ میری دکان کے ملازمون کا حق المحنت ہے جن کی محنت کے بل پر دکان چل رہی ہے جس کی آمدنی سے مین اس قابل ہو گیا ہون کہ دوسرون کو قرض دے رہا ہون تو فرمائیے آپ کس دلیل سے اس انفرادی سود کو بنیک کے سود سے الگ کر سکتے ہین،؟ تو پھر کیا سود کو ہر حالت مین جائز کیا جائے گا، خواہ انفرادی ہو یا جماعتی ہو، اس کے آپ بھی قائل نہین، تو یہ علت ہی کیا ہوئی، جو اس صورت کو بھی جائز کر رہی ہے، جسے آپ جائز نہین مانتے، بلکہ حرام قطعی تسلیم کرتے ہین، آگے چل کر ربوا کے منافع اور بنیک کے منافع مین جو فرق بیان کیا گیا ہے، وہ لفظی فرق کے سوا اپنے اندر کچھ حقیقت نہین رکھتا، آپ فرماتے ہین:-

"الف، ربوا کا زائد یہ (منافع) فرد واحد کی شخصی ملک ہوتا ہے، بنیک کا زائد یہ (منافع) فرد واحد کی شخصی ملک نہین ہوتا، اور اس کی تقسیم ایک جماعت مین ہوتی ہے، جو بنیک کی مالک اور منتظم ہوتی ہے، اور اس سے جمعیت کی دولت مین اضافہ ہوتا ہے، یہی حاصل دفعہ ب کا ہے، کہ ربوا کا زائد یہ صرف شخصی دولت مین اضافہ کرتا ہے، بنیک کا زائد یہ خود بنیک کی ادارتی حیثیت کو مضبوط کرنے کا کام آتا ہے الخ"

" سوال یہ ہے کہ جماعت اور فرد مین فرق کا معیار کیا ہوگا؟ یعنی اگر فرد ایک آدمی کو کہتے ہین، تو کیا ایک سے زائد کو جماعت کہا جائے گا؟ اگر نہین تو کیون؟ الاثنان فما فوقہما جماعۃ شرعی فتویٰ ہے کہ دو اور دو سے زیادہ جماعت ہے، اگر آپ کے نزدیک دو آدمی جماعت نہین ہو سکتے تو بتلائیے جماعت بننے کے لئے کتنی مقدار ضروری ہے؟ اور جو مقدار بھی مقرر کی جائے، اس پر دلیل قائم کی جائے، اگر دو کو بھی آپ جماعت مانتے ہین، تو دنیا مین کوئی سود بھی انفرادی سود نہین، کیونکہ عموماً ہر سود خوار کے بی بی بچے ہوتے ہین، جن کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ مین سود کی آمدنی صرف ہوتی ہے، ہر سود خوار کے کچھ ملازم نوکر چاکر بھی ہوتے ہین، جن کا نفقہ اور خرچ اس کے ذمہ ہوتا ہے،

تو یہاں بھی سود کے منافع کی تقسیم ایک جماعت مین ہوتی ہے، اس سے بھی فرد واحد کی نہین، بلکہ جمعیت کی دولت مین اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ اس کی بی بی بچے غنا اور افلاس مین اس کے تابع ہین، اگر باپ غنی ہے تو اولاد بھی غنی کہلاتی ہے، شوہر غنی ہو تو بی بی بھی غنی ہوتی ہے، اس کے مرنے کے بعد وہی اس کی دکان اور جملہ املاک کے وارث ہون گے، اب بتلایا جائے، کہ اس مین اور بنک کے منافع مین کیا فرق ہوا؟ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

"ج ربوا کا زائدیہ (منافع) اس سرمایہ کا پھل ہوتا ہے، جو تجارت نہین کرتا، اس لئے وہ خالص زر کا معاوضہ ہوتا ہے، اور بنک کا زائدیہ (منافع) اس سرمایہ کا نتیجہ ہوتا ہے جو تجارت کرتا ہے، اس لئے وہ خالص زر کا معاوضہ نہین ہوتا، بلکہ تجارت کا بھی معاوضہ ہوتا ہے، اگرچہ بالواسطہ ہوتا ہے"

مگر سوال یہ ہے کہ اگر فرد واحد بھی تاجر ہو، اور وہ کسی تاجر ہی کو قرض دیکر زائد رقم لے، تو اس کو ایسے سرمایہ کا پھل کیون نہین کہا جائے گا، جو تجارت کرتا ہے، تو چاہئے کہ ہر تاجر کو اپنی تجارتی رقم قرض دینے پر زائدیہ وصول کرنے کا حق ہو، خواہ فرد ہو یا جماعت کیونکہ دونون جگہ یہ علت موجود ہے، کہ یہ زائدیہ خالص زر کا معاوضہ نہین بلکہ تجارت کا معاوضہ ہے، پھر فرماتے ہین :-

"د ربوا کا زائدیہ (منافع) ایسے کاروبار کا معاوضہ ہوتا ہے، جو محنت کو غائب کر دیتا ہے، اس لئے وہ جمعیت اور تمدنیت کے لئے قاتل کی حیثیت رکھتا ہے، بنک کا زائدیہ (منافع) ایسے کاروبار کا معاوضہ ہے، جو سرمایہ کے ساتھ ساتھ محنت کو بھی لپیٹے ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ تجارت کو بھی حاوی ہوتا ہے" الخ

یہان بھی وہی سوال ہے کہ اگر انفرادی ربوا مین بھی فرد واحد تاجر ہو تو اس کا زائدیہ بھی سرمایہ کے ساتھ ساتھ محنت کو لپیٹے ہوئے ہی، کیونکہ وہ بھی تجارت کو حاوی ہے، پھر محنت کا انحصار تجارت ہی مین

کیون ہے؟ کیا زراعت اور حرفت محنت نہین؟ پس اگر فرد واحد زراعت پیشہ ہو یا اور کسی قسم کی صنعت وحرفت مین مشغول ہو، اس کا سرمایہ بھی محنت کو ساتھ لپیٹے ہوئے ہے، تو کیا آپ اس کے قائل ہون گے، کہ ہر فرد واحد جس کا سرمایہ محنت سے حاصل ہوا ہو، زراعت سے یا کسی صنعت وحرفت وغیرہ سے اس کو اپنی رقم قرض پر چلا کر سود لینا جائز ہے؟ یقیناً آپ اس کے قائل نہین ہوسکتے، اس لئے یہ دلائل سراسر لغو ہین، جو انفرادی اور جماعتی ہر قسم کے سود کو جائز کر رہے ہین، پھر ان تمام مقدمات سے آپنے صرف ایک ہی پہلو کو ثابت کیا ہے کہ بنک کو ان لوگون سے سود لینا جائز ہے، جو بنک سے قرض لین، دوسرا پہلو ابھی باقی ہے، کہ جو لوگ بنک مین رقم جمع کرکے اس سے سود لیتے ہین، ان کو بنک سے سود لینا کیون جائز ہے؟ کیونکہ یہ رقم جمع کرنے والے نہ سب تاجر ہوتے ہین، نہ سب کا سرمایہ تجارت کا پھل ہوتا ہے، بلکہ وہ تو اسی کو تجارت سمجھتے ہین، کہ بنک مین رقم جمع کرو، اور اس سے سود لو اور یہ سود لینے والے افراد ہی ہوتے ہین جس سے فرد ہی کی دولت مین اضافہ ہوتا ہے نہ کہ جماعت کی دولت مین" اب اگر آپ اس پہلو کو بھی جائز کہین تو مقدمات مذکورہ سب باطل ہوجائین گے اور اگر اس کو حرام کہین تو بنک چل ہی نہیں سکتا اس صورت مین آپ کی تصنیف کا سارا قلعہ ہی منہدم ہوجائے گا"

آگے چل کر آپ نے رباوی کاروبار (یعنی انفرادی سود) اور بنک کے کاروبار مین اور بھی اصولی فرق بیان کئے ہین، مگر وہ بھی سب کے سب اس صورت مین باطل ہو جاتے ہین، جب کہ رباوی کاروبار کرنے والا ایک بڑے کنبہ کا سرپرست ہو، اس کے سب لڑکے اور بھائی بند اس کی دکان یا زراعت مین لگے ہوئے ہون، تو وہ بھی یہ دعوی کرسکتا ہے کہ میرا سودی کاروبار محنتی تجارتی، زراعتی، جمعیتی مزاج کو قوی کرتا ہے، اور میرا کاروبار بھی اپنے اسامیون کو خوشحال بناتا ہے، اس لئے کہ وہ نہیا محنتی تجارتی، زراعتی شان کا عکس اُن پر ڈالتا ہے، واللہ یہ عکس ڈالنے کی بھی ایک ہی کہی' اگر علل تشریعیہ اسی کا نام ہے تو آپ نے علت کو بھی بدنام کیا، اور شریعت کو بھی، اس کے بعد فرماتے ہین کہ

بینک چند وہ مستقل فائدے بھی رکھتا ہے جن کو جمعیت اور تمدنیت کسی طرح چھوڑ نہین سکتی، مثلاً (۱) بینک تجارت کو منظم، مرتفع اور سہل بناتا ہے، اور اس سے تجارت غیر معمولی ترقی کرجاتی ہے (۲) بینک سرمایوں کو گردش دینے کا موثر ترین آلہ ثابت ہوا ہے (۳) بینک دولتون کی بھی کفالت کرتا ہے، چوری اور ڈاکہ زنی کے جرائم مین تخفیف پیدا کرتا ہے (۴) بینک ملازمتون کا ایک نیا وسیع صیغہ کھول کر وسیلۂ معاش کی فہرست مین ایک نیا باب کھولتا ہے اور اس حساب سے بیکاری وبے معاشی مین بڑی تخفیف پیدا کردیتا ہے"

مگر سوال یہ ہے کہ یہ فوائد بذاتِ خود علت ہین، کہ جہان یہ فوائد پائے جائین، وہ کاروبار جائز ہوگا یا پہلے ہر کاروبار کا جواز مستقل دلیل سے ثابت کرنا ضروری ہے، اس کے بعد ان فوائد پر نظر کی جائے گی؟ اگر دوسری صورت ہے تو آپ کو اولاً مستقل دلیل سے بینک کے کاروبار کا جواز ثابت کرنا چاہئے، مگر مین دکھلا چکا ہون کہ آپ کے سب مقدمات کمزور اور نہایت ہی بودے ہین، جن سے بینک کے کاروبار اور ربادی کاروبار مین اصلاً فرق ثابت نہین ہوتا، اور اگر پہلی صورت ہے تو یہ سارے فوائد شراب فروشی مین بھی موجود ہین، شراب کی تجارت آج دنیا مین تمام تجارتون سے بڑھی ہوئی ہے، اس سے تجارت کو بڑا فروغ اور عروج ہورہا ہے، وہ بھی سرمایون کو گردش دینے کا موثر ترین آلہ ثابت ہوا ہے، کہ ہر سال ہندوستان سے کروڑون روپیہ انگلستان اور امریکہ پہونچ جاتا ہے، شراب کی تجارت سے ملازمتون کا بھی وسیع صیغہ کھل جاتا ہے، محکمۂ آبکاری مین جاکر دیکھئے، اتنے ملازم اور مزدور کام کرتے ہین، جو شاید کسی بینک مین بھی نہ ہون گے، آپ کہین گے کہ شراب سے جرائم مین تخفیف نہین ہوتی، مین کہتا ہون کہ بینک سے بھی جرائم مین تخفیف نہین ہوتی، کیونکہ جو لوگ بینک مین روپیہ جمع کرکے سود لیتے ہین، ان مین جمود اور تعطل پیدا ہوجاتا ہے، وہ اسی سود کے سہارے بیکار زندگی گذارتے، اور ہزارون جرائم کا ارتکاب کرتے اور مسلسل کرتے رہتے ہین، اگر یقین نہ آئے، تو ضلع سورت کے دیہات مین

جاکر اُن سیٹھوں کی اولاد کا حال دیکھ لیجئے جن کے بزرگوں نے بنک میں روپیہ جمع کر دیا ہے، اور یہ نوجوان اس کے سود پر زندگی گذارتے، اور دن رات کھیل تماشوں یا بدمعاشیوں میں منہمک رہتے ہیں اگر وہ بنک میں روپیہ جمع نہ کرتے، تو کچھ مدت میں سرمایہ ختم ہو جاتا، اور ان کے جرائم بھی بند ہو جاتے، مگر اب سرمایہ محفوظ ہے، سود آرہا ہے، اور اُن کی رنگ رلیاں روز بروز ترقی پذیر ہیں، اسی طرح چوروں سے پوچھئے تو وہ چوری میں بھی وہی منافع بتلائیں گے، جو آپ نے بنک کے کاروبار میں گنائے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ چوری سے زیادہ سرمایہ کو گردش دینے والا کوئی بھی موثر آلہ نہیں، روزانہ سرمایہ ادھر سے اودھر گردش کرتا رہتا ہے، اور چوری سے زیادہ کوئی کاروبار بھی محنتی کاروبار نہیں راتوں کو جاگنا اور کسی کے گھر میں گھسنا جس قدر ہمت اور محنت چاہتا ہے، ظاہر ہے، بنک اگر تجارت کو ترقی دیتا ہے تو چوری سے ملازمتوں کا صیغہ وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے، ملک میں جس قدر واردات چوری کی زیادہ ہوں گی، اسی قدر پولیس کی بھرتی زیادہ ہوگی" اور ہندوستان کے تاجروں سے پوچھئے تو ان کے نزدیک ترقی تجارت کا سبب جنگ سے زیادہ کوئی بھی نہیں، جنگ کے زمانہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ تاجر لکھ پتی اور کروڑ پتی بن گیا، ٹھیکہ داروں نے اس قدر کمایا کہ بنک والوں نے اُن کے مقابلہ میں کچھ نہیں کمایا، اگر یہ فوائد خود اپنی ذات سے علت جواز بن سکتے ہیں، تو چوری شراب فروشی، اور ناحق کی جنگ کو بھی جائز قرار دینا چاہئے،

اور یہی جواب ہے اس سخت قباحت کا جو کاروبار بنک کی تحریم میں آپ نے دکھلائی ہے کہ

"غیر مسلم قومیں تو اسلام[1] کے اس فتوے تحریم کی بالکل پروانہ کرنے کے سبب بنک کے کاروبار کو پوری قوت اور شدت سے استعمال کر رہی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی قومی دولتیں

---

[1] یہاں سچی بات قلم سے نکل ہی گئی، کہ کاروبار بنک کی تحریم اسلام کا فتویٰ ہے، علمائے اسلام کی من گھڑت نہیں جیسا بارہا آپ کے قلم سے نکل رہا ہے "جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے" ۱۲

ان کو بھی سیلاب اور بیابانی آگ کی مانند لگاتار تیزی سے آگے بڑھاتی جائیں گی، اور اس کے مقابل مسلم قوم کی قومی دولت روز بروز تنزل کرتی جائے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ مسلم قوم ایک دن میدان مالیات میں صفر بن کر رہ جائے گی، اور اس کے بعد اس کی مکمل بربادی قطعی بن جائے گی؛"

پھر آگے اس کا علاج تجویز فرمایا گیا ہے، کہ

"جب اس شدید ترین قباحت کا کوئی دوسرا علاج نہیں ہے، سوائے اس کے کہ بنک کے ذریعہ دولت آفرینی میں تیز ترین اور غیر معمولی اضافہ کیا جائے، تب یہ ایک حقیقت ہی بنک کے کاروبار کو کروڑوں شبہات کے باوجود جائز ثابت کرنے کو بالکل کافی ہوگی، اگرچہ جائز بدرجۂ کراہت ہی کیوں نہ ہو"

مگر سوال یہ ہے کہ کیا غیر مسلم قوموں کی ترقی مال کا واحد ذریعہ صرف بنک کا کاروبار ہے؟ کیا ربادی کاروبار (انفرادی سود) سے ان کو ترقی نہیں ہو رہی ہے؟ جو لوگ بنک قائم کرتے ہیں، کیا وہ پہلے ربادی کاروبار سے ترقی نہیں کرتے، کیا ہندوستان کی بنیا قوم کا ہر فرد ربادی کاروبار سے ترقی نہیں کر رہا ہے؟ اور فلسفۂ اجتماع کا مسئلہ ہے، کہ افراد ہی سے جماعت بنتی ہے، جب ان کے افراد ترقی کر رہے ہیں، تو جماعت کو خودبخود ترقی ہو رہی ہے، تو کیا اسی دلیل سے آپ ربادی کاروبار کو بھی جائز کر دیں گے؟ اور کیا شراب کی تجارت سے یورپ کو ترقی نہیں ہو رہی ہے؟ ذرا محکمۂ تجارت کے اعداد و شمار دریافت کیجئے، کہ سب سے زیادہ آمدنی کس تجارت میں ہو رہی ہے؟ اسی لئے حکومتِ مصر نے باوجود اسلامی حکومت ہونے کے شراب کی تجارت شروع کر دی ہے، اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ اس سال ہندوستان میں مصر سے لاکھوں روپیے کی شراب آئی ہے، افسوس حکومتِ مصر کی اسلامی غیرت کو کیا ہو گیا؟ اور کیا سینما اور فلم سازی سے ان کو ترقی نہیں ہو رہی ہے؟ اگر تحقیق کیجئے گا، تو

معلوم ہوگا کہ بنیک کے کاروبار کی اوس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہین جس کا اندازہ ایکٹرسون کی تنخواہون سے لگایا جاسکتا ہے بنیک مین اس قدر تنخواہ کسی ملازم کو بھی نصیب نہین، جتنی وہان ایک ایک ایکٹر کو دی جاتی ہے، تو کیا ان تمام ذرائع آمدنی کو محض اس دلیل سے جائز کر دیا جائے گا، کہ غیر مسلم قومین تو اسلام کی تحریمات کی بالکل پروانہ کرکے ان ذرائع آمدنی سے سیلاب اور ہوایا پانی آگ کی مانند بڑی تیزی سے مالی میدان مین بڑھتی جارہی ہین، اوران کے مقابل مسلم قوم کی قومی دولت تنزل کرتی جارہی ہے جس کے نتیجہ مین ایک دن مسلم قوم میدانِ مالیات مین صفر بن کر رہ جائے گی؟"

استغفراللہ! اگر یہی ذہنیت ہے تو آگے چل کر آپ کس کس حرام کو جائز کرتے جائین گے؟

تاریخ شاہد ہے کہ اسلام اور مسلمانون نے دوسری قومون کی ترقی مال و دولت پر نظر کرکے کبھی ان کا ساتھ نہین دیا، بلکہ ہمیشہ ان ناجائز ذرائع آمدنی کے خلاف جہاد ہی کیا ہے، جو دنیا مین رائج تھے، حریت اسی کا نام ہے، اور یہ تو سراسر غلامانہ ذہنیت ہے کہ جن ناجائز طریقہ سے دوسری قومین مالیات مین بڑھ رہی ہون، مسلمان اسی طریقہ سے بڑھنا چاہین، اور تاویل وتحریف کے ذریعہ اوس کو جائز کرنے کی سعی کرین، اگر مسلمانون نے اسلام کے ساتھ وہ کیا ہوتا، جو یہود ونصاریٰ نے اپنے مذاہب کے ساتھ کیا کہ

ع زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

تو آج اسلام بھی یہودیت اور نصرانیت کی طرح مسخ ہوکر کچھ کا کچھ بن گیا ہوتا، مگر خدا شاہد ہے کہ ہمارے بزرگون نے زمانہ سازی سے کام نہین لیا، ان کا تو عمل اس پر تھا، ؎

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد
گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ برہم زن

وہ ہمیشہ زمانہ کے خلاف جہاد ہی کرتے رہے، اور یہی ان کی کامیابی کا راز تھا، مولانا!

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جانورون مین سور سے زیادہ بچے دینے والا کوئی جانور نہین، اور اس کے کھانے والے بھی بہت تھوڑے ہین، مگر دیکھئے پھر بھی بکریون اور بھیڑون کا شمار دنیا مین زیادہ ہے حالانکہ وہ روزانہ لاکھون کی تعداد مین ذبح بھی ہوتی رہتی ہین، پس آپ یورپ کے کاروبار بنیک سے مرعوب نہ ہون، بلکہ مسلمانون کو سادہ زندگی اختیار کرنے فضول خرچی اور عیش پرستی سے بچنے اور حلال طریقے سے روزی کمانے اور تجارت و تعلیم و صنعت و حرفت کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دیجئے، اور جو لوگ مسلمانون مین سرمایہ دار اور تاجر یا زمیندار ہین، ان کو زکوٰۃ و عُشر کے باقاعدہ ادا کرنے کی تاکید کیجئے، پھر دیکھئے انشاءاللہ چند ہی دنون مین

یمحق اللہ الربا و یربی الصدقات، — اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے،

کا منظر کھلی آنکھون نظر آجائے گا، اور اگر ان کامون کے ساتھ سب مسلمانون نے احکام الٰہیہ متعلقہ عبادات و معاملات پر بھی عمل شروع کر دیا، تو

لَنْ یَّھْلِکَ مَعَ اللہِ اَحَدٌ، — اللہ کو ساتھ لے کر ہرگز کوئی ہلاک و برباد نہین ہوسکتا،

کا بھی اچھی طرح مشاہدہ ہو جائے گا، پھر آپ تو کہتے ہین، کہ مسلمان بنیک کا کاروبار ترک کرنے سے میدان مالیات مین صفر رہ جائین گے، اور سید طفیل احمد صاحب (علیگ) مرحوم ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ ربا کی کاروبار (انفرادی سود) کو ترک کرکے مسلمان تنزل کی طرف جارہے ہین، اور ایک صاحب یہ کہتے ہین کہ مسلمان پردہ نسوان کی وجہ سے قعر تنزل مین گرتے جارہے ہین، دوسری قومون کی عورتین بی اے، ایم اے، کی ڈگریان لے کر ترقی کے میدان مین مردون کے دوش بدوش کھڑی ہین، مسلمانون کی عورتین پردہ کی وجہ سے تعلیم مین بھی پیچھے اور ترقی مال سے بھی محروم ہین، پردہ نہ ہوتا، تو یہ بھی ڈگریان حاصل کرتین

یا کم از کم سینما اور فلم کمپنیوں مین ایکٹرس بن کر ہی ہزارون روپیے کی تنخواہ پاتین اور اس طرح یہ قوم بھی مالیاتی میدان مین دوسری قومون کا مقابلہ کر سکتی تھی، مصری مسلمان کہتا ہے کہ مسلمانون کو شراب کی تجارت نہ کرنے سے تنزل ہو رہا ہے، ان کو بھی دوسری قومون کی طرح شراب فروشی کرنا چاہئے فرمائیے کس کی بات مانی جائے؟ حیرت ہے کہ آپ نے بنیک کے کاروبار کو صرف جائز ہی نہین، بلکہ واجب بنا دیا ہے، سارے رسالہ مین قرآن سے ایک دلیل بھی پیش کی تو ایسے لغو دعویٰ پر جس کو کوئی جاہل سے جاہل مسلمان بھی تسلیم نہین کر سکتا، فرماتے ہین کہ

"وہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ واجب ہے، اس لئے کہ وہ اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ کے حکم ایجابی کے تحت مین داخل ہے، کیونکہ دولتی قوت بھی ایک قوت ہے،"

برہنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس دورۂ دولتیہ میں دولت ہی مرکزی قوت ہے، باقی ساری قوتین اسی قوت کی شاخین ہین،

ع ناطقہ سر بگریبان کہ اسے کیا کہئے؟

ساری دنیا جانتی ہے کہ دولت کی قوت مین یہودی قوم سب سے آگے ہے، یہودیون کے پاس اتنی دولت ہے کہ سارے یورپ کو خرید سکتے ہین،

اکّالُونَ لِلسُّحت نمبر اول کے سود خوار ہین،

جو قرآن نے اُن کو لقب دیا تھا آج بھی اُن پر صادق ہے، مگر کیا دولت کی قوت نے ان کو کچھ بھی عزت دی؟ حاشا وکلاّ وہ آج بھی دنیا مین اسی طرح غلام ذلیل اور خانمان برباد ہین جیسے ہمیشہ سے تھے، یورپ نے ان کو اپنے یہان سے نکال دیا ہے، اور زبردستی فلسطین مین بسانا چاہتا ہے، اور کوئی قوم بھی اس ذلیل قوم کو اپنے ملک مین جگہ دینے کو آمادہ نہین،

مولانا کو تفسیر قرآن کے میدان مین قدم رکھنے سے پہلے حدیث نبوی پر بھی نظر کرنی چاہئے تھی،

حدیث صحیح مین صاف تصریح ہے،

الا ان القوة الرمی — سن لو کہ (قوت سے) مراد تیر اندازی ہو،

یعنی طاقتِ اسلحہ،

اس زمانہ مین تیر اندازی سب سے بڑی قوت تھی، اس کا نام لے دیا گیا، آج اس کی جگہ بندوق، ریوالور، مشین گن وغیرہ وغیرہ ہین، قرآن مین اس کے بعد ہے

ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم — اور گھوڑے باندھو جس سے خدا کے دشمن اور تمھارے دشمن پر رعب اور ہیبت طاری ہو،

اس کا صاف قرینہ ہو کہ من قوة سے مراد عسکری قوت اور طاقتِ اسلحہ ہو، دنیا جانتی ہے کہ اگر کسی قوم کے پاس دولت کے خزانے بھر پور ہون مگر عسکری قوت اور طاقتِ اسلحہ نہ ہو تو اس سے کوئی قوم بھی مرعوب نہین ہو سکتی، اس کے برعکس اگر طاقتِ اسلحہ کامل ہو، اور دولت زیادہ نہ ہو تو اس کا سب پر رعب قائم ہو جاتا ہے، یہ کتنی بڑی جرات ہے کہ قرآن کی آیت کو ایسے معنی پر محمول کیا جا رہا ہو کہ جس سے مسلمان یہودیون کی طرح صرف سرمایہ دار ہو کر رہ جائین اصل حقیقت کو ظاہر نہین کیا جاتا کہ قرآن مسلمانون کو عسکری قوت اور طاقتِ اسلحہ مہیا کرنے کی تعلیم دے رہا ہے جس سے سلاطینِ اسلام نے غفلت برتی، آج دنیا کی نظرون مین کمزور گنے جانے لگے، کیا ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے پاس دولت کی کمی تھی ؟ ہر گز نہین مگر عسکری نظام اور طاقتِ اسلحہ سے غفلت برتی گئی، یورپ نئے نئے اسلحہ ایجاد کرتا چلا گیا، اور وہ اپنے پرانے اسلحہ پر ہی قانع رہے، یورپ نے عسکری نظام کو مستحکم کیا، یہ اس طرف سے بیفکری برتتے رہے، فریضۂ جہاد فی سبیل اللہ کو فراموش کر بیٹھے، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جو آج ہمارے سامنے ہو، اور افسوس کہ اب بھی سلاطین اسلام طاقتِ اسلحہ مین یورپ ہی کے محتاج ہین، بحری جہاز، ہوائی جہاز، ہر قسم کے اسلحہ یورپ ہی سے خریدین تو خریدین اپنے گھر مین ان کی تیاری کا کچھ سامان نہین، (باقی)

اسلامی نظریۂ سیاست

از

مولانا حیدالزمان صدیقی فاضل دیوبند

(۳)

حریت عامہ اور اسلام سیاست واجتماع کے موجودہ نظریون مین کوئی ایسا نظریہ نہین جو نسلی، قومی، لسانی اور جغرافی حدود وقیود سے آزاد اور ہمہ گیر داعیۂ انسانیت کا حامل ہو، یہی وجہ ہے کہ جمہوریت ہو یا اشتراکیت اپنے مخصوص دائرۂ نفوذ وعمل سے ایک انچ بھی آگے نہین بڑھ سکتی، اور نہ یہ نظریے ہی اپنے اساسی دستور وآئین (کانسٹی ٹیوشن) کے اعتبار سے اس کے مجاز ہین، کہ وہ متعین حدود سے آگے تجاوز کرین،

آج دنیا کے جمہوریت پسند ممالک اگرچہ جمہوریت کے معنی ومصداق مین اتفاق نہ رکھتے ہون، مگر اس امر پر سب متفق ہین، کہ جمہوریت نام ہے ایک ایسے نظام حاکمیت کا جس مین ملک کی مختلف پارٹیون مین اکثریت واغلبیت رکھنے والی پارٹی (مجارٹی) اپنے تمام فیصلے خواہ وہ کتنے ہی اقلیت کش، انسانیت سوز اور ظالمانہ کیون نہ ہون، اقلیت رکھنے والی پارٹیون (منارٹیز) سے بالجبر منوانے کا حق رکھتی ہے، اور مجارٹی کا ہر فیصلہ قانون کا حکم رکھتا ہے، اور ملک کی اقلیتون، یا غیر ملکی اشخاص کے سامنے دو ہی راستے ہین، یا وہ اس ملک کو اپنے وجود سے پاک کردین یا اکثریت کے زیر سایہ ہمیشہ ذلت، غلامی اور محکومیت کی زندگی بسر کرین، (الہجرۃ او الاسرۃ) اس بنا پر جمہوریت کی افادیت (حریت فکر اور حریت اجتماع) ایک مخصوص خطۂ ارض کے غالب اور متسلط عنصر کے لئے تو ہوسکتی ہے، مگر انسانیت مطلقہ کے لئے اس مین

راحت و امن کا کوئی پیغام نہیں ہے،

اشتراکیت (سوشلزم) میں اگرچہ ایک حد تک عمومی داعیہ کار فرما ہے مگر حیاتِ انسانی کے سیکڑوں زوایائے فکر و عمل میں سے صرف ایک ہی زاویہ اس کا منتہائے مقصود ہے، یعنی نظام اشتراکیت نے انسانیت کی فلاح و نجات کو صرف اقتصادی مسئلہ کے حل کرنے اور انسانوں میں معاشی مساوات کے قیام ہی پر منحصر سمجھا ہے، اور ان مادی اغراض کا حصول ہی اس کی حد نظر ہے، اور اس کے سارے نظام سیاست میں صرف یہی روح کارفرما نظر آتی ہے، نیز ان نظامات میں یہ قباحت مشترکہ پائی جاتی کہ ان کا پسِ منظر انسانوں پر انسانوں کا تسلط و تغلب اور سلب حریت انسانی ہے،

اُن کے مقابلہ میں اسلام کا نظریۂ سیاست و اجتماع ہر اعتبار سے ہمہ گیر اور لامحدود حیثیت رکھتا ہے، اس کی افادیت نسلی اور وطنی حدود سے آزاد اور سارے عالم انسانیت کو محیط ہے، نیز اس کی نگاہ کسی ایک شعبۂ زندگی تک محدود نہیں، بلکہ تمام شعبہ ہائے حیات پر مساوی طور پر حاوی ہے اور وہ انسانوں کی فکری، ذہنی، عملی، مادی، روحانی، دنیوی اور اخروی ضروریات میں سے کسی ضرورت سے بھی غافل نہیں،

اسی طرح مسلمان جو اس عالمگیر نظریہ حیات کا علم بردار ہے کسی وصفِ خاص یا کسی ایک مخصوص خطۂ ارض میں نہیں سماسکتا، بلکہ وہ اسلام کی طرح لامکانی لامحدود اور محیط کل ہے، دنیا کی وسعتیں اس کے قلب و نظر کی وسعت میں نہیں سماسکتی ہیں، لیکن اس کے لئے دنیا کی کوئی وسعت کافی نہیں، اس کی وسعت نظر پر اگر کوئی چیز حاوی ہوسکتی ہے تو وہ صرف قادر علی الاطلاق کی ہستی کا تصور ہے،

عقل خود بین دگر و عقل جہاں بین دگر است　　بالِ بلبل دگر و بازوی شاہین دگر است

دگر است آنکہ برد دانۂ افتادہ ز خاک　　آنکہ گیرد خورش از دانۂ پروین دگر است

یہی وجہ ہے کہ اسلام کا موضوع بحث نفس انسانیت ہے، اور وہ دنیا کے انسانوں کو مساوی

طور پر زندہ رہنے کا حق دیتا ہے، حریتِ اجتماع اور حریت فکر کے لحاظ سے انسانون کے کسی گروہ سے ترجیحی سلوک نہین کرنا چاہتا، کیونکہ اسلامی نظریۂ حاکمیت کسی کو اس امر کی اجازت نہین دیتا، کہ وہ احکم الحاکمین کی حاکمیت مین شریک وسہیم بن کر اس کے بندون مین حاکم ومحکوم کی تفریق پیدا کرے اور انسانی گردنین اس کے تخت جلال کے سامنے جھکین، اسلام انسانی حاکمیت مطلقہ کو کسی صورت مین برداشت نہین کرتا، اس لئے اس کا قدرتی نتیجہ حریت فکر انسانی اور مساواتِ عامہ کی شکل مین ظاہر ہوتا ہے،

حاکمیت اور خلافت کا فرق درِاصل خلافت اور حاکمیت دو مختلف چیزین ہین، حاکمیت مین یہ ضروری ہے کہ اپنے احکام دوسرون سے منوائے جائین، مگر خلافت سے مراد نیابت وجانشینی ہے، یعنی خلیفہ کو حاکم کی حیثیت حاصل نہین ہوتی، بلکہ وہ صرف نائب اور ترجمان کی حیثیت رکھتا ہے، اور جن احکام کو وہ دوسرون پر نافذ کرنا چاہتا ہے، خود بھی ان کا اسی طرح پابند ہوتا ہے، اور اس لحاظ سے کہ وہ اس زمین مین خدا کی طرف سے نیابت کے فرائض انجام دیتا ہے، اس کی حیثیت اس مزدور کی سی ہے جو اپنے آقا کی معین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیتا ہے، اور اس اعتبار سے کہ انسانون نے اس کو اس منصب کے لئے چنا ہے، اور اس امانت کا اہل تصور کیا ہے، اس کی حیثیت ایک امین کی ہے، اور اس کا اولین فرض ہے کہ وہ اس امانت کو عدل وانصاف اور مساواتِ عامہ کی صورت مین انسانون کو واپس کرے،

درِاصل اسلامی تصور حاکمیت کی بنیاد ہی انسانی حاکمیت کی علی الرغم خدائے قدوس کی حاکمیت اعلیٰ پر قائم ہے، اور اسلام مین تمام انسان نفس انسانیت کے اعتبار سے مساوی الدرجہ ہین، "کلکم بنو آدم وآدم من تراب" اس لئے اسلام اپنے پیرون کو ہرگز اجازت نہین دیتا کہ وہ انسانون کے کسی گروہ کو اس کے جائز حقوق سے محروم کردین یا اس سے کوئی ظالمانہ سلوک کرین،

عن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگون

يقول لا تعذبوا الناس فانّ الذين يعذبون الناس يعذبهم الله يوم القيمة،

پر ظلم نہ کرو، کیونکہ جو اس دنیا میں انسانوں کو عذاب دیتا ہے، خداوند تعالیٰ قیامت میں اس کو عذاب دے گا،

(اخرجہ ابو یوسف فی کتاب الخراج)

عن معدان بن ابی طلحۃؓ انہ قال من جملۃ خطبۃ عمرؓ اللهم انی اشهدك على امراء الامصار، فانی بعثتهم ليعلّمون الناس دينهم وسنة نبيهم و يقسمون فيئهم و يعدلون عليهم وما اشكل عليهم يرفعونه الیّ (اخرجه مسلم و احمد)

حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا، اے خدا! میں صوبوں کے حاکموں پر تجھے گواہ بناتا ہوں، کہ میں نے ان کو صرف اس غرض کے لئے بھیجا ہے، کہ وہ لوگوں کو دین، اور اپنے نبی کی سنت کی تعلیم دیں، ان میں اموال غنیمت تقسیم اور عدل و انصاف کریں، اگر کوئی مشکل مسئلہ ان کے سامنے آئے تو وہ میرے سامنے پیش کریں

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک تقریر میں ان الفاظ کے ساتھ امراء و حکام سے خطاب کیا،

الا وانی لم ابعثكم امراء ولا جبارين ولكن بعثتكم ائمة الهدى يهتدى بكم ولا تغلقوا الابواب دونهم فيأكل قويهم ضعيفهم (كتاب الخراج)

ہاں! میں نے تم کو امیر اور جابر و قاہر بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ ائمۂ ہدایت بنا کر بھیجا ہے، کہ تم سے رہنمائی حاصل کی جائے، اور رعایا پر اپنے دروازے بند نہ کرو، کہ طاقتور کمزور کو کھا جائے،

خلیفۂ دوم کے یہ الفاظ اس حقیقت باہرہ کا اعلان کر رہے ہین، کہ اسلام مین خلیفہ یا امیر کا منصب صرف یہ ہے کہ وہ تقوی و طہارت اور اخلاق و سیرت کے اعتبار سے دوسرون کے لئے نمونہ ہوتا ہے، اور اس کا فرض ہے کہ وہ لوگون کو دین کی تعلیم دے، اور ان کے اعمال کا محاسبہ کرے کہ کوئی بالادست زبردست پر تشدد نہ کر سکے، لیکن وہ دراصل حاکم نہین ہوتا، بلکہ خدا کی طرف سے ایک محاسب و نگران ہوتا ہے،

حریتِ فکر اور مساواتِ عامہ یہی وجہ ہے کہ خلیفۂ اسلام کو دوسرے لوگوں پر کوئی ترجیحی درجہ حاصل نہین ہوتا، اور نہ اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرون سے اعلیٰ و برتر تصور کرے، بلکہ حریتِ فکر اور حقوق شہریت کے لحاظ سے وہ ایک عام شہری کی حیثیت رکھتا ہے، خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبرؓ نے خلیفہ منتخب ہونیکے بعد جو پہلی تقریر ارشاد فرمائی، اس کے یہ الفاظ عوام کی آزادی رائے اور حریت فکر کے لئے برہان قاطع کی حیثیت رکھتے ہین،

ایھا الناس انی ولیت امر کمو	مجھے تمھارا والی بنایا گیا ہے، حالانکہ مین
لست بخیرکم ایھا الناس انا	تم سے بہتر نہین ہون، اے لوگو! مین
متبع و لست بمبتدع فان احسنت	کتاب و سنت کی پیروی کرنے والا ہون
فاعینونی وان زغت فقومونی	اور اپنی طرف سے کوئی نئی بات دین مین
(ابن سعد)	پیدا کرنے والا نہین، اگر مین ٹھیک ٹھیک
	چلون تو میری مدد کرو، اور اگر غلط راستہ
	پر چلون تو مجھے سیدھا کر دو،

آپ نے ان الفاظ مین عوام کے اس حق کو کھلے لفظون مین تسلیم کیا ہے، کہ اگر خلیفۂ اسلام کوئی غلط راستہ اختیار کرے، تو عوام اس سے بازپرس اور اس کے غلط طرز عمل پر ہر قسم کی نکتہ چینی کر سکتے ہین، فتح شام کے بعد مجلس مشاورت مین ایک مسئلہ کی نسبت اختلاف رونما ہو گیا، حضرت عمرؓ نے

اس موقع پر جن خیالات کا اظہار فرمایا، اس کی مثال آج دنیا کے کسی نظام مین نہیں مل سکتی، فرمایا :-

فانی واحد کاحد کم ولست	مین بھی تمھاری طرح ایک راے رکھتاہون
ارید ان تتبعوا هذا الذی	اور مین یہ نہین چاہتا کہ تم صرف میری خواہش
اھوی، (کتاب الخراج)	کی پیروی کرو،

ان الفاظ مین اس امر کی وضاحت ہورہی ہے، کہ خلیفۂ اسلام صرف اپنی ایک راے دینے کا حق رکھتا ہے، اور اس کو یہ اختیار حاصل نہین، کہ وہ اپنی ذاتی راے کو بالجبر دوسرون سے منوائے، اور نہ وہ معاملاتِ عامہ مین ویٹو کا حق رکھتا ہے،

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ دستور تھا کہ سیاسی مسائل اور احکام و قضایا مین عام مسلمانون سے مشورہ لیا کرتے تھے، اس مقصد کے لئے انھون نے مہاجرین و انصار کی ایک مجلس شوریٰ قائم کی تھی، آپ کے بعد حضرت عمرؓ نے اس طریق کو اور بھی زیادہ وسعت دی، خلافتِ راشدہ کے اس مقدس دور مین عوام کو ہر قسم کے اظہارِ خیال کی عام اجازت تھی، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ مین تحریر فرماتے ہین،

کان من سیرۃ عمرؓ انہ کان	حضرت عمرؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ پیش آمدہ
یشاور الصحابۃ ویناظرھو	معاملات و مسائل مین صحابہ سے مشورہ اور
حتی تنکشف الغمۃ و یاتیہ	بحث و مناظرہ کیا کرتے تھے، یہان تک
الثلج فصار غالب قضایا ہ	کہ مسئلہ سے تاریکی کے پردے اٹھ جاتے،
وفتاواہ متبعۃ فی مشارق	اور یقین کامل حاصل ہوجاتا، یہی وجہ ہو
الارض ومغاربھا، (حجۃ اللہ ج ۱)	کہ ان کے فیصلے اور فتوی مشرق و مغرب

البتہ اگر وہ اپنی فراست اور بصیرت سے کسی چیز کو مسلمانوں کیلئے زیادہ مفید سمجھتا ہے جہانتک عام لوگون کی نگاہ نہین پہونچ سکتی، تو وہ اس وقت تک مشیرون کو سمجھاتا اور ان سے بحث کرتا رہے، جب تک ان پر بھی اس کی مصلحت ظاہر نہ ہو جائے،

اسلام مین مساواتِ عامہ اور حریت فکر ورائے کو زندگی کے ہر شعبہ مین ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ معاشی اور اقتصادی طور پر بھی خلیفۂ اسلام کو مساوی حیثیت حاصل ہوتی ہے، تقسیم اموال مین اس کو یہ حق حاصل نہین کہ وہ اپنے لئے یا کسی رشتہ دار کے لئے دوسرون سے زائد حصہ لے سکے، اسی طرح اس کو یہ اجازت بھی نہین کہ مسلمانون کے قومی فنڈ (بیت المال) سے مشورۂ عام کے سوا ایک حبہ بھی خرچ کرے،

ایک دفعہ حضرت عمرؓ بیمار ہوگئے، اور علاج مین شہد تجویز کیا گیا، مگر شہد بیت المال کے سوا کہین موجود نہین تھا، آپ نے مجمع عام مین جاکر لوگون سے کہا کہ اگر تم سب مجھے اجازت دو تو مین شہد لے لون، ایک مرتبہ آپ نے اپنی نسبت ارشاد فرمایا،

انی انزلت نفسی من مال اللہ	خدا کی مال مین مین نے اپنے آپ کو ایک
بمنزلۃ والی الیتیم ان	یتیم کے والی کا درجہ دے رکھا ہے، کہ
استغنیت استعففت وان افتقرت	فراغت کی حالت مین اس مال سے پرہیز
اکلت بالمعروف،	کرون، اور احتیاج کی صورت مین صرف
(اخرجہ البیھقی)	بقدر ضرورت کھاؤن،

قادسیہ کی لڑائی کے بعد قبائل عرب کی تنخواہین مقرر ہوئین، تو کچھ لوگون نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ امیر المومنین ہین، اس لئے اپنے آپ کو اول درجہ مین رکھین، آپ نے صاف انکار کر دیا، اور فرمایا:-

مالانا فیہ الا کاحدکم۔ اس مال کے استحقاق مین مین بھی عام
(کتاب الخراج) مسلمانون کا ایک فرد ہون،

یہان تک کہ اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمرؓ کی تنخواہ ایک غلام زادہ اسامہؓ بن زید سے بھی کم مقرر کی، اس پر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے عرض کیا کہ جہانتک خدمات ملی اور شرکت جہاد کا تعلق ہو مین کسی موقع پر اسامہ سے پیچھے نہین رہا تو پھر کیا وجہ ہے کہ مجھے اسامہ کے برابر بھی نہین رکھا گیا' حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ

انہ کان احب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منک وکان ابوہ احب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے زیادہ اس سے محبت کرتے تھے، اور تیرے باپ سے زیادہ اس کے باپ سے!

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ درین راہ فلان ابن فلان چیزے نیست

مفتوح اقوام سے حسن سلوک | واقعات عالم کے مد وجزر کا جس قدر عمیق نظر اور متانت فکر سے مطالعہ کیا جائے اسی قدر یہ حقیقت نمایاں ہوتی جائے گی، کہ دنیاے انسانیت کو ہمیشہ جس چیز کی تلاش وجستجو رہی ہے، وہ آج تک اُسے مُیسّر نہین آسکی، قرآن حکیم جو کائنات مین تنہا علوم یقینیہ کا منبع ہے' اور تاریخ الامم مین غور وفکر کرنے کے بعد ہم صرف اس نتیجہ پر پہنچتے ہین کہ زمانہ کے مختلف ادوار مین جب بھی کسی قوم کو عروج وترقی کے مواقع حاصل ہوئے، تو اس نے اپنے حاکمانہ اغراض ومصالح کے پیشِ نظر دوسری اقوام کو مشق ستم بنایا، بلکہ قوم کے کسی مخصوص فرقہ وطبقہ کو اگر اقتدار حاصل ہوا تو اس نے اپنی ہی قوم کے دوسرے فرقون کے ساتھ ایسا سفاکانہ سلوک کیا، کہ نسل انسانی ان کی وحشت وبربریت پر ہمیشہ ماتم کرے گی، رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عیسائیت کی پوری تاریخ اس پر گواہ ہی'

قبیلوی اور نسلی عصبیت، فرقہ وارانہ عناد اور مذہبی تعصب کے جو مناظر اس دور مین دیکھے گئے، اُن کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہین، مگر انسانیت کی تاریخ مین کوئی ایسی مثال نہین مل سکتی کہ کسی قوم نے اپنے جان لیوا اور سخت متعصب دشمنون سے ہمدردانہ سلوک کیا ہو، صرف مسلمان ہی وہ سب سے پہلی اور آخری قوم ہے کہ اُس نے اپنے دشمنون سے بھی مروت و احسان کا بے نظیر سلوک کیا جنھون نے مسلسل اکیس ۲۱ سال تک ان کو ایک لمحہ بھی امن وچین سے نہ بیٹھنے دیا، اور چودہ سال تک مکہ کی بستی مین مسلمانون پر جبر و تشدد کی انتہا کر دی تھی، آخر مین مسلمانون نے تنگ آکر اپنے گھرون اور مال و متاع کو خیر آباد کہا اور مدینہ منورہ کو اپنا مسکن و مستقر بنایا، مگر یہان بھی ان کو دم نہ لینے دیا گیا،

فتح مکہ کا واقعہ اگرچہ اس لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے تاریخ اسلامی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اس واقعہ نے اس کو تاریخ عالم کا ایک بے مثال واقعہ بنا دیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شقی القلب اور سفاک دشمنون سے جن کی خون آشام تلوارون سے اب تک مسلمانون کا خون ٹپک رہا تھا، ایسا فراخدلانہ سلوک کیا کہ دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

سنہ ۸ھ مین افواج اسلامی نے مکہ کی جانب یلغار کر کے اور مکہ معظمہ سے قریب ایک مقام (مرالظہران) مین قیام کیا، ادھر مکہ والون کو معلوم ہوا تو انھون نے چند آدمیون کو جاسوسی کی غرض سے بھیجا جن مین ابوسفیان بھی شامل تھے، اتفاقاً ابوسفیان مسلمانون کے ہاتھ گرفتار ہو گئے، اور بارگاہِ رسالت مین پیش کئے گئے، اور وہ اسی مقام پر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی فوج کو کوچ کرنے کا حکم دیا، تو فوج کو کئی دستون مین تقسیم کر دیا گیا، اور آپ نے حضرت عباس رضی سے فرمایا کہ ابوسفیان کو ایک طرف کھڑا کر دو کہ وہ اسلامی فوج کا مشاہدہ کرے، چوتھے دستہ کے سردار حضرت سعد بن عبادہ تھے، انھون نے ابوسفیان کو دیکھکر یہ نعرہ لگایا،

الیوم یوم الملحمۃ الیوم	آج خونریز لڑائی کا دن ہے، آج
تستحل الکعبۃ،	کعبہ کی حرمت اٹھا دیجائے گی،

آخری دستہ میں خود سردار دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے، ابوسفیان نے سعد ابن عبادہ کے یہ الفاظ آپکے گوش گذار کئے تو آپنے فرمایا :-

کذب سعد ولکن ھذا الیوم	سعد نے غلط کہا ہے آج خدا تعالیٰ
یعظم اللہ فیہ الکعبۃ	کعبہ کی عظمت کو دوبالا کریگا،

اور فرمایا :-

الیوم یوم بر و وفاء	آج احسان اور وفا کا دن ہے،

چونکہ غزوۂ احد میں شہر کے قریب مسلمان شہید ہوئے تھے، اور کفار مکہ نے کچھ لاشون کی بے حرمتی بھی کی تھی، اسلئے مسلمانون نے قسم کھا رکھی تھی، کہ جب ہم ان پر غالب آئین گے تو ایک ایک مسلمان کے بدلے مین اہل مکہ کے دو دو آدمی قتل کرین گے، اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی،

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما	اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو اتنا ہی بدلو جتنا
عوقبتم بہ۔ ولئن صبرتم	تمھارے ساتھ کیا گیا ہے، اور اگر صبر کرو تو یہ
لھو خیر للصٰبرین، (النحل)	زیادہ بہتر ہے،

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالائی مکہ سے شہر مین داخل ہوئے تو ایک شخص نے بلند آواز سے کہا،

لا قریش بعد الیوم	آج سے قریش کا وجود باقی نہ رہے گا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ سنے تو فرمایا،

کفوا عن القوم الا اربعۃ،	سوائے چار آدمیون کے کسی کو قتل
(ترمذی)	نہ کیا جائے،

ان لوگون نے مکہ مین مسلمانون پر جو زیادتیان کی تھین، اُن کے تصور سے بھی سینہ کانپ اُٹھتا ہے، مگر وہی مظلوم مسلمان فاتحانہ طور پر اُس شہر مین داخل ہوئے جس سے وہ بیکسی کی حالت مین نکالے گئے تھے، اگر وہ چاہتے تو ان کینہ پرور اور متعصب دشمنون کا ایک فرد بھی زندہ نہ باقی رہتا، اور جنگ کے آئین کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ان کو ایک ایک کرکے قتل کر دیا جائے، مگر رحمۃ للعالمین کے سامنے جب ان ظالم اور سفاک انسانون کو پیش کیا گیا، تو آپ نے ان کی تمام سفاکیون کو نظرانداز کرکے امن عام کا اعلان کر دیا، اور عام مسلمانون نے ان پر مکمل قابو پالینے کے باوجود اُن کی طرف آنکھ اٹھاکر بھی نہ دیکھا، یہ صرف اس لئے کہ دنیا یہ جان لے کہ اسلام ساری انسانیت کا درد لے کر آیا ہے، اور بلا لحاظ مذہب و ملت تمام نوعِ انسانی کے لئے ہدایت کے ساتھ امن و راحت کا ابدی پیغام ہے،

ہست این میکدہ و دعوت عام است اینجا
قسمت بادہ باندازۂ جام است اینجا

اقوامِ عالم کی تاریخ مین اس قسم کی کوئی مثال نہین مل سکتی، ازمنہ مظلمہ کا ذکر چھوڑیے موجودہ مہذب، و متمدن حکومتون کے جنگی آئین (مارشل کورٹ) کا بغور مطالعہ کیجئے، اور گذشتہ جنگون کی تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالئے، کہ یہان جنگی مجرمون کے ساتھ کیا ذلت آمیز اور ظالمانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے،

یہ صرف زمانہ رسالت کا ایک واقعہ پیش کیا گیا ہے، ورنہ اسلام کے دور اول مین مسلمانون کو جس قدر فتوحات حاصل ہوئین، انھون نے ہمیشہ مفتوح اقوام سے نہایت ہمدردانہ اور فراخ دلی کا سلوک کیا، یہان تک کہ وہ لوگ ان کے بلند اخلاق، شرافتِ نفس اور کردار کی پاکیزگی کو دیکھ کر دل و جان سے ان کی حمایت کا دم بھرنے لگتے تھے، فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت مین فلسطین بھی اسی طرح فتح ہوا، اور خود حضرت عمرؓ نے جس رواداری اور فراخ دلی کا ثبوت دیا، وہ کسی سے پوشیدہ نہین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ جب کسی علاقہ کی طرف لشکر روانہ کرتے تو امیر الجیش کو ہر طرح محتاط رہنے کی ہدایت فرماتے،

عن بریدۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا امر علی جیش او سریۃ اوصاہ بتقوی اللہ الحدیث ۔ (مسلم ج ۲ ص ۸۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر پر امیر مقرر فرماتے تھے، تو اس کو خوفِ خدا کی وصیت کیا کرتے تھے،

غیر مسلم رعایا اور اسلام | جب اسلام متحارب اقوام پر غلبہ پالینے کے بعد ان کے ساتھ احسان، مروت اور رحم دلی کی تعلیم دیتا ہے، تو یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے، کہ ان لوگوں کے ساتھ کسی قسم کا ظالمانہ برتاؤ کیا جائے، جو باقاعدہ طور پر اسلامی حکومت میں رعیت کی حیثیت سے رہتے ہیں، اسلام نے ان کو بڑی فیاضی سے ہر قسم کے حقوق (حریتِ اجتماع اور آزادی فکر) دیئے ہیں،

اسلام میں عصمت اموال و انفس یعنی جان و مال کی حفاظت کے دو سبب قرار دیئے گئے ہیں اسلام اور معاہدہ، اول الذکر صورت تو ہمارے موضوع سے خارج ہے، اور ثانی الذکر یعنی معاہدہ کی تین قسمیں ہیں :-

(۱) عہد الذمہ :- یعنی غیر مسلم اپنے آپ کو مکمل طور پر اسلامی حکومت کے حوالہ کر دیں، اور رعایا کی حیثیت سے نظامِ اسلامی کے ماتحت رہنا منظور کریں،

(۲) معاہدۂ امن :- غیر مسلم، حکومتِ اسلامی میں تجارت یا اور کسی مقصد کے لئے آئیں، اور امن کے طالب ہوں،

(۳) سیاسی معاہدہ :- اہلِ کفر ایک مستقل فریق کی حیثیت سے مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہ کرنے اور عارضی یا مستقل طور پر باہم دوستانہ مراسم قائم رکھنے کا معاہدہ کریں،

جہاں تک اہل الذمہ یعنی رعایا کا تعلق ہے، اسلام نے ان کو ہر طرح کی مذہبی، اقتصادی، معاشی،

اور فکری آزادی عطا کی ہے، اور عام انسانی حقوق مین ان کو مسلمانون کے برابر قرار دیا ہے، اس کے علاوہ معاملاتِ عامہ مین وہ بھی ہر قسم کے نفع و ضرر مین مسلمانون کے ساتھ شریک ہین، یعنی مخصوص عقائد اور عبادات کو چھوڑ کر باقی ان امور مین جن کا تعلق اجتماع (سوسائٹی) سے ہے، وہ بالکل مسلمانون کی طرح ہین،

فان بذلوها فلهم ما للمسلمین	اگر وہ جزیہ دینا قبول کر لین تو پھر ہر قسم
وعلیهم ما علی المسلمین	کے نفع و نقصان مین مسلمانون کے ساتھ
فان قبلوا بذلها (ہدایہ، کتاب السیر)	شریک ہین،

ان کے جان و مال کی حفاظت حکومتِ اسلامی کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ مسلمانون کی جان و مال کی، یہان تک اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے، تو حاکم و محکوم کے امتیاز سے قطع نظر قاتل کو قصاص کے طور پر موت کی سزا دیجائے گی،

قال علی رضی اللہ عنہ من کان	جو ہمارے عہد مین آ جائے، تو اس کا
له ذمتنا فدمه کدمنا ودیته	خون ہمارے خون کے برابر اور اس کی
کدیتنا (رواہ الدارقطنی فی سننه)	دیت ہماری دیت کے برابر ہے،

خلافتِ راشدہ کے عہد مین ذمیون کے حقوق کا اس قدر احترام کیا جاتا تھا، کہ خلیفۂ دوم نے موت سے قبل ذمیون کے حقوق کی حفاظت کے لئے خاص وصیت فرمائی،

عن عمرؓ قال اوصی الخلیفة من	مین اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو اہل الذمہ
بعدی باهل الذمة ان	کے معاملہ مین وصیت کرتا ہون، کہ ان
یوفی لهم بعهدهم وان	کے عہد کو پورا کیا جائے، اور ان کی حفاظت
یقاتل من ورائهم ولا یکلفوا	کے لئے جنگ کی جائے اور اس کی طاقت سے

فوق طاقتھم، (کتاب الخراج) زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈال دیا جائے،

فتح شام کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو ایک فرمان لکھا تھا، جس کے چند الفاظ یہ ہیں:

وامنع المسلمین من ظلمھم	مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے، اُن کو
والاضرار بھم واکل اموالھم	نقصان پہنچانے، اور ان کا مال ناجائز طور
واوف لھم بشرطھم الذی	پر کھانے سے منع کرو، اور جس قدر حقوق
شرطت لھم فی جمیع ما اعطیتھم	تم نے ان کو دیئے ہیں، اور اس ضمن میں جو
(کتاب الخراج)	شرطیں اُن سے مقرر ہوئی ہیں، ان کو پورا کرو'

اسلام کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ سوائے میدان جنگ کے ہر حال میں انسانی جان کے احترام کو ضروری قرار دیتا ہے، اور پھر نفس انسانیت کے اعتبار سے ہر قسم کے طبقاتی، نسلی اور قبیلوی امتیازات سے قطع نظر تمام انسانوں کو ایک ہی نظر سے دیکھنا چاہتا ہے، چنانچہ اس نے مسلمان اور ذمی کے جان و مال میں قانوناً کوئی فرق نہیں رکھا ہے، چنانچہ . . . . قصاص و دیت میں دونوں مساوی درجہ رکھتے ہیں، البتہ بعض ائمہ اس کے خلاف ہیں،

ان ابابکرؓ وعمرؓ کانا یجعلان	حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ یہودی اور نصرانی
دیۃ الیھودی والنصرانی	کی دیت اُن کے معاہد ہونے کی حالت
اذا کانا معاھدین دیۃ الحرّ	میں آزاد مسلمان کی دیت کے برابر
المسلم، (دارقطنی)	قرار دیتے تھے،

اسلامی عدالت میں جب اس قسم کا مقدمہ پیش ہوتا، جس میں ایک فریق غیر مسلم ہوتا تھا، تو قانون شریعت کے مطابق پورے انصاف سے فیصلہ کیا جاتا تھا، اس قسم کے بیشمار واقعات ہیں، کہ مسلمان کے مقابلہ میں غیر مسلم کے حق میں فیصلہ دیا گیا،

اسی طرح مال و جائداد کی حفاظت اور اقتصادی اور معاشی آزادی کے لحاظ سے بھی اسلام نے غیر مسلم رعایا کو مسلمانون کے برابر، اور ان کے اموال کو اموالِ مسلمین کی طرح معصوم قرار دیا ہے، یہان تک کہ خلافتِ راشدہ کے دور مین مفتوحہ ممالک کی زمینین اصل باشندون کے قبضہ مین رہتی تھین، اور مسلمانون کو ان کی خریدنے سے منع کر دیا گیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اہلِ عرب کو زراعت سے روک دیا تھا، اور تمام افسرون کے نام احکام بھیجدیئے، کہ مسلمانون کے روزینے مقرر کر دیئے جائین تاکہ کوئی زراعت نہ کرنے پائے، مصر مین شریک ابن سہمی نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو حضرت عمرؓ نے ان کو ان الفاظ مین تنبیہ فرمائی،

"مین تجھ کو ایسی سزا دونگا جو آیندہ نسلون کے لئے عبرت ہو گی"

اسی طرح غیر قومون کی تجارت پر کسی طرح کی پابندی نہین تھی، بلکہ بعض حالات مین مقررہ ٹیکس کی مقدار بھی کم کر دی جاتی تھی، تاکہ باہر کے تجارت پیشہ لوگ ملک مین تجارت کو فروغ دے سکین، حضرت عمرؓ نے شام کے قبطی تاجرون کے لئے جو روغن زیتون اور گیہون کی تجارت کرتے تھے عُشر کو نصف کر دیا تھا، (موطا امام مالکؒ)

اسی طرح حکومت کے ان معاملات مین جن کا تعلق مفاد عامہ سے ہوتا تھا، ان کو رائے دینے کا حق ہوتا تھا، اور ان امور مین جن کا تعلق خود اُن کے معاملات سے ہوتا تھا، ان کی رائے کو ترجیح دی جاتی تھی، چنانچہ عراق کے بند و بست کے سلسلہ مین حضرت عمرؓ نے وہان کے سرکردہ لوگون کی رائے طلب کی تھی، (کتاب الخراج)

جزیہ کی وصولی مین رعایت ذمیوں کے حقوق کی نگرانی اور فوجی حفاظت کے بدلہ مین ان سے نہایت حقیر رقم وصول کی جاتی تھی جس کو جزیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اعلیٰ طبقہ کے لوگون سے ۴۸ درہم (۱۲ روپیہ) سالانہ، متوسط طبقہ سے ۲۴ درہم (۶ روپیہ) سالانہ، اور عام پیشہ ورون سے ۱۲ درہم (۳ روپیہ) سالانہ،

اس کے مقابلہ مین مسلمانون سے زکوٰۃ عشر اور دوسرے صدقات کے طور پر جو رقم وصول کی جاتی تھی، وہ اس سے بدرجہا زیادہ ہوتی تھی،

جزیہ کی اس حقیر سی رقم کی وصولی مین بھی انتہائی احتیاط اور نرمی اختیار کی جاتی تھی، کسی قسم کا جبر نہین کیا جاتا تھا بلکہ ان کو زیادہ سے زیادہ مہلت دی جاتی تھی، اور اگر کوئی نادار اور محتاج ہوتا تو اس کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین حضرت خالدؓ نے حیرہ کے عیسائیون سے جو معاہدہ کیا تھا، اس مین یہ شرط بھی داخل تھی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانۂ خلافت مین اس کا التزام کیا، یعنی ذمیون کے نادارون اور مریضون کے وظائف مقرر کئے گئے،

مسلمانون کے حسن کردار کا ذمیون پر اثر

مسلمانون کے اس منصفانہ طرزِ عمل سے یہ لوگ اس قدر مطمئن تھے، کہ اختلافِ مذہب کے باوجود وہ مسلمانون کی بلندی کردار کی تعریف مین رطب اللسان رہتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ کی خدمت مین ایک وفد آیا، آپ نے ارکانِ وفد سے دریافت کیا کہ غالباً ذمیون کو مسلمان تنگ کرتے ہون گے؟ اس کے جواب مین سب نے یک زبان ہو کر کہا

مانعلم الا وفاءً وحسن ملکۃ — ہم مسلمانون کی نسبت وفا اور حسنِ اخلاق کے سوا کچھ نہین جانتے، (طبری)

فاروق اعظمؓ کے زمانہ مین جب آذربائیجان کا علاقہ فتح ہوا، تو عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو اس علاقہ کا گورنر بنایا گیا، ایک دفعہ ایک سابق بادشاہ کا ایک شاہزادہ اُن کے پاس آیا، اُس کے ہاتھ مین ایک نہایت خوبصورت انگوٹھی تھی، عبدالرحمان بن ربیعہ نے دریافت کیا، کہ یہ کہان سے لائے ہو؟ کہا میرے باپ نے ایک حکمران کو لکھا تھا، اس نے ایک بیش بہا ہیرا بھیجا، جو اس انگوٹھی مین جڑا ہے، اگر آپ لینا چاہین تو لے سکتے ہین، عبدالرحمٰن بن ربیعہ نے جواب دیا ہر گز نہین، مسلمان جب کسی ملک پر حملہ کرتا ہے تو اس کا

مقصد لعل وجواہر اور سونا چاندی نہین، بلکہ اعلاے کلمۃ الحق ہوتا ہے، ان کے اس طرز عمل سے شاہزادہ اس قدر متاثر ہوا کہ اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہوگیا، اور کہا کہ اگر کوئی ایمان کا حاکم ہوتا تو مجھ سے جبراً چھین لیتا، مگر مین سمجھتا ہون کہ مسلمان کا کردار بہت بلند ہے،

رومی اگرچہ مذہبًا عیسائی تھے، مگر شام کے عیسائیون نے رومیون کے مقابلہ مین مسلمانون کا ساتھ دیا، اور مسلمانون کے دست راست بن گئے،

فلمّا رأى اهل الذمّة وفاء	جب ذمیون نے مسلمانون کی وفا اور حسن
المسلمين لهم وحسن السيرة	سیرت کو دیکھا تو وہ مسلمانون کے دشمنون
فيهم صاروا اشداء على عدو المسلمين	کے مقابلہ مین سخت اور اُن کے خلاف مسلمانون
وعونا للمسلمين على اعدائهم (فتوح البلدان)	کے حامی بن گئے،
تو نخل خوش ثمرے کیستی کہ باغ وچمن	ہمہ زخویش برید ند با تو پیوستند

بین الاقوامی معاہدات کا احترام | معاہدہ کی تیسری قسم جس کو سیاسی معاہدہ کا نام دیا گیا ہے، وہ معاہدہ ہے جو ایک یا ایک سے زائد اقوام کے ساتھ عمل مین آتا ہے، خواہ یہ معاہدہ مستقل اور غیر معین عرصہ کے لئے ہو، یا معین مدت کے لئے اسلام مین ایسے معاہدات کا احترام ہر حال مین ضروری ہے، جبتک کہ دوسری طرف سے نقض عہد کی ابتدا نہ ہو، مگر دوسری طرف سے اگر نقض عہد ہو تو اس صورت مین کسی اخلاقی ضابطہ کی رو سے معاہدہ کی پابندی لازمی نہین ہوتی، اس بنا پر قرآن کریم بھی مسلمانون کو اجازت دیتا ہے، کہ وہ اس صورت مین عہد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دشمنون کے مقابلہ مین کھڑے ہوجائین،

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً	اگر آپ کو کسی قوم سے نقض عہد کا اندیشہ ہو
فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ	تو آپ بھی اُن کے معاہدہ کو ان کے منہ
	پر پھینک مارین،

موجودہ اقوام بین الاقوامی معاہدات کی جس طرح مٹی پلید کرتی رہتی ہیں، وہ انسانیت کی پیشانی پر بدنما داغ اور اخلاق و شرافت کے لئے باعثِ ننگ ہے، ان کے نزدیک معاہدہ کمزوریوں اور مجبوریوں کی پیداوار ہے، اور مجبوری ختم ہوتے ہی معاہدہ کی قدر و قیمت کاغذ کے پرزے سے بھی کم رہ جاتی ہے، اس کی وجہ اقوامِ حاضرہ کی مادہ پرستی اور اخلاق و روحانیت سے بے نیازی ہے، جن قوموں میں قومی اور اجتماعی مقاصد کی خاطر بڑے سے بڑا جرم بھی نیکی اور ثواب کا درجہ رکھتا ہے، اُن سے یہ کسی طرح بعید نہیں کہ وہ کسی ایسے مفاد کے لئے دو قوموں کے شریفانہ معاہدہ کے پرزے اڑادیں، آج نہیں بلکہ ہمیشہ سے اہلِ کفر کا یہی شعار رہا ہے،

قَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ	اے مسلمانو! کفر کے سرداروں سے جہاد
لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ	کرو، یہ قسموں کے پابند نہیں ہیں تاکہ وہ
يَنْتَهُونَ،	بدعہدیوں سے باز آجائیں،

اسلامی نظریۂ سیاست کی بنیاد اخلاق اور مابعد الطبیعی تصورات پر ہے، اس لئے اسلام کسی حالت میں عہد شکنی کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ عہد کی پابندی نہ کرنے والوں کو سخت سزا کی دھمکی دی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے معاہد اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کی امداد و اعانت سے بھی منع کر دیا ہے،

وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي	اگر وہ (مسلمان) تم سے دین
الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا	کے معاملہ میں مدد مانگیں، تو تمھارے
عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ	ذمہ مدد کرنا واجب ہے، مگر اس قوم کے
مِيثَاقٌ	مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں باہم
(انفال - ۱۰)	عہدِ صلح کا ہو،

نیز اسلام مین پابندی عہد کی اہمیت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے، کہ اسلامی فوج کا ایک ادنی فرد کفار کے کسی فرد یا قوم سے معاہدہ کرلے، تو اسلام مین تمام مسلمانون پر اس کی پابندی لازمی ہے،

المسلمون تتکافؤ دماؤھم	مسلمانون کے نفوس (شریف و وضیع
ویسعی بذمتھم ادناھم،	کے علی الرغم) قصاص و دیت مین ساوی
(اے اقلھم وھو الواحد)	ہین، ان مین سے کسی ایک کا کفار کے
	کسی فرد یا جماعت سے عہد کرنا تمام
(اخرجہ الدار قطنی وابن ماجہ)	مسلمانون کی طرف سے کافی ہوتا ہے،

(باقی)

انقلاب الامم

ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قومون کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ جس کو پڑھکر یہ معلوم ہوسکتا ہے، کہ دنیا مین قومین کیونکر بنتی اور بگڑتی ہین،

ضخامت ۱۶۲ صفحے، قیمت عہ

روح الاجتماع

موسیو لیبان کی کتاب جماعتہاے انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جس مین انسانی جماعت کے اخلاق، پبلک رہنماؤن کی خصوصیات، اور جماعتون کے بننے بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہین، ضخامت ۲۳۲ صفحے،

قیمت:- ۱۲

"منیجر"

کتابخانۂ اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

کے

چند نادر الوجود مخطوطات

از

مولوی عبد الحمید خان صاحب ریڈر شعبۂ فارسی جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد دکن

"گذشتہ فروری مین کانفرنس کے سالانہ جلسہ سے فراغ کے بعد حضرت قبلہ نواب صدر یار جنگ بہادر مدظلہ العالی کے ارشاد سے کتابخانہ سلطان جہان منزل کا فارسی ذخیرہ دیکھنے کی مسرت حاصل ہوئی، جناب ممدوح کا حکم تو یہ تھا، کہ عربی اور فارسی کتابون کی فہرست از سر نو مرتب کردی جائے، مگر میرے حیدر آباد لوٹنے مین صرف چار روز رہ گئے تھے، تین روز کی قصیر مدت مین سب کو فن وار ترتیب دینا اور مختصر سا مختصر نوٹ لکھنا بھی دشوار تھا، اس لئے اپنی حالیہ مشغلہ اور دلچسپی کے لحاظ سے فارسی کتابون مین نفس اُن کی نایابی یا ان کی تحریر کی مدت یا خط کی خوبی وغیرہ کسی حیثیت سے جو نادر اور کمیاب نسخے نظر آئے، خاص کر ان پر عاجلانہ مطالعہ کے بعد جیسے کچھ توضیحی نوٹ بن پڑے لکھ کر جناب ممدوح کی خدمت مین پیش کر دئے، مین جانتا ہون کہ ان مین بہت کچھ اضافہ کی گنجایش ہے جس کو مجھ سے زیادہ فرصت اور قابلیت رکھنے والے اصحاب انشاء اللہ پوری کر دینگے،

پھر بھی اس ناچیز کی حوصلہ افزائی کے لئے جناب ممدوح نے از راہ بزرگانہ شفقت یہ عبارت تحریر فرمادی جس کو تبرک کے طور پر مین نے اپنے پاس رکھ لیا ہے،

"مین نے فہرست ہذا پڑھی، کاوش اور تحقیق سے لکھی گئی ہے، جس کی بابتہ شکریہ بجانب فہرست نگار کا نفرنس ادا کیا جاتا ہے،

(حبیب الرحمٰن سکرٹری)

مندرجہ کتابون پر میرے اپنے ترتیبی نمبر ہین، کتبخانہ کی فہرست مین ان کے نمبر اور ہین، وما توفیقی الا باللہ،

(۱) مثنوی ولدی در بیان اسرار احدی، اس مجموعہ مین دو مثنویان ہین، جو حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ کے فرزند حضرت سلطان ولد کی تصنیف ہین،

پہلی مثنوی کا وزن "فاعلاتن مفاعلن فعلن" ہے،

سلطان ولد نے اوس کی جو وجہ تصنیف لکھی ہے، وہ انہی کے الفاظ مین زیادہ لطف دیگی،

"غرض از انشار این مثنوی ولدی در بیان	(ترجمہ ملخصاً) مثنوی ولدی در بیان اسرار
اسرار احدی آن بود کہ حضرت والدم و	احدی لکھنے کی غرض یہ تھی کہ حضرت والد
شیخم سلطان العلمار و العارفین جلال الحق	نے اپنی مثنوی مین پچھلے اولیار کے جو قصے
والدین محمد بن محمد بن الحسین البلخی، در مثنوی	ان کی کرامات و مقامات بیان کئے ہین،
خود قصہ ہای اولیای گذشتہ را ذکر کردہ است و کرامات و مقامات	اس سے ان کا مقصد اپنے کرامات و مقامات
ایشان را بیان فرمود غرضش از قصہ ہای ایشان اظہار کرامات	اور ان اولیاء کے (کرامات و مقامات)
و مقامات خود بود و آن اولیای کہ ہمدل و ہمدم و ہمنشین او	کا اظہار تھا، جو ان کے ہم دل، ہمدم اور
بودند مثل سلطان الواصلین سید برہان الدین	ہم نشین تھے اس لئے اپنے اور ان کے

محقق ترمذی، وسلطان المحبوبین المعشوقین
شمس الدین تبریزی وقطب الاقطاب
صلاح الدین زرکوب قونوی وزبدۃ
الاولیاء والسالکین، حسام الدین چلپی
ولد اخی ترک قونوی........
احوال خود را واحوال ایشان را بواسطہ
قصہ ہاے پیشین را آنجا درج فرمود،

خوشتر آن باشد کہ سر دلبران
گفتہ آید در حدیث دیگران

لیکن چون بعضے را آن فطانت وزیرکی
نبود کہ مقصود قصہ حال را فہم کنند و غرض او را
بدانند، درین مثنوی مقامات وکرامات
حضرتش وازان مصاحبان کہ ہمدم او بودند
........شرح کردہ شد تا مطالعہ کنندگان
مستمعان را معلوم شود کہ آن ہمہ احوال او
ومصاحبانش بودہ است تا شبہہ و گمان
از ایشان برود"

احوال کو پچھلے بزرگون کے قصون کے
پردہ مین درج کیا، لیکن چونکہ بعض
لوگون مین اتنی زیادہ سمجھ نہین ہوتی
کہ ان حالات اور (ان کو پردہ مین
بیان کرنے کی) غرض کو سمجھ سکین،
اس لئے اس مثنوی مین حضرت والد
اور اُن کے ہمدم مصاحبون کے مقامات
وکرامات کی تشریح کی گئی، تاکہ پڑھنے
اور سننے والون کو معلوم ہو جائے، کہ
(قصون کے پردہ مین بیان کئے ہوئے)
حالات خود ان کے اور ان کے ہم نشینون
کے ہین، اور (ان کے متعلق) جو شبہات دل
مین ہون دور ہو جائین،

اس مثنوی کا آغاز ابتداے ربیع الاول ۷۹۰ھ مین ہوا، اور تکمیل اسی سنہ کی چوتھی جمادی الآخرہ کو یعنی دو مہینے مین ختم ہوئی،

مطلع این بیان جان افزا　　بود در ششصد و نود یارا
گفتہ شد اول ربیع اول　　گر فزون گشت این مگر اطول
مقطعش ہم شدست اے فاخر　　چارمین مہ جمادی آخر

دوسری مثنوی کی بحر وہی ہے، جو مثنوی مولانا روم کی ہے، اس کی وجہ تصنیف یہ لکھتے ہین کہ

بزرگے از بزرگان اہل دل بطریق اعتقاد داشت دعا کرد و التماس نمود کہ بوزن الٰہی نامہ خواجہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ کتابے انشا فرمودہ توقع است کہ بر وزن مثنوی خداوندگار مولانا قدس سرہ العزیز مثنوی انشا فرمائید جہت خاطر دوستان کہ بران وزن از خواندن بسیار خوکردہ اند، و این وزن در طبعشان نشستہ است کتابے دیگر باید، زیرا کہ ہر نظم کہ گفتہ آید بطریق تتبع و تشبہ حضرتش بودہ است ہم برین وزن کتابے ساختن اولیٰ بود زیرا کہ معنی متابعت و مشابہت درین اجل و اکمل است بموجب التماس آن بزرگ و جہت آن کہ نے بحضرت مولانا قدس سرہ العزیز مخصوص و منسوب ست این مثنوی را انتساب آغاز کردہ شدہ

(ملخص ترجمہ) اس مثنوی کے لکھنے کا سبب ہوا کہ ایک اہل دل بزرگ نے عقیدتمندانہ درخواست کی کہ خواجہ سنائی کی مثنوی الٰہی نامہ کے وزن پر تو آپنے ایک مثنوی لکھی ہے (مگر) ہم کو امید ہے، کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی مثنوی کے وزن پر ایک مثنوی اور لکھ دین گے، ان احباب کی خاطر جو اس وزن (کے اشتیاق) ہمیشہ پڑھتے رہنے سے اس کے خوگر ہوگئے ہین، اور یہ وزن ان کے دل نشین ہوگیا ہے، نیز اس لئے کہ اب تک ہر نظم مین آپ نے حضرت مولانا کا تتبع اور تشبہ ملحوظ رکھا ہے، اس وزن پر دوسری مثنوی لکھنے سے متابعت اور مشابہت کا مقصد زیادہ بہتر اور مکمل صورت مین پورا ہو جائے گا، اسی بزرگ کے التماس سے اور اس لئے

بھی کہ (لفظ) نے حضرت مولانا رحمہ اللہ
کے ساتھ مخصوص و منسوب ہے، ! اس
مثنوی کو "بانگ" کے لفظ سے شروع کیا گیا،

اس مثنوی کا آغاز سنہ ہجری میں ہوا، اور تکمیل تقریباً ۵ مہینہ میں اسی سنہ کی ذی الحجہ کو،

رو ولد خامش کش این سر وراز گرچہ داری در درون دریا ے ماز
غرۂ شعبان شد آغاز کتاب در سنہ سبع مائۃ بہر ثواب
در مہ ذی حجہ شد ہم این تمام تا نماند بر خورمعنی عتمام

دونوں مثنویوں میں ہر نظم سے پہلے چند سطری نثر کے عنوانات ہیں، جن میں ان چیزوں کی مختصر تشریح ہے، جن پر اشعار میں خیال آرائی کی گئی ہے،

دونوں کے شستہ اور پختہ الفاظ اور چست بندشیں مصنف کے کمال شاعری اور پختہ مشقی کی دلیل ہیں، پہلی مثنوی کا انداز بیان مولانا رحمہ اللہ کی مثنوی سے اس قدر ملتا جلتا ہے کہ اگر دونوں کے اشعار ملا دیئے جائیں تو فرق کرنا دشوار ہو جائے گا،

پہلی مثنوی کے دیباچہ میں اپنی غزلیات اور ان میں حضرت مولانا کے خیالات اور اسلوب بیان کے ساتھ تشبیہ ملحوظ رکھنے کا بھی ذکر کیا ہے، یہ مثنوی حجم میں دوسری مثنوی سے کم ہے،

اس مجموعہ کی تقطیع متوسط ہے، جدولین کا غذ اور خط بالکل یکساں ہے چند صفحوں کے سوا جو بخط نستعلیق ہیں ساری کتاب بخط نسخ میں ہے، اور ایک ہی شخص کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے، کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا صرف تاریخ اور سنہ کتابت لکھ کر چھوڑ دیا ہے،

"تمت الکتاب سہ شنبہ روز سیزدہم ماہ محرم الحرام سنہ اثنین وستین وسبعمائۃ

(۷۶۲ھ ہجری)

یہ مجموعہ ہر اعتبار سے قیمتی اور قابلِ قدر ہے،

(۲) تحفۃ الاخبار، یہ مدراس، کرناٹک اور میسور کے مقامی حالات کی عمدہ تاریخ ہے، جس کو منشی غلام حسین خان نے ایلیٹ صاحب گورنر مدراس کے عہدِ حکومت مین لکھا ہے، اس مین پانچ فصلین ہین،

پہلی فصل مین ان روسائے کرناٹک کے حالات ہین جو عہد عالمگیری سے ۱۲۱۵ھ ہجری تک برسرِ امارت رہے ہین،

دوسری فصل مین مدراس کے گورنرون اور ان کے طرز حکومت کا ذکر ہے،

تیسری فصل مین انگریزی قوانین کے متعلق اظہار رائے کیا گیا ہے،

چوتھی فصل مین انگریزون کی معاملہ فہمی اور عدل وانصاف کا بیان ہے،

پانچوین فصل مین کرناٹک کے قدیم جاگیردارون اور باجگذار رؤسا کے حالات ہین، یہ حالات وواقعات کس حد تک صحیح اور قابلِ اعتماد ہین، اس کا فیصلہ تاریخ دان ہی بہتر کر سکتا ہے،

زبان صاف وروان ہے، کاغذ قدیم سبزی مائل، خط عمدہ اور تقطیع بڑی صفحات کی تعداد ۱۸۱ سنہ تصنیف ۱۲۳۴ھ مطابق ۱۸۱۵ء نسخہ مکمل و بے عیب ہے،

(۳) لغاتِ عالمگیریہ، فہرست مین اس کا نام صحاح اللغات غلط درج ہوا ہے، مصنف فاضل خان امرائے عالمگیری مین سے ہے، غالبًا دربار شاہی مین تحفۂ پیش کرنے کی غرض سے جیسا کہ دیباچہ مین اشارہ کیا ہے :-

"خانہ تحفۃ و الهدیہ الی الملک الہمام......"

لکھ کر اس کا نام "تحفہ عالمگیریہ" رکھا ہے،

یہ لغت کی ایک محققانہ اور مبسوط کتاب ہے، قرآن مجید، احادیث، رجال و انساب کے لغات نیز مشائخ کے ان محاورات کی تشریح جن مین علماء کو اختلاف رہا ہے، بہت خوبی سے کی ہے، جن الفاظ کے ساتھ تاریخی واقعات یا مذہبی خیالات وابستہ ہین، ان کو پوری تفصیل اور جامعیت سے لکھا ہے، مصنف کو زبان اور بیان پر پوری قدرت حاصل ہے، یہ کتاب کمیاب ہے، دیکھا تو نہین سنا ہے کہ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ مین بھی ہے، تقطیع بڑی ہے، کاغذ قدیم خانی مگر خط زیادہ قدیم نہین معلوم ہوتا، ناقص الآخر ہونے سے سنہ کتابت کا پتہ نہیں چلا،

(۴) مکتوبات حضرت امام ربانیؒ، اس کتاب کا جامع اور مؤلف یار محمد بدخشی طالقانی ہے، بہت عمدہ اور بے عیب نسخہ ہے، محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد مین کسی امیر "ہدایت اللہ خان" نامی کی فرمایش سے لکھا گیا، کاتب کا نام محمد بیگ ہے، سنہ و تاریخ کتابت نمبر ۵، رجب سنہ جلوس، آخری صفحہ پر سید غلام خواجہ جمالی کی مہر اور انہی کے قلم کی لکھی ہوئی عبارت ہے:

"بدست خود مہر کردم شب ۱۷، صفر المظفر ۱۲۷۵ھ"

(۵) تصحیح لغات فرس، یہ کتاب شاہ طہماسپ صفوی کے عہد کی تصنیف ہے، مصنف حسین وفائی نے دیباچہ مین لکھا ہے، کہ اس کے لغات تین رسالون سے ماخوذ ہین، جن مین سے ایک محمد بن محمد فخر الدین ہندو شاہ منشی نے خواجہ محمد غیاث الدین محمد رشید کے نام پر لکھا ہے، دوسرا شمس فخری نے امیر شیخ ابو اسحق بن امیر محمود شاہ انجو کے نام پر، تیسرا شمس الدین محمد کشمیری نے،

اکثر لغات کے شواہد مین اساتذہ کے اشعار بھی درج کئے ہین، یہ لغت ہے تو مختصر سا مگر بہت مفید اور بصیرت افروز ہے، خاص بات یہ ہو کہ ایران مین تصنیف ہوا، ورنہ فارسی کے اکثر مروجہ لغات ہندوستان

مین تصنیف ہوئے ہین،

تقطیع چھوٹی کاغذ باریک اور خط پختہ ہے ۱۰/ شوال ۹۲ھ مین بمقام احمد نگر لکھا گیا ہے،

(۶) در مجالس، مصنفہ سیف ظفر برہان، یہ کتاب ۳۳ ابواب پر مشتمل ہے، ابتدائی دس بابون مین حضرت آدم علیہ السلام سے حضور سرورکائنات علیہ افضل التحیات تک انبیا کے فضائل ہین، باقی مین مذہبی قصص و حکایات، کاتب کا نام محمد طاہر ابن محمد حسین بن شمس الدین محمد ہے، لاہور مین ۴ رجب ۲۶ھ جلوس عالمگیری مین لکھی گئی، نسخہ صاف اور خوشخط ہے،

(۷) ابیات من کلمات الصوفیہ، یہ ایک چھوٹا سا چھوٹی سی تقطیع پر قدیم چھپا ہوا رسالہ ہے جس کو مصنف نے کسی امیر عبد اللہ خان کے دربار تک رسائی کا وسیلہ بنانے کے لئے لکھا ہے، چھوٹی چھوٹی حدیثون، اقوال صحابہ اور کلماتِ صوفیہ کا مفہوم چار چار مصرعون مین ادا کیا ہے، اوپر جلی خط مین حدیث، یا قول صحابی یا کلماتِ صوفیہ لکھے ہین، اور اُن کے نیچے چار مصرعے، دیباچہ عربی مین ہے جس کا صرف ایک ورق رہ گیا ہے، اور کتاب کے آخر مین لگا ہوا ہے،

شاعر کے نام تخلص اور زمانہ کا پتہ نہین چلا، کلام کا انداز ایرانی ہے، اور طباعت بھی وہین کی معلوم ہوتی ہے،

(۸) جنت الفردوس، مذہبی رسالہ ہے، اس کی ۱۳ فصلین ہین جن مین نماز، قرآن خوانی، اور صبر وغیرہ کے فضائل درج ہین، کاغذ اور خط معمولی ہے، مصنف کا نام اور سنہ تصنیف معلوم نہ ہو سکا، صرف اتنا ظاہر ہوا کہ حاجی ابن ترک سلطان کمال الدین کے ایما سے لکھا گیا ہے،

(۹) رسالہ در فقہ فارسی، اول اور آخر سے ناقص ہے، اس لئے مصنف کے نام اور سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا، ص ۱۴۱ کے بعد والے دو صفحے غائب ہین، نکاح، وصیت، اور قصاص وغیرہ کے مسئلے بحوالہ کتب والئہ مختصراً لکھے ہین، مسائل کے ضمن مین بعض ائمۂ فقہ کے حالات بھی درج کر دیئے ہین، اُن کا علم

خانی قدیم اور رسم الخط نسخ ہے اور موجودہ صفحات کی تعداد ۲۶۱ ہے، بہ حیثیت مجموعی رسالہ بہت اچھا اور کارآمد ہے،

(۱۰) گمنام رسالہ، فہرست مین اس کا نمبر ۳۰ ہے، آگے گمنام لکھا ہوا ہے، اس مجلد مین پہلا رسالہ فقہی مسائل کا عربی مین ہے، جس کے نام اور مصنف کا پتہ نہ چلا، دوسرا رسالہ شیخ علی متقی کے رسالہ العبارۃ الفصیحہ فی الوعظ والنصیحۃ کا پہلا حصہ ہے، مصنف کا پورا نام علی بن حسام الدین مشہور متقی ہے، جلد ساز کی غلطی سے صفحہ ۵ اور ۶ کے درمیان ۵ ورق کسی اور رسالہ کے آگئے ہین، جو عربی مین ہین کاغذ چکنا اور قدیم ہے، تقطیع چھوٹی اور خط معمولی،

(۱۱) بدائع الانشاء اس کتاب کے سابق مالک عبدالغنی صاحب نقطہ نما چشتی قادری ساکن ملکنڈہ (ریاست حیدرآباد دکن) نے سرورق پر ایک مختصر سے نوٹ مین داد تحقیق یہ دی ہے کہ بادشاہ ہمایون نے اپنے فرزند عزیز قرۃ العین رفیع الدین حسین کی تعلیم و تربیت کے لئے میر منشی یوسفی سے تصنیف کرائی، لیکن مصنف لکھتا ہے، کہ

"این رسالہ ایست مسمی بہ بدائع الانشاء مشتمل بر محاورات خطابی وجوابی کہ جہت فرزند عزیز قرۃ العین رفیع الدین حسین طال عمرہٗ وسائر طالبان در حیز عبارت و قید کتابت می آید"

اس عبارت کے انداز اور الفاظ کی نوعیت سے صاف ظاہر ہے، کہ یوسفی نے اپنے ہی بیٹے اور دوسرے طلبہ کے لئے یہ انشاء لکھی ہے، ہمایون بادشاہ کا کوئی بیٹا رفیع الدین حسین نامی نہ تھا،

مقدمہ مین قابل مصنف نے انشاء کی تقسیم اس طرح کی ہے :-

"فن انشاء منقسم می شود، بدو قسم یکے توقیعات کہ مضامین آن منطوی بر امثلہ و

آحکام سلاطین و حکام است، و دیگر محاورات کہ تراکیب آن مواد و صور مکاتبات مفاوضات است"

"محاورات منقسم می شود بہ سہ قسم از برائے آنکہ خالی ازان نیست کہ رتبۂ مکتوب الیہ از کاتب بلند تر است یا فروتر یا مساوی است اگر بلند تر است مرافعات گویند اگر فروتر است رقاع و اگر مساوی است مراسلات، و ہر ایک ازین اقسام ثلثہ منقسم می شود بہ خطابی و جوابی"

نمونہ کے طور پر جتنے خطوط اور مراسلات درج کئے ہین، ان مین الفاظ کا حسن انتخاب، فقرون کا دروبست، ان کی شستگی اور پختگی مصنف کی اعلیٰ قابلیت اور پختہ مشقی کا روشن ثبوت ہے، سنہ تصنیف مصنف کے ان اشعار سے ۹۴۰ھ نکلتا ہے،

این نامہ کز دست فنِ انشا بہ نظام کردہ خردش بدائع الانشا نام

تکرار کنی چو نام او را یک بار شک نیست کہ رہ بری بہ سال تمام

بحساب جمل "بدائع الانشا" کے اعداد ۴۷۰ ہوتے ہین، جن کی تکرار سے ۹۴۰ھ ہجری نکلتا ہے،

یہ کتاب بہت کمیاب ہے، یاد اگر غلطی نہین کرتی، تو اس کا ایک نسخہ صرف رامپور کے کتابخانہ مین سنا گیا ہے، و اللہ اعلم بالصواب،

صفحات کی تعداد ۲۶۲ ہے، افسوس ہے کہ اخیر کے ۲۹ صفحے آدھے آدھے دیمک کی نذر ہو گئے ہین کاغذ خانی قدیم اور دبیز ہے، خط نہایت عمدہ اور پختہ نستعلیق،

(۱۲) خمسۂ نظامی اب تک جتنے خمسے نظر سے گذرے، ان مین یہ خمسہ ہر لحاظ سے بہترین ہے اس مجموعہ مین ۴ مثنویان ہین،

مخزن اسرار، خسرو شیرین، لیلی مجنون، ہفت پیکر، سکندر نامہ اور شرف نامہ، مثنوی ہفت پیکر میں سات رنگین تصویرین بھی ہین، جن کے رنگ وطرز سے معلوم ہوتا ہے، کہ راجپوتانہ کے انداز مین بنوائی گئی ہین، خط ایرانی ہے نہایت صاف اور بے عیب، قلم کی شان اول سے آخر تک ایک ہے، جدولین طلائی ہین، شروع کے دو صفحے ایرانی نقاشی اور نازک ترین مو قلمکاری کا بہترین نمونہ ہین،

مجموعہ کے آخری صفحہ پر کاتب نے اپنا نام اور سنہ کتابت لکھا تھا، مگر کسی احمق نے اس کو اس بُری طرح مٹایا ہے، کہ پتہ چلانا ناممکن ہوگیا ہے، ملاحظہ ہو :-

"قد فرغ الکاتب عن تسوید ھذہ الکتاب بعون الملک الوھاب
خمسۃ حضرت شیخ الاسلام قطب المحققین شیخ نظامی قدس سرہ
العزیز علی ید العبد الضعیف الی رحمۃ اللہ الغنی ....
غفر ذنوبہ وستر عیوبہ فی عاشر شھر ربیع الاول سنہ ۹۶۳ھ
ثلاث وستین وتسعمائۃ"

کاتب کی فطرت اور وراثتی روایت کے خلاف ہے، کہ وہ جابجا تصرف نہ کرتا جائے، اس تصرف بیجا و بیجا مین بھی اتفاق سے شعر زمین سے اٹھ کر آسمان پر پہنچ جاتا ہے، ورنہ اکثر و بیشتر تو آسمان سے کھنچ کر زمین ہی پر آرہتا ہے،

ان پانچون مثنویون کے جستہ جستہ مقامات خصوصًا وہ حصے جو جامعہ کے نصاب کے سلسلہ مین برسون سے زیر نظر چلے آرہے ہین، بغور دیکھے، حیرت بھی ہوئی، اور مسرت بھی، کہ یہ مجموعہ سند اول اغلاط سے پاک ہے،

(۱۳) دیوان حافظ، سورت مین ایک مشہور امیر نواب غلام بابا خان گذرے ہین، جن کے نام مرزا غالب کے متعدد خطوط اردوے معلی اور عود ہندی مین موجود ہین، یہ بے نظیر نسخہ انہی کے کتابخانہ

کا ہے، جو ۱۹۱۹ء میں مولوی انوار احمد زبیری مرحوم سفیر کانفرنس کو ان کے زمانہ قیام سورت میں نواب ممدوح کے پوتے نواب میر حفیظ الدین احمد خان نے عطا کیا تھا، سرورق پر نواب میر غلام بابا خان مرحوم سی آئی ای کی مہر ثبت ہے، اور اس سے اگلے صفحہ پر انوار احمد صاحب مرحوم کا لکھا ہوا یہ نوٹ ہے؛

این نسخہ نادر دیوان حافظ از کتاب خانہ نواب میر غلام بابا خان" مرحوم سی آئی ای بہ اجازت نواب زادہ میر حفیظ الدین خان صاحب گرفتم و داخل کتب خانہ سلطان جہان منزل کردم"

(خاکسار انوار احمد زبیری مارہروی مقام سورت ۲ر جنوری ۱۹۱۹ء)

اس کے نیچے نواب میر حفیظ الدین احمد خان نے یہ تحریر لکھ دی ہے :-

"بپاس خاطر محبی انوار احمد صاحب بخشیدم"

(عاصی سید حفیظ الدین خان)

دیوان کے آغاز میں وہی دیباچہ ہے، جو اکثر مطبوعہ نسخوں میں پایا جاتا ہے، آخری صفحہ پر ایک جگہ عبارت بے جوڑ ہو گئی ہے، غالباً کاتب نے کچھ حصہ سہواً چھوڑ دیا ہے، تقطیع متوسط، کاغذ سرخی مائل بادامی بہت دبیز، ہر صفحہ پر طلائی افشان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ کسی شائق امیر کے لئے لکھا گیا ہے، تمام جدولیں رنگین، اور طلائی ہیں، خط بہترین نستعلیق ہے، ابتدا کے ۱۲ صفحوں پر کہیں کہیں روشنائی اڑ گئی ہے، بعض صفحات پر آب رسیدگی کے نشانات بھی ہیں، کہاں اور کب لکھا گیا کس نے لکھا، یہ کچھ پتہ نہ چلا، بہر حال نسخہ بہت قدیم اور نادر ہے،

(۱۴) شرح قران السعدین، یہ حضرت امیر خسرو کی مشہور مثنوی قران السعدین کی نہایت بہترین شرح ہے، جو بعض احباب کی فرمایش سے حضرت شیخ نور الحق محدث دہلوی نے لکھی ہے، یہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر تھے، تیسیر القاری شرح صحیح بخاری کے سوا آپ کی

اور تصانیف بھی ہیں جن میں سے ایک تحقیق الرویا عربی میں ہے، غیر مطبوعہ اور کمیاب ہے، اس کا ایک نسخہ خانقاہ مجددیہ سرہند شریف میں موجود ہے، حضرت شیخ نور الحق حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ سے بیعت تھے، اور خرقۂ خلافت حضرت عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا، مکتوباتِ امام ربانی (جلد سوم) میں مکتوب سوم انہی کے نام ہے،

اس شرح کو اول سے آخر تک حضرت شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے ملاحظہ فرما کر جا بجا جو کمی رہ گئی ہو گی، اُسے پورا کرایا ہے، خود فرماتے ہیں،

"القصۃ تا بزیور قبول .... آن ادب آموز نکتہ سنج موزون نگردید، بہ نظر اعتماد نہ سنجیدم و شایستہ اعتبار ندانستم و بر بسیاری از لطائف کہ از کوتہی اندیشہ بدان نرسیدہ بودم، آن رموز وآن کل آگہی داد"

اس کی تکمیل کی تاریخ حضرت نے خود تحریر فرمائی ہے،

شکر للہ کہ بانجام رسید	شرح ابیاتِ قران السعدین
مشرقی از پئے تاریخ تمام	برہِ تعمیہ رفتی نہ بعین
چشم عیب از میان بردارند	میشود "شرح قران السعدین"

شرح قران السعدین کے اعداد ۱۰۹۴ ہوتے ہیں، ان میں سے ع کے ۷۰ نکال دینے کے بعد ۱۰۲۴ھ رہتے ہیں،

کاتب کے نام اور سنہ کتابت کا کہیں ذکر نہیں تقطیع درمیانی ہے، کاغذ خانی خط صاف اور پختہ کہیں کہیں کرم خوردہ ہے، بڑا نادر اور قیمتی نسخہ ہے،

(۱۵) یوسف زلیخائے جامی ولایتی کاغذ پر ایرانی خط میں لکھا ہوا نہایت خوشخط اور صاف ستھرا نسخہ ہے، اول اور آخر میں کچھ ورق غائب ہیں، بہت قدیم لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے،

(۱۶) منطق الطیر، اس مجموعہ کے متن مین تو حضرت شیخ فریدالدین عطار کی مشہور مثنوی منطق الطیر ہے، اور حاشیہ پر پند نامہ کاغذ وکتابت معمولی،

(۱۷) نمبر ۵۴ (مندرجۂ فہرست) یہ مذہبی قصص و مباحث کا مختصر سا رسالہ ہے، مصنف اور کاتب یا سنہ کا نہ ابتدا مین ذکر ہے، نہ اخیر مین،

(۱۸) نمبر ۲۵ (مندرجۂ فہرست) اس رسالہ کا نہ نام معلوم ہو سکا نہ یہ کہ کس نے اور کب لکھا زیادہ تر انبیاء علیہم السلام کے حالات اور عجائبات خلق مذکور ہین،

(۱۹) تفسیر حسینی، اس کی دونون جلدین بہ خط نسخ ہین، آیات سُرخی سے لکھی گئی ہین، اور تفسیر سیاہی سے، پہلی جلد سولھوین پارہ تک ہے، دوسری قُل اَعُوذُ بِرَبِّ النّاس تک، سب سے اخیر کا ایک صفحہ غائب ہے، اس لئے سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ نہ چلا، تقطیع بڑی ہے، کاغذ حنائی چکنا اور مضبوط،

(۲۰) المعتمد فی المعتقد، یہ کتاب ابو بکر سعد زنگی والی شیراز (۶۲۳ھ تا ۶۵۸ھ) کے عہد کی تصنیف ہے، مصنف نے اس دور کے مسلمانون کے ضعف ایمانی اور اسلامیات کی طرف سے غفلت ولاپروائی کا شکوہ کرتے ہوے ایسی کتابون کی ضرورت پر زور دیا ہے، جن مین تمام ضروری اعتقادی مسائل صاف اور آسان زبان مین لکھے گئے ہون،

ابو بکر سعد زنگی کے نام پر معنون کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے۔

"تا وقع آن در دلہاے عوام افزون تر باشد وخطرآن در دیدہا بحکم تقلید بزرگ تر ازین وجہ آن را بہ ذکر بندہ برگزیدہ خداے باد شاہی بقیہ صالحہ ملوک وسلاطین اسلام، بادشاہ نیازمندوین ترحم دل درویش نواز سلغر سلطان اتابک ابو بکر سعد زنگی کہ ہموارہ در نظر و کنف خداے باد معنون گردانید"

سرورق پر مصنف کا نام امام تورپشتی یا تورپشتی لکھا ہوا ہے، کتاب مین تین باب ہین، اور ہر باب مین دس فصلین،

باب اول در ایمان بخدائے عزوجل،

باب دوم در ایمان بہ فرشتگان وکتابہا وپیغمبران،

باب سوم در مسائل اعتقادی، بر موجب کتاب سنت واجماع امت،

مسائل آسان اور مدلل عبارتون مین لکھے ہین، اس نوعیت کی کتابین بہت کم دیکھنے مین آئین' کس سنہ مین لکھی گئی اس کا پتہ نہین چلا، خط صاف اور عمدہ ہے، صفحات کی تعداد ۴۴۲ ہے،

(۲۱) مظہر الحق فی اباحۃ السماع، یہ رسالہ کمال صفی حسینی قزوینی کی تصنیف ہے، جو سید السادات حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے معتقدین مین سے تھے، ناواقف لوگون کو روایات اور اصطلاحات فقراء کے رد وانکار سے بچانے کے لئے لکھا گیا ہے، خط پختہ ونستعلیق ہے، آخری چند صفحے ضائع ہوگئے ہین، اس لئے سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ نہ چلا،

(۲۲) کلیات حزین، اس مجموعہ مین پہلے قصائد ہین، پھر بہ ترتیب ابجد غزلیات، غزلون کے بعد رباعیات وقطعات ہین، سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ نہ چل سکا، بظاہر بہت زمانہ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے، شروع کے دو صفحون پر خود شیخ حزین کا مؤلفہ دیباچہ ہے، کاغذ ولایتی ہے، کھرا سفید، خط نستعلیق،

(۲۳) نزہتہ الارواح، مصنفہ رکن الدین حسین بن عالم بن ابوالحسن حسینی، تصوف وسلوک مین ہے، ۲۸ فصلین ہین، جن مین مبدا سلوک، معرفت، سلوک، مقامات سلوک، نصیحت سالک، ہدایت، خلقت، وحدت اور نفس وغیرہ کے مباحث ہین،

عبارتین مغلق اور موٹے موٹے لغات سے بھری ہوئی ہین، آخری صفحہ کی تھوڑی سی عبارت

ملاحظہ ہو :-

"مصنف این بدیع لطایف و مولف این غرائب و ظرائف فقیر حقیر حسین بن عالم بن
ابن الحسن الحسینی، ...... کہ این عرائین ابکار یعنی نفائس افکار .... این صنیف اند
بعد ازان کہ از مسند مستقر فطرت مستودع خلقت نزول کردہ اند از کمال طراوت د
نہایت لطافت بغایتے رسید کہ صیانت در شہور سنہ احد عشر و سبعمائۃ (۱۱ ۷) مشاطہ
نشاط فکر بر بساط این بساط گوش و گردن) ہر یک را بزیور فصاحت و بلاغت متوط
و موشح ساخت"۔

عبارتِ مذکور میں سنہ تصنیف ۷۱۱ بتایا گیا ہے، کتاب دبیز بادامی کاغذ پر ہے، تقطیع متوسط اور خط معمولی ہے، آخر سے چند صفحات غائب ہیں،

(۲۴) الجمعات الشاہیہ جلد ششم، اس کتاب میں نویں صدی کے ایک برہانی رفاعی بزرگ سید محمد بن عبد اللہ مخاطب بہ شاہ عالم۔ ہفتہ وار صحبتوں کے حالات اور افادات کو کسی معتقد نے جو اپنے آپ کو "جامع کنوز محمدیہ، جامع ملفوظ مبارک، اور جامع ملفوظات محمدیہ" کے لقب سے یاد کرتا ہے، جمع کیا ہے، زیرِ نظر حصہ یکم محرم ۸۷۰ھ روز جمعہ کے مذاکرے سے شروع ہو کر ۲۰ ذی الحجہ سنہ مذکور کے جمعہ پر ختم ہوا ہے،

ہر جمعہ کی صحبت میں شیخ برہان الدین ملقب بہ میان مخدوم قاری خاص اور جامع کنوز محمدیہ کا ذکر ضرور آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ بالالتزام حاضر مجلس رہا کرتے تھے، کہیں کہیں خواجہ کریم الدین اور شیخ فرید بن دولت شاہ کا بھی ذکر ہے، ایک جمعہ کی مجلس میں باشندگانِ احمد آباد کے ہجوم کا ذکر بھی ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ صحبتیں احمد آباد میں ہوا کرتی تھیں،

اس حصہ میں برہانی (غالباً منسوب بہ قطب عالم سید برہان الدین) کے خاندان کے مختلف

شاخون کے ۴۴ شجرے درج ہین، اور چند رسالے جادو غیرہ کے متعلق ہین،

حضرت قطب عالم کے متعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار (مجتبائی) کے صفحہ ۱۶۸ پر لکھتے ہین :-

"حضرت قطب عالم نبیرۂ مخدوم جہانیان سید جلال بخاری ست از وطن اصلی خود بہ گجرات رفتہ توطن اختیار کردہ نام او سید برہان الدین ست و مشہور در زبان خلائق آن دیار بہ قطب عالم است، روضۂ او سہ کروہی از حیدرآباد ست، وفات او ہشتم ذی حجہ سنہ سبع وخمسین وثمان مائۃ است"

وقت کی تنگی کے باعث کتاب کو بالاستیعاب دیکھنے کا موقع نہ ملا، جستہ جستہ جن عنوانون پر نظر پڑی اُن مین سے چند یہ ہین :-

حقیقتِ فکر، اثباتِ رویۃ ملائکہ، قلبِ سلیم، روزِ قیامت، مناقب صحابۂ کرام، صبر و شکر، مراقبہ، عبودیت، استقامت، فراست، فتوت، حقوق والدین،

ان مین سے ہر ایک پر حضرت شاہ عالم کے ارشادات بڑے عالمانہ اور محققانہ ہین، جامع کتاب ہر موقع پر جن القاب اور جس ادب و احترام سے ان کا نام لیتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موصوف بڑے بلند پایہ عالم اور بڑے عالی مرتبہ صوفی تھے، اور خواص و عوام سب ان کا انتہائی ادب کرتے تھے،

فرصت سے بغور مطالعہ کرنے والے کو اس کتاب مین ایسے مسائل ملین گے، جن کو زوائد سے الگ کرکے یکجا کر دیا جائے، تو تصوف سے ذوق رکھنے والون کے لئے بہت مفید اور دلچسپ ثابت ہون گے،

کتاب مین نہ کہین جامع کا نام ملا، نہ کاتب کا، نہ سنِ کتابت، البتہ سرورق پر ان اصحاب

کے نام مع سنین کے درج ہین، جن کے قبضہ مین نسخہ رہ چکا ہے،

۱- من نعم اللہ علیٰ عبدہ ابن شیخ بہاء الدین،

۲- مالک ملوک اہل بیت النبوی ابوالحسن الحسینی نقشبندی مہر مین ہے "خادم درگاہ ابوالحسن دیوانہ،"

سنہ ۱۱۷۲ ہجری، خادم ابوالحسن ..... درگاہ، دیوانہ،

۳- رسالہ ہائے حضرت شاہیہ از کتاب خانہ نواب نیک عالم خان خواجہ عباد اللہ ہدیہ گرفتہ، در ہراج تاریخ غرۂ جمادی الاول سنہ ۱۱۸۷ ہجری،

۴- این رسالہ جمعات شاہیہ جلد ششم از خواجہ عباد اللہ تا نیا احال فقیر حقیر حسین الدین حسینی بتاریخ غرۂ جمادی الثانی سنہ ۱۱۹۵ ہجری ہدیہ گرفتہ مہر میر حسین سنہ ۱۱۶۴ ہجری،

کلیاتِ فارسی

مولانا شبلی مرحوم کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات کا مجموعہ جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستۂ گل، بوئے گل، برگ گل کے نامون سے چھپے تھے، اس مین سب یکجا کر دئیے گئے ہین، قیمت :- عہ

کلیاتِ اردو

مولانا کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جس مین مثنوی صبح امید، قصائد، جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی کے متعلق لکھی گئی ہین، ..... قیمت :- عہ

وفورِ رزق

از

جناب ڈاکٹر میر ولی الدین استاذ جامعہ عثمانیہ

حق تعالیٰ نے رزق کا خود ذمہ لیا ہے،

وَمَا مِنْ دَابَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا	اور زمین پر کوئی چلنے والا نہین جس کے
عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا،	رزق کا ذمہ اللہ پر نہین،

صرف ذمہ داری پر اکتفا نہین کیا، قسم بھی کھائی ہے، اور قسم پر بھی اکتفا نہیں کیا، مثال سے بھی واضح کیا ہے،

وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ	اور تمھارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے
فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ	سب آسمان پر ہے، سو قسم ہے زمین آسمان
لَحَقٌّ مِثْلَ مَا اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ،	کے رب کی، یہ بات برحق ہے، جیسا کہ تم
(پ ۲۶ - ۱۰ ع)	باتین کرتے ہو،

جملہ را رزاق روزی می دہد	قسمت ہر یک بپیشش می نہد
فی السماء رزقکم نشنیدۂ	اندرین پستی چہ برچفسیدۂ (رومی)

حق تعالیٰ ان لوگون کو بھی رزق دیتے ہین، جو غفلت و معصیت مین مبتلا ہین، فسق و فجور مین چور ہین، پھر وہ جو حق تعالیٰ کی اطاعت در عایت کرتے ہین، وہ کیسے محروم ہو سکتے ہین!؟ دیکھو

جو درخت بوتا ہے، وہی سینچتا بھی ہے، اِ خلقت کو وہی مدد دیتا ہے، اُن کا رزق وہی فراہم کرتا ہے، جو ان کا خالق ہے، پروردگار ہے، اِ مخلوق کے لئے یہ بات کافی ہے، کہ ان کا خالق ان کے لئے بہرحال کافی ہے، وافی ہے، الیس اللہ بکافٍ عبدہ، اِ ایجاد حق تعالیٰ سے ہے، دوام امداد بھی ان ہی سے ہے، اِ تخلیق ان سے ہوئی، رزق کا دینا بھی ان کے ذمہ ہے، ! میں جانتا ہوں، کہ میں جب کسی کو گھر پر دعوت دیتا ہوں، تو اس کے لئے غذا کا بھی انتظام کرتا ہوں، اسی طرح جب حق تعالیٰ نے مجھے اپنی مشیت وارادہ سے پیدا کیا، تو رزق کی ذمہ داری بھی ان ہی پر ہے، اِ ان ہی کے خوانِ کرم سے ہمیں برگ ونوا حاصل ہے، اِ حق تعالیٰ میرے مولیٰ ہیں، آقا ہیں، مالک ہیں، میں ان کا غلام ہوں، اب آقا پر غلام کا نفقہ ضروری ہے، جس طرح کہ غلام پر آقا کی اطاعت واجب ہے، اِ اگر میں ان کا ہو رہوں ان کے سوا نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں، اور نہ کسی کے آگے جبینِ نیاز خم کروں تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنا حق ادا نہ کریں، اِ کیا ان کا یہ قطعی وعدہ نہیں ؟

وَمَنْ یَتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَل لَّہٗ مَخْرَجًا	جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لئے
وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ	نجات کی شکل نکال دیتا ہے، اور اس کو
وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَہُوَ حَسْبُہٗ	ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے، جہاں اس کا
اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ، قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ	گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص اللہ پر توکل
لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا،	کرے گا، تو اللہ اس کے لئے کافی ہے، اللہ
(پ ۲۸ ع ۱۷)	تعالیٰ اپنا سب کام پورا کرکے رہتا ہے، اللہ
	تعالیٰ نے ہر شے کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے،

رزق کا وعدہ قطعی ہے، اِ مجھے حیران وپریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میں اپنا حق عبادت و عبودیت ادا کرتا رہوں گا، پھر ناممکن ہے، کہ وہ مجھے اپنے گھر بلائیں، اور پھر اپنے احسانات سے محروم رکھیں،

وجود بخشی کریں، اور پھر مدد نہ کریں، ہمت کریں، اور اپنے کرم سے محروم رکھیں! اپنا حق (عبادت) مجھ سے طلب کریں، اور میرا حق (رزق) مجھے نہ دیں! وہ کریم ہیں اُن سے معاملہ کرکے کون خسارہ میں رہتا ہے!

مَنْ ذا الذی سألك فحرمته	وہ کون ہے جس نے تجھ سے سوال کیا ہو اور
أو لجأ الیك فاهملته او تقرب	تو نے اس کو محروم رکھا ہو یا تجھ سے ملتجی ہوا ہو
الیك فابعدته او هرب الیك	اور تو نے اس کو بیکار چھوڑا ہو یا تیری قربت
فطردته	چاہی ہو اور تو نے اس کو دور کر دیا ہو یا تیری
(شیخ جیلیؒ)	طرف دوڑ کر آیا ہو اور تو نے اس کو دھتکار دیا ہو

احداً سامع المناجاتی — صمداً کافی المهماتی!
حاجتم از تو بیش می خواہم — زانکہ قاضی جملہ حاجاتی!
شکر فضل تو کے توانم کرد — حافظاتی جمیع حالاتی!
ہر دعائے کہ می کند سعدی — استجب یا مجیب دعواتی! (سعدی)

حق تعالیٰ کے سوا جب میرا کوئی رزق دینے والا نہیں، تو اب میں رزق کے معاملہ میں ساری کائنات سے بے نیاز ہوں، جس روز سے میں نے حق تعالیٰ کو اپنا اللہ قرار دے لیا ہے، اسی روز سے خوف کا بھاری پتھر میرے سینہ سے اٹھ چکا ہے، اب میں قطعاً کسی کا محتاج نہیں نہ مجھے کسی سے امید و رجا ہے، اور نہ کسی سے خوف و ہراس! میرا تعلق راست حق تعالیٰ سے قائم ہو چکا ہے، غیر اللہ سے قطعاً کٹ چکا ہے، حق تعالیٰ میرے لئے کافی ہیں، کفیٰ باللہ وکیلا۔!

رزق از وے جو مجو از زید و عمر — مستی از وے جو مجو از بنگ و خمر
منعمی زو خواہ نے از گنج و مال — نصرت از وے جو نہ از عم و خال

جب سے کہ حق تعالیٰ سے میں نے اپنا رشتہ جوڑ لیا ہے۔ ان ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے، مجھے

اس کا یقین ہو گیا، کہ میرا رزق مجھ پر عاشق ہے، مجھ سے جدا کیسے ہو سکتا ہے! بے حزن و غم، بے فکر و تردد، بے رنج والم، میرا رزق مجھے پہنچ کر رہے گا، عارف رومی نے بھی تو اسی راز کی طرف اشارہ کیا ہے:-

مین توکل کن ملرزان پا و دست رزق تو بر تو ز تو عاشق تر است!

گر ترا صبر بدے، رزق آمدے خویش را چون عاشقان بر تو زدے (رومی)

بہرحال اتباعِ نبوت مین مین رزق کی طلب مین اسبابِ قطعی کی حد تک کوشش بھی کرونگا لیکن اپنے قلب کو فکر و تردد سے فارغ رکھ کر اس کے حصول کا کامل یقین رکھ کر! "اجلوا فی الطلب" کا حکم میرے پیشِ نظر رہے گا، طلب کو رزق کے حصول کا مستقل سبب یا قطعی علت نہ قرار دون گا، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ بعد از طلب می یابم اما نہ بطلب می یابم، یعنی طلب و جستجو مراد یابی کی مستقل علت نہین، معاملہ فضل پر منحصر ہے، ہان جستجو ضرور کی جائے، عادتِ الٰہی یہی ہے کہ حرکت مین برکت دیتے ہین،

بجستجوے نہ یابد کسے مراد دلے

کسے مراد بیابد کہ جستجو دارد!

میرے صحیح عقیدے، صحیح فکر، اور خالص عمل و مجاہدہ نے مجھ مین وہ مقناطیسی قوت پیدا کر دی ہے کہ رزق رواں دواں مضطربانہ انداز مین مجھ تک پہنچ رہا ہے، افراط سے مل رہا ہے، کمی اور قلت کا کوئی شائبہ نہین! وجوہ خیر مین اس کو جتنا خرچ کر رہا ہون، اتنا ہی زیادہ عطا کیا جا رہا ہے، "اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَیْكَ" کا وعدہ پورا ہو رہا ہے نعمتون مین اضافہ ہو رہا ہے، احق تعالیٰ کی عطا غیر منقطع ہوتی ہے!

لاتخش من ذی العرش اقلالا صاحبِ عرش خدا سے قلت کا ڈر مت رکھ

این زمین و سختیان پردہ است و بس اصل روزی از خدادان ہر نفس

کہ اصول دخل اینہا بودہ اند ہم از ینہان می کشاید رزقِ بند!

مین حق تعالیٰ کا ان نعمتون کے لئے جو ہر روز بارش کی طرح مجھ پر برس رہی ہین شکر ادا کرتا ہون اور چاہتا ہون کہ دوسرے بھی ان نعمتون سے سرفراز کئے جائین، وفور رزق مین اس لئے بھی چاہتا ہون کہ شکر نعمت مین "پوشش ہر تنگ دست و فرش ہر ویرانہ" بن جاؤن اور یہ ثابت کردون کہ انفاق و احسان سے رزق مین اضافہ ہوتا ہے، کمی نہین ہوتی، کیونکہ حق تعالیٰ نے اس کا ہمین یقین دلایا ہے،

وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ، — اور جو چیز تم خرچ کروگے، سو وہ اس کا عوض دے گا، اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے،

ز احسان می شود صاحب کرم را دولت افزون تر — بلے ہر جاہ را آب از کشیدن بیش می گردد (لطف)

شکر کے طریقون سے مین اپنی نعمتون مین اضافہ کرتا جاؤن گا، حق تعالیٰ کا یہ قطعی وعدہ ہے جس مین کسی استثنار کی گنجایش نہین، کہ وہ شکر کرنے والے کی نعمتون مین ترقی دیتے ہین،

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ — یعنی شکر کے معاوضہ مین زیادتی نعمت کا حصول بلا تکلف ہے،

اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ

النعمة وحشية قيدوها بالشكر — نعمت ایک وحشی جانور ہے، شکر کی زنجیرون مین اس کو باندھ رکھو،

باز نعمت چو ہست وحشی را — صید از قید شکر کن او را
چون گذاری تو شکر، نستیزد — ور شوی ناسپاس بگریزد

شکر مین یہ بھی داخل ہے کہ نعمتون کا استعمال حق تعالیٰ کی مرضیات کے مطابق کیا جائے جن کامون مین اُن کو صرف کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان ہی مین ان کو صرف کیا جائے، سلب نعمت

کا موجب ہمارا ہی کوئی ناشایستہ فعل ہوتا ہے، حق تعالیٰ نے واضح طور پر ہم کو متنبہ کر دیا ہے۔

ذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا	یہ بات اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی
نِعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا	نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں
مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ	بدلتے، جب تک کہ وہی لوگ اپنے ذاتی
(پ ۱۰ ع ۲)	اعمال کو نہیں بدل ڈالتے۔ اور اللہ تعالیٰ
	بڑے سننے والے اور بڑے جاننے والے ہیں:

اِذَا كُنْتَ فِىْ نِعْمَةٍ فَارْعَهَا

فَاِنَّ الْمَعَاصِىْ تُزِيْلُ النِّعَمْ

(جب تجھے کوئی نعمت حاصل ہو تو اس کی رعایت کر گناہوں سے نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں)

تقویٰ، عمل و مجاہدہ اور صبر و شکر کی وجہ سے حق تعالیٰ کی تمام نعمتیں میری ہیں، اور مجھ میں موجود ہیں، جب بھی مجھے ان کی احتیاج ہوتی ہے، حق تعالیٰ انہیں خارج میں ظاہر فرما دیتے ہیں، ہر اوس نعمت کے لئے جو مجھے مل رہی ہے، میرا قلب حق تعالیٰ کے آگے سر بسجود ہے، از زندگی چشمۂ مسرت کی طرح رواں ہے، اور میری زبان پر یہ نغمہ جاری ہے،

بے لطف تو من قرار نتوانم کرد	احسان تو شمار نتوانم کرد
گر بر تن من زبان شود ہر موئے	یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

(ابو سعید بھئی)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مدرسوں اور اسکولوں کے طالب علموں کے لئے عام فہم اور سادہ زبان میں سرورِ عالمؐ کی سیرت ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت مجلد ۱۲/ غیر مجلد ۱۰/ (طبع چہارم)

دیوانِ عاشق دہلوی

تلمیذ

امیر خسرو دہلوی

از

نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی

میرے مختصر کتبخانہ مین اس دیوان کا ایک قدیم نسخہ ہے، تین ضخیم تذکرۃ الشعراء عاشق دہلوی کے ذکر سے خالی ہین، دو قلمی ریاض الشعراء والہ داغستانی، مجمع الغرائب احمد علی سندیلوی، ایک مطبوعہ مجمع الفصحاء رضا قلی خان متخلص بہ ہدایت،

دیوان خط اور کاغذ دونون کے لحاظ سے پرانا لکھا ہوا ہے، مگر سنہ تحریر نہین، اس لئے کہ نسخہ ناقص ہے، عنوان پر درج ہے "دیوان عاشق دہلوی تلمیذ مولانا حضرت امیر خسرو دہلوی طوطی ہند" اس کے نیچے مہر ہے بخط نستعلیق خوشخط، اس مین نام "عبدہٗ زین العابدین" درج ہے، تقطیع ۸ × ۵ انچہ ہے، تعداد اوراق موجودہ ۷۰ ہے، اور تلمذ کا ثبوت اشعار ذیل سے ہوتا ہے،

عاشق این رنگِ سخن را نہ کجا یافتہ است این ہمہ از چمن خسرو چیدہ گل لعل

ایک قطعہ امیر خسرو کی شان مین لکھا ہے اس کا پہلا شعر ہے،

چو خسرو شاعرے از ہند برخاست کہ قدرِ شاعرانِ اصفہان کاست

مقطع ہے :-

ہمنشیں بس دلیل پیشوائی   کہ عاشق پیرو گفتار دراست

اس دیوان کا قیاساً زیر مطالعہ مؤلف رہنا محسوس ہوتا ہے، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بقلم مصنف لکھا ہوا ہے، قرائن یہ ہیں:

خط کی روش دو قسم کی ہے، شفیعا اور نستعلیق، بسا اوقات نستعلیق میں شفیعا کا رنگ آجاتا ہے، ورق ۴۴ کی پوری غزل ملاحظہ ہو، جو نستعلیق شفیعائی ہے، شعر محتسب دش الخ میں لفظ مینائے اور مستان " اگلے شعر میں لفظ می، خم کی تحریر میں شفیعائی رنگ نمایاں ہے، نیز ورق ۷۴ کی پوری غزل میرے دعویٰ کی شاہد ہے، ورق ۷۰ کا چھٹا شعر ملاحظہ ہو، پہلا مصرعہ نستعلیق ہے، اور دوسرا مصرعہ شفیعائی قلم اور روشنائی اور اگلے شعر کی ایک ہے، ورق ۸۰ کا چھٹا شعر نستعلیق شفیعائی ہے، گویا کاتب دونوں قسم کی تحریر پر پوری قدرت رکھتا ہے، عموماً بعض مصرعوں یا الفاظ کی تبدیلیاں بخط شفیعائی ہیں، کہیں کہیں بعض الفاظ یا مصرعہ کی تبدیلی بخط نستعلیق بھی ہے؛ مصرعہ یا الفاظ کی تبدیلی سے مضمون میں بلندی اور اور چستی پیدا ہو جاتی ہے، اس طرح یہ تبدیلی اصلاح ہے نہ تصحیح؛

پہلے نوشتہ کو قلم زد کرکے دوسرے الفاظ بدلنا مصنف بھی کر سکتا ہے، دوسرا شخص اصلاح تو کر سکتا ہے، مگر قلم زد کرنے کا حق حاصل نہیں، ورق ۸ ملاحظہ ہو، مصرعہ،

چگویم دگر مطلبے نیستم

بخط شفیعائی قلم زد ہے، بجائے اوس کے حاشیہ پر قلم روک کر یہ مصرعہ تحریر ہے، ع

نباشد دگر غیر ازیں مطلبم

ورق ۱۷ کی پشت پر یہ شعر بھی ملاحظہ ہو،

در دیک چشمی کند چشم دگر را دردناک   ہمنشینان را بدرد و رنج دیدن مشکل است

ثانی مصرعہ بغیر قلم زد کئے اس طرح تبدیل کیا ہے،

"مردم یک خانہ را در رنج دیدن مشکل است"

ورق ۱۲ پر یہ ع

"عاشق بہشت را نہ پسند دیگر بہ پیش"

کو بدل کر یہ ع

"عاشق بہشت را نہ پسندید بہر اد"

بنایا ہے، مگر پہلا مصرعہ بھی قلم زد نہیں، ورق ۸۰

خار خارے بہ دل از رشک فتادست مرا — تا بہ طرفِ کلہت جاے گزید گل لعل

اس شعر کا پہلا مصرعہ اس طرح بدلا ہے جو یقینی اصلاح ہے، نہ تصحیح، دیکھو مصرعہ کتنا بلند ہو گیا

خار خارے بہ دل خون شدہ ام افتادہ است

نمونۂ کلام

زہے لبت نشکر خندہ راحت جانہا — گل عذار تو رشکِ گل و گلستانہا

لبت چو گاہِ تکلم گہر بیفشاند — شود پر از گہر آبدار دامانہا

دمیکہ سرو روانِ تو جلوہ گر گردد — ز چوبِ خشک دمد یاد سرو بستانہا

چہ فتنہ است ندانم بچاک دامانت — کہ چاک گشتہ کسانرا ازو گریبانہا

تبسمت نمکے تازہ بر جراحت ریخت — کہ ریختند بچاک سینہ نمکدانہا

دواے دردِ دل ما ز بید وا ہیہات — چرا کشیم عبث منتے ز درمانہا

سرے کہ خاک رہِ دوست گشت چون عاشق

سرے ندارد با ساز و برگ سامانہا

آمد بہار خرم ساغر کشان مبارک — دلہا ز غم سبک کرد رطل گران مبارک

از ابر سایہ افگن شد تازہ صحن گلشن | گردند عندلیبان بر باغبان مبارک
مشاطۂ بہاران رخسار گل بیاراست | آئینہ گشت شبنم ای بلبلان مبارک
باران فگند روغن اندر چراغ لالہ | شد دشت در چراغان بر شب روان مبارک
ساقی پیالہ در کف مطرب نشستہ بادف | خیل طرب زدہ صف اہل جہان مبارک
بادہ غذاے روح ست می باعث فتوح است | آن ساعت صبوح ست پیر مغان مبارک
زاہد بیا بگلشن بر چین ز زہد دامن | بشنو ز کوی و برزن بر میکشان مبارک
تسبیح ریاے امروز از زہد تو بہ نمود | خرقہ بمی بیالود می خوارگان مبارک

عاشق بت تو مست ست جام میش بدست ست
بستان پیالہ از دے کن نوش جان مبارک

مژدۂ اشک بار را نازم | رگ ابر بہار را نازم
نیست در اختیار صبر و خرد | دل بے اختیار را نازم
غنی از سیر لالہ زارم کرد | سینۂ داغدار را نازم
کار ما را بمی کشی بگذاشت | گردش چشم یار را نازم

خاک گردید وجز بخاک نساخت
عاشق خاکسار را نازم

متفرقات

دریا کشیم و چرخ نزیبد ایاغ ما | گم گشتہ ایم و خضر نیابد سراغ ما

لے اس شعر کے ساتھ امیر خسرو کا یہ شعر پڑھو، استاد و شاگرد کی یکرنگی محسوس ہو گی،

خسرو می ست و مطرب تو مست و یار سرخوش | ہان درچنین نشاطے یک رقص عاشقانہ

یکے گل چید از بستان یکے گلدستہ می بندد ۔ تو اے نازک بدن جائے گل گلدستہ ما را

برافتد چون نقاب از ماہ رویت ۔ نیارد دید چشم کس بسویت

دمد از ہر سر خارے گل مطلب بر بہش ۔ بنہد ہر کہ براہ طلبت گامے چند

در دل از پا در خست بحر تجلی موج زد ۔ جوشش نور ست از فوارۂ مژگان ما

مکن فکر علاج درد کمال درد کوشش کن ۔ کہ چون شد درد کامل خود بخود درمان شود پیدا

عاشق از تلخی غم فرہاد وار ۔ مرگ را بر خود چہ شیرین می کنی

نامم ہر کہ بپرسد گویم ۔ عاشق زارے سینہ فگارے

تابعین رض

علم و عمل اور مذہب و اخلاق مین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابۂ کرام رض کے بعد ان ہی کی زندگی مسلمانون کے لئے نمونۂ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہ رض کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس مین حضرت عمر بن عبد العزیز رض حضرت حسن بصری رض، حضرت اویس قرنی رض، حضرت امام زین العابدین رض، حضرت امام باقر رض، حضرت امام جعفر صادق رض، حضرت محمد بن حنفیہ رض، حضرت سعید بن مسیب رض، حضرت سعید بن جبیر رض، حضرت محمد بن سیرین رض، حضرت ابن شہاب زہری رض، امام ربیعہ رائی رض، امام مکحول شامی رض، قاضی شریح رض، وغیرہ چھیانوے اکابر تابعین کے سوانح اُن کے علمی مذہبی اخلاقی اور عملی مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی،

ضخامت ۵۲۰ صفحے، قیمت :- للعہ

"منیجر"

استفسار و جواب

متفرق سوالات

جناب محمد ریاض احمد صاحب رضوی | بخدمت حضرت مولانا مولوی صاحب مد ظلہ
میر لاج تکیہ سادھواں لاہور | السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض ہے کہ براہ مہربانی چند مسائل کا جواب ارشاد فرمائیں، بندہ کو تحقیق حق مقصود ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ جزائے خیر عطا فرمائیں گے،

(۱) میرے والد صاحب میر عبد الرشید صاحب، ٹھیکیدار ہیں، ہر ماہ دوسو روپیہ بچاتے ہیں، ایک سال بعد ۲۴۰۰ روپیہ جمع ہوتا ہے، زکوٰۃ کتنی ادا کی جائے اور کس حساب سے،

(۲) کیا قرآن کی آیت مبارک رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ سے تمام صحابہ مع امیر معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، ابوسفیانؓ والد امیر معاویہؓ، وحشیؓ، نعمان بن بشیرؓ قطعی طور پر جنتی ہیں؟ محمد بن ابی بکرؓ بھی اللہ تعالیٰ گستاخی معاف فرماوے تواریخ سے حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق دل میں بہت شکوک پڑتے ہیں، اس لحاظ سے نہیں کہ انھوں نے حضرت علیؓ کی مخالفت کی بلکہ چالیں جو انھوں نے چلیں، حضرت عمرو بن العاصؓ کا مکالمہ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ، اور اس میں حضرت عمرو بن العاصؓ کا پھر جانا، حضرت نعمانؓ بن بشیر یزید کی حمایت میں تھے، محمد بن ابی بکرؓ جنھوں نے حضرت سیدنا امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ریش مبارک کو پکڑا، اور قاتلین کی جماعت میں شامل تھے، گو بعد میں بھاگ گئے، یہ تمام عمر حضرت علیؓ کے پروردہ تھے، یہ آپس کی

آتی مخالفت سمجھ مین نہین آتی،

(۳) آج مین حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے والا قرآن پڑھتا تھا، تو اس مین سورۂ فاتحہ کی آیت اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنَ کی تفسیر مین یہ لکھا ہوا دیکھا کہ "اگر کسی بزرگ کو غیر مستقل سمجھ کر اور محض واسطۂ رحمتِ الٰہی سمجھ کر مدد مانگی جائے تو وہ عین ذات باری تعالیٰ سے مدد مانگنا ہے" اس مسئلہ کے متعلق مجھے بڑی تشویش ہے، اگر اُن کی زیارت نصیب ہوتی تو ضرور پوچھتا کہ ان آیات کا کیا مطلب ہے

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ

(۲) نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ،

(۳) اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ، (المومن)

(۴) مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی (الزمر)

(۵) یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّھُمْ وَمَا لَا یَنْفَعُھُمْ (الفرقان)

(۶) وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ خَیْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِہٖ (یونس)

(۷) مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ اَوْ تَخْطَفُہُ الطَّیْرُ اَوْ تَھْوِیْ بِہِ الرِّیْحُ، الآیۃ (الحج)

اتنے بڑے بزرگ موحد کے کلام پاک سے ایسی تفسیر، مین تو حیران ہوگیا ہون، کیونکہ یہ تو صریح شرک ہے،

(۴) کیا قرآن کریم مین اب بھی کوئی آیت ایسی ہے جس پر عمل نہ ہو سکتا ہو، منسوخ کے کیا معنی ہین، کتنی آیتین منسوخ ہین، صاحب نور الانوار رحمۃ اللہ علیہ نے ثلث قرآن

منسوخ کہا ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ نے پانچ آیتین منسوخ کہی ہین،

(۵) قرآن مین اہل البیت تو صرف بیویون کے حق مین استعمال ہوا ہے جس مین سے نواسے اور داماد خارج ہین، البتہ لڑکے لڑکیان اور بیویان خاوند، یہ لوگ اہل البیت مین شامل ہین، تو خواہ مخواہ حضرت حسنینؓ و حضرت علیؓ کو شامل کیون کرتے ہین، قرآن کے خلاف کوئی بات بھی قابلِ قبول نہین،

براہ مہربانی ان کا جواب باصواب ارشاد فرمائین، اللہ تعالیٰ اجر عطا فرما دیگا،

معارف:- مکرم السلام علیکم و رحمۃ اللہ،

جوابات حسب ذیل ہین،

۱- پورے چوبیس سو پر زکوٰۃ واجب ہوگی،

۲- صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر جرح و قدح کرنے سے ہر مسلمان کو اپنی زبان روکنی چاہئے، اگر آپ کو ان کا کوئی سیاسی پہلو پسند نہین ہے، تو اس سے اُن کے دیگر فضائل تو محو نہین ہو جاتے، آج ہی دیکھئے کہ علماء اور زعما سیاست مین کس قدر مختلف رائین رکھتے ہین، لیکن اس سیاسی اختلاف سے کسی کے جہنمی یا جنتی ہونے کا فیصلہ یا اخروی فضل کا انکار درست نہین، کیونکہ باوجود ان سیاسی اختلافات کے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہ اپنے مخالفون مین سے کسی کو کافر کہا نہ فاسق کہا، نہ جہنمی بتایا، پھر ہم کو اور آپ کو اس کا کیا حق حاصل ہے؟ ان کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے، آپ سے اُن کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا، آپ اپنی خبر لیجئے کہ آپ سے آپ کے متعلق مواخذہ اور سوال بارگاہِ الٰہی مین ہوگا، تو اس وقت آپ اور ہم کیا جواب دین گے، تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ. (آخر پارہ الم)

۳- حضرت شیخ الہندؒ کا مقصود یہ ہے کہ اگر دعا یون مانگی جائے کہ اے بزرگ آپ خدا کے

کیوں صاحب آپ اور ~~[illegible]~~ راست خدا سے جو کچھ مانگنا ہے کیوں نہیں مانگتے ہو اگر
آپ کی دعا سچے دل سے نکلتی ہے اور خدا ~~[illegible]~~ کو آپ کی خواہش منظور ہے تو دعا ضرور قبول ہوتی۔ کسی ذریعہ
یا وسیلہ کی ضرورت نہیں ہے۔ آخر خدا کا دربار کسی کچہری ڈپٹی نواب یا
کے مانند بادشاہ کا
دربار تو نہیں ہے جہاں
بغیر سفارش قبول ہوتی ہوں
تعالیٰ اگر ایک چیز آپ
آپ کی بھی خواہش پر
نہیں چاہتا تو کیوں
آپ وہاں سفارشیں
کرتے ہیں۔
[illegible] ہمیں بزرگ کی
زندہ یا متوفی بزرگ
کا سہارا لے کر خدا
[illegible] اور سفارشیں
[illegible] ضرورت نہیں
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
~~[illegible]~~
ایک موحد۔

مقبول و محبوب ہیں، آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے، تو ایسا کہنا شرک نہیں، اگر یہ بزرگ زندہ ہیں، اور بالمشافہ اُن سے آپ درخواست کر رہے ہیں، تو ظاہر ہے کہ یہ شرک نہیں، حضرات صحابہ سے یہ ثابت ہے، اور سُنت نبوی میں مذکور ہے، بلکہ قرآن پاک میں بھی اشارہ ہے،

اسی طرح زندہ بزرگوں کو بارگاہ الٰہی میں دعا کے اندر توسل کے لئے پیش کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے جیسے حضرت عمرؓ نے قحط میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عباسؓ کو اپنی دعا میں توسل کے ساتھ پیش کیا، ایک نابینا صحابی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا تعلیم فرمائی، اس میں نبی کریمؐ نے خود اپنے ساتھ توسل کے الفاظ بتائے اور اگر یہ کوئی متوفی بزرگ ہیں، تو حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے اتباع اس کو جائز سمجھتے ہیں مگر ہمارے مرشد مولانا اشرف علی صاحب اس کو بدعت کہتے ہیں، کیونکہ حضرات صحابہ سے ایسی دعا ثابت نہیں ہے، اُن کے نزدیک صحیح صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ اے بار الٰہا یہ تیرے مقبول و محبوب بندے ہیں، اُن پر تیری رحمت ہے، ان کی اس مقبولیت، محبوبیت اور رحمت سے جو ان پر تیری ہے مجھے بھی حصہ دے، اور میری مشکل کشائی فرما، اعمال صالحہ سے توسل جائز ہے، اور یہ بھی اُن بزرگوں کے اعمال صالحہ ہی سے توسل ہے،

آپ نے جو آیتیں نقل فرمائی ہیں، ان کا مقصود کفار کا معبودان باطل سے مانگنا ہے حضرت شیخ الہندؒ کا مقصد بزرگان سے دعا کرانا ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہمارے مقصد کے حصول کے لئے دعا کریں، ان دونوں میں بڑا فرق ہے،

۴۔ ناسخ و منسوخ کی تعریف و حقیقت میں متقدمین اور متاخرین کا لفظی اختلاف ہے، معارف میں اس پر مفصل مضمون چھپا ہے، میری تعبیر یہ ہے کہ احکام دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک ہنگامی جیسے مثلاً کرفیو آرڈر، دوسرے دوامی جیسے تعزیرات ہند وغیرہ، ہنگامی احکام کا نام ناسخ و منسوخ ہے، جو حالات کے تابع ہیں، وہ حالات جب پیدا ہوں گے، تو وہ احکام نافذ ہوں گے، جب وہ حالات بدل جائیں گے

تو وہ احکام بھی اٹھ جائین گے، یہی نسخ ہے، مثلاً ضرورت پڑے، تو مسلمانون کی قلت تعداد کے وقت ایک مسلمان دس کافر کا مقابلہ کرے گا، پھر جب کثرت ہوگی تو وہ حکم ہوگا جس مین ایک مسلمان کو دو کافرون کے مقابلہ کا حکم ہے، علیٰ ہذا القیاس، دوسرے مسائل ہین جن کی تعداد ۵ کے قریب ہے، بقول شاہ ولی اللہ صاحب، اور بعضون کے نزدیک اس سے کم وبیش ہے،

۵- اہل البیت کا لفظ بے شبہہ قرآن پاک مین بیویون کے لئے آیا ہے، مگر طبعاً اور ضمناً اولاد بھی داخل ہوسکتی ہے، اس لئے قرآن پاک کی تطہیر مین اصل مقصود ازواج مطہرات ہین، اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طبعاً اور ضمناً اولاد بھی داخل ہے، جیسا کہ ہم اردو مین گھر والے کہتے ہین، جن سے اولین مقصود ازواج اور ضمناً اولاد بھی ہوتی ہے،

والسّلام "س"

تخلیق عالم کا مقصد

ڈاکٹر عین الدین صاحب رضوی
کیمپ حیدر آباد سندھ

مخدومی و محترمی
السّلام علیکم

ایک عرصہ سے میرے دل مین یہ سوال کھٹک رہا ہے، کہ تخلیق عالم خصوصاً تخلیق انسان کا مقصد کیا ہے؟ کون سی ایسی ضرورت اور مجبوری پیش آئی کہ یہ عالم، عالم وجود مین لایا گیا، انسان کو پیدا کیا گیا، اور پھر خیر و شر، نیک و بد اور عذاب کا چکر گردش مین آیا، اس سلسلہ مین جہان تک مطالعہ اور پہنچ کا تعلق ہے، مین نے کتابون اور عالمون سے اس سلسلے مین تشفی چاہی لیکن افسوس کہ اب تک کوئی ایسی کتاب یا عالم دین نہین مل سکا، جس سے میرا دل مطمئن ہوسکتا، ما خلقت الجن والانس الخ مین بھی "یعبدون" سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے، اور اس کی ضرورت کیون ہوئی، حل طلب مسئلہ رہ جاتا ہے،

آپ کی مصروفیتون کا مجھے علم ہے، اسی وجہ سے اب تک آپ کو زحمت نہین دی لیکن چونکہ یہ سوال یکسوئی مین خلل ڈالتا، اور ایمان وعمل مین رخنہ انداز ہوتا ہے، اسلئے مجبوراً آپ کی طرف رجوع کرنا پڑا، کہ اس وقت میری نظر اور علم مین آپ سے زیادہ واقف دین اور ذی علم کوئی دوسری ہستی موجود نہین، امید کہ آپ میری رہنمائی فرماکر داخلِ حسنات ہون گے، جواب کے لئے لفافہ مع ٹکٹ حاضر خدمت ہے،

نیازمند معین الدین رضوی

معارف:۔ محترم دام لطفکم

السّلام علیکم،

عنایت نامہ ملا تھا، مگر اپنی مصروفیتون کے سبب سے جواب مین تاخیر ہوئی، آپ کی الجھن آپ کی تنہا نہین، بلکہ تمام اہلِ عقل کو جو عقل کو نقل کا معیار بنانا چاہتے ہین، یہ اور اس قسم کی دوسری الجھنین پیش آیا کرتی ہین، ہمارے دوست مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی نے الدین القیم کے نام سے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے، اور دفتر الفرقان بریلی سے دس بارہ آنے یا روپیہ مین مل جائے گی، آپ اس کو ملاحظہ فرمائین، اس کا مستقل فلسفہ ہے اور اس مین اسی فلسفہ کی بنا پر بہت سے مسائل کا جواب ہے،

میرا ایک خطبۂ اجمد و الجسا د لعلمی المعاش والمعاد کے نام سے معارف مین چھپا ہے اور الگ بھی ملتا ہے، دار المصنفین اعظم گڈہ مین اسلم صاحب کو لکھئے یا راندیر ضلع سورت مین مولوی محمد سعید صاحب کو لکھئے وہ بھیجین گے،

حاصل یہ کہ خلق عالم سے غرض خالق تعالیٰ کو معاذ اللہ اپنے لئے کسی تکمیلی شان کا حصول نہین، اِنَّ اللّٰہَ غنی عن العالمین، اللہ تعالیٰ ساری دنیا سے بے نیاز اور غنی ہے،

اس کو کسی چیز کی حاجت نہین، محتاج ہم ہین، اللہ تعالیٰ اپنے تمام اسمار وصفات مین کامل ہے کمال طبعًا ظہور کو چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اسمار وصفات کاملہ نے جب ظہور کیا تو یہ سارا عالم نمود مین آگیا اس عالم نمود مین انسان مرکزی حیثیت رکھتا ہے اس لئے کہ اس عالم نمود کا ہر جزء انسان کے علاوہ اول ہی سے درکامل بنایا گیا ہے آفتاب جیسا بننا تھا بنا ہے زمین جیسی بنی تھی بنی ہے اشیار کے خواص جیسے بنائے گئے بنے ہین، مگر انسان کو ایک خاص حالت سادہ مین بے انتہا کمالی امکانات کے ساتھ پیدا کرکے چھوڑ دیا گیا، اس کو معاشی کمال کی فطری عقل عنایت کردی گئی، کہ وہ اس کی زندگی اور معیشت کی کفالت کرے۔ اور معادی کمال کی رہبری وحی کے ذریعہ کی گئی کہ وہ عقل کی دسترس سے باہر تھی، اور ان دونون سے مقصود انسان کی معاشی اور معادی تکمیل ہے، معاشی تکمیل کا ظہور تو اسی دنیا مین ہو رہا ہے جس کا نام تمدن ہے، لیکن معادی تکمیل جس کا نام تدین ہے، اس کے نتائج کا ظہور اس عالم مین ہوگا، جو اس عالم نمود کے بعد قائم ہوگا، جس مین معادی تکمیل یافتہ افراد اپنے کمال کے اوج پر پہنچین گے، جس کا نام جنت ہے، یا اسفل سافلین کے حضیض مین پہنچ جائین گے، جس کا نام دوزخ ہے،

غور فرمائیے اگر یہ عالم نمود اور پھر یہ عالم آخرت پیدا نہ کئے جاتے تو اللہ تعالیٰ کے اسمار و صفات کا ظہور اور پھر عالم انسانی کی تکمیل کا ظہور کیونکر ہوتا،

اللہ تعالیٰ نے عالم کی پیدائش کو قرآن پاک مین جابجا الحق فرمایا ہے، اور اس کے بطلان کی نفی فرمائی ہے،

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا — اے ہمارے پروردگار تونے اس کو باطل نہین بنایا ہے،

اور اس کی تردید فرمائی ہے، کہ انسان بے مقصد اس عالم مین نہین لایا گیا ہے،

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا — کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو عبث بنایا،

وَانکم الینا لا ترجعون، اور تم یہاں لوٹ کر نہیں آوگے ؟

ایحسب الانسان ان یترک کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ بے کار

سدی، چھوڑ دیا جائے گا،

یہی عالم حق جو خاص مقصد کے ساتھ بنا ہے، دوسرے عالم مقصد کے ہونے کی دلیل ہے،

کہ اگر وہ عالم انصاف و داد نہو، اور جزا و سزا کی دنیا نہ آئے تو اس عالم کی خلقت اور نمود

بے غایت ہو کر رہ جائے گی، "س"

حکومت الٰہیہ اور مسلمانوں کا مطمح نظر

جناب حکیم محمد حسین صاحب
گھوڑا گلی، مری ہلز،

محترمی :-

السلام علیکم،

"بہت سے مسلمان علماء و مفکرین نے بھی ان مسائل کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے، اس مضمون میں بھی اسلامی سیاست پر بحث کی گئی ہے، ایسے مضامین میں عموماً یہ ذہنیت پائی جاتی ہے، کہ ان میں اسلامی سیاست کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے، کہ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ حکومت و سیاست ہی اسلام کا نصب العین ہے، حالانکہ یہ ظاہر ہے، کہ اسلام کا اصلی مقصد توحید الٰہی، ایمان و عمل، تزکیۂ اخلاق و تجلیۂ روح وغیرہ ہیں، حکومت و سیاست اس کا ایک نتیجہ، اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے، جسے غلطی سے اصل قرار دے دیا جاتا ہے"، (معارف جلد ۵۸ نمبر ۲، اگست ۱۹۴۶ء)

خاص سے عام تک، مقید سے مطلق تک پہنچ جانے اور سیاق قرآنی سے قطع نظر کر کے آیت کے ایک ٹکڑے کو مستقل حکم سمجھ لینے کا جو مغالطہ شدید پہلی صدی ہجری، بلکہ خلافتِ راشدہ ہی کے دور آخر میں خوارج کو پیش آیا تھا، حالانکہ اس میں بھی بڑے بڑے عابد و زاہد

متقی موجود تھے، اسی نوعیت کی غلطیون مین آج مولانا مودودی کی جماعت بھی باوجود اپنے اخلاص کے گرفتار ہے"

(صدق لکھنؤ ۱۹ر جولائی ۱۹۴۶ء ص ۴، کالم ۲)

ان اقتباسات مین جو چیز مشترک ہے، وہ بظاہر یہ ہے کہ اسلام کسی ملک مین یا تمام دنیا مین ایسی حکومت کے قیام کو مسلمانون کا مطمحِ نظر نہین قرار دیتا، جس کے ماتحت دنیاوی قوانین واحکام کے بجائے الٰہی قوانین واحکام کا عمل درآمد ہو، اور کہ اسلام کا اصل مقصد محض فرد کی روحانی اصلاح ہو، اس خیال کو بہت زیادہ واضح کرنے کی ضرورت ہے، اس طرف محض اشارہ کر دینا کافی نہین، کیا معارف مین ایک مستقل مضمون اس پر نکلے تو بہتر نہ ہوگا، جو لوگ مودودی صاحب کی تحریرین پڑھتے ہین، اُن کی رہنمائی کے لئے بھی اس موضوع پر مفصل اور مدلل بحث کی ضرورت ہے، اگر آپ اس کے لئے خود وقت نکال سکین، تو بہت ہی خوب ہو، فقط

والسلام

معارف:۔ جناب کو غلط فہمی ہوئی، مین نے یہ نہین کہا کہ اسلام کسی ملک یا تمام دنیا مین ایسی حکومت کے قیام کو مسلمانون کا مطمحِ نظر نہین قرار دیتا جس کے ماتحت دنیاوی قوانین واحکام کے بجائے الٰہی قوانین واحکام کا عمل درآمد ہو، اور کہ اسلام کا مقصد محض فرد کی روحانی اصلاح ہے مین نے یہ کہا ہے کہ حکومت وسیاست اسلام کا مقصود اوّل نہین، بلکہ ثانی ہے، اور وہ بھی اس بنا پر کہ یہ بہت سے احکامِ الٰہی کے نفاذ واجرار کا ذریعہ اور وسیلہ ہے،

مثال اس کی یہ ہے کہ نماز مقصود اول ہے، اور وضو اس مقصود کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ، اور اسی حیثیت سے وہ ثانوی ہے، تو داعی و متکلم اسلام کا فرض ہے کہ وضو کو ایسی اہمیت نہ دے، کہ وہ مقصود اصلی ہو جائے، خواہ اس سے نماز پڑھی جائے یا نہین، اسی طرح حکومت وسیاست کو وہ اہمیت نہ دیجائے

کہ دین کے اجزائے روحانی اس کے قوانین دنیاوی سے کمتر اور ہلکے اور بے اثر ہو جائین، ورنہ وضو کے بحیثیت ذریعۂ نماز ہونے کی اہمیت سے جس طرح انکار ممکن نہین، اسی طرح تنفیذ احکام الٰہی کے ذریعہ ہونے کے لحاظ سے حکومت و سیاست اسلامی و الٰہی کی اہمیت سے کسی کو قطعاً انکار نہین کرنا چاہئے اسی طرح فرد کی روحانی اصلاح جماعت کی روحانی اصلاح کا مقدمہ ہے، جماعت افراد ہی سے مرتب ہوتی ہے جب چند افراد صالح ہو جائین گے تو جماعت صالح پیدا ہو جائے گی، اور جب امت کے اکثر افراد صالح بن جائین گے تو امتِ صالحہ کا وجود ہو جائے گا، اجتماعی احکام بھی اسلام مین ہین، جو جماعتون سے متعلق ہین، اور ان کی اہمیت بھی کم نہین ہے،

ہمعصر صدق کی تحریر کا مقصد تاویل و تعبیر کے طرز سے ہے، خوارج نے آغاز اسلام مین جو طریقہ تاویل اختیار کیا تھا، ویسے ہی اس کے خیال مین بعض لوگ آج اختیار کر رہے ہین، اور اپنے سوا ہر ایک کو خارج از ملت بنا رہے ہین،

"س"

مطبوعات جدیدہ

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک | از مولانا مسعود عالم ندوی تقطیع بڑی ضخامت ۱۷۵ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہین، پتہ دار الاشاعت نشاۃ ثانیہ، حیدرآباد دکن،

ہندوستان مین مسلمانون کی دینی تجدید واصلاح اور ان کی سیاسی سربلندی کے پہلے داعی اور مجاہد حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید تھے، ان کے بعد اُن کے خلفار اور متوسلین نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا، اوّل الذکر دونون بزرگون کا جہاد سکھون کے مقابلہ مین تھا، اور ان کے بعد کے مجاہدین کی ٹکر انگریزون سے ہوئی، اور اس راہ مین انھون نے بڑی قربانیان کین، اور بڑی سختیان جھیلین، حضرات شہیدین کے حالات مین بہت کچھ لکھا گیا ہے، اور اب اُن کے متعلق اردو مین کافی معلومات ہین، مگر اُن کے بعد کے مجاہدین کے متعلق جستہ جستہ متفرق معلومات کے سوا مفصل و مرتب حالات نہین ملتے، لائق مؤلف نے اس کتاب مین اس پورے سلسلہ کی تاریخ قلمبند کی ہے، اور اس سلسلہ مین جو غلط فہمیان ہین، اُن کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً عرب مین شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی تحریک تجدید اور ہندوستان مین مولانا سید احمد بریلوی کی تحریک اصلاح وجہاد دونون تقریباً ایک ہی زمانہ مین تھین، اس لئے عام طور سے آخر الذکر کو اوّل الذکر سے ماخوذ اور اس کا ضمیمہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ دونون تحریکین علٰحدہ علٰحدہ مستقل حیثیت رکھتی تھین، اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ یہ تحریکین انگریزون کے مصالح کے خلاف تھین، اور شیخ محمد بن عبد الوہاب کی تحریک عرب مین ترکون کے بھی خلاف پڑتی تھی، اس لیے انھون نے ان تحریکون کو

بدنام کرنے اور مٹانے کی پوری کوشش کی، اور ان کے خلاف خود مسلمانوں میں ایسا پروپگنڈا کیا، کہ "وہابی" کا لقب نہ صرف باغی، بلکہ عام مسلمانوں کے دشمن کا مرادف بن گیا، ہندوستان میں حضرت سید احمد بریلوی، اور ان کے اتباع کو بھی اسی لقب سے بدنام کیا گیا، لائق مؤلف نے اس پروپگنڈے کے اسباب پر بحث کرکے دونوں غلط فہمیوں کو دور کیا ہے، اور بعض دوسری غلطیوں کی تصحیح کی بھی کوشش کی ہے، اور حضرت سید صاحب کے مختصر حالات لکھے ہیں، اور اُن کے خلفاء اور متوسلین کے مجاہدات اور کارناموں کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اور جن جن طریقوں سے ان کو مٹایا گیا، اس کی تفصیل ہے، مصنف نے بڑی تلاش و جستجو سے یہ حالات فراہم کئے ہیں، اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، اس سے ہندوستان میں مسلمانوں کی تجدید و اصلاح اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کی نہایت اہم کڑی جو عام نگاہوں سے مستور تھی، سامنے آگئی، اور اس حیثیت سے مصنف مسلمانوں کے شکریہ کے مستحق ہیں، البتہ کتاب میں کہیں کہیں جزوی اختلافی امور مسائل میں بھی مصنف کا لہجہ ذرا سخت ہو گیا ہے، جو ان کے شدتِ ایمان کا نتیجہ ہے،

تدوینِ حدیث از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۷۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۱۲؍ پتہ:- ادارہ دعوۃ الحق بیگم بازار کوچہ گھاس منڈی حیدرآباد دکن،

دینی علوم میں علوم القرآن کے بعد حدیث نبوی کا درجہ ہے، بلکہ اس حیثیت سے وہ بھی علوم القرآن ہی میں شامل ہیں کہ حدیث کلام مجید کے اجمال کی تفصیل و تشریح اور بہت سے قوانین اور تعلیمات کا ماخذ ہے، اگر حدیث کو الگ کر دیا جائے، تو اسلامی تعلیمات کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں گے، اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور عہدِ رسالت کی پوری تاریخ کا مدار تمامتر حدیث پر ہے، اس لئے وہ مذہبِ اسلام اور عہدِ سعادت کے حالات دونوں کا سب سے بڑا ماخذ ہے، حدیث کے بغیر ہم کو سیرۃ نبوی

تک کا حال نہیں معلوم ہو سکتا، اسی لئے صحابۂ کرامؓ تابعین و تبع تابعین اور ائمۂ اسلام نے حدیث نبوی کی تعلیم، اس کی حفاظت اور اشاعت میں جو اہتمام کیا، وہ دنیا کے کسی تحریری و تاریخی سرمایہ کے لئے نہیں کیا گیا، اس کے باوجود کچھ تاریخ حدیث سے ناواقفیت، کچھ یورپ کی صدائے بازگشت کے اثر اور زیادہ تر مذہب میں سہولت پسندی اور عقل پرستی کی بنا پر موجودہ دور کے خود ساختہ مجتہدین حدیث کی صحت اور اس کے حجت شرعی ہونے کے منکر ہیں، بہت سے علما نے اس فتنہ کے انسداد کی کوششیں کیں، زیر نظر کتاب بھی اس سلسلہ کی ایک اہم اور وقیع کوشش ہے، اس میں فاضل مصنف نے مذہبی عقیدت سے قطع نظر عقلی، درایتی اور تاریخی حیثیت سے احادیث نبوی کی صحت اور اس کو لائق اعتماد ہونے پر محققانہ بحث کی ہے، اور حدیث کی حقیقت و اہمیت، اس کے رُواۃ کی خصوصیات، اس سے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا عشق، اور اس کی تعلیم، حفاظت و اشاعت میں ان کا اہتمام، تدوین حدیث کے قدرتی اسباب و وسائل، حدیثوں کا تواتر، اس کی تدوین کی تاریخ، دنیا کے دوسرے تحریری ذخیروں کے مقابلہ میں حدیث نبوی کے امتیازات وغیرہ ان تمام پہلوؤں کو جو کسی تحریری اور تاریخی سرمایہ کی صداقت اور اس پر وثوق و اعتماد کے لئے ضروری ہو سکتے ہیں، اس مدلل طریقہ سے دکھایا ہے، کہ عقل پرست سے عقل پرست کے لئے بھی احادیث نبوی کی صحت نقل سے انکار کی گنجائش نہیں رہجاتی، اس غلط فہمی کو خاص طور سے دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حدیث کی تدوین دوسری اور تیسری صدی میں عمل میں آئی، اس لئے موجودہ کتب حدیث لائق اعتماد نہیں، جن لوگوں کو ناواقفیت کی بنا پر حدیث کی صحت کے متعلق شکوک و شبہات ہیں، ان کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ مصنف کو اس خدمت کی جزائے خیر دے،

حقیقتِ عبودیت، مترجمہ مولوی صدر الدین صاحب اصلاحی تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۶۴ صفحے، کاغذ کتابت، و طباعت بہتر قیمت :- ۸/ پتہ دارالاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن،

یہ کتاب علامہ ابن تیمیہ کے رسالہ العبودیۃ کا ترجمہ ہے، یہ رسالہ بھی علامہ کی دوسری کتابوں کی طرح اپنے موضوع پر نہایت حاوی اور تصحیح عقائد کے لئے بہت مفید ہے، اس مین عبودیت کی حقیقت اور اس کے تمام اجزار و متعلقات کی تشریح کے ساتھ منافی عبودیت عقائد و اعمال کی بھی پوری تفصیل ہے، عبودیت ہی اسلام کی اصلی روح ہے، اور اس کی دوسری تمام تعلیمات اسی کے مظاہر ہین، اس لئے اس رسالہ مین گویا اسلامی تعلیمات کی پوری روح آگئی ہے، اس مین بھی جابجا مصنف کے مسلک کی شدت نمایان ہے، ترجمہ کے متعلق مترجم نے خود یہ وضاحت کر دی ہے، کہ ترجمہ آزاد ہے اور عموماً مباحث کے اصل مفہوم و منشا کو اپنے الفاظ مین منتقل کر دیا گیا ہے، اور کہین کہین حذف و اضافہ اور تلخیص سے بھی کام لیا گیا ہے، بہرحال موجودہ صورت مین ترجمہ نہایت سلیس اور شستہ ہے،

حلیۃ النبی از مولانا سید احمد صاحب قادری مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت ۸/ پتے شاد بک ڈپو مہندرو پٹنہ، اور مکتبہ دین و دانش کھنیان کنوان روڈ پٹنہ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی جس طرح کمالاتِ نبوت کی جامع تھی، اسی طرح حسن و جمال ظاہری مین بھی ع :-

اُنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

کی مصداق اور مردانہ حسن کامل کا پیکر تھی، اردو مین سیرت نبوی کی کتابون مین ضمناً حلیۂ مبارک کے متفرق حالات ملجاتے ہین، لیکن غالباً اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب نہین ہے، لائق مؤلف نے اس کتاب مین حدیث و سیر کی مستند کتابون سے حلیۂ اقدس کے مفصل حالات تحریر کئے ہین، حُسن موضوع نے قدرۃً قلم مین دل آویزی پیدا کر دی ہے، اور تحریر مین خاصی ادبی چاشنی موجود ہے، یہ رسالہ عام طور سے مسلمانون خصوصاً شیفتگان رسول کے مطالعہ کے لائق ہے،

دامن تہی، از جناب مبارز الدین رفعت صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۹ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ اسٹانڈرڈ ایجوکیشنل سپلائی کمپنی عابد روڈ، حیدرآباد دکن،

مصنف حیدرآباد کے مشہور صاحب قلم ہیں، اس کتاب میں انھوں نے انسانی زندگی کی ناکامی خصوصاً نوجوانوں کے حوصلوں اور جذبات کی نامرادی، اور حسن و عشق کی وارداتوں کو خطوط کی شکل میں بیان کیا ہے، اور اسی قبیل کے چند شاعرانہ اور فلسفیانہ افسانے بھی ہیں، ان افسانوں میں بہتوں کو آپ بیتی کی جھلک نظر آئے گی، مصنف نے اس کتاب پر خود یہ تبصرہ کر دیا ہے کہ اس میں کچھ خواب ہے کچھ اصل ہے کچھ طرز ادا ہے، گو یہ کتاب لطف اور دلچسپی سے خالی نہیں ہے، لیکن مصنف اپنے سنجیدہ قلمی دائرے میں ادب اور افسانے سے زیادہ کامیاب رہتے،

انشا، از جناب مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۷۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲ر پتہ، مکتبہ دہلی، اور اس کی شاخیں نئی دہلی لاہور، لکھنؤ، اور بمبئی، نمبر۳،

لائق مؤلف نے اس کتاب میں سید انشاء اللہ خان کے حالات، معاصر شعرا کے ساتھ ان کے معرکوں اور اُن کے لطائف و ظرائف کو اپنے مخصوص دلکش انداز میں لکھا ہے اور ان کے کلام کے مختلف نمونے دیے ہیں، انشاء اللہ کے حالات اور فرحت اللہ کا قلم یا انشاء اللہ سونے پر سہاگہ ہے، اس میں شبہہ نہیں کہ انشاء اپنے علم ذہانت و طباعی، شوخی و ظرافت مشکل پسندی، اور معاصرین سے جنگجوئی میں اپنے تمام معصروں میں نمایاں ہیں، لیکن ان اوصاف کو چمکانے میں آزاد کی ملمع سازی کو بھی بڑا دخل ہے، مصنف نے اس کی حقیقت بھی ظاہر کی ہے، کتاب کا یہ حصہ خاص طور سے مفید ہے،

نامۂ تہدید از آنسہ محمودہ رضویہ تقطیع اوسط ضخامت ۱۷۵ صفحے کاغذ کتابت و طباعت اوسط، قیمت عہ، پتہ:- ہندوستانی دارالاشاعت انجمن ترقی اردو کراچی،

لائق مؤلفہ روشناس لکھنے والی ہین، اس سے پہلے ان کی بعض کتابین شائع ہو چکی ہین، اس کتاب مین اونھون نے تاریخ اسلام کے ابتدائی دور یعنی تبلیغ اسلام، غزوات نبوی، فتنۂ ارتداد، فتوحات عراق وایران وشام ومصر کے متفرق حالات اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اخلاق و دیانت کو واقعات خصوصاً امہات المومنین عام صحابیات اور مسلمان خواتین کے سبق آموز واقعات کو جمع کر دیا ہے، یہ واقعات زیادہ تر صحیح ہین لیکن بعض جو غالباً واقدی وغیرہ کے بیانات سے ماخوذ ہین، افسانے سے زیادہ نہین، اشخاص اور مقامات کے نامون مین جابجا غلطیان ہین مجموعی حیثیت سے کتاب لائق ستایش اور عورتون کے مطالعہ کے لائق ہے،

اللہ کے رسول، از جناب شرافت حسین صاحب رحیم آبادی تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸ر پتہ ارشد حسین صاحب، مکتبہ دین و دانش مکارم نگر لکھنؤ،

مصنف نے اس کتاب مین بچون کے لئے سادہ اور آسان زبان مین سیرت پاک کے سبق آموز واقعات و حالات تحریر کئے ہین، اردو مین اس مقصد کے لئے بہت سی کتابیں موجود ہین لیکن وہ مذہبی معلومات کے لئے تو مفید ہین، مگر ان مین تعلیمی اصولون کا لحاظ نہین رکھا گیا ہے، اور یہ کتاب اس تعلیمی اصول پر لکھی گئی ہے کہ چھوٹے چھوٹے فقرون مین الفاظ کی تکرار کی گئی ہے جس سے وہ بچون کے ذہن نشین ہو جاتے ہین اس لئے یہ کتاب مذہبی اور تعلیمی دونون حیثیتون سے بچون کے پڑھانے کے لائق ہے،

مقامات از جناب احسان دانش تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہین، پتہ :- مکتبہ دانش فرنگ، لاہور،

مقامات جناب احسان دانش کے کلام کا نیا مجموعہ ہے ان کے کلام کی خصوصیات اتنی معلوم و مشہور ہین کہ اب ان کے لئے کسی تبصرہ کی ضرورت نہین، اس مجموعہ مین بھی یہ تمام خصوصیات موجود ہین، شاعری کے انواع کے اعتبار سے اس مین دینی، اخلاقی، سیاسی اور اصلاحی منظومات اور مختلف النوع خیالات، جذبات و تاثرات پر سنجیدہ اور مفید نظمین ہین، جابجا غزلون کی رنگینی بھی نظر آتی ہے، امید ہے کہ اصحاب ذوق مین یہ مجموعہ مقبول ہوگا۔ "م"

جلد ۵۸ " ماہ ذوالحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۶ء " عدد ۵

مضامین

شذرات

ہندو مسلمانوں میں جو افسوسناک اختلاف اور جنگ و خونریزی برپا ہے، مرکزی حکومت میں مسلم لیگ کی شرکت سے اس کے ختم ہو جانے کی توقع پیدا ہو گئی ہے، بشرطیکہ دونوں میں اخلاص کے ساتھ اتحاد و اتفاق باہمی اعتماد، اور اشتراک عمل کا جذبہ پیدا ہو جائے، گو مصالحت کی ذمہ داری دونوں پر ہے لیکن اقلیت کو خطرات اکثریت کی جانب ہیں، اس لئے اس پر ذمہ داری زیادہ ہے، اور اس کے لئے ضرورت ہے فرقہ وارانہ تنگ دلی و تنگ نظری کو چھوڑ کر وسعتِ قلب اختیار کرنے اور اقلیت کے خطرات کو دور کرکے ہر طرح سے اُسے مطمئن کرنے کی اس کے بغیر اصل بنائے فساد ختم نہیں ہو سکتی،



اسی کے ساتھ ان تمام باتوں سے احتراز ضروری ہے جن سے کسی جماعت کے جذبات مشتعل و مجروح ہوتے ہوں، ہر جماعت کو اپنے نصب العین، اور طریقۂ کار کی صحت کی تبلیغ و اشاعت کا پورا حق ہے لیکن دوسروں کی تنقیص و مذمت سے نہیں، بلکہ دلائل و عمل سے، مذمت و دل آزاری سے اختلاف کی آگ اور بھڑکتی ہے، اور اس غلطی میں ذمہ دار، غیر ذمہ دار، فرقہ پرست و قوم پرور لیڈروں اور اخبارات سب کا حال یکساں ہے، الا ماشاء اللہ،



کلکتہ کے ہنگامہ سے لیکر اس وقت تک جو وحشیانہ خونریزی جاری ہے، وہ صد درجہ قابلِ ملامت اور ہندو مسلمان دونوں کے لئے انتہائی شرمناک ہے، کسی انسان کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں پھر دورِ وحشت لوٹ آیا ہے، لیکن ایسے موقع پر بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، اس میں ذراسی بے احتیاطی بڑے برے نتائج پیدا کرتی ہے، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے، کہ اس سلسلہ میں نہ صرف غیر ذمہ دار اشخاص و جماعتوں بلکہ قوم پرور جماعتوں تک کا رویہ نامناسب رہا، اور ان کے

ذمہ دار لیڈروں کے بیانات نہایت غیر محتاط، بلکہ اشتعال انگیز ہیں،

اس قسم کے فتنہ و فساد کا مجرم کسی خاص جماعت کو قرار دینا صحیح نہیں ہے، ورنہ یوں تو ہر جماعت دوسری کو ملزم بنا سکتی ہے، اور اس کے دلائل بھی رکھتی ہے، درحقیقت یہ ہنگامے ہر جماعت کے فتنہ پرست عنصر کی مشترک شر انگیزی کا نتیجہ، اور سب کے نزدیک یکسان قابلِ ملامت ہیں، اس کا الزام تنہا کسی ایک جماعت کے سر منڈھ کر اس کی تشہیر کرنا عوام کو انتقام کے لئے ابھارنا ہے جس کے نتائج بہار میں ظاہر ہو رہے ہیں، معلوم نہیں ان کی ذمہ داری کس کے سر ہو گی ؟

ہندو مسلمان دونوں کو اس کا یقین رکھنا چاہے کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کو مٹا نہیں سکتا، نہ اکثریت اقلیت کو پامال کر سکتی ہے، اور نہ اُسے نظر انداز کرکے تنہا ملک کی کوئی مفید خدمت انجام دے سکتی ہے اور نہ اقلیت محض مخالفت اور مزاحمت سے اکثریت کو نقصان یا اپنی قوم کو حقیقی فائدہ پہنچا سکتی ہے، اور نہ مزاحمت کی پالیسی ہمیشہ چل سکتی ہے، دونوں کو اسی سرزمین میں رہنا ہے، دونوں کے بہت سے سیاسی و ملکی مفاد مشترک ہیں، اس لئے تحفظ حقوق کی پوری ضمانت کے ساتھ باہم اتحاد اور اشتراک عمل ضروری ہے،

ایسی دو قومیں جن کا چولی دامن کا ساتھ ہو، ہمیشہ برسرپیکار نہیں رہ سکتیں، اگر ابھی وہ ملک کی بھلائی کے لئے کشادہ دلی سے متحد نہیں ہوتیں، تو ایک نہ ایک دن جنگ و جدال سے تھک کر خونریزی و بدامنی اور جانی و مالی نقصان سے گھبرا کر ملنے پر مجبور ہوں گی، اس لئے جو صورت بعد از خرابی بسیار ہونے والی ہو، اس کو پہلے ہی زیادہ خوشنما طریقہ سے کیوں نہ اختیار کر لیا جائے، اس وقت ایسا موقع آگیا ہے کہ اگر دونوں جماعتوں کے لیڈر ہوشمندی سے کام لیں تو موجودہ صورتِ حال بدل سکتی ہے، اسی پر دونوں کی فلاح منحصر ہے،

نیویارک ہیرلڈ ٹریبیون کے ایک نامہ نگار الن ریمانڈ جنھوں نے حال ہی میں ٹرکی کا سفر کیا تھا وہاں کے حالات پر اخبار مذکور میں ایک مضمون لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹرکی میں بڑا مذہبی انقلاب رونما ہو اور گذشتہ لامذہبیت اور بے دینی کی جگہ ہر طبقہ میں ایک عام مذہبی رجحان پیدا ہو گیا ہے مارشل چقماق جو جدید ٹرکی

کی ایک نمایان و ممتاز شخصیت ہین، راسخ العقیدہ مسلمان ہین، دیہات سے لیکر شہرون تک کی مسجدین ہر طبقہ کے نمازیون سے بھری رہتی ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ ٹرکی کا پرانا مذہبی دور لوٹ آیا ہے،



غنیمت ہے کہ چند ہی برسون کے تجربہ کے بعد ترکون کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا، اور ان کو معلوم ہو گیا کہ ان کی فلاح نہ قدیم تورانیت کی جانب رجعت قہقری مین ہے، اور نہ مغربیت کی اندھی تقلید مین، کوئی متمدن قوم اپنے دور وحشت پر فخر نہین کر سکتی، اور نہ اس کے احیار سے اس زمانہ مین کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے، مغرب پرستی کا بھی پورا تجربہ ہو چکا کہ اس سے نہ وہ مغربی اقوام مین شامل ہو سکتے ہین، اور نہ اُن کی نگاہ مین ان کی وقعت بڑھ سکتی ہے، اور جب بھی کوئی موقع آئے گا، تو اُن کے ساتھ وہی سلوک ہو گا جو مشرقی قومون کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے، اگر کوئی مغربی قوم کسی موقع پر ان کی حمایت بھی کرے گی، تو ان کی ہواخواہی مین نہین، بلکہ اپنے مفاد کے لئے، اور جب مفاد بدل جائے گا، تو اس کا رُخ بھی بدل جائے گا، جو قومین اپنی ہمجنس کمزور قومون کے ساتھ انصاف نہین کر سکتین، ان سے دوسرون کو کیا توقع ہو سکتی ہے، اس لئے ترکون کی دنیا وی فلاح بھی اسلام ہی سے وابستہ ہے، اس سے وہ دنیا کی ایک عظیم الشان قوم کی برادری مین شامل ہون گے، اور ساری دنیائے اسلام کی ہمدردی ان کے ساتھ ہو گی، جو بے اثر چیز نہین،



جدید تحریکون کے اثر سے ہندوستان کے نوجوان تعلیم یافتہ مسلمان بھی جغرافی قومیت و وطنیت سوشلزم، و کمیونزم وغیرہ کی طرف بھٹک رہے تھے، خوشی کا مقام ہے کہ اب وہ اسلامی قومیت کی طرف پلٹ رہے ہین، اور ان مین مذہبی رجحان، مذہبی معلومات کے حصول کا شوق اور اپنی قومی روایات کے تحفظ کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے، اور اب وہ اپنے مسلمان کہلانے پر شرم نہین بلکہ فخر کرتے ہین، گو ابھی ان کی مذہبیت زیادہ تر سیاسی رنگ کی ہے، لیکن اگر ان کی صحیح رہنائی کی جائے تو وہ اس راہ سے خالص مذہب کی طرف آسکتے ہین،



مقالات

سیرۃ نبویؐ جلد ہفتم کا ایک باب

حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے؟

قَالَ اللّٰہ تعالیٰ اِنِ الحُکمُ اِلّا لِلّٰہ (سورۂ یوسف) حکم کسی کا نہین مگر اللہ کا،

آیتِ بالا مین ارشادِ خداوندی ہے کہ حکم کسی کا نہین مگر اللہ تعالیٰ کا ہے، اس لئے اسلام مین حاکمِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، لیکن احکامِ الٰہی کی دو قسمین ہین، ایک تشریعی یعنی وہ احکام جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے شریعت بن کر نازل ہوتے ہین، اور دوسرے تکوینی یعنی وہ احکام جو فطری حیثیت سے مخلوقاتِ عالم مین ودیعت رکھے گئے ہین، ان دونون قسمون کے لحاظ سے صرف اللہ تعالیٰ ہی حاکم ہے اور اسی کا حکم جاری وساری ہے، دنیا مین ایسے بادشاہ گذرے ہین جنھون نے نمرود و فرعون بن کر دعوائے بادشاہی کیا، مگر ان کو بھی تکوینی احکامِ الٰہی کے آگے سرنگون ہوکر جان دینی پڑی، اور یہ شبہہ ان سلاطینِ عالم کو اس لئے پیش آتا ہے، کہ وہ اپنے تشریعی احکام اور فرامین کے آگے جب خدا کے بندون کو مطیع پاتے ہین، تو غرور سے تکوینی احکام کا آمر بھی اپنے کو جاننے لگتے ہین، اسلام نے شک و شبہہ کے اس رشتہ کو کاٹ ڈالا ہے، اس نے یہ قرار دیا ہے کہ سلاطین نہ تشریعی اختیار رکھتے ہین، اور نہ تکوینی، زمین سے آسمان تک ساری بادشاہی اوسی کی ہے، اور امر تکوینی ہو یا تشریعی، اوس مین اسی کا فیصلہ ہے، اس معنی کی قرآن پاک کی کئی آیتین ہین،

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف) حکم نہین مگر اللہ کا،

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ ہان اُسی کے لئے حکم کرنا ہے اور حساب

(انعام - ۸) کرنے والون مین وُہ سب سے تیز ہو،

لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ، اوسی کا حکم کرنا ہے اور اوسی کی طرف

(قصص) لوٹائے جاؤگے

امور تکوینی وفطری مین تو انسان کی ناچاری ومجبوری ظاہر ہے کہ وہ زمین آسمان اور خاک وباد وآب وآتش اور جسم وجان مین ایک ذرہ کی کمی بیشی بھی نہین کرسکتا، نہ اشیاء کے خواص کو بدل سکتا ہے نہ اس کی صفات مین تغیر کرسکتا ہو اور نہ اس کے قواعد وقوانین مین ایک ذرہ کی کمی واضافہ کرسکتا ہے ان احکام کے آگے سب ہی سرافگندہ اور ناچار ہین، حضرت ابراہیمؑ کے عہد مین ایک بادشاہ نے جب خدائی کا دعویٰ کیا، تو آپ نے اس کو اسی دلیل سے خاموش کردیا، فرمایا :-

فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ تو اللہ سورج کو پورب سے نکالتا ہے

فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ تو تو اس کو پچھم سے نکال، تو وہ کافر

الَّذِيْ كَفَرَ (بقرہ - ۳۴) لاجواب ہوگیا،

حکومت وسلطنت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، دنیا مین بھی جو لوگ حاکم کہلاتے ہین، وہ حقیقت مین اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش سے ہوتے ہین،

اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ اے اللہ سلطنت کے مالک تو جس کو چاہے

مَنْ تَشَاءُ، سلطنت دے،

اس لئے ان مین راہ صواب پر وہی ہین، جو اپنے کو اللہ تعالیٰ کے احکام تکوینی کی طرح اس کے احکام تشریعی کے بھی تابع سمجھتے ہین، اور جو یہ سمجھتے ہین، کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے حکومت اسی لئے دی ہو کہ

وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو دنیا مین رائج اور شائع اور اس کی شریعت کے مطابق احکام کو جاری کرین،

اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ مانا جاتا ہے کہ احکام کے اجرا اور قوانین کے وضع کا اصلی حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت مین احکام اور قوانین مین جو کلیات اور قواعد بیان فرما دیئے ہین، اُن کے تتبع سے اہلِ علم اور مجتہدین دین نئے نئے احکام جزئیہ مستنبط کرسکتے ہین

ان احکام الٰہی کی نسبت اس حیثیت سے کہ ان مین عقلی مصلحتین ہون اور طبعی نفع وضرر پر مشتمل ہون، بے شبہ اہلِ عقل اپنی عقل وفہم سے فیصلہ کرسکتے ہین لیکن شریعت مین احکام کا مدار صرف اسی حیثیت پر نہین ہے، بلکہ اس سے اہم حیثیت یہ ہے کہ ان مین سے کس بات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا یا عدم رضا شامل ہے، یا یون کہئے کہ کس فعل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب یا عقاب مرتب ہوتا ہے، اس کا حال صرف اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان ہی سے معلوم ہوسکتا ہے اہلِ عقل اپنی ناقص عقل سے جو کچھ کہتے ہین، اگر وہ حکم الٰہی کے مطابق نہین ہے، تو گو اس مین کچھ ظاہری مصلحتین ہون، مگر حقیقی مصلحتون کے جاننے کے لئے امر غائب اور مستقبل کا صحیح علم ہونا ضروری ہے، اور یہ انسان کے بس سے باہر کی بات ہے، اس لئے حقیقی مصلحتین اسی حکم مین ہین، جس کو خدا ئے عالم الغیب نے نازل فرمایا،

ان تمام مذکورۂ بالا امور کے لحاظ سے اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ قانون کا حاکم اور امر ونہی کا واضع صرف اللہ تعالیٰ ہے، قرآن پاک اور احادیث صحیحہ مین اس حقیقت کو مختلف پیرایون مین ادا کیا گیا ہے، عام طور سے فقہا نے اس پر ان دو آیتون سے استدلال کیا ہے،

۱- اِنِ الحکمُ الّا للّٰہ (انعام و یوسف) حکم صرف اللہ کے لئے ہے،

۲- اَلَا لَہُ الخلقُ والامرُ، (اعراف) ہان! اسی اللہ کے لئے ہے، پیدا کرنا اور حکم دینا،

یہ دونوں آیتیں جن موقعوں پر وارد ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم امر تکوینیات اور حوادث عالم سے متعلق ہے، پہلی آیت دو جگہ ہے، سورۂ انعام اور سورۂ یوسف میں، سورۂ انعام کا موقع یہ ہے کہ کفار نبی کی صداقت کے ثبوت مین عذاب کا جلد مشاہدہ چاہتے ہیں، اس کے جواب میں ہے،

مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ یَقُصُّ الْحَقَّ وَھُوَ خَیْرُ الْفَاصِلِیْنَ	جس چیز کا تم تقاضا کر رہے ہو، وہ میرے پاس نہیں، حکم کسی کا نہیں، بجز اللہ تعالیٰ کے، اللہ تعالیٰ واقعی بات تبلادیتا ہے، اور وہی سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے،
(انعام - ۷)	

دوسری جگہ سورۂ یوسف میں اس موقع پر ہے، جب حضرت یعقوبؑ بیٹوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ مصر میں مختلف دروازوں سے داخل ہو تاکہ کسی آفت میں نہ پھنسو، پھر فرماتے ہیں، کہ یہ تو انسانی تدبیر ہے، مگر ہوگا وہی جو اللہ چاہتا ہے،

وَمَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَعَلَیْہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ،	اور خدا کے حکم کو میں تم سے نہیں ٹال سکتا، حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے، (باوجود اس تدبیر ظاہری کے دل سے) اس پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی پر بھروسہ رکھنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے،
(یوسف - ۸)	

دوسری آیت کا موقع یہ ہے:-

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی اللَّیْلَ النَّھَارَ	بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے، جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا، پھر عرش پر قائم ہوا، چھپا دیتا ہے

یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ،

(اعراف۔ ۷)

شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلد ہی لے آتی ہے، اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اسی کے حکم کے تابع ہیں، یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں کے ساتھ بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے (پروردگار ہیں)

صاف ظاہر ہے کہ اس امر کا تعلق خلق و تکوین سے ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے، کہ لفظ امر اور حکم کو لغوی وسعت کی بنا پر امور شرعی کو بھی کسی درجہ میں شامل ہو جائیں لیکن قرآن پاک اور احادیث میں جب دوسرے تصریحی دلائل اس دعویٰ پر موجود ہیں، تو اس تصریح کو چھوڑ کر صرف اجمالی دلیل پر قناعت کیوں کی جائے،

عبادت کے معنی صرف کسی کو معبود بنا کر پکارنے ہی کے نہیں ہیں، بلکہ اگر کسی کو زبان سے معبود نہ بھی کہا جائے، اور اس کی ظاہری پرستش نہ بھی کی جائے لیکن اس کے احکام کی مثل خدا کے حکم کی مستقلاً اطاعت کی جائے، تو یہ بھی عبادت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے ادا ہوتا ہے،

لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ (مریم) شیطان کی عبادت نہ کرو،

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے :۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ، (یٰسین) یہ کہ شیطان کی عبادت نہ کرو،

ظاہر ہے شیطان کی عبادت کوئی نہیں کرتا، لیکن جو شیطان کی باتوں پر عمل کرتا، اور اس کے

حکمون کو مانتا ہے، وہی شیطان کی عبادت کرتا ہے، اس لئے حکم الٰہی ہے،

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ، (اسرائیل ۳)	اور تیرے پروردگار کا یہ فیصلہ ہو چکا کہ اللہ کے سوا کسی عبادت نہ کرو،

سورہ کہف مین ہے :-

وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (۳)	اور نہ اللہ کسی کو اپنے حکم مین شریک کرتا ہے،

سورہ کے آخر مین ہے،

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (کہف - ۱۲)	اور اپنے رب کی عبادت مین کسی کو شریک نہ کرے،

یہ عبادت ہر قسم کی اطاعت کو شامل ہے، قرآن پاک نے دوسرے موقع پر تصریح کی ہے کہ شرک صرف یہی نہیں ہے کہ ایک خدا کو دو خدا کہا جائے، بلکہ یہ بھی ہے کہ خدا کی اطاعت بلا واسطہ مین کسی اور کو شریک ٹھہرایا جائے، سورہ انعام مین حلال اور حرام کھانے کی تفصیل کے بعد ارشاد ہے کہ

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ، (انعام - ۱۴)	اور بے شبہ شیطان اپنے دوستون کو سکھاتے ہین کہ تم سے جھگڑا کرین، اور اگر تم ان کی اطاعت کر لو، (ان کی بات مان لو) تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ،

اوپر کی آیتون سے واضح ہوا کہ اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، یہان سوال پیدا ہوگا، تو پھر اسلام مین انبیاء اور ائمہ زمانہ اور خلفاء کی اطاعت کا حکم کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، جواب یہ ہے کہ بے شبہ اسلام مین اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اور دوسرون کی اطاعت احکام الٰہی کی تبلیغ اور احکام الٰہی کے اجراء و تنفیذ مین حکم الٰہی کے تحت مین ہے، ارشاد الٰہی ہے،

أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ — اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اور

وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ، — اولی الامر کی اطاعت کرو،

اولوالامر کی اطاعت خواہ اس سے مراد علماء ہوں یا حکام، خدا کے احکام کے تحت اسی کے احکام کی تنفیذ اور اجرا میں ہے، اور رسول کی اطاعت بھی احکام الٰہی کی تسلیم اور تنفیذ ہی کی خاطر ہے، جیسا کہ ارشاد ہے :-

وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ — اور جو رسول کی اطاعت کرتا ہے، اس نے

اللّٰهَ، (نساء - ۸) — اللہ کی اطاعت کی،

اس سے پہلے اسی سورہ میں ہے،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا — اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا، لیکن اس لئے

لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ، — کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کیجائے

یہود اور نصاریٰ نے احکام الٰہی کو چھوڑ کر اپنے راہبوں اور کاہنوں اور پادریوں کی اطاعت کو دین بنا رکھا تھا، اور ان کا حکم، حکم خدا سے ماخوذ و مستنبط نہیں بلکہ مستقل حکم کے طور پر بجا لایا جاتا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اُن کو شرک کا ملزم قرار دیا ہے، اور ان سے جزیہ یا قتال کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ہے

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ — اہل کتاب میں سے اُن سے لڑو جو اللہ

وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ — اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، اور نہ

مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَ — جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام

لَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ — کیا، اس کو حرام مانتے ہیں، اور نہ

أُوتُوا الْكِتَابَ (توبہ - ۴) — دین حق کی اطاعت کرتے ہیں،

ان آیات میں اہل کتاب پر ایمان نہ رکھنے کا جو الزام قائم کیا گیا ہے، وہ اسی لحاظ سے ہے کہ

وہ صرف حکم الٰہی کے پابند نہین ہین، بلکہ یہ مرتبہ انھون نے خدا کے بندون کو بھی دے رکھا ہے، چنانچہ اس کے بعد اس کی تصریح ہے،

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا (توبہ - ۵)

اونھون نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالمون اُور راہبون کو رب بنا رکھا ہے، اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ اُن کو صرف یہ کہا گیا ہے، کہ ایک ہی معبود برحق کی عبادت کرین،

عالمون اور راہبون کو رب بنانا اسی بنا پر ہے کہ وہ اُن کے حکمون کو بھی مستقلاً خدا کا حکم تسلیم کرتے تھے، کیونکہ ان کو یہ دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو غیبی طور سے اپنے حکمون سے اور معاملات کے فیصلون سے مطلع فرماتا ہے، اسلام نے اُن کو دوسری سورہ مین اس شرک سے باز رہنے کی دعوت دی،

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ، (آلِ عمران - ۷)

اے کتاب والو! آؤ ایک بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکسان مانی ہوئی ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرین اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائین، اور نہ خدا کو چھوڑ کر ہم مین ایک دوسرے کو رب بنائین،

یہ رب بنانا اطاعت ہی کی بنا پر ہے، ترمذی اور مسند احمد مین ہے کہ جب عدی بن حاتم جو ایک عیسائی عرب امیر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور آپ نے اُن کے سامنے سورہ توبہ والی آیت مذکور پڑھی، تو عدی نے کہا "وہ اُن کو معبود نہین بناتے" فرمایا کیون نہین، انھون نے

ان کے احکام کو ماننا یہی ان کو معبود بنانا ہے، الفاظ یہ ہیں، فذٰلک عبادتھم ایاھم،[۱] ترمذی کی روایت میں ہے، کہ آپ نے فرمایا، کہ ہاں وہ اُن کی عبادت نہیں کرتے تھے، لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال کہتے تھے، تو یہ حلال مان لیتے، اور جب حرام کرتے ہیں تو حرام سمجھ لیتے ہیں،[۲]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شے کو حلال یا حرام ٹھہرانا کسی انسان کا کام نہیں، بلکہ خدا کا ہی، اور اسی کا نام وضعِ حکم ہے، اس تحلیل اور تحریم میں کسی کو شریک ٹھہرانا عین شرک ہے، اسی طرح خدا کے علاوہ یا خدا کے حکم کے ساتھ بلا وساطتِ حکمِ خداوندی بالاستقلال کسی دوسرے کے حکم کی اطاعت بھی شرک ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے عرب اور یہود منافقین کو جو قانونِ الٰہی کی سختی سے بچنے کے لئے یا عدمِ ایمان کے سبب سے اپنے مقدمات یہودیوں کی رواجی عدالت میں یا عرب کاہنوں کے پاس لیجاتے تھے، زجر و توبیخ فرمایا، اور اُن کے اس فعل کو کھلا نفاق اور شرک فرمایا، چنانچہ بعض اصولی احکامِ عدل و انصاف اور طریقِ اطاعتِ احکام کے ذکر کے بعد ارشاد ہے :-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ	کیا تو نے ان کو نہیں دیکھا، جو گمان کرتے
اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ	ہیں کہ وہ اُس پر جو تیری طرف اُتارا گیا،
مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا	اور جو تجھ سے پہلے اُتارا گیا ایمان لا چکے ہیں،
اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ	وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت کو اپنا حاکم بنائیں،
يَّكْفُرُوْا بِهٖ ،	حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے، کہ وہ اُس
(نساء - ۹)	کو نہ مانیں،

طاغوت لغت میں ہر اُس شے کو کہتے ہیں کہ جس کو خدائے تعالیٰ کو چھوڑ کر معبود بنایا جائے "کل معبود من دون اللہ" اور اہلِ تفسیر نے شانِ نزول کا لحاظ کر کے کبھی اوس سے کاہنوں، اور جادوگروں کو

---

[۱] تفسیر ابن کثیر [۲] ترمذی تفسیر آیت توبہ،

اور کبھی یہودی حاکموں کو مراد لیا ہے، اس لئے اس کا مشترک مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کے احکام کو قانون کا درجہ دیکر اطاعت کی جائے، اور اس کے مطابق فیصلہ چاہا جائے، وہ طاغوت ہے، قرآن مجید مین یہ لفظ سات جگہون پر آیا ہے، اور ہر جگہ اس سے مراد حاکم باطل اور معبود باطل لیا گیا ہے،

قوانین الٰہی کو چھوڑ کر کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنا اور فیصلہ چاہنا فسق ہے، اور اس کا مرتکب فاسق کہلائے گا،

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ	اور اللہ نے جو اتارا ہے اس کے رو سے جو
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (مائدہ)	فیصلہ نہین کرتے، وہی فاسق ہین،

اللہ تعالیٰ نے ان احکام کا دوسرا نام حدود ارشاد فرمایا ہے، حدود وہ نشانات ہین، جہان تک آگے بڑھنے کی انسان کو اجازت ہے، اور جس سے تل بھر آگے بڑھنے کی جرأت گناہ اور عصیان ہے، اور یہ حدود اللہ تعالیٰ ہی کے بتائے ہوئے اور ٹھہرائے ہوئے ہین، قرآن پاک مین سورہ بقرہ اور نسار اور طلاق مین احکام الٰہی کے بیان کے بعد ارشاد ہے،

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ	یہ اللہ کی بنائی ہوئی حدین ہین،
تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ	یہ اللہ کی بنائی ہوئی حدین ہین، جو ان
حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ	حدود سے آگے بڑھے گا وہ اپنے آپ
(طلاق)	پر ظلم کرے گا،

سورہ نسار مین وصیت کے قواعد کی تفصیل بتاکر آخر مین ارشاد ہوتا ہے :۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ	یہ اللہ تعالیٰ کی حدین ہین، جو اللہ اور
وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي	اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اللہ
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا	اُس کو جنت مین داخل کرے گا جن کے

[illegible]

وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ وَمَنْ يَّعْصِ	نیچے نہرین بہتی ہون گی، اس مین ہمیشہ رہین گے
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ	اور یہ بڑی کامیابی ہے، اور جو اللہ اور
يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ	اس کے رسول کی نافرمانی کریگا، اور اللہ کی
لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (نساء-۲)	حدود سے آگے بڑھیگا اس کو وہ دوزخ میں ڈالیگا،

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان حدود پر عمل اللہ و رسول کی اطاعت اور اس کی جزا جنت کی نعمت ہے اور اُن سے انحراف اللہ و رسول کی نافرمانی اور اس کا نتیجہ دوزخ کی سزا اور ذلت کی مار ہے، اور رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے،

قانون و شرع کی حقیقت تحلیل و تحریم ہی ہے، اور یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، انسان اگر اپنی طرف سے کسی قانون کو وضع کرے، اور بلا سند الٰہی کسی شے کو حلال یا حرام کرے تو اس کا نام "افترا علی اللہ" خدا پر جھوٹ تہمت باندھنا ہے، ارشاد ہوا:-

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ	اور جن چیزون کو تم اپنی زبان سے (حلال
هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ	وحرام) بتاتے ہو ان کی نسبت یہ نہ کہو کہ
لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ	یہ حلال ہے، اور یہ حرام تاکہ تم اللہ پر
الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ	جھوٹ تہمت لگاؤ، یہ (دنیا مین) چند
لَا يُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ	روزہ فائدہ ہے، اور ان کے لئے دردناک
عَذَابٌ اَلِيْمٌ (نحل-ع ۱۵)	عذاب ہے،

اس آیتِ پاک مین نہ صرف یہ کہ اس حلال وحرام کی شریعت کو اپنے لئے مخصوص فرمایا، بلکہ یہ بھی پیشین گوئی فرمادی کہ جو لوگ شریعت الٰہی کو چھوڑ کر خود اپنی شریعت بنائین گے، گو ان کو تھوڑے دن کا فائدہ حاصل ہو جائے، مگر وہ اُن کے لئے عذاب ہی ثابت ہوگا، دنیا مین بھی اور آخرت مین بھی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت الٰہی کے مظہر تھے، اور بندون کو احکام الٰہی سے آگاہ فرماتے تھے، اور اس حیثیت سے آپ کا ہر حکم حکم الٰہی ہے لیکن حکم الٰہی کے بغیر ایک مرتبہ ایک چیز کو اپنے لئے آپ نے حرام قرار دیا، تو عتاب الٰہی آیا،

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ، (تحریم) — اے پیغمبر! تو کیون اوس کو حرام کرتا ہے جس کو اللہ نے تیرے لئے حلال کیا،

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ استحقاق بالاستقلال نبی کو بھی حاصل نہین، حالانکہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی مباح چیز کا استعمال اپنی کسی ذاتی مصلحت کی بنا پر ترک کر دے، مگر جب رسول نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس حق کے استعمال سے آپ کو منع فرما دیا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس سے دو نقصان تھے، ایک یہ کہ نبی کا ہر شرعی فعل جو اس کے لئے مخصوص نہ ہو، اُمت کے لئے تحت حکم الٰہی شرع کا حکم رکھتا ہے، اس قاعدہ کی بنا پر آپ کے اس ترک سے اُمت اپنے لئے بھی ایک حلال چیز کو حرام سمجھ لیتی، دوسرے یہ ثابت ہوتا کہ نبی کو بغیر اذن الٰہی کے بھی حق تشریع ہے جو صحیح نہ ہوتا، اسی لئے نبی کی تشریعی حیثیت یہی ہے کہ وہ شریعت الٰہی کا مُبلغ اور قانون ربانی کا شارح اور مُظہر ہے، قرآن پاک کی اس آیت مین ہے،

وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه (توبہ - ۴) — اور یہود و نصاریٰ اسے حرام نہین کرتے، جس کو اللہ اور اُس کے رسول نے حرام کیا ہے،

اس آیت مین رسول کی طرف جو تحریم کی نسبت ہے وہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مبلغ تھے جن کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جس طرح احکام مین اولوالامر کی اطاعت عین رسول کی اطاعت ہے کیونکہ وہ رسول ہی کے لائے ہوئے احکام کو پیش کرتے ہین،

اسلامی علوم کی تدوین کے زمانہ مین یہ مسئلہ کہ حاکم شرع اللہ تعالیٰ ہے، اصول کا مسئلہ بن گیا ہے، چنانچہ علم عقائد اور اصول فقہ کی کتابون مین اس مسئلہ پر بحثین موجود ہین،

علم اصولِ فقہ مین یہ مسئلہ اس حیثیت سے زیر بحث آیا ہے، کہ واضع قانون صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور اسی کے امر و نہی سے بندون نے فرض و واجب اور حرام و حلال کو جانا،

علامہ آمدی المتوفی ۶۳۱ھ اپنی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام مین لکھتے ہین،

اعلم انہ لا حاکم سوی اللہ تعالیٰ ولا حکم الا ما حکم بہ، ویتفرع علیہ ان العقل لا یحسن ولا یقبح، ولا یوجب شکر المنعم وانہ لا حکم قبل ورود الشرع (ص ۱۱۳، مصر)	جاننا چاہئے کہ حکم دینے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہین، اور حکم وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، اور اسی اصل پر یہ مسئلہ متفرع ہے، کہ عقل نہ کسی کو اچھا کہتی ہے اور نہ برا، اور یہ کہ محسن کا شکر عقلاً نہین ہے، اور یہ شرع کے ورود سے پہلے کوئی حکم نہین

مقصود یہ ہے کہ احکام شریعت اور قانونِ شرعی کا واضع صرف اللہ تعالیٰ ہے، اسی کا حکم حکم ہے، اور اسی کا قانون قانون ہے، اس بنا پر شرع کے نزول سے پہلے تنہا عقل کے رو سے کوئی حکم فرض، واجب، سنت، مستحب یا حرام، ناجائز، مکروہ کی صورت مین جس کے فاعل پر ثواب یا عقاب کا حکم عائد کیا جا سکے نہین ہو سکتا، اور نہ عقل اپنی تنہا کوشش سے کسی بات کو باعتبار ثواب یا عذاب کے اچھا یا برا کہہ سکتی ہے،

علامہ ابن ہمام حنفی المتوفی ۸۶۱ھ تحریر مین لکھتے ہین،

الحاکم لا خلاف فی انہ رب العٰلمین، (ص ۲۹)	اس مین اختلاف نہین کہ حکم کا واضع پروردگار عالم ہے،

قاضی بیضاوی المتوفی ۶۱۵ھ کی منہاج الاصول کی شرح مین علامہ اسنوی واضح کرتے ہین،

حسن و قبح، اور شے کے اچھے یا برے ہونے کے ایک معنی یہ ہین، کہ اس شے کو فطرت پسند کرتی ہو

یا اوس سے نفرت رکھتی ہے، جیسے ڈوبتوں کو پانی سے باہر نکالنا، اچھی بات ہے' اور کسی کا مال ظلم سے لے لینا بُرا ہے، اس کے دوسرے معنی یہ ہیں، کہ ایک کمال کی صفت ہے، اور دوسری نقص کی، جیسے علم اچھا ہے، اور جہل بُرا ہے، ان دونوں معنوں کے لحاظ سے ان کے اچھے یا بُرے ہونے کا عقل کے رو سے فیصلہ کرتے ہیں' اس میں اختلاف نہیں ہو اختلاف اس میں ہے کہ کسی فعل پر ثواب اور کسی پر عذاب کے ترتب کا فیصلہ صرف شریعت سے معلوم ہو سکتا ہے' اشاعرہ (اور عام اہلِ سنت) کے نزدیک حُسن و قبح کے یہ دونوں فیصلے صرف شرع پر موقوف ہیں، اور معتزلہ کہتے ہیں، کہ عقل اس کا فیصلہ کر سکتی ہے، اور اس فیصلہ کے لئے حکم الٰہی کے ورود کا انتظار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر بندوں کے مصالح اور مفاسد کی مراعات (لحاظ کرنا) واجب ہے، شریعت کے نزول سے عقل کا فیصلہ مضبوط اور مستحکم ہو جاتا ہے"، (صفحہ ۹ برحاشیہ تحریر ابن ہمام)

معتزلہ نے حقیقت میں الٹی بات کہی ہے، ہے یہ کہ شریعت کے فیصلہ سے حکم کی معرفت ہوتی ہے، اور عقل سے، اس کی مصلحت قیاس و تجربہ کی بنا پر اہلِ عقل کے نزدیک مضبوط اور مستحکم ہو جاتی ہے، اور یہی اہلِ سنت میں سے متاخرین ماتریدیہ (حنفیہ) کا مسلک حق ہے، مولانا محب اللہ بہاری المتوفی ۱۱۱۹ھ مسلم الثبوت میں کہتے ہیں،

"حکم صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ کمال و نقص اور دنیاوی غرض و مصلحت کے موافق یا مخالف ہونے کا فیصلہ عقل سے ہوتا ہے، اختلاف اس میں ہے، کہ کسی فعل کے کرنے والے کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مدح یا مذمت کا مستحق ہونا عقل کے رو سے سمجھا جا سکتا ہے' یا صرف شرع سے تو اشاعرہ کے نزدیک وہ صرف شرع سے معلوم ہوتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اچھا فرمایا، وہ اچھا ہے، اور جس کو بُرا فرمایا وہ بُرا ہے، اور اگر

اللہ تعالیٰ اس کے خلاف فرماتا تو وہی اچھا یا برا ہوتا، اور ہمارے (یعنی ماتریدیہ) اور معتزلہ کے نزدیک وہ عقل سے معلوم ہو سکتا ہے، لیکن ماتریدیہ اور معتزلہ میں فرق یہ ہے کہ معتزلہ اور امامیہ اور کرامیہ وغیرہ یہ کہتے ہیں، کہ جس پہلو کو عقل ترجیح دے، اوسی کے مطابق حکم دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، اور ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جس پہلو کو عقل ترجیح دے، وہ پہلو اس بات کا مستحق ہے، کہ اللہ حکیم و دانا کا حکم ... لیکن جب تک اللہ تعالیٰ حکم نہ دے تو کوئی حکم محض عقل سے نہیں ہو سکتا،"

(المقالۃ الثانیہ فی الاحکام)

بعض اہل اصول نے معتزلہ کی طرف جو یہ نسبت کی ہے، کہ وہ حاکم قانون عقل کو سمجھتے ہیں، مولانا بحر العلوم نے شرح مسلّم الثبوت میں اس مسئلہ کی شرح میں اس کی تردید کی ہے، فرماتے ہیں،

"اس مسئلہ پر کہ حکم صرف اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، تمام اُمّت کا اجماع ہے، او ہمارے مشائخ کی بعض کتابوں میں جو یہ لکھا ہے، کہ یہ ہمارے نزدیک ہے، اور معتزلہ کے نزدیک واضع قانون و حاکم عقل ہے، یہ غلط ہے کیونکہ ایسا کہنے کی جرأت کسی ایسے شخص کو نہیں ہو سکتی جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو، بلکہ معتزلہ یہ کہتے ہیں، کہ عقل بعض احکام الٰہی کو جان سکتی ہے، چاہے شرع میں وارد ہو، یا نہو اور یہی ہمارے اکابر مشائخ کے نزدیک بھی ثابت ہے،"

قاضی شوکانی المتوفی ۱۲۵۵ھ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اشاعرہ اور معتزلہ کے اختلاف اور اتفاق کے موقع میں حسب ذیل فرق ہے،

"اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ نبی کی بعثت اور اس کی دعوت کے پہنچنے کے بعد حاکم قانون صرف شرع ہے، اختلاف اس زمانہ اور حالت سے متعلق ہے جب

نبی کی بعثت نہ ہو، یا اس کی دعوت کسی تک نہ پہنچی ہو، تو اشاعرہ کے نزدیک اس وقت کسی حکم کا کوئی مکلف نہیں ہے، نہ کفر حرام ہے اور نہ ایمان واجب ہے، اور معتزلہ کے نزدیک اس وقت بھی عقل کے رو سے جو حکم ہو اس کے ساتھ حکم الٰہی کا تعلق سمجھا جائے گا"

(ص ۷، ارشاد الفحول، مصر)

اب آخر میں ہم حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول فیصل نقل کرتے ہیں جو ان تمام مباحث کا نچوڑ (خلاصہ) ہے،

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاکم نہیں، اوسی کے لئے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا، اور عقل وغیرہ کسی مخلوق کی یہ شان نہیں، کہ وہ کسی حکم کو ثابت کرے، اللہ تعالیٰ نے وجوب یا استحباب کے ساتھ جس کا حکم دیا، وہ درحقیقت حسن (اچھا) ہے، عام اس سے کہ وہ لذاتہ حسن ہو یا اپنے کسی وصف یا کسی متعلق کی بنا پر، اسی طرح جس سے منع فرمایا، وہ (قبیح) بُرا ہے تو افعال کا حسن و قبح کے ساتھ اتصاف امر و نہی سے پہلے ہی عالم حقیقت میں ہو چکا تھا اور اسی کی رعایت کرکے اللہ تعالیٰ نے امر و نہی فرمایا ہے، عقل کبھی اُن کے حُسن و قبح کو معلوم کر لیتی ہے، تو اس موقع پر اس حسن و قبح کو عقلی کہہ دیتے ہیں، لیکن شرع کے ورود سے پہلے کوئی حکم نہ تھا، تو یہ مذکورہ بالا حسن و قبح بندون کے حق مین تمامتر اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہے، پس احکام بندون کے حق مین صرف شرع الٰہی پر مبنی ہین" (ص ۱۲)

حضرت مولانا شہیدؒ کا یہ رسالہ اصول فقہ درحقیقت اصول فقہ کی "تہذیب"[1] ہے اس فن

---

[1] تہذیب منطق مین ایک مختصر متین کا نام ہے، جس مین بڑے بڑے فیصلون کو جن پر مباحث کے دفتر ہین ایک ایک فقرہ مین ادا کر دیا گیا ہے،

سے کے بڑے بڑے مسئلون کو ایک ایک دو فقرون مین طے فرما دیا ہے، اوپر کی عبارت مین مصنف نے جو کچھ کہا ہے، اس کی تشریح یہ ہے، کہ قانون کا واضع درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے، یہ حق مخلوقات میں سے کسی کے لئے ثابت نہین ہے، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے امر اور نہی فرمایا ہے، وہ تمامتر حکمت اور بندون کی مصلحت پر مبنی ہے، عقل کبھی اس حکمت و مصلحت کو پالیتی ہے، تو اس کو عقلی بھی کہہ سکتے ہین، ورنہ عقلی کہنے کا یہ منشا نہین کہ عقل اوس قانون کی واضع اور آمر ہے،

اس تفصیل کی ضرورت اس لے پیش آئی تاکہ معلوم ہوجائے کہ ہمارے ماہرین قانون نے شروع سے اخیر تک اس اصول کو مان لیا ہے، کہ اسلام مین وضع قانون کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، وہی ایک حاکم آمر اور واضعِ شرع ہے،

اس موقع پر بعض صاحبون کو یہ شبہہ پیش آئے گا کہ یہ قانونِ شرع تو کسی قدیم زمانہ مین ایک وقتِ خاص مین نازل ہوا، وہ زمانہ کی ہر ضرورت اور نئے حالات کے مناسب قیامت تک کے لئے کیونکر ہوسکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ہین قانون کے اصول اور کلیات اور دوسرے ہین اوس کے فروع اور جزئیات، دنیا کے ہر قانون کے اصول و کلیات خواہ وہ عقلی و تجربی ہی ہون ہمیشہ یکسان رہتے ہین، ان مین تغیر و تبدل نہین ہوتا، تغیر تبدل اور تجدد یعنی نئی نئی صورتون کا پیش آنا، یہ واقعات اور حوادث مین ہوتا ہے، جو انہی کلیات کے اندر مندرج ہوتے ہین، جیسے فن طب جب بھی بنا ہو لیکن اس کے اصول و کلیات پرانے اور غیر متبدل ہین، اب جو بھی بیماریان ظاہر ہون، قدیم اصول کے تحت ان کا بیان طب کی کتابون مین موجود ہے، مثال کے لئے یون سمجھئے کہ قتل ناحق کی سزا قصاص اور دیت اور کفارہ وغیرہ شرع مین مقرر ہے، اب یہ صورتین کہ وہ قتل پہلے تیر اور تلوار سے ہوتا تھا، اور اب بندوق سے تمنچہ سے، ڈیناسٹ سے، توپ سے، گولہ سے اور مختلف نئے نئے اوزارون سے ہوا کرتا ہے، لیکن یہ تغیر مسئلہ کی صورت مین فرق نہین پیدا کرتا، کسی کی سواری

سے کسی کو نقصان پہنچ جائے، تو اس کا اصولی جواب شرع میں موجود ہے، پہلے یہ سواری جانوروں کی صورت میں محدود تھی، اور اب گاڑی، سائیکل، موٹر، ریل وغیرہ کی صورتوں میں یہ حادثے پیش آئیں تو اصول کلیہ میں کوئی فرق نہ ہوگا،

دوسرا شبہہ یہ پیش آسکتا ہے، کہ اگر یہ اصول صحیح ہے، تو ہر زمانہ کے مجتہد نئے حالات کا حکم جو اپنے اجتہاد سے بتاتے ہیں، کیا وہ نیا حکم نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مجتہد وہ ہیں جو احکام کے اصول و فروع پر پوری نگاہ رکھتے ہیں اور آیات و احادیث سے احکام کے اصول کلی اور ان کے علل و اسباب اور مصالح و مفاسد کو معلوم کرتے ہیں، اور ان کے مطابق نئی پیش آنے والی جزئی صورتوں کا فیصلہ کرتے ہیں، اس بنا پر ان کا اجتہاد و قیاس کسی نئے حکم کا واضع اور مخترع نہیں بلکہ مظہر ہے یعنی وہ حکم کا اختراع نہیں کرتے، بلکہ یہ ظاہر کرتے ہیں، کہ مقررہ احکام الٰہی کے تحت میں اس نئی صورت کا یہ جواب ہے، اہلِ اصول کے اس مسئلہ کے کہ قیاس حکم کا صرف مظہر ہے، یہی معنی ہیں کہ وہ بتاتا ہے کہ یہ نیا جزئیہ فلاں اصول کلی کے ماتحت ہے، انہی اصولوں کی بنا پر ہمارے فقہا نے فتاویٰ کا پورا دفتر مرتب کیا ہے، جس کے مطابق ہر زمانہ میں ہر ضرورت کا جواب دیا جا سکتا ہے، اور جس پر دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی عظیم الشان حکومتیں اور عدالتیں قائم ہوئیں اور اب بھی ہیں،

ضمیمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ

الملقب بہ

دافع الضنک عن الانتفاع بالبنک

از مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صدر شعبۂ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

(۲)

اس کے بعد کاروبار بنک کے جواز کی ایک اور خوبصورت دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ یہ مسئلہ فضل کی فرع ہے، جس کی شرح یہ ہے کہ جب قرض لیا جائے اور پھر ادا کیا جائے تو اصل کے ساتھ کچھ زائد بھی ملا دیا جائے، یہی فضل کا اصول ترقی پا کر بنک کا قالب اختیار کر گیا ہے، اس پر یہ سوال پیدا ہوتا تھا، کہ پھر بیوپاری کاروبار (انفرادی سود) کو بھی مسئلہ فضل کی فرع کیوں نہ کہا جائے؟ اس کا یہ فلسفیانہ جواب دیا گیا ہے، جس کو سُن کر افلاطون کی روح بھی تڑپ جائے گی کہ

"شاید یہ ابتک ایک راز کی صورت مین چھپا رہا ہے (جو ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد حضرت علامہ ہی کے فلسفی دماغ پر منکشف ہوا ہے) وہ یہ ہے کہ ربوا ایک جبری زائد یہ ہونے

۱؎ حدیث یا قرآن سے اس مسئلہ کو ثابت کرنا مستدل کا پہلا فرض ہے، یہ دعویٰ سے کہا جاتا ہو کہ قرض کے متعلق حدیث و قرآن مین یہ الفاظ ہرگز نہین، اور جو کچھ حدیث مین ہے اس کی شرح میرے رسالہ کشف الدجیٰ عن وجہ الربٰوا مین مذکور ہے، ضرورت ہوئی تو معارف مین بھی اعادہ کر دیا جائے گا، اگر علامہ مخاطب نے دوبارہ اس مبحث پر قلم اٹھایا ہو وقد اشرت الی تفسیرہ فی آخر ہذہ المقالۃ ایضاً نقلاً عن المبسوط والبدائع وغیرہما والعاقل تکفیہ الاشارۃ ۱۲،

کے علاوہ تاسیسی اور تعمیری شان سے محروم ہے، یعنی وہ مستقل نظام اعانت کی بنیاد نہیں رکھتا اور تعمیر نہیں کرتا، اس کے برعکس وصولِ فضل علاوہ رضائی زائد یہ ہونے کے تعمیری و تاسیسی شان کا بھی مالک ہے"،

کوئی ہے جو اس راز درونِ پردہ کی داد دے؟ ربا دی کاروبار اور بنک کے کاروبار میں پہلا فرق تو بتلایا گیا ہے کہ ربا دی کاروبار میں جو سود لیا جاتا ہے وہ جبری ہے اور بنک کے کاروبار میں جو سود لیا جاتا ہے وہ رضائی ہے یعنی وہاں جبراً زیادہ لیا جاتا ہے، یہاں خوشی سے لیا جاتا ہے، مہربانی فرما کر ذرا اس جبر و رضا کی شرح بھی فرما دیجائے، اگر یہ مطلب ہے کہ بنک جب کسی کو قرض دیتا ہے، تو اپنی طرف سے سود نہیں لگاتا نہ سود کی شرط کرتا ہے، یونہی بلا شرط قرض دیدیتا ہے، لینے والا اپنی خوشی سے کچھ زیادہ ادا کر دیتا ہے، تو یقیناً آپ بنک کے کاروبار سے قطعاً ناواقف ہیں، بنک جب بھی کسی کو قرض دے گا، سود کی شرط سے دیگا، اور اسی وقت سے قرض لینے والے کے نام پر سود لگنا شروع ہو جائے گا، اور قرض میں زائد کی شرط لگانا ہی شرعًا ربوا اور حرام ہے، اور اگر یہ مطلب ہے کہ ربا دی کاروبار میں اگر سود نہ ادا کیا گیا تو قرض دینے والا عدالت میں نالش کر دیتا ہے، اور قرض لینے والے کی جائداد قرق کرا لیتا ہے، سو جاننے والے جانتے ہیں، کہ بنک بھی ایسا ہی کرتا ہے، ہمارے سامنے ایسے زمینداروں کی نظائر موجود ہیں، جن کی لاکھوں کی جائداد بنک نے اپنے سودی قرض میں قرق کرا لی ہے، اور آج اُن کی اولاد نان شبینہ کی محتاج ہے، اگر یہ مراد ہے کہ ربا دی کاروبار میں ڈنڈے کے زور سے سود وصول کیا جاتا ہے اور بنک ایسا نہیں کرتا، تو یہ بھی مشاہدہ کے خلاف ہے، بنیا اور یہودی بڑی خوشامد اور چاپلوسی سے سود وصول کرتے ہیں، جب اس طرح کام نہیں چلتا، تو عدالت کے ذریعہ وصول کرتے ہیں، البتہ سرحدی پٹھان ڈنڈے کے زور سے وصول کرتا ہے، مگر وہ اس کو سود ہی نہیں سمجھتا، اس کے نزدیک تو مولانا گیلانی کے فتوے کے مطابق اہلِ حرب سے جو کچھ بھی عقد ربا کے ذریعہ وصول کیا جائے ربا ہی نہیں

اوسی طرح ربا نہیں جس طرح عبد و مولی کے درمیان ربا نہین جس کا جواب مفصل عرض کر چکا ہون"،

دوسرا فرق یہ بتلایا گیا ہے، کہ "ربادی کاروبار تاسیسی اور تعمیری شان سے محروم ہے" بنیک کا کاروبار تعمیری و تاسیسی شان کا مالک ہے،" مولانا کا فرض ہے کہ اس مقدمہ کو کسی دلیل شرعی سے ثابت کرین کہ اگر قرض مین زائد یہ کی شرط تعمیری و تاسیسی شان سے ہو تو وہ سود نہین، پھر یہ بھی بتلائین کہ اگر ربادی کاروبار کرنے والا بھی روپیہ مین سے ایک آنہ یا دو آنہ تعمیری کامون کے لئے نکالتا ہو تو کیا اس صورت مین وہ ربادی کاروبار کو جائز کر دین گے؟ مشاہدہ تو یہ ہے کہ ربادی کاروبار کرنے والے بنیک والون سے زیادہ تعمیری کامون مین حصہ لیتے ہین، کیا آپ کو معلوم نہین، کہ کانگریس کو تعمیری کامون کے لئے لاکھون روپے کی تھیلیان کلکتہ کے مارواڑیون اور بمبئی کے مہاجنون ہی سے وصول ہوتی ہین، اور اُن ہی کی امداد کے سہارے کانگریس نے ترقی کی ہے،" تو کیا ان لوگون کے لئے ربادی کاروبار کو جائز کر دیا جائے گا ؟ اس کے بعد آپنے ایک اور قاعدہ سے بنیک کے کاروبار کو جائز کرنے کی کوشش کی ہے، کہ

" اسلام مین عموم بلوی اور تعامل ناس کا اصول موجود ہے، جس کا منشا یہ ہے، کہ جس چیز کی حرمت منصوص نہ ہو، صرف قیاس سے محرمات مین شامل کر دی گئی ہو، اگر رواج عام اور عمل عمومی اوس کو معمول بہا بنا ڈالین تو وہ محرمات سے نکل جائے گی"،

آپ کو تسلیم ہے کہ یہ اصول وہان ہے جہان کسی چیز کی حرمت منصوص نہ ہو مگر ہم کو یہ تسلیم نہین، کہ بنیک کے کاروبار کی حرمت غیر منصوص ہے، اور محض قیاس سے اوس کو محرمات مین داخل کیا گیا ہے، کیونکہ بنیک بھی ربادی کاروبار والون کی طرح لوگون کو قرض دیتا ہے، اور قرض سے زائد وصول کرتا ہے، لوگ بنیک مین روپیہ جمع کرتے ہین، اور اس سے سود لیتے ہین، اور اس کی حرمت منصوص ہے، رہا یہ کہ ربادی کاروبار مین فرد کا معاملہ ہے، اور بنیک مین جماعت کا تو اس سے حرمتِ منصوصہ

منصوصہ مین فرق نہ آئے گا، بلکہ جرم قوی تر ہو جائے گا، اگر ایک آدمی کی جگہ ایک جماعت خاص نظام و انتظام کی ساتھ ڈاکہ ڈالنے لگے، تو کوئی عاقل بھی یہ نہ کہے گا، کہ ڈاکہ کی یہ صورت منصوص نہین، بلکہ ہر شخص کہے گا، کہ یہ صورت پہلی صورت سے بھی زیادہ بُری ہے، اگر صورت کے بدلنے سے حرمت منصوصہ بدلنے لگے، تو شاید آپ فلم کمپنیون مین عورتون کے ناچنے گانے اور پارٹ ادا کرنے کو بھی جائز کہدین گے، کیونکہ رقص و سرود کی یہ نئی صورت نزولِ قرآن و حدیث کے وقت، کہان تھی؟ پھر عموم بلوی اور تعامل ناس اوس وقت دلیل بن سکتا ہے، جب کہ عام طور پر مسلمان ... ص و عوام علمار و صلحا، اور جہلا، سب ہی کسی کام کو اپنا معمول بنالین، جس سے عملی اجماع کی شان پیدا ہو جائے، اور اس امت کا اجماع حجت ہے، لیکن اگر یہ نہ ہو بلکہ صرف ایک طبقہ نے کسی کام کو معمول بنایا ہو تو اس کو عموم بلوی اور تعامل ناس مین ہرگز داخل نہین کیا جا سکتا، اب مجھے تبلایا جائے کہ بنیک کے کاروبار کو مسلمانون کے کس طبقہ نے معمول بنایا ہے؟ صرف ایک طبقہ نے یعنی تجار نے اور ان مین سے بھی سب نے نہین بلکہ بڑی تجارت والون نے اور ان مین سے بھی صرف عوام غیر اتقیا نے تو اس کو عموم بلوی مین داخل کرنا محض فلسفیانہ مغالطہ نہین تو اور کیا ہے،؟ حالانکہ اب تک مسلمانون نے خود اپنا ایک بنیک بھی قائم نہین کیا، بنکنگ کے جواز کے لئے آخری اصول آپ نے یہ بیان فرمایا ہے، کہ

الضرورات تبیح المحذورات، ضرورتین ممنوعات کو مُباح بنا ڈالتی ہین

مگر مجھے کہنے دیجئے کہ آپ نے اس قاعدۂ فقہیہ کا مطلب نہین سمجھا، یہان ضرورت سے مراد حالت اضطرار ہے، جیسے کوئی پیاس سے مرنے کے قریب ہو جائے اور پانی آس پاس نہ ہو کسی کے پاس شراب ہو تو اس وقت شراب سے پیاس بجھا لینا اور جان بچا لینا جائز ہے یا تین چار دن کے فاقہ سے جان بلب ہو تو مردار کھا کر جان بچ سکتا ہے یا ناقابلِ برداشت تکلیف مراد ہے جیسے بیمار کو روزہ کا افطار جائز ہے جبکہ ناقابلِ برداشت تکلیف ہونے لگے، بنکنگ کو اس درجہ مین داخل کرنا نرا فلسفہ ہے شریعت نہین، خصوصاً جبکہ نظام بنیک مین ذراسی تبدیلی کرکے اسکو جائز صورت مین

ڈھالا جا سکتا ہے، جیسا کہ آیندہ تبلایا جائے گا، اخیر مین کاروبار بنک کو حرام تبلانے والون سے ایک سوال کیا گیا ہے کہ

"کیا اونھون نے بہتیری ایسی باتین جو اگلون کے یہان ممنوع تھین مشروع نہین ٹھہرا دین، مثلاً مسمی کا معاوضہ اگلون کے یہان ممنوع تھا، اور پچھلون نے اس کو مشروع اور معمول ٹھہرا لیا، اور اس کی توجیہ کیا کی؟ ضرورت کی شدت، ضرورت کی شدت، بنک کے معاملہ مین بھی دامنگیر ہے"

اس مثال کا جواب یہ ہے کہ استیجار علی الطاعات یعنی عبادات اور طاعات کے کامون پر اُجرت لینا فقہائے اسلام مین مختلف فیہ ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ اس کو جائز کہتے ہین، امام ابوحنیفہ رح نے اس کو ناجائز فرمایا ہے، تو یہ ایسا فعل نہین ہے جس کی حرمت پر نص قطعی قائم ہو یا اجماع ہو چکا ہو بلکہ مختلف فیہ اجتہادی مسئلہ ہے اور ایسے مسائل مین شدت ضرورت کے وقت دوسرے ائمہ کے اقوال پر فتوی دینے کی فقہا کو گنجایش ہے، بنک کا کاروبار مختلف فیہ نہین بلکہ صریح ربا ہے، صورت کے بدلنے سے حقیقت نہین بدل سکتی، جیسا اوپر تفصیل سے عرض کر چکا ہون، اس لئے اوس کو قیاسیات اور اجتہادیات مین شامل کرنا قطعاً غلط ہے، اور معلمی کے معاوضہ پر قیاس کرنا تو غلط در غلط ہے، خاتمۂ کلام پر تو آپ نے ایک ایسی بات فرما دی ہے جس نے سارا بنا بنایا قلعہ ہی منہدم کر دیا، اسلامی بنک قائم کرنے کی ضرورت اور غیر مسلم بنکون کی خطرناک حالت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہین :-

"پھر کیا تم اس معمولی گر کو بھی نہین سمجھتے، کہ بنک جہان ایک پہلو سے حفاظت کی جگہ ہے ایک دوسرے پہلو سے ہلاکت کی جگہ بھی ہے، اور اس تفریق کا دار و مدار نظام کے کچھ بھیدون پر ہے، جن کی خبرین صرف منتظمین بنک کے سینے ہین"

سبحان اللہ! اس نظام کو آپ کبھی مسئلہ فضل کی فرع قرار دینا چاہتے ہین، کبھی الضرورات

تبیح المحظورات کے تحت مین لانا چاہتے ہین، کبھی اعدوا لهم ما استطعتم من قوة، کے تحت مین داخل کرکے واجب قرار دینا چاہتے ہین، کیا ان اصول اسلامیہ کی کوئی بھی فرع ایسی ہے، جو ایسے بھیدون پر مشتمل ہو، جو ایک پہلو سے حفاظت کا سامان ہون، اور دوسرے پہلو سے ہلاکت کا سامان،

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجی ست

ایسے گورکھ دھندے اور اندھے نظام کو اصول اسلامیہ کے تحت مین داخل کرنا اسلام پر بدنما داغ لگانا اور اس کو بدنام کرنا نہین تو اور کیا ہے ؟ مین پوچھتا ہون کہ جب بنیک کے نظام مین ہلاکت کا سامان بھی ہے، اور اس کے بھیدون کی قبرین صرف منتظمین بنیک کے سینے ہی ہین، تو یقیناً اسلامی بنیک قائم کرنے والون کے سینے بھی ان بھیدون کی قبرین ہون گی تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہ اسلامی بنیک کسی وقت مسلم قوم کی پوری دولت یا بہت بڑی دولت کو اپنے شکمون مین رکھ کر اس طرح ہضم نہ کر جائین گے، کہ ڈکار بھی نہ لین، کیا آپ کے نزدیک اسلامی بنیک قائم کرنے والے سب فرشتے ہی ہون گے، اگر یہ کہا جائے کہ ہم اسلامی بنیک کو ان بھیدون سے پاک کرکے نیا نظام قائم کرین گے تو مین کہون گا کہ جس وقت آپ ایسا نظام قائم کرلین گے، اسی وقت اس کو اسلامی اصول کے تحت مین داخل کرنے کا حق بھی ہوگا، اس سے پہلے تو آپ کو یہ حق ہرگز نہین اور موجودہ نظام بنیک کو جو اس وقت دنیا مین رائج ہے، یقیناً خلاف اسلام اور ناجائز و حرام ماننا پڑے گا، مقام شکر ہے کہ بالکل آخر مین آپ نے انصاف سے کام لے کر سچی بات کہہ ہی ڈالی، کہ بنیک کی دو قسمین کی جاسکتی ہین، ایک جائز اور مفید، دوسری ناجائز اور مہلک، پہلی قسم کا نام "اسلامی ربانی" بنیک رکھا گیا ہے، اور دوسری "کا نفسانی"، اسلامی بنیک کے امتیازات حسب ذیل بیان کئے گئے ہین :-

الف :- وہ اپنے تجارتی شعبہ مین اس شرط کی پابندی کرتا ہے کہ صرف مشروع تجارتون کو اختیار کرے گا، نامشروع تجارتون کو اختیار نہ کرے گا،

ب :- اس شرط کی بھی پابندی کرتا ہے کہ صرف مشروط طریقہ تجارت کو اختیار کرے گا، نامشروع طریقہ اختیار نہ کرے گا،

ج :- وہ اس رعایت کی بھی پابندی کرتا ہے کہ اس کا کوئی مقروض اگر تباہ ہوتا ہو تو اس سے اپنا قرض وصول کرکے اس کی قطعی تباہی کا ذریعہ نہین بنجائے گا، بلکہ اس کو مزید مدد دے کر سنبھالے گا، اور اپنا ڈوبا ہوا قرض درستیٔ حالت کے بعد رفتہ رفتہ وصول کرے گا، یا آسانیون کے ساتھ وصول کریگا،

د - اس اصول کو بھی جاری رکھتا ہے کہ حصہ دارون کی طرح جمع کنندون کو بھی اس کے تجارتی نقصانون مین شریک ہونا ضروری ہے، جیسا اس کے تجارتی منافع مین،

ﮦ - وہ اس اصول کو بھی ملحوظ رکھتا ہے کہ جمع اور قرض کے منافع کو متعین نہین کرتا، صرف نفع (ربح یت) کے زائدیہ کو متعین کرتا ہے تاکہ اصول فضل کی بھی رعایت رہے،

و- وہ اپنے کو ہر دغل و دغل (دھوکہ خیانت) سے پاک رکھتا ہے، اور کوئی ایسا بھید نہین رکھتا، جو ناواقفون کو لوٹنے کے کام آئے،

ز- وہ اصول ربوبیت کو بھی اپنے بنیادی اصولون مین شامل رکھتا ہے، اور اس کو برتنے کے لئے اپنے نفع کا ایک حصہ مخصوص کر دیتا ہے، نفسانی بنیک ان لطافتون کو برداشت نہین کرتا،

مین ناظرین سے دریافت کرنا چاہتا ہون کہ ان شرائط کے ساتھ دنیا مین کوئی بھی بنیک موجود ہے؟ اس کا یقیناً جواب نفی مین ہے، تو سارے رسالہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ بنیک کے کاروبار کی موجودہ صورت تو ناجائز اور حرام ہے، اور جو صورت جائز ہوسکتی ہے وہ موجود نہین،

بہت شور سنتے تھے پہلو مین دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

اب حضرت علامہ کا اسی رسالہ کے اندر ایک جگہ یہ فرمانا کہ

"یہ سچ ہے کہ بنک کے شرعاً جائز ماننے مین بہتیرے علماے اسلام کو تردد ہے، بہتیرون کو اختلاف ہے لیکن ہم بخوبی جانتے ہین کہ اس تردد اور اختلاف کا سبب ان کا علم نہین، ان کا وہم ہے، افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ کے علماے اسلام عموماً وہین جن کے لئے علمائے اسلام کا لقب مشکل سے موزون ہوسکتا ہے، کیونکہ وہ نہ اسلام سے واقف ہین، نہ دنیا سے جہان اسلام اترا، نہ انسانون سے جن کے لئے اسلام اترا، ان کا علم اپنا اختراعی اور من گھڑا ہوا علم اسلام ہے، یا سنا سنایا ہوا علم اسلام ہے، حقیقت سے سیکھا ہوا اور حقیقت پر پرکھا ہوا علم اسلام نہین ہے"

یہ نری فلسفیانہ تعلی نہین، تو اور کیا ہے، آخر آپ ہی نے اپنے علم سے کونسا تیر مار لیا، جس کاروبار بنک کو علماے اسلام حرام کہہ رہے تھے، آخر مین آپنے بھی اس کو حرام اور نفسانی تسلیم کرلیا، اور جس کو آپ جائز کر رہے ہین، اس کا وجود اب تک تو دنیا مین اور کم ازکم ہندوستان مین ہے نہین، نہ اس کے متعلق کسی نے علماے اسلام سے استفتاء کیا، نہ انھون نے اس کے عدم جواز کا ابھی تک فتویٰ دیا، علماے اسلام نے جس کاروبار بنک کے عدم جواز اور حرمت کا فتوی دیا تھا، آپ اس کو کسی دلیل سے جائز ثابت نہین کرسکے، اور آخر مین ان کے فتویٰ کی صحت ماننے پر خود ہی مجبور ہوگئے، اب تو آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس رسالہ کے شروع اور وسط مین جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے وہ سب اُس غلامانہ ذہنیت کے تحت لکھا گیا ہے، جو یورپ کی مادی ترقی کی چکاچوند سے عموماً عقول عامہ پر چھارہی ہے، آخر مین کچھ حریت کی شان پیدا ہوئی، تو سارے بنے بنائے قلعہ کو خود ہی منہدم کرکے وہی کہنے لگے، جو علماے اسلام فرما رہے تھے، اس کو کہتے ہین، ؎

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

آپ نے اسلامی بنک کے شرائط مین دفعہ د کے تحت جو کچھ لکھا ہے، اس کا حاصل یہ ہوا کہ اسلامی بنک کو شیرز کمپنی ہونا چاہئے جس مین رقم جمع کرنے والے اس کی تجارت کے حصہ دار ہو کر نفع ونقصان دونون مین شریک ہون"، فرمائیے شیرز کمپنی کو کس عالم اسلام نے حرام کہا ہے؟ آپ تحقیق کرین گے تو معلوم ہوگا کہ شیرز کمپنی مین بہت سے علما حصہ دار ہین"آپ نے اسلامی بنک کی تشکیل کی بحث کو تشنہ چھوڑ دیا ہے، جی چاہتا ہے، کہ مین اس کی تکمیل کر دون،

اسلامی بنک کی تشکیل اسلامی بنک ان اصول کے ساتھ قائم ہونا چاہئے' دفعہ الف اور ب اور ج تو وہی ہین جو آپ نے تحریر فرمائی ہین یعنی

الف :- وہ اپنے تجارتی شعبہ مین اس شرط کی پابندی کرتا ہے، کہ صرف مشروع تجارتون کو اختیار کریگا، نامشروع تجارتون کو اختیار نہ کرے گا،

ب :- اس شرط کی بھی پابندی کرتا ہے، کہ صرف مشروع طریقہ تجارت کو اختیار کریگا، نامشروع طریقہ اختیار نہ کرے گا،

ج :- وہ اس رعایت کی بھی پابندی کرتا ہے، کہ اس کا کوئی مقروض اگر تباہ ہوتا ہو تو اس سے اپنا قرض وصول کر کے اس کی قطعی تباہی کا ذریعہ نہین بن جائے گا، بلکہ اس کو مزید مدد دے کر سنبھالے گا، اور اپنا ڈوبا ہوا قرض درستی حالت کے بعد رفتہ رفتہ وصول کرے گا، یا آسانیون کے ساتھ وصول کرے گا،

د :- اسلامی بنک کسی کو قرض دیکر زیادہ وصول نہ کرے گا، بلکہ جو شخص بنک سے رقم لینا چاہے، اس کو مضاربت پر یہ کہکر رقم دیجائے گی، کہ تم اس سے تجارت کرو یا کوئی صنعت وحرفت اختیار کرو، اور اس کے منافع سے بنک کو نصف یا ثلث یا ربع (یا جتنا مناسب سمجھا جائے مقرر کر کے تبلا دیا جائے گا کہ اتنا) دیتے رہو، اور اگر مقدار مقرر کر دیجائے کہ ماہوار یا سالانہ اس قدر رقم

دینا ہوگا تو گو حنفیہ کے نزدیک مضاربت مین نفع کا حصہ اس طرح مقرر کرنا جائز نہین مگر بعض فقہاے اسلام کے یہان جائز ہے، تو اس کی بھی گنجائش دیجا سکتی ہے،

د :- بنیک کے حصہ دار اور جو لوگ اس مین اپنی رقم جمع کرین، سب کے سب بنیک کے تجارتی کاروبار مین شریک ہون گے، اور نفع و نقصان دونون مین حصہ لین گے، اس طرح اسلامی بنیک کی شکل شیئر زکمپنی کی ہوگی،

و :- اسلامی بنیک اپنے حصہ دارون اور شرکار کے لئے منافع کی مقدار متعین نہ کرے گا بلکہ ہرسال جس قدر نفع تجارت مین ہوگا اوسی کے موافق نفع دیا جائے گا، جو کبھی کم ہوگا، کبھی زیادہ، ایک مقدار پر نہ ہوگا،

ز :- اسلامی بنیک اپنی تجارت کی زکوٰۃ بھی سالانہ ادا کرے گا، یعنی سال پورا ہونے پر جس قدر سرمایہ موجود ہو، اس کی قیمت لگائی جائے، اور جس قدر نقد موجود ہو اور جو روپیہ لوگون کو مضاربت پر دیا گیا ہو، سب کی مجموعی مقدار کا چالیسوان حصہ نکالا جائے گا، جو تمام حصہ دارون اور شرکار کی اجازت سے یتیمون، بیواؤن، نومسلمون کی امداد اور غریب لوگون کی اولاد کی تعلیم، نومسلمون کی تعلیم و تربیت وغیرہ مین خرچ کیا جائے گا،

ح جن لوگون کو روپیہ مضاربت پر دیا جائے گا ان کی جائداد یا مکان یا زیورات وغیرہ اس رقم کے عوض مکفول کرلئے جائین گے، تاکہ اصل رقم ضائع ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے،

ط :- جو لوگ بنیک کے حصہ دار بھی ہون، اور کام کرنے والے بھی ہون، ان کی تنخواہ مقرر نہ کی جائے، بلکہ منافع تجارت مین سے ان کا حصہ دوسرون سے کچھ زیادہ مقرر کردیا جائے، مثلاً یہ طے کرلیا جائے گا کہ سب سے پہلے منافع کا دسوان حصہ کام کرنے والون مین حسب لیاقت تقسیم کیا جائے گا، اس کے بعد باقی منافع کو ہر شخص کی جمع کے موافق بقدر حصہ رسد بانٹ دیا جائے گا، اور

اگر کام کرنے والون کی تنخواہ ہی مقرر کرنا ناگزیر ہو تو گو حنفیہ نے اس کو منع کیا ہے، مگر دوسرے ائمہ کے قول پر گنجایش نکل سکتی ہے،

ی :- اسلامی بنیک کے حصہ دار اور کارکن اور اس مین رقم جمع کرنے والے، اور اوس سے مضاربت پر رقم لینے والے سب مسلمان ہون گے، غیر مسلمون کو اس مین شامل نہ کیا جائے تاکہ زکوٰۃ نکالنے مین دشواری نہ ہو، اور بنیک کا تمام سرمایہ پاک و صاف رہے،

ای :- اسلامی بنیک کے سر پرستون مین چند مستند علماء بھی شریک کئے جائین گے، جو بنیک کے معاملات کو شریعت اسلامی کے اصول پر چلاتے رہین، اور جہان بنیک کو کچھ دشواری پیش آئے اس کو فقہ اسلامی کی مدد سے حل کر سکین،

سردست یہ چند دفعات بطور اصول کے کافی ہین، غالباً اس پر یہ اشکال وارد کیا جائے گا، کہ شرائط مذکورہ کے ساتھ جو بنیک قائم ہوگا، اوس سے صرف تجار ہی کا طبقہ فائدہ اٹھا سکے گا، کیونکہ مضاربت پر رقم لینے والے تاجر ہی ہون گے، اور جو لوگ اپنی خانگی ضروریات، بچّون کی شادی یا تعلیم وغیرہ کے لئے قرض لینا چاہین وہ اسلامی بنیک سے رقم نہ لے سکین گے، پھر مضاربت پر رقم دینا اور شرائط مضاربت کی رعایت کرنا بھی ہر شخص کے لئے آسان نہین ہے، بنیک والے اور اس سے رقم لینے والے اُن شرائط کی رعایت کیونکر کر سکین گے ؟

اس کے جواب مین عرض ہے کہ اسلامی بنیک کی ضرورت زیادہ تر تجار ہی کے لئے ہے، چنانچہ رسالہ زیر نظر مین بھی اسی پر زور دیا گیا ہے، کہ آج کل تجارت کی ترقی بدون بنیک کے نہین ہو سکتی، پس اگر غیر تجار کو بنیک سے نفع نہ ہو سکے تو کچھ مضائقہ نہین، رہا یہ کہ شرائط مضاربت کی رعایت کرنا آسان نہین تو اس دشواری کو دور کرنے ہی کے لئے دفعہ نمبر ۱۱ کا اضافہ کیا گیا ہے، پس جو دشواری بھی پیش آئے، اوس کو علماء کے سامنے پیش کیا جائے، انشاء اللہ وہ جملہ مذاہب فقہاء کو سامنے رکھکر

ہر مشکل کو حل کر دینگے، اور اگر غیر تجار کو بھی نفع پہونچانا ضروری ہو، تو اوس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اُن لوگون کو بنیک سے روپیہ قرض دیدیا جائے، اور جتنی رقم دیجائے اسی قدر وصول کیجائے زیادہ وصول نہ کیجائے اگر ایسا کرنے سے بنیک کے کاروبار کا نقصان ہو تو دوسری صورت یہ ہے کہ بنیک کی طرف سے لوگون کو روپیہ بطور بیع سلم کے دیا جائے، کہ مدت معلومہ پر رقم لینے والا بنیک کو اوس رقم کے عوض فلان قسم کا غلہ یا فلان قسم کا کپڑا یا چمڑا یا گلٹ کی ریزگاری یا تانبہ کی ریزگاری وغیرہ اس بھاؤ سے جو رقم دینے کے وقت ہی مقرر کر دیا جائے، ادا کرے گا، اس صورت مین بنیک کو نقصان نہ ہوگا، بلکہ بیع سلم سے جو نفع تجار کو ہوا کرتا ہے، وہ حاصل ہوجائیگا۔

اور اگر سلاطین اسلام اپنی سلطنتون مین اور ہندوستان کے مسلمان حصول پاکستان کے بعد ہندوستان مین بیت المال قائم کردین، جو کسی خاص جماعت کا نہین بلکہ تمام مسلمانون کا خزانہ شمار ہوگا، تو اس وقت بیت المال کی طرف سے جو بنیک قائم کیا جائے گا، اس مین رقم جمع کرنے یا اوس سے قرض لینے مین مضاربت یا بیع سلم وغیرہ کا جھگڑا باقی نہ رہے گا، کیونکہ بیت المال سے قرض لے کر جو کچھ اوس کو زیادہ دیا جائے گا، وہ کسی دوسرے کو نہین، بلکہ اپنے ہی کو دیا جائیگا اور بیت المال مین رقم جمع کرکے جو کچھ اس سے زیادہ لیا جائے گا، وہ کسی دوسرے سے نہین، بلکہ اپنے ہی سے لیا جائے گا، کیونکہ بیت المال سب مسلمانون کا ہے، اور سب کا اوس پر حق ہے، اس کے ساتھ اس قسم کا معاملہ جائز ہے، مبسوط[۱] سرخسی مین اس کی طرف اشارہ موجود ہے،

---

[۱] مبسوط سرخسی اور بدائع وغیرہ سے بیت المال کے ساتھ اس قسم کے معاملات کا جواز جو باہم مسلمانون مین جائز نہین میرا استنباط ہے، جس مین دوسرے علماء محققین کی تائید کا مجھے انتظار ہے آج حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ موجود ہوتے تو اُن سے مراجعت کی جاتی، اور معاملہ سہل ہوجاتا، اب اگر دوسرے علما نے بھی میری موافقت کی تو اس پر عمل کیا جائے گا، ورنہ نہین، اس کی اشاعت سے میری غرض فتوی دینا نہین، کیونکہ ہنوز بیت المال کا

قَالَ اَمَّا الحیوان فَلا یجوز استقراض شیئ منہ عندنا وقال الشافعی یجوز الا فی الجواری لانہ صلی اللہ علیہ وسلم استقرض بکرًا وردّ رباعیًا (وفی روایۃ استقرض بکرًا ابکرین طحاوی) وقال خیرکم احسنکم قضاءً. وحجتنا فی ذلک ان ھذہ مضمون بالقیمۃ علی مستھلکہ فلا یجوز استقراضہ کالجواری وموجب القرض ثبوت المثل فی الذمۃ بشرط المعادلۃ فی المماثلۃ فاذا تعذر ذلک فی الحیوان لم یجز استقراضہ، وامّا الحدیث فانما استقرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبیت المال حتی رُوی انہ قضاہ من ابل الصدقۃ وما کان لیقضی ما استقرضہ لنفسہ من ابل الصدقۃ وبیت المال یجوز لہٗ وعلیہ حقوق مجھولۃ (ص ۳۳ جلد ۱۳)

قال ولا خیر فی السلم فی الحیوان عندنا وعند الشافعی یجوز واحتج فی ذلک بما روینا من الآثار ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استقرض بکرًا وقضاہ رُباعیًا وقال خیرکم احسنکم قضاءً والسلم اقرب الی الجواز من الاستقراض فاذا ثبت جواز الاستقراض فی الحیوان بالحدیث ثبت جواز السلم فیہ بطریق الاولی، وحجتنا فی ذلک حدیث ابن عباس رضی اللہ عنھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن السلم فی الحیوان وقد روینا عن عمر بن الخطاب انہ قال ان من الربا ابوابًا لا یکدن یخفین علی احد۔ منھا السلم فی السن وما روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم استقرض بکرًا فالمراد استعجل فی الصدقۃ ثم لم تجب الزکوٰۃ علی صاحبھا فردھا رُباعیًا (وفیہ ما فیہ فقد ورد فی روایۃ انہ استقرض بکرًا ابکرین وھو صریح فی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۵) وجود ہی نہیں ہے بلکہ حضرات علما کے سامنے اپنا استنباط پیش کرتا ہے تاکہ وہ بھی اس پر غور کریں ممکن ہے پاکستان قائم ہونے پر اس کی ضرورت پیش آجائے ۱۲ ظ

الاستقراض ببدل) او استقرض لبیت المال وکما یجوز ان یثبت لبیت المال حق مجهول یجوز ان یثبت ذلك على بیت المال ایضاً جلد ۱۲ ص ۱۳۲، قلت هذا هو الجواب وبه تبین انه یجوز لبیت المال وعلیه مالا یجوز بین الناس والسر فیه ان بیت المال مشترك بین المسلمین ولا یتحقق الربا فی المال المشترك بین العاقدین نص علیه صاحب البدائع ج ۵ ص ۱۹۳ قال ومنها ای من شرائط جریان الربا ان لا یکون البدل ملکا لاحد المتبایعین فان کان کذلك لا یجری الربا وعلى هذا یخرج العبد الماذون اذا باع مولاه درهما بدرهمین ولیس على العبد دین انه یجوز لانه اذا لم یکن علیه دین فما فی یده لمولاه فکان البدل لان ملك المولى فلا یکون هذا بیعا فلا یتحقق الربا وکذلك المتفاوضان اذا تبایعا درهما بدرهمین یجوز لان البدل من کل واحد منهما مشترك بینهما فیکون مبادلة ماله بماله فلا یکون بیعا ولا مبادلة حقیقة، وکذلك الشریکان شرکة العنان اذا تبایعا درهما بدرهمین من مال الشرکة جاز لما قلنا، اه

وفی الکوکب الدری تحت الحدیث الذی فیه انه صلى الله علیه وسلم استقرض بکراً فقضاه رباعیا ما نصه قد یشتبه انه صلى الله علیه وسلم کیف اداه من ابل الصدقة وفیه زیادة ولیست مملوکة له صلى الله علیه وسلم وانما کانت لعامة المسلمین و الجواب انه (ای المقرض) ایضا من المسلمین المفتقرین فکان له حق فی بیت المال اه ج ۱ ص ۴۰۸ قلت والمفتقر لیس بقید فان المسلمین لهم حق فی بیت المال اغنیاءً کانوا او فقراء نعم للفقراء فیه حقوق کثیرة لیست للاغنیاء

مثلها و بالجملة فهذه نصوص من الفقها تدل على جواز اخذ الزيادة من بيت المال في القرض باذن الامام وعلى انه يجوز لبيت المال من العقود ما لا يجوز مثله فيما بين الناس كاستقراض الحيوان مثلاً، وليس معناه انه يجوز لقيم بيت المال ان يبيع صاعين من بيت المال بصاع اور درهمين منه بدرهم فان درهم البائع وصاعه ليس من بيت المال في شيء فلو يكن البدل من الجانبين مشتركا بخلاف ما اذا استقرض لبيت المال فانه يصير بالاستقراض داخلاً في مال الله ثم اذا قضاه بزيادة فقد قضى من مال الله بزيادة منه والبدلان مشتركان فلا يرد ما في الحديث الصحيح ان عامل خيبر جاءه صلى الله عليه وسلم بتمر جنيب فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم اكل تمر خيبر هكذا قال لا والله يا رسول الله انا لناخذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاثة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تفعل بع الجميع بالدراهم ثم اشتر بالدراهم جنيبا اه فان هذا في البيع دون الاستقراض وصاع البائع ليس بمال مشترك بين المتبايعين ومع ذلك فانه صلى الله عليه وسلم لم يفسخ العقد ولم يامر العامل بالرد لكونه قد وقع لبيت المال فافهم

اس سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ نظام اسلام بحمد اللہ ہر زمانہ اور ہر حالت میں مسلمانوں کی ہر طرح کی ترقی کا کفیل ہے، جو کچھ دقت یا پریشانی مسلمانوں کو اس وقت پیش آرہی ہے اس کا منشا یہ ہے کہ اس وقت کوئی حکومت نظام اسلام کے ساتھ قائم نہیں ہے، اور باقاعدہ بیت المال کسی جگہ نہیں، اور اس سے کانگریسی ہندوؤں کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ مسلمانان ہندوستان کا مطالبہ پاکستان کسی جذبۂ عداوت کا نتیجہ نہیں، بلکہ مذہبی و اقتصادی ضرورت پر مبنی ہے، کہ مسلمان اس کے بغیر نہ بیت المال قائم کر سکتے ہیں، اور نہ اپنے مذہب کے موافق ترقی کر سکتے ہیں، اگر قاعدۂ اسلامی

کے موافق اس وقت بیت المال قائم ہوتا تو بیت المال کے بنک سے مسلمان اسی طرح فائدہ حاصل کرتے جس طرح دوسری قومیں اپنے بنکوں سے فائدہ حاصل کر رہی ہیں، بیت المال کے بنک سے دکانوں اور جہازوں کا بیمہ بھی ہوسکتا تھا، لائف انشورنس بھی ہوسکتا تھا، راز وہی ہے کہ بیت المال سب مسلمانوں کا قومی مشترک خزانہ ہے، اوس سے زائد لینا یا اوس کو زائد دینا اپنے ہی پیسے لینا اور اپنے ہی کو دینا ہے، کسی دوسرے پر ظلم نہیں، اور حرمت ربوا کی علت یہی ہے کہ وہ ظلم کی ایک بڑی صورت ہے لا تَظلمُون ولا تُظلمُون، نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر ہمارے مصنف رسالہ کتب فقہ سے مراجعت کرتے تو بجائے علماے اسلام کے بُرا بھلا کہنے کے قوم کو یہ مشورہ دیتے کہ وہ سب متفق ہوکر جلدی سے پاکستان حاصل کریں اور اس کے بعد ہندوستان میں بیت المال قائم کریں، اور بیت المال کی طرف سے جا بجا بنک کھولے جائیں، شیرز کمپنیاں قائم کی جائیں، انشورنس کمپنیاں کھولی جائیں، اور اس طرح اسلامی تجارت کو اور مسلمانوں کو ترقی دی جائے، جو لوگ بار بار موجودہ بنک کے کاروبار کو جماعتی کہہ رہے ہیں، غلط ہے، کیونکہ وہ بھی چند افراد ہی کا ہوتا ہے، جماعتی بنک حقیقت میں وہ ہے، جو بیت المال کی طرف سے قائم کیا جائے، جس میں فی الواقع تمام مسلمانوں کا حق ہوتا ہے، جب تک یہ صورت پیدا نہ ہو اوس وقت تک کے لئے مسلمان تجار کو یا خود ایسا بنک قائم کرنا چاہئے کہ جس کا سرمایہ کسی خاص فرد یا جماعت کی ملک نہ ہو، بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے باقاعدہ وقف ہو تاکہ وہ بھی بیت المال کی طرح قومی ملکیت ہو جائے، اس سرمایہ میں سب سے پہلے وہ رقم جمع کیجائے جو ڈاکخانہ میں ان مسلمانوں کی جمع ہے جنھوں نے ۲۰ء سے اسوقت تک اپنی رقموں پر سود نہیں لیا، اور جس کی مقدار ساٹھ ہزار روپیہ بتائی گئی ہے، اس کے ساتھ کچھ اور ملاکر ایک لاکھ کے سرمایہ سے کام شروع کیا جائے یا پھر گورنمنٹ کے بنک سے معاملہ کرنا چاہئے، کیونکہ گورنمنٹ تجار سے بھاری ٹیکس وصول کرتی ہے، تو اس کے بنک میں روپیہ جمع کرکے سود لینا حقیقت میں اپنے

حق کو وصول کرنا ہے، اور سخت ضرورت اور مجبوری کی صورت مین گورمنٹ ہی کے بنک سے قرض لیکر اس کو سود دے بھی سکتے ہین، کیونکہ گو وہ اس وقت ہمارا نہین ہے، مگر فی الجملہ مشترک ہے، اور امید ہے کہ آزادی ہندوستان کے وقت اس کا کل یا بعض ہمارا ہو جائے گا، مگر سخت مجبوری کے بغیر سودی قرض ہرگز نہ لیا جائے، کہ سود کا گناہ بہت سخت ہے، واما الاول فھو فرع مسئلۃ الظفر بجنس حقہ کما اشرت الیہ سابقًا، وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا النبی محمد و آلہ و اصحابہ مثل ادرکہ مثلاً حقا، وسلم تسلیما کثیرا کثیرا ۃ یکون لحقہ موافیا و مکافیا و موافقا

سیرۃ عائشہ رض

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ کے حالاتِ زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل و اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق اُن کی نکتہ سنجیان اور معترضین کے جوابات،

قیمت :- سے، ضخامت :- ۴۴۹ صفحے، طبع سوم باضافہ حواشی

اُسوۂ صحابیات

جدید اڈیشن

صحابیاتؓ کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارنامون کا مرقع،

"منیجر"

اسلامی نظریۂ سیاست

از

مولانا حیدر زمان صدیقی فاضل دیوبند

(۴)

اسلام کا ہمہ گیر دستور سیاسی | موجودہ طرز جمہوریت میں جو چیز سب سے زیادہ مہلک تصور کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ہی طبقاتی احساسات (سکشنل فیلنگس) پر ہے، ملک میں ایک سے زائد سیاسی پارٹیاں ہوتی ہیں، ہر پارٹی درحقیقت ملک کے کسی ایک طبقہ کی ترجمان ہوتی ہے، اور ہر طبقہ کا مفاد دوسرے طبقہ سے جدا بلکہ بعض اوقات اُن سے متصادم ہوتا ہے، اس بنا پر ہر طبقہ کا دستور سیاسی (پولٹیکل پروگرام) بھی دوسری پارٹیوں سے الگ یا ان سے متصادم ہوتا ہے، جمہوری ممالک میں مختلف ناموں سے متعدد پارٹیاں عالم وجود میں آتی ہیں، ڈیموکریٹک پارٹی، کمیونسٹ پارٹی، سوشلسٹ پارٹی وغیرہ، ہر پارٹی کے نام سے اس کے سیاسی مسلک اور رفتار فکر کا بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور ہر پارٹی اپنے مخصوص سیاسی پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے جد و جہد کرتی ہے، اور اس کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ خوبصورت رنگ میں پیش کرتی ہے، اور عوام کی طرف سے جب ایک پارٹی کے پروگرام کو سند قبول مل جاتی ہے تو انتخاب عام میں اس پارٹی کی کامیابی کے لئے راستہ صاف ہو جاتا ہے، اب یہی پارٹی برسر اقتدار آکر حکومت کا نظم و نسق سنبھالتی ہے، غرض ملک کی بہت سی پارٹیاں اقتدار حکومت کی ہوس میں اپنے اپنے پارٹی پروگرام کی نشر و اشاعت

مین وقت اور دولت کا انتہائی بے دردی کے ساتھ خون کرتی ہے. جہان اپنی مدح وتعریف مین زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہین، وہان دوسری پارٹیون کی مذمت مین بھی کچھ کمی نہین کی جاتی اور مختلف پارٹیون کا تصادم بسا اوقات خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے' ملک کی دولت نہایت مسرفانہ طریقہ پر صرف ہوتی ہے، اور جماعتی رقابت کی وجہ سے عام بداعتمادی پیدا ہو جاتی ہے، جو نتائج کے لحاظ سے کسی طرح بہتر نہین خیال کی جا سکتی؛

نیز ہر پارٹی اپنے جماعتی و فاداور طبقاتی نقطۂ نظر سے ہر مسئلہ پر غور کرتی ہے، عام انسانیت کے نقطۂ خیال سے نہین، اور بسا اوقات طبقاتی مفاد کی حفاظت وحمایت عصبیت کی حد تک پہنچ جاتی ہے، جس کا رد عمل دوسرے طبقون پر ظلم و ناانصافی کی شکل مین ظاہر ہوتا ہے، اور جب پارٹی کو عوام مین زیادہ اثر و رسوخ حاصل ہوتا ہے، وہ اپنے زیادہ نمایندون کو کامیاب بناتی ہے، اور جمہوری آئین کے مطابق اس کو حق پہنچتا ہے، کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق ہیئت حاکمہ کو ترتیب دے اور اپنی جماعتی پالیسی کے ماتحت ملک کے لئے دستور اساسی (کانسٹی ٹیوشن) مرتب کرے، چونکہ اس کو اکثریت حاصل ہوتی ہے، اس لئے اس کا ہر فیصلہ خواہ وہ کتنا ہی ظالمانہ ہو، حق بجانب اور درست شمار ہوتا ہے، اور اقلیتین اس کی مدت حکومت تک محکوم بن کر رہ جاتی ہین، بلکہ ان کی ہر خواہش اکثریت کے لئے سامان تضحیک بن جاتی ہے،

اسلامی نظریۂ سیاست ان نقائص سے بالکل پاک ہے کیونکہ اس کا تعلق انسانون کے کسی ایک طبقہ سے نہین، بلکہ نفس انسانیت سے ہے، اسلام کسی ایسے طبقاتی نظریۂ سیاست کو جو کسی خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص ہو برداشت نہین کر سکتا ہے، مسلمان قوم دراصل ایک عالمگیر پارٹی ہے، اور اس کی بنیاد کسی اقتصادی جغرافی، اور ثقافتی تصور کے بجائے عالمگیر اصول و معتقدات پر ہے، ان اصول و نظریات مین عالم انسانیت کی فلاح اور حیات انسانی کے تمام شعبون کو مد نظر رکھا گیا ہے، اس لحاظ

سے تمام مسلمانانِ عالم ایک بین الاقوامی جماعت ہیں، اور اس جماعت کا طرزِ فکر، رجحانِ طبیعت اور لائحۂ عمل ایک، اور اس کا سیاسی دستور متعین اور غیر متبدل ہے جس طرح اس پارٹی کی ہیئت ترکیبی میں کسی معاشی وطنی، قومی اور لسانی تصور کو دخل نہیں، اسی طرح اس کے سیاسی دستور العمل میں کسی خاص طبقہ کا مفاد مد نظر نہیں، اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِلْعٰلَمِيْنَ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ

لہذا اسلام میں اکثریت اور اقلیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس کی بنیاد جماعتی سیاست (پارٹی پالیٹکس) پر نہیں، بلکہ عالمگیر نظریۂ سیاست پر ہے، لہذا اسلامی حکومت میں نہ جماعتوں کا تعدد ہے، اور نہ جماعتی نظریوں کا تصادم، نہ کوئی اکثریت ہے اور نہ اقلیت،

خواہش امارت اور اسلام موجودہ تصورِ جمہوریت میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ نمایندگی کے لئے چند اشخاص خود اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں، اس میں فرقہ وارانہ تصادم اور مستقل پولیٹکل جنگ کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے کیونکہ قدرتی طور پر ہر انسان کو حکومت و سیاست کی خواہش ہوتی ہے، اور خواہشات کی تکمیل میں افراط و تفریط اور جنگ و قتال تک نوبت آجاتی ہے، اس لئے شارع علیہ السلام نے حرصِ امارت کی ممانعت فرمادی ہے،

اگر اسلام کے منشا کے مطابق کوئی شخص امارت کی خواہش ہی نہ کرے تو اس سے لازماً دو فائدے ہو سکتے ہیں، اولاً یہ کہ مدعیانِ خلافت کے دعووں میں نہ تصادم کا امکان ہوگا اور نہ دو فریقوں میں انتخابی کشمکش ہوگی، اس طرح امت نت نئے فرقہ وارانہ تنازعات، فتنہ و فساد اور زر و مال کے اتلاف و ضیاع سے محفوظ رہے گی، آج کل انتخابی جنگوں میں جس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، نہایت بے دردی کے ساتھ ایک فریق دوسرے فریق کو ہدفِ ملامت بناتا ہے، نہایت ذلیل حملے کئے جاتے ہیں، سیم و زر کی تھیلیاں کھول دی جاتی ہیں، اور بعض دفعہ قتل و خون ریزی تک نوبت آجاتی ہے، ثانیاً یہ کہ جب امارت و سیادت کا مدعی کوئی نہ ہوگا، تو جمہور مسلمانوں کو صحیح خلیفہ کے

انتخاب مین کوئی دقت پیش نہ آئے گی اور کسی قسم کا خوف یا لالچ اُن کی آزادی راے پر غالب نہ آسکیگا، یہی وجہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امارت وخلافت کی خواہش کرنے سے رد کردیا ہے، کتب احادیث مین اس کی متعدد روایات ہین ایک روایت کے الفاظ یہ ہین،

فنعم المرضعة وبئست الفاطمة حکومت وامارت کی ابتدا بڑی خوبصورت ہے

(بخاری) مگر انتہا بڑی خطرناک ہے،

دوسری روایت ہے:-

انا لا نولی ھذا الامر لیس سالہ، (بخاری) مین امارت کے سائل کو امارت نہین دونگا،

راے دہندگی کا معیار اس سے پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ موجودہ طرز جمہوریت مین راے دہندگی کے لئے کوئی اخلاقی معیار مقرر نہین بعض جمہوری ممالک مین ہر بالغ کو حق راے دہندگی حاصل ہے، اور نیم جمہوری ممالک مین جائداد تعلیم اور اس قسم کے امور کو شرط راے دہندگی قرار دیا گیا ہے، مگر ان حالات مین جب کہ ملک کے بنیادی آئین اور سوسائٹی کے رجحان فکر کو ہر قسم کی اخلاقی پابندیون سے آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، عوام سے یہ توقع نہین ہوسکتی کہ وہ قوم و ملک کی نمایندگی کے لئے کسی بہتر اور صالح شخص کا انتخاب کرین گے، اور ان سے زیادہ سے زیادہ یہی توقع ہوسکتی ہے، کہ ملک کی کسی پارٹی سے تعلق رکھنے والے لوگ صرف جماعتی زاویۂ فکر کے پیش نظر کسی ایسے آدمی کو منتخب کرسکین گے جو پارٹی مین کافی اثر و رسوخ رکھتا ہو اور ان کی ذاتی جماعتی خواہشات کی تکمیل کرسکتا ہو، اس صورت مین ملک کے عوام کی ذاتی خواہشات اور جماعتی مفاد مین تصادم پیدا ہونا ناگزیر ہے، اور چونکہ کوئی اخلاقی پابندی نہین ہوتی ہے، اس لئے ہر پارٹی اپنے امیدوار کو کامیاب بنانے اور دوسری پارٹی کو شکست دینے کے لئے ہر قسم کے جائز و ناجائز وسائل کے اخذ و اختیار مین مکمل طور پر آزاد ہوتی ہے،

رائے دہندگی کے اس معیار اور موجودہ طرز انتخاب سے کسی ایسے شخص کا منتخب ہونا قطعاً ناممکن ہے، جو عوام کی ذاتی اور جماعتی خواہشات کا پابند نہ ہو، بلکہ ہمہ گیر نظریۂ اخوت انسانی کے پیش نظر تمام انسانوں میں یکسانیت و مساوات اور طریق عدل قائم کرنا چاہتا ہو،

اس کے برعکس اسلام میں رائے دہندگی کا معیار اس سے بالکل جداگانہ ہے، انتخاب امیر کے سلسلہ میں یہ لازمی نہیں کہ ہر بالغ سے بلا واسطہ رائے حاصل کی جائے، کیونکہ انسانوں کی اتنی بڑی کثرت میں یہ ضروری نہیں کہ اکثریت کا فیصلہ جائز اور درست ہو، یہ ظاہر ہے کہ عوام میں اکثریت عموماً ایسے لوگوں کی ہوتی ہے، جو ذاتی خواہشات کو قومی و ملی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں، یا کم از کم ان کی نگاہ حیات انسانی کے بعید گوشوں تک پہنچنے سے قاصر ہوتی ہے، اور اُن کے انبوہ میں ارباب دانش اور اصحاب بصیرت بہت کم ہوتے ہیں، اور اس صورت میں جب کہ ہر باشندۂ ملک کو مساوی طور پر رائے دینے کا حق حاصل ہو بڑے سے بڑے علامۂ دہر اور پیکر دیانت و صداقت کی رائے کو بھی اتنی ہی وقعت ہو گی جتنی کہ ایک عام آدمی کے ووٹ کو، اگر ایک امیدوار کے حق میں خود غرض اور جاہل مطلق انسانوں کی اکیاون آراء، اور دوسرے کے حق میں بڑے بڑے اصحاب علم و بصیرت کی انچاس رائیں ہیں، تو جمہوریت کے موجودہ آئین کے اعتبار سے اوّل الذکر امیدوار کے سر کامیابی کا سہرا بندھے گا، اور یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ دوسری طرف کا ایک ووٹ اُن کے ہزاروں ووٹوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے،

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو

کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں انتخاب خلیفہ کا حق صرف ملّت کے اصحاب علم و عمل، اور ارباب عقل و دانش کو دیا گیا ہے، جن کو اُمت میں زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل ہوتا ہے، اور ان کی دیانت، صداقت اور اخلاقی تقدس پر کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہیں ہوتا، اور ان کا فیصلہ پوری اُمت کا فیصلہ متصور ہو سکتا ہے،

کیونکہ اسلام میں اعتمادِ عام اور ترجیح و امتیاز کی وجہ صرف علم و عمل ہے، اور اسی شخص کی راے باوزن ہو سکتی ہے جو ان اوصاف سے متصف ہو، اس بنا پر حکومتِ اسلامی میں اسی قسم کے لوگوں کو اختیار و اقتدار حاصل ہوتا ہے، اور انتخاب فیصلہ کے سلسلہ میں ان ہی لوگوں کو اربابِ حل و عقد کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے، چنانچہ عہدِ خلافتِ راشدہ میں خلفاے اربعہ کا انتخاب اسی طرز پر ہوا، خلیفۂ اول سے لے کر خلیفۂ چہارم تک انصار و مہاجرین کو اہلِ حل و عقد تسلیم کیا جاتا رہا، اور اُن کے فیصلہ کو پوری اُمت کے لئے حکم ناطق کی حیثیت حاصل رہی، حضرت علیؓ کے زمانہ میں جب خلافت کے سلسلہ میں نزاع برپا ہوئی تو مسلمانوں میں دو فریق پیدا ہوگئے، گو مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد امیر معاویہؓ کے ساتھ بھی تھی مگر اسلام کے اربابِ حل و عقد یعنی انصار و مہاجرین کی حمایت حضرت علیؓ کو حاصل تھی، اس لئے قریباً مسلمانوں کے تمام فرقے اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت جامع الشروط تھی، خود حضرت علیؓ کا وہ خط جو انھوں نے امیر معاویہؓ کو لکھا تھا، اس بات کے لئے بطور سند پیش کیا جا سکتا ہے کہ عہدِ خلافتِ راشدہ میں حل و عقد کے اختیارات صرف انصار و مہاجرین کو حاصل تھے،

انه بايعني القوم الذين بايعوا
ابا بكرؓ و عمرؓ و عثمانؓ وعلی ما
بايعوهم عليه فلم يكن للشاهد
ان يختار و لا للغائب ان يرد
و انما الشورى للمهاجرين و
الانصار الخ۔
(نهج البلاغه - جلد ۲)

اس قوم نے میری بیعت کی جس نے ابو بکرؓ
عمرؓ، عثمانؓ کی بیعت کی تھی، جس شرط
پر ان کی بیعت عمل میں آئی اسی شرط پر
میری بیعت کی گئی ہے، لہذا جو شخص انتخاب
کے وقت موجود تھا، اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ
وہ اپنی راے پر اڑا رہے اور جو اس وقت حاضر
نہیں تھا، اس کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اس
انتخاب کو رد کرے کیونکہ حق انتخاب صرف
مہاجرین و انصار کو حاصل ہے

عزل امیر کا غیر مشروط اختیار بہت سی جمہوری ممالک میں نمایندگان کا انتخاب ایک معین مدت کے لئے کیا جاتا ہے، اس مدت سے قبل اُن کے عزل کا کسی کو اختیار نہیں یعنی انتخاب سے پہلے تو عوام کو قوت و اقتدار کا اصل منبع قرار دیا گیا ہے، لیکن انتخاب کے بعد ان کو مجبور محض اور عضو معطل بنا کر رکھدیا گیا ہے؛ اگر عوام کا منتخب شدہ نمایندہ انتخاب کے بعد اُن کی خواہشات کا احترام نہ کرے۔ اور حکومت کی گدی پر بیٹھتے ہی اس کا رُخ بدل جائے، اور اس کو عوام کا اعتماد حاصل نہ رہ جائے، تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک طویل مدت تک کے لئے وہ لوگوں کی گردنوں پر مسلط رہے کیا یہ امر جمہوریت (ڈیموکریسی) کی روح کے منافی نہیں ہے؟

اسلام میں امارت و خلافت کی پہلی اور آخری شرط اتباع شریعت ہے یعنی امیر کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ایک قدم بھی حدود شریعت سے تجاوز نہ کرے اور اسی ذریعہ سے وہ عوام کا اعتماد حاصل کر سکتا ہے' اسلام میں امتیاز و ترجیح کا سبب علم و عمل اور کتاب و سنت کا اتباع کامل ہے اگر یہ نہیں تو اس پر اعتماد بھی نہیں، اس لئے اگر کوئی شخص امارت و خلافت کی گدی پر بیٹھنے کے بعد اسلام کے طریقہ سے انحراف کرتا ہے، یا امور دینی کے انتظام و انصرام میں کوتاہی کرتا ہے، تو امت کو اس کو معزول کرنے کا حق ہے، اس سلسلہ میں مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبل کے وہ الفاظ کافی ہوں گے جو انھوں نے دربار روم میں ارشاد فرمائے تھے،

وامیرنا رجل منا، ان عمل فینا بکتاب دینا وسنۃ نبینا قررنا علینا وان عمل بغیر ذالک عزلناہ عنا، (فتوح الشام ازدی ص ۱۰۵)	ہمارا امیر ہماری طرح کا ایک آدمی ہوتا ہے، اگر وہ ہم میں کتاب و سنت کے مطابق عمل کرے تو اس کو ہم خلافت پر برقرار رکھتے ہیں، ورنہ ہم اس کو معزول کر دیتے ہیں،

حضرت معاذؓ نے مسلمانوں کے امیر کا منصب نہایت دلچسپ پیرایہ مین بیان کر دیا ہے، علم کلام کی مشہور اور مستند کتاب مواقف اور شرح مواقف مین اس مسئلہ کو زیادہ وضاحت سے پیش کیا گیا ہے،

وللامة خلع الامام وعزله	جمہور اسلام کو امیر کے معزول کرنے کا
بسبب يوجبه مثل ان يوجد	حق حاصل ہے جب کہ اس کی وجہ سے احوال
منه ما يوجب اختلال احوال المسلمين	مسلمین اور امور دین مین اختلال رونما ہوجائے،
وانتكاس امور الدين كما كان لهم	جس طرح ان امور کے انتظام و اعلاء کی
نصبه اقامة لانتظامها واعلائها (ملخص)	خاطر ان کو انتخاب امیر کا حق حاصل ہے،

تاریخ فقہ اسلامی

مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہاء پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، حجم ۲۸۰ صفحے قیمت ہے،

القضاء فی الاسلام

اس میں طریقۂ شہادت اور انفصال مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی کتابوں سے اخذ کرکے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے،

ضخامت :- ۹۲ صفحے، قیمت : ۱۰ر

"منیجر"

براکلمان کی کتاب کا نیا اڈیشن

از

پروفیسر زبید احمد صاحب الہ آباد یونیورسٹی

حضرت مخدومی المحترم   السلام علیکم

بآداب نیاز مندی عرض ہے، کئی روز ہوئے والا نامہ سامی میرے عریضے کے جواب مین پٹنے سے شرف صدور لاکر میری سرفرازی کا باعث ہوا تھا، علالت دشمنان کا حال معلوم کرکے رنج ہوا خدا کرے کہ اب آپ پوری طور پر صحت یاب ہوگئے ہون امید ہے کہ آپ پٹنے سے اعظم گڈھ واپس تشریف لے آئے ہون گے، ورنہ یہ خط وہین بھیج دیا جائے گا،

براکلمان طبع ثانی ۳۷ء یا ۳۸ء شائع ہوئی، اور میرے مطالعہ مین ایسے وقت مین آئی کہ مین اس سے فائدہ نہین اٹھا سکتا تھا، میرا مقالہ ۲۹ء مین مرتب ہو چکا تھا، البتہ بعد مین وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہا، اگر براکلمان کا دوسرا اڈیشن وقت پر مجھے مل جاتا تو اس سے بھی متمتع ہوجاتا، اس مین تیس ایسے مصنفین ہین، جن کا میری کتاب مین ذکر نہین، پہلے اڈیشن مین تو ہندوستان کے متعلق بہت ہی کم مواد تھا، نئے اڈیشن مین کئی صفحے ہین،

براکلمان طبع ثانی کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یورپ والے کس قدر محنت و کاوش دماغ سوزی اور تجسس سے کتاب لکھتے ہین، ان کے ذرائع غیر محدود، فراغت خاطر حاصل، پھر طباعت کی سہولتین میسر براکلمان کے مقابلے مین میری کتاب کوئی وقعت نہین رکھتی، تاہم مین دیکھتا ہون کہ براکلمان مین جو

چند صفحات ہندوستان کی بابت ہیں، اس مین کم از کم چار قسم کی غلطیان ہین، حالانکہ اس کی تصحیح و تنقیح کے لئے کیا کچھ نہ کیا گیا ہوگا،

۱- ایک قسم کی غلطی تو یہ کہ کتابون کے نامون مین تلفظی غلطی رہ گئی ہے، مثلاً سبحۃ المرجان کو بفتح سین لکھا ہے،

۲- دوسری قسم کی غلطی یہ کہ ایک ہی مصنف کو دو مختلف ہستیان مان کر اُن کا دو جگہ ذکر کیا گیا ہے،

۳- تیسری قسم کی غلطی یہ کہ بعض کتابون کے نام صحیح نہین لکھے، مثلاً عوارف کی ایک ہندی شرح کا نام ذوارف اللطائف ہے، براکلمان نے لطائف العوارف لکھا ہے،

۴- بعض کتابون کو غلط مصنفون سے منسوب کر دیا ہے، مثلاً ملا محمود جونپوری کی شمس بازغہ ملا جیون کی تصنیف بتائی ہے، اور شاہ ولی اللہ کی مسوی شرح موطا کو شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ کی،

براکلمان کو جو سہولتین حاصل تھین، ان کا عشر عشیر بھی ہمیں میسر نہین،

کلیاتِ شبلی فارسی

مولانا شبلی مرحوم کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوانِ شبلی، دستۂ گل، بوئے گل، برگِ گل کے نامون سے چھپے تھے، اس مین سب یکجا کر دیئے گئے ہین،

ضخامت:- ۱۲۴ صفحے، قیمت:- عہ

"منیجر"

آثارِ علمیہ عتیقہ

مکاتیب مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ

"مولانا محمد ادریس صاحب نگرامی مولف تذکرہ "علماے حال" حضرت مولانا عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ فرنگی محلی کے شاگرد تھے، استاد نے شاگرد کے نام جو خطوط لکھے تھے، وہ مولانا محمد ادریس کے پوتے مولانا محمد اویس صاحب نگرامی استاذ ندوۃ العلماء سابق رفیق دارالمصنفین کی وساطت سے ہم کو مل گئے ہیں، ان میں ایک خط مولانا محمد نعیم فرنگی محلی اور ایک مولانا شاہ ہادی عطا صاحب سلونوی کا بھی ہے، ان تاریخی تبرکات کو ناظرین معارف کی ضیافت طبع کے لئے شائع کیا جاتا ہے"

مکتوب اوّل:- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، از محمد عبدالحیٔ عفا عنہ مولوی صاحب مجمع لطف و کرم معدن عنایت اتم مولوی محمد ادریس صاحب زاد اللہ فضلہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ رقعہ عنایت مع ہدایہ رسیدہ مطمئن ساختہ قبل ازین یک رقعہ رسیدہ بود بسبب عدم فرصت نوبت تحریر جوابش نرسیدہ زبانی حامل رقعہ جوابش گفتہ بودم ہمیشہ از اخبار خود مطلع فرمودہ باشند و بخدمت حافظ صاحب[1] سلام مع شوق رسانند نشان قیام حیدرآباد این چنین است بحیدرآباد دکن قریب مکہ مسجد محلہ مغلپورہ بر مکان مولانا محمد حیدر مرحوم رسیدہ فلان را برسد والسلام فقط

تحریر یازدہم جمادی الاولیٰ ۱۲۹۶ھ

---

[1] مکتوب الیہ کے والد ماجد مولانا حافظ عبدالعلی صاحب نگرامی، "اویس"

مکتوب دوم:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم از محمد عبدالحیٔ عفا عنہ بمولوی صاحب جامع فضائل حاوی فواضل مولوی محمد ادریس صاحب دام فضلہ السلام علیکم مع الخیر بودہ مستدعی الخیر می باشم محبت نامہ رسیدہ مبہج گردانیدہ بسبب تحقق تردد تردد وست، در تسطیر جواب تاخیر افتاد اولاً دختر خرد فقیر رحلت کرد، پس ازان در علالت والدہ صاحبہ شفاہا اللہ کہ از عرصہ شش ماہ علیل اند اشتداد شدہ حتی کہ صاحب فراش شدند او تعالیٰ رحم فرماید، ہر چند کہ امسال قصد مصمم سفر حیدرآباد می داشتم، مگر بوجہ علالت والدہ صاحبہ مجبور ہستم عرضی رخصت دیگر ارسال کردہ ام، اگر منظور شدہ فبہا ورنہ تا شوال صورت روانگی خواہد شد، باقی حال بدستور بخدمت جناب مولوی حافظ عبدالعلی صاحب دام مجدہ سلام مسنون برسانند یک نسخہ مسمی مشکور ہدیہ مرسل است قبول باد والسلام، فقط

تحریر یازدہم شعبان روز جمعہ ۱۲۹۶ھ

مکتوب سوم:۔ از محمد عبدالحیٔ عفا عنہ بمولوی صاحب جامع فضائل مولوی محمد ادریس صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ قبل ازین خطے ارسال کردہ ام و یک رسالہ خود مسمی مشکور نیز ہدیہ برائے جناب حافظ صاحب ارسال ساختہ ام رسیدہ باشد یا خواہد رسید از خیر رسید نفس مطمئن خواہند فرمود امروز محبت نامہ مورخہ درماہ رواں رسیدہ مسرور ساختہ بادراک مضامین آن حیرتے بر داشتم حاشا وکلا کہ تخطیہ جناب حافظ صاحب کردہ باشم یا بر تحریر جناب شان حکم غلط کردہ باشم، عادتم چنان است کہ ہم چو کلمات بر تحریرات جہلا ہم نمی آرم چہ جائیکہ بر تحریر جناب شان یا آن عبارت خط مفسوق علی کہ تحریر کردند، زنہار عبارت فقیر نیست، بلکہ از مخترعات فرقۂ شان است، و در تحریر خود حوالہ در مختار ہم ندادم البتہ باسناد عبارت ردالمحتار حاشیہ در مختار والذی یظھران العلۃ الاستلذاذ فقط ونفھم منہ انہ حیث لا استلذاذ لا کراھۃ ولا سیما اذا کان بعاقۃ انتھی نوشتہ ام کہ "قت عدم استلذاذ مکروہ نہیں ہے" عبارت تحریر خود بجنسہ یاد ندارم ونہ نقل آن نزد خود

نداشته بودم، اصل استفتا که برآن تحریر فقیر است طلب داشته ملاحظه فرمایند که ازآن کیفیت افترا معلوم خواهد شد والسلام بخدمت حافظ صاحب سلام مسنون برسانند بتاریخ ۲۹ رجب درین جا ابر بود هلال بنظر نرسیده لاجرم بروز سه شنبه غرهٔ شعبان مقرر شده و از بعض تحریرات بعض بلاد مدرک گشته که در آنجا غره بروز دوشنبه شده مگر هنوز ثبوت آن بطور شرعی نشده که برآن اعتماد کرده شود، فقط تحریر بست و یکم شعبان روز دوشنبه ۱۲۹۶ھ،

مکتوب چهارم از محمد عبدالحئی عفا عنه، سلام مسنون الاسلام قبول فرمایند محبت نامه رسید مسرور فرموده جواب استفتاهای مرسله انشاء الله بماه شوال ارسال خواهم کرد، درین ایام فرصت یک لمحه ندارم والده معظمه بتاریخ ۲۲ شعبان رحلت فرمودند تفکرے وملالے که لاحق حال ست خارج از تحریر رضینا بقضاء الله وقدره بهمین سبب نوبت تحریر جواب عنایت نامه سابقه نرسیده معاف خواهند فرمود والسلام، بخدمت جناب حافظ صاحب سلام مسنون برسانند،

مکتوب پنجم:- السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته، نامه محبت رسیده مسرور فرموده فی الواقع درین جا عید بروز پنجشنبه شده بروز چهارشنبه ۲۹ رمضان مطلع صاف بود، اکثر کسان را هلال بوجه این که نهایت باریک بود ودر شعاع شمس مختفی بود بنظر نرسید لیکن بسیارے از کسان آنرا معائنه کردند، چنانچه درین محله دو کس دیدند وخارج آن از محلات متعدده شهادت رسید ودر ثبوت آن شکے نمانده، ارباب تشیع هم هلال دیده، نزد مجتهد گواهی رسانند لیکن ایشان تسلیم نکردند غالباً لمخالفتنا، وعید بروز جمعه کردند، پس از بلاد متفرقه مثل بنارس وبمبئی وناگپور وغیرهم خبر رویت بروز چهارشنبه رسید، رخصت دو سال فقیر از حیدرآباد منظور شد، جواب استفتاهای مرسله بسبب قلت فرصت هنوز نوشته نشد انشاء الله ازعقب خواهند رسید، والسلام، بخدمت والد ماجد خود سلام مسنون برسانند،

مکتوب ششم از محمد عبدالحی عفا عنہ بحضرت مولوی صاحب جامع فضائل مولوی محمد ادریس صاحب دام لطفہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، نامہ محبت رسیدہ بادراک خبر خیریت مسرور گشتم وبدریافت اشتغال علمی وقرب فراغ کمال فرحت دست داد، حق تعالیٰ شانہ زودتر بدرجہ کمال رساناد عنایت نامہ سابقہ کہ رسیدہ بود، بوجہ قلت فرصت نوبت تحریر جوابش نہ رسید، معاف خواہند فرمود و دائماً از کوائف خود مطلع فرمودہ باشند تا ماہ شعبان رخصت فقیر باقی است اگر سامان رخصت دیگر بست فبہا ورنہ تا شوال عازم حیدرآباد خواہم شد، باقی حال بدستور، خدمت جناب حافظ صاحب دام مجدہ سلام مسنون رسانیدہ شود، فقط،

تحریر ۲۰ صفر روز پنجشنبہ ۱۲۹۶ھ

مکتوب ہفتم جامع فضائل حاوی فواضل مولوی حافظ محمد ادریس صاحب السلام علیکم وتلبی لدیکم ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی ان الی اللہ ملاذاً من کل مصیبۃ فباللہ تثقوا ؎

وَاذا اصبتک مُصیبۃ تشجی بِہَا فاذکر مصابک بالنبی محمد

دو قطعہ محبت نامہ رسیدند بسبب علالت کہ از عرصۂ یک ماہ مبتلا تب ولرزہ واسہال شدہ، تکالیف برداشتم، در تحریر جوابات تاخیر افتاد وہنوز فساد معدہ باقی است وضعف بحدے ست کہ در تحریر این چند سطور نیز تکلف می شود، رحلت والدۂ آن مہربان نہ امریست کہ صرف آن مہربان در ملالش گرفتار شدند بلکہ ہر کس کہ از جناب شان ملاقات می دارد درین ماتم مبتلا است خصوصاً فقیر کہ باستماع این خبر ملالے کہ لاحق گشتہ از حیط تحریر بیرون است فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ صبر فرمودہ بدرجات اللہ مع الصابرین فائز شوند طیاری چبوترہ بلندی قبر از آن بقدر یک شبر مضائقہ ندارد، در پختہ کردن قبر اختلاف است عبارت کشف الغطاء این است[1]،

---

[1] مکروہ است گچ کردن قبر کذا فی اکثر الفتاوی والشروح ودر معدن گفتہ این قول قدما است ومتاخرین،

رد ظاہر اعند الضرورت لا باس بہ است الان الاولیٰ ہو الترک بالفعل رسالہ در حال علمائے ہندی نوسیم
بنا بر آں ملتمس آنکہ از حال والد مرحوم خود مفصلاً مطلع سازند این امور ضروری الاطلاع اند نسب دو سہ
پشت تا سہل ممکن تاریخ و ماہ وسنہ ولادت تاریخ و ماہ وسال وفات ذکر اساتذہ ذکر تصانیف ہر قدر
کہ معلوم باشد اطلاع فرمائید و دائماً از اخبار خیریات خود مطلع فرمودہ باشند و فقیر را از مخلص احباب خود
تصور سازند والسلام فقط

تحریر ۱۶ ذیقعدہ روز یکشنبہ ۱۲۹۶ھ

مکتوب ہشتم، بخدمت مولوی محمد ادریس صاحب ام لطفہ، السلام علیکم، محبت نامہ رسیدہ
مسرور الوقت گردانیدہ بسبب قلت فرصت در تحریر خطوط ازیں جانب تاخیر می شود خیال نہ
نفرمودہ دائماً بارسال عنایت نامجات یاد و شاد کردہ باشند بسبب عدم فرصت ہنوز نوبت معائنہ
رسالہ ہائے آں مہربان ہم نہ رسیدہ اگر فرمائید آنہا را حوالہ میاں حسین علی سازم کہ نزد آں مہرباں
رسانید غرۂ رمضان اگرچہ دریں جاہم بروز دوشنبہ گشتہ مگر از بمبئی و حیدرآباد و سہارن پور و اطراف دیوبند
و راے بریلی وغیرہ خبر بودن یکشنبہ غرۂ رمضان رسیدہ بلکہ در دیوبند غرہ بروز شنبہ شدہ ہلال بروز جمعہ
دیدہ شد حکم دادہ شد کہ ہر کہ بروز یکشنبہ روزہ داشتہ در رمضان محسوب شدہ و ہر کہ نداشتہ قضا
بر و لازم۔ فقط محمد عبد الحئی از فرنگی محل لکھنؤ ۱۵ رمضان روز یکشنبہ ۱۲۹۷ھ،

مکتوب نہم :۔ مولوی صاحب علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کتب مطلوبہ متعلق می ماندہ، مرا آنجان
ہمراہ برند، از مولوی عبد الوہاب صاحب اجازت خواہم گرفت، مگر در عرصہ دو ماہ ضرور ارسال خواہند
فرمود، موطا ابراز الغی از عقب خواہد رسید والسلام فقط محمد عبد الحئی از لکھنؤ،

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۳) متحقق داشتہ اند و در کھنگل نمودن تبرینر اختلاف است روایت مشہور قول بکراہت است و در تحسین لا باس
بہ است و در تاتار خانیہ مذکور است اگر خواب شوند قبور باک نیست بہ کھنگل نمودن و در جواہر اخلاطی آوردہ کہ ہمیں اصح است
و بر ہمیں است فتویٰ کشف الغطا عما لزم للموتی علی الاحیاء،

مکتوب دہم:۔ مشفق مہربان مولوی حافظ محمد ادریس صاحب ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ
و برکاتہ، محبت نامہ مورخہ ۲۳ رسیدہ بر مضامین مندرجہ مطلع ساختہ از عرصہ دو ماہ مبتلاے تپ و آشوب
چشم شدم از یں جہت نوبت معائنہ رسائل آں مہرباں نرسیدہ، اگرچہ از تپ وغیرہ نجات حاصل گشتہ
مگر در چشم ہنوز خللے باقیست، انشاء اللہ بعد حصول صحت کاملہ آنہا را معائنہ کردہ ارسال خواہم کرد شرح
فرائض شریفیہ وغیرہ چونکہ دریں ایام متعلق شدند نوبت ارسالش نرسیدہ موطا را امام محمد قریب بیج طبع شدہ
است، چہ عجب کہ در عرصہ شش ماہ تیار گردد، والسلام محمد عبدالحئی عفا عنہ از فرنگی محل لکھنؤ،

تحریر ۲۲ ربیع الثانی روز دوشنبہ ۱۲۹۷ھ

مکتوب یازدہم:۔ از محمد عبدالحئی عفا عنہ بحبی مولوی محمد ادریس صاحب بعد سلام مسنون
الاسلام واضح باد نمیقہ محبت رسیدہ بر مضامین مندرجہ اطلاع بخش گردید، قیمت موطا رسیدہ حوالہ جناب
مولوی خادم حسین صاحب کردہ شد، والسلام،

مکتوب دوازدہم:۔ بخدمت مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہ، السلام علیکم
بورود محبت نامہ مبتہج شدم بسبب قلت فرصت در ارسال خطوط تاخیر می شود از رسائل مطلوبہ
بجز قول اشرف و امام الکلام دیگرے طبع نہ شدہ قول اشرف مفقود، امام الکلام بدوکان مصطفائی
بقیمت ۸ر فروخت می شود، قبر فاطمہ مختلف فیہ بعضے در بقیع و بعضے قریب روضہ نبویہ می گویند و
مدینہ طیبہ ہر دو جا قبر موجود ست، درباب والدین توقف اسلم است اللہ اعلم بحقیقۃ الحال باعث شدن
اجتماع مکروہات تنزیہیہ کراہت تحریمیہ را ہنوز ندیدہ ام، و درباب وفات نووی اختلاف اقوال
معلوم می شود، بالفعل بتحریر تاریخ علمائے ہند مصروف ام شنیدہ ام کہ در بھوپال جواب ابراز الغی نوشتہ
می شود باوجود ہمچو اغلاط جرأت لائق مضحکہ است باقی حال بدستور فقط محمد عبدالحئی عفا عنہ از لکھنؤ فرنگی محل

تحریر یازدہم صفر روز چہار شنبہ ۱۲۹۸ھ،

مکتوب سیزدہم:۔ از محمد عبد الحیٔ عفا عنہ بخدمت مولوی صاحب مجمع فضل اتم منبع لطف کرم مولوی حافظ محمد ادریس صاحب، السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ للہ الحمد مع الخیر بودہ مستدعی الخیر باشم المحبت نامہ بذریعہ ڈاک رسیدہ بدریافت اخبار خیریات اطمینان بخشیدہ فی الواقع از عرصہ ازیں جانب نوبت ارسال خطوط نرسیدہ مگر سبب آں بجز عدم فرصت دیگرے نیست بسبب تدریس و تالیف فرصت یک لمحہ نمی شود بہمین سبب در تحریر جواب خطوط احباب تاخیر می شود و در تحریر جوابات فتاویٰ کہ از اطراف می آیند نیز تاخیر می شود، خیال ایں امر بنوعے نفرمایند و فقیر را یکے از مخلص احباب خود دانند و ضرورت دریافت ہر امر یکہ باشد بلا تکلف ازاں مطلع فرمودہ باشند، بالفعل رسالہ در باب سقوط حد زنا از نکاح محارم کہ جہلا دریں مسئلہ لعن و طعن بر حنفیہ می سازند می نویسم انشاء اللہ تعالیٰ بعد طبع ارسال خواہم کرد و السلام فقط

تحریر ۱۲ ار رجب بروز جمعہ ۱۲۹۸ھ

مکتوب چہاردھم:۔ از محمد عبد الحیٔ عفا عنہ بمولوی صاحب مشفقی و محبی مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہ، سلام مسنون الاسلام قبول باد للہ الحمد مع الخیر بودہ مستدعی الخیر می باشم در ینجا بشہادت معتبر رویت ہلال ۲۹ ر شعبان ثابت شدہ و غرہ رمضان بروز دو شنبہ مقرر گشتہ بہ سلخ رمضان روز سہ شنبہ ہلال عید نبظر آمدہ بروز چہار شنبہ نماز عید ادا شد اہل تشیع مخالفت کردہ غرہ رمضان بروز سہ شنبہ مقرر کردہ و عید بروز پنجشنبہ ساختند بسبب قلت فرصت از عرصہ نوبت ارسال خطوط نہ رسیدہ بریں تاخیر لحاظ نفرمودہ ہمیشہ بارسال عنایت نامجات یاد و شاد فرمودہ باشند و السلام،

تحریر نہم شوال بروز پنجشنبہ ۱۲۹۹ھ

مکتوب پانزدھم:۔ بخدمت مولوی محمد ادریس صاحب دام لطفہ، السّلام علیکم

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، محبت نامہ پہونچا، حال مندرج معلوم ہوا، مقدمہ معلومہ کی بابت مین اس وقت تک کوئی شخص نہین آیا، نہ کوئی فتوی، وقت آمدن دیدہ خواہد شد، مین اپنا حال کیا لکھون، شوال مین چند سبق شروع کرائے دورات صرع کا پھر اعادہ ہوا، پھر وہی کیفیت دردسر ضعف کی ہوگئی، علاج مین مصروف ہون، حق جل شانہٗ رحم فرمائے، مجامیع مطلوبہ ابھی زیر طبع ہین، کلہ ہلال ذیحجہ دیکھا گیا، آج روز چہارشنبہ غرہ بلا اختلاف مقرر ہے، والسلام

محمد عبدالحی عفا عنہ،

مکتوب شانزدھم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، از صبح تا فراغت نہ گھنٹہ فرصت می ماند طبیعتم بہ نسبت سابق درست است، مگر ہنوز اعتدال کلی نیست، درین ایام در منشور متعلق است ازین جہت از ارسالش معذورم یک فہرس برائے ملاحظہ مرسل است،

محمد عبدالحی عفا عنہ ۲۵ رشعبان یکشنبہ،

مکتوب ہفت دھم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حسب الطلب جواب سوالات بھیجتا ہون، کتاب ذہبی واستیعاب مولوی حامد حسین صاحب کے پاس ہے، آج مین نے طلب کیا تھا، انھون نے عذر متعلق ہونے کا کیا، اصابہ میرے پاس نہین، والسلام

محمد عبدالحی عفا عنہ،

مکتوب ہشتدھم

از محمد عبدالحی سلام مسنون قبول فرمائید، محبت نامہ پہنچا، حال معلوم ہوا، ان دنون ایسے ترددات مین مبتلا رہا، کہ تحریر جواب مین تاخیر ہوئی، پہلے تو میری طبیعت کسلمند ہوگئی پھر دختر خرد سالہ کہ عمر سہ سال کی تھی، بعارضہ چیچک قضا کرگئی، اس مرتبہ اس مرض کی یہان ایسی وبا ہے، کہ بہت اطفال ضائع ہوچکے ہین، حق جل شانہٗ اپنا رحم فرمائے، مال زکاۃ مین تملیک شرط ہے، مرمت مسجد مین صرف ہونے سے ادا نہ ہوگی، ہان ایک صورت یہ ہے کہ صاحب زکوٰۃ وہ مال کسی محتاج کو دے دیوے، در وہ محتاج

اس کو مرمت مسجد میں لگاوے، والسلام از لکھنؤ فرنگی محل،

تحریر بست ودوم صفر روز سہ شنبہ سنہ ۱۳۰۰ھ

مکتوب نوزدھم بخدمت مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

وبرکاتہ، قبل ازین جو خط آپ کا گڈھی سے آیا تھا، اُس کا جواب میں نے بھیج دیا ہے، شاید نہیں پہنچا، رسالہ فخر الحسن نہایت عمدہ اور محقق ہے، دو رکعت توشہ کی کچھ اصل نہیں ہے، درباب نشر سکر احادیث وارد ہیں مگر ضعیف، فضائل اعمال میں کافی ہیں، ظواہر احادیث صحاح سے معلوم ہوتا ہے، کہ ثقب آذان نبات زمانہ رسول اللہ میں تھا، بالا پہنا کان میں عورتوں سے مروی ہے، ''ابراز الغی میں والسیوطی فی بغیۃ الوعاۃ'' اصل مسودہ میں نہیں ہے، تنبیہ اس کی رد والرد میں جواب لکھ رہا ہوں کردی ہے، ظاہر الحاق میں کھڑے ہونے سے اگر حال اُس کا مقتدیوں پر مخفی ہو جاوے، تو کراہت تنزیہی ہوگی ورنہ نہ، مقتدی بعد امام کے رکوع وسجدہ میں جاوے نہ ہمراہ، دو چار روز کے بعد میں مرزا پور جانے والا ہوں، اول رجب تک ان شاء اللہ واپس آؤن گا، والسلام محمد عبد الحئی عفا عنہ از لکھنؤ فرنگی محل،

تحریر بستم جمادی الثانیہ روز دوشنبہ سنہ ۱۳۰۰ھ،

مکتوب بستم:- جامع فضائل مولوی حافظ محمد ادریس صاحب زاد لطفہ، از محمد عبد الحئی عفا عنہ، سلام مسنون قبول فرمائید، محبت نامہ رسیدہ کاشف مندرجہ گردید، کتب حدیث دفعۃ اکثر متعلق می ماند گاہے احتیاج بکتابے وگاہے بدیگرے می ماند، ازین جہت در ارسال آنہا معذور می مانم نقل اسانید شیوخ کنانیدہ واجازت حصن حصین بوقت فرصت نوشتہ از عقب ارسال خواہم کرد، والسلام از لکھنؤ فرنگی محل، تحریر ۱۹ ر شوال روز پنجشنبہ سنہ ۱۳۰۰ھ

مکتوب بست ویکم، بخدمت مولوی صاحب جامع فضائل دام لطفہ السلام علیکم و

رحمۃ اللہ وبرکاتہ، میزان نزد خود دارم، چون از کتب مطلوبہ اکثر تعلق می ماند، در ارسال آنہا معذورم

مجموعہ فتح الغفور بالفعل می فرستم در عرصہ دو یک ماہ واپس ارسال خواہند ساخت، والسلام

محمد عبدالحی عفا عنہ،

مکتوب بست ودوم:۔ جامع کمالات و فضائل مولوی حافظ محمد ادریس صاحب از محمد عبدالحی عفا عنہ سلام مسنون قبول فرمائید عنایت نامہ رسیدہ حال مندرجہ معلوم گردید، در بحث نکاح زوجہ مفقود بمقتضائے تصریحات جمہور حنفیہ ہمین منقح است کہ شوہر اول زوجہ خود را بگیرد، لیکن بہ مقتضائے مذہب امام مالک کہ حنفیہ بضرورت برآن فتوی می دہند، شوہر اول نمی تواند چہ صحیح بمذہب مالکی ہمین است کہ بعد صحبت شوہر ثانی، شوہر اول گرفتن نمی تواند، اجازہ حصن حصین بسبب قلت فرصت ہنوز نوشتہ نہ شد انشاء اللہ بوقت فرصت نوشتہ خواہم فرستاد، والسلام، از لکھنؤ فرنگی محل،

تحریر ۲۰ ربیع الثانی روز شنبہ ۱۳۰۱ھ

مکتوب بست وسوم: از مولوی عبدالحی عفا عنہ، بخدمت مولوی صاحب جامع کمالات اشفاق مولوی محمد ادریس صاحب دام فضلہ، پس از سلام مسنون ابراز مرام یہ ہے، کہ رسالہ موضوعات ملا علی قاری پہنچا، مین دو مہینے سے اکثر سفر مین رہا، کبھی مرزا پور کبھی کاکوری کبھی کسی اور طرف گیا، اسی وجہ سے نوبت تحریر کی نہین آئی، بروز دوشنبہ پھر سفر فیض آباد کی طرف کا پیش ہے، تا شب برات انشاء اللہ واپس آؤنگا رسالہ رد بھوپال قریب الختم ہے، صرف غلطنامہ چھپنے کو باقی ہے، بعد تیاری ارسال کرونگا، والسلام

تحریر ۲۰ رجب روز شنبہ ۱۳۰۱ھ

مکتوب بست وچہارم: شفیقی مولوی حافظ محمد ادریس صاحب از محمد عبدالحی عفا عنہ، سلام مسنون قبول ہو، بشہادت شاہدان کہ وام پور و ٹونڈلہ سے آئے رویت ہلال رمضان ۲۹ شعبان کو ثابت ہوئی یہان جمعہ کو اعلان کر دیا گیا کہ غرہ رمضان چہارشنبہ کو ہوا جس نے اُس روز روزہ نہ رکھا ہو، اُس قضاء لازم ہے، اب اگر بروز چہارشنبہ ۲۹ رمضان کو چاند عید کا ہو گیا، تو بروز پنجشنبہ عید ہوگی، ورنہ بروز جمعہ

ضرور عید ہو گی، رد نواب بھوپال کے ارسال میں ۳۰ روپے صرف ہوتا ہے، کوئی وہاں جانے والا ملے گا، تو اس کے ساتھ ضرور بھیجدوں گا،   والسلام

تحریر شانزدہم رمضان روز پنجشنبہ ۱۳۰۱ھ

مکتوب بست و پنجم از محمد عبدالحیٔ عفا عنہ بخدمت مولوی صاحب جامع کمالات و

الطاف مولوی حافظ محمد ادریس دام لطفہ پس از سلام مسنون الاسلام ابراز مرام یہ ہے، بعد عرصہ کے محبت نامہ پہنچا، دریافت خیریت سے اطمینان ہوا، میں حیدرآباد میں سخت علیل ہو گیا تھا، آج تک اس کا اثر باقی ہے، کہ ہر روز درد سر رہتا ہے، ضعف دماغ اس درجہ رہتا ہے، کہ تدریس و تالیف سے بالکلیہ معذور ہوں، اب انشاء اللہ بشرط صحت انتظام تدریس شوال میں ہوگا، ان دنوں جلد دوم شرح وقایہ کی تحشی میں مصروف ہوں، غالباً ماہ مبارک میں ختم ہو جاوے، محمد سعید نومسلم ناصر نواب صاحب نے جواب تذکرۃ الراشد کا اردو میں چھاپ دیا ہے، اُس میں مغلظ گالیاں دی ہیں، اور یہ التزام اس امر کا ہے، کہ ان رسائل تبرا کا جواب نہ دیا جاوے گا، در باب مجددیت ناحق نافہموں نے غل مچایا ہے، کیا مولوی سید احمد صاحب مرحوم و مغفور کی فضیلت صفت مجددیت پر موقوف ہے، کیا غیر مجدد مجدد سے افضل نہیں ہوتا ہے، سیوطی جن کا انتقال ۹۱۱ھ میں ہوا مجدد مایۃ تاسعہ شمار کئے گئے ہیں، حالانکہ ان سے ابن حجر عسقلانی کہ جن کا انتقال ۸۵۲ھ میں ہوا بدرجہا افضل تھے، اصل یہ ہے کہ مجدد وہ ہوتا ہے، کہ جب ایک صدی تمام ہو اور دوسری شروع ہو تو اس شخص کا فیض شائع ہو جس کا نشو و نما ابتدا صدی میں ہوا، وہ مجدد نہیں ہو سکتا، حدیث علی راس مایۃ سنۃ میں راس بمعنی آخر صدی کے نہ اول صدی تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے، امام غزالی کہ جن کا انتقال ۵۰۵ھ میں ہوا، مجدد مائۃ خامسہ شمار کئے گئے، نہ مجدد مائۃ سادسہ، امام رازی کہ جن کا انتقال ۶۰۶ھ میں ہوا، مجدد مائۃ سادسہ سمجھے گئے، نہ مجدد مائۃ سابعہ اس بحث میں رسالہ سیوطی کا اور ابن حجر عسقلانی کا مبسوط ہے، پس مائۃ ثالثہ

عشر کا وہ مجدد ہو نہین سکتا جس کی ولادت ابتدا رمین اور نشو و نما وسط مین ہوا ہو، والسلام خیر ختام،

شعبان کا غرہ یہان بروز یک شنبہ مقرر ہوا، کانپور اور حیدرآباد مین کچھ گواہیان ۲۹ کی رویت کی گذری

ہین، مگر کانپور مین اس کا اعتبار نہین ہوا، البتہ حیدرآباد مین غرہ شنبہ کا مقرر ہوا، استفتاء انشاء اللہ دو

تین روز مین پہونچے گا،

مکتوب بست وششم، مولوی صاحب دام لطفکم، السلام علیکم، مین بوجہ علالت کے آپ

کے خطوط اور استفتے کا جواب نہ دے سکا، ماہ شوال سے دردسر، درد سینہ، ضعف دماغ مین مبتلا ہون کہ

جس کی وجہ سے انتظام تدریس و تالیف کا بالکل مختل ہے، ضعف ایسا ہو گیا ہے، کہ ان چند سطرون کے

لکھنے مین تکلف ہوتا ہے، اب استعمال منضج کا ہوتا ہے، بعد انشاء اللہ مسہل ہوگا، والسلام

محمد عبدالحیٔ عفا عنہ، ۷ر ذی حجہ روز چہار شنبہ ۱۳۰۳ھ

مکتوب بست وھفتم، مشفقی مولوی محمد ادریس صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

وبرکاتہ اگرچہ ایک مہینہ سے دورہ نہین ہوا، مگر دردسر کی شدت ہے، اس وجہ سے آپ کے عنایت نامہ

کی تحریر کے جواب مین تاخیر ہوئی، اب منضج کا استعمال ہے، سات آٹھ روز مین مسہلات ہون گے، فوائد بہیہ

کے مسودہ مین عبارت یہ ہے دو فات حسن چلپی کان اختتامہ لسبع مایتہ، اب دوبارہ طبع ہوتا ہے

انشاء اللہ اغلاط سابقہ محو ہو جائین گے، امامن مغلث کا کلمہ موافق اُن کے زعم کے لکھا گیا کہ وہ

اپنے کو مظلوم اور دوسرے کو ظالم سمجھ کے فریاد کرنے لگے، والسلام باقی از عقب محمد عبدالحیٔ عفا عنہ،

۲۵ر ذی حجہ روز جمعہ ۱۳۰۳ھ، نماز عید اگرچہ یہان بھی جمعہ کو ہوئی، مگر بعد اس کے ثابت ہو گیا، کہ غرہ ذیحجہ

سہ شنبہ کو ہوا تھا،

مکتوب بست وھشتم؛ از محمد عبدالحیٔ عفا عنہ بجامع کمالات علمیہ مشفقی مولوی حافظ

محمد ادریس صاحب:۔ پس از سلام مسنون الاسلام ابراز مرام اینکہ عنایت نامہ پہنچا، دریافت خیریت سے

اطمینان ہوا، بہ نسبت سابق کے اب بحمد اللہ طبیعت درست ہے، دورات صرع سے نجات ہے، مگر ضعف دماغ ابھی تک باقی ہے، تدریس وغیرہ پر ابھی تک قوت نہین ہے، حق جل شانہ رحم فرمائے کبھی اگر طبیعت درست ہوتی ہے، تو حاشیہ امام الکلام لکھ لیتا ہون، بالفعل میرے چند مجامیع رسائل ومجموعہ خطب تمام سال تالیف فقیر چھپ رہے ہین، انشاء اللہ تعالیٰ بعد طبع کے اس سے اطلاع دون گا، والسّلام از لکھنؤ فرنگی محل،

۲۰ جمادی ثانیہ روز شنبہ ۱۳۰۳ھ

مکتوب بست ونہم بخدمت مشفقی مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہٗ

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اپنا حال کیا لکھون، ماہ گذشتہ مین پانچ مسہل ہوئے، مگر دورات صرع سے نجات نہین ہوئی، دوسرے تیسرے دورہ عارض ہوجاتا ہے، کل مغرب کی نماز مین سخت دورہ عارض ہوا کہ جس کی وجہ سے اس وقت تک ایسی طبیعت نحیف ہے، کہ ان چند سطور کی تحریر مین بھی تکلف ہے، جملہ انتظام تحریر وتدریس وغیرہ سب مختل ہے، خدا رحم فرماوے، کتب مطلوبہ آپ کو اس وقت نہین بھیج سکا، والسّلام۔

۹ صفر روز جمعہ ۱۳۰۴ھ

مکتوب سیم بخدمت شفیقی جامع کمالات مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہٗ

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ محبت نامہ مورخہ غرہ پہنچا، حال مندرج معلوم ہوا، چھ سات روز سے میری طبیعت درست ہے، دورات صرع سے نجات ہے، مگر جبتک دو ایک مہینہ نہ گذرین اعتماد نہین ہوسکتا ہے، اس وجہ سے اشتغال علمیہ وماغیہ کی طرف ابھی تک توجہ نہین کی ہے، حق جل شانہٗ رحم فرمائے، مسئلۂ تکبیر عند القنوت کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ مین خدمت عالی مین پہونچے گی، والسّلام۔

محمد عبدالحیٔ از لکھنؤ فرنگی محل، چہارم ربیع الاول روز چہار شنبہ ۱۳۰۴ھ

مکتوب مولانا محمد نعیمؒ لکھنوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الٰہ الا ھُوَ العلی الرب الحکیم من الفقیر الحقیر خادم کل صغیر وکبیر ابی الاحیاء محمد المدعو بالنعیم جعل من ورثۃ جنۃ النعیم الی الحبیب اللبیب الادیب الاریب المولوی محمد ادریس وفقہ اللہ تعالیٰ للتعلیم والتدریس السّلام علیکم وعلیٰ من لدیکم وبعد فقد وَصَلت النمیقۃ الانیقۃ المنبئۃ عن المحبۃ العمیقۃ فکنت مسروراً وارجو من اللہ الحکیم ان یجعلکم سلیماً ومبروراً وکتاب الطبقات الی الان من المتعلقات والباقی عند التلاقی،

والسّلام علی مَن اتبع الھُدیٰ ۱۱ر شوال ۱۲۹۷ھ

مکتوب آخر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الٰہ الا ھو العلی الربّ الحکیم

محبّ صمیم ومخلص حمیم مولوی حافظ محمد ادریس صاحب صانہ اللہ سبحانہٗ عن تلبیس ابلیس، سلام مسنون الاسلام ودعاے بلوغ المرام مطالعہ نمایند، نامہ بررسید ونامہ رسانید وبر اخبار اخیار مطلع گردانید، غنیۃ لطالبی طریق الحق عز وجل فرستادہ می شود، رسیدش رسانند، ونجل بادینا یہ باین پیرمرد ندیدہ ترسلیس موقوف گردیدہ، ورفیق ایشان الی الآن کیفیت قصیہ سلیم ارسال نداشتند تقاضا نمایند، واز نورچشمان سلام مسنون قبول فرمانید، زیادہ زیادہ وباہل وعیال، وبرادر بزرگوار[1] خویش ازین درویش دل ریش دعا وسلام رسانند، اللہ بس باقی ہوس،

فقیر حقیر اثیم ابوالاحیا محمد نعیم عفا عنہ عزوجل از محلہ فرنگی محل

روز سہ شنبہ ۲۰ر ذیحجہ ۱۳۰۰ھ

---

[1] مولانا محمد یحییٰ صاحب نگرامی رحمہ "ادریس"

مکتوب مولانا شاہ مہدی عطا صاحب سلونوی

مولوی صاحب جامع الفضائل والکمالات مجمع حسنات و برکات سلمہم اللہ تعالیٰ، بعد سلام مسنون اشتواق مشحون، المرام آنکہ رسالہ در باب مجد دین بہت خوب آپنے تالیف فرمایا ہے، جزاکم اللہ احسن الجزاء، مجھ کو اس امر کی تحقیق مدت سے تھی، گویا الہاماً آپ میرے مدعا پر آگاہ ہو گئے، مین تین چار مہینے سے عجب کرب مین ہون، یعنی اہلِ خانہ فقیر کو عارضہ فالج ولقوی کا ہو گیا ہے، علاج ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ شفائے کامل عطا فرمائے، بحرمتہ و نبیہ وحبیبہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم، امر معلوم معرض نسیان مین نہین آیا، مکروہات چند در چند مانع رہے، معاف فرمائے گا،

والسلام حسن الختام، فقط

خلافت و سلطنت

بغداد کی خلافت عباسیہ کے دور زوال سے، خوارزم شاہ اور بغداد کی تباہی تک خلافت بغداد اور اس کی ماتحت سلطنتوں اور حکومتوں کے درمیان صلح و جنگ کے جو تعلقات رہے اور ان سے جو نتیجے پیدا ہوتے رہے، ڈاکٹر امیر حسن صدیقی بدایونی نے ان کو اپنی ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے موضوع بنایا اور اس پر ایک محققانہ اور دلچسپ مقالہ لکھکر پیش کیا، وہی مقالہ کسی قدر ترمیم کیا تھا اردو مین ترجمہ ہو کر ان اوراق کی صورت مین پیش ہے،

اصل مقالہ انگریزی میں تھا، لیکن بدایوں ہی کے ایک لائق مترجم جناب سبطین احمد صاحب بی اے علیگ نے اس کا ایسا سلیس اور شگفتہ ترجمہ کیا ہے کہ ترجمہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا، بلکہ اصل تصنیف معلوم ہوتا ہے، پوری کتاب مولف و مترجم دونوں کی تصنیفی صلاحیتوں کی آئینہ دار ہے،

"منیجر"

استفسار و جواب

"شق القمر کا ذکر قرآن مجید میں"

اور

بعض دوسرے سوالات

جناب غلام قادر صاحب
مدیر ادارہ فلاح عالم، بھاگی، پرانی منڈی، اجمیر،

"براہِ کرم ذیل کے سوالات کے تشفی بخش جوابات عنایت فرماکر شکر گذار فرمائیں،

۱۔ شق القمر کے قرآن مجید میں بیان فرمانے سے خدا کا کیا منشا ہے،

۲۔ حدیث لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول ہے یا لائقِ ترک،

۳۔ حضرات خضرؑ و موسیٰؑ کی مجمع البحرین والی ملاقات کے بیان میں خدا کا کونسا راز مضمر ہے،

معارف:۔ (۱) قرآن مجید میں خدا نے جس غرض سے انشقاق قمر کا ذکر کیا ہے، وہ اسی آیت سے ظاہر ہے جس میں اس کا ذکر ہے، اقتربت الساعة وانشق القمر، الساعة کا لفظ اپنے اندر جن مفہوموں کو متضمن ہے، ان میں سے ایک یہ ہے، کہ زمین اور اجرام فلک پاش پاش ہو جائیں گے، چاند کے انشقاق کو جس کے آثار دوربین سے آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں، خدا نے قیامت کا ثبوت قرار دیا ہے جس طرح زمین میں زلزلے آتے ہیں، آتش فشاں پھوٹتے ہیں، اسی طرح بارہا چاند میں بھی زلزلے آئے، اندرونی حرارت باہر نکلی اور چاند بے جان ہو گیا، انشقاق صرف کسی چیز کے اندر شگاف پڑ جانے کا نام ہے

کے حالات محذومات ظاہر ہو سکین، تمام تحریر فرمادین،

معارف:۔ مجھے افسوس ہے کہ "قوم نہایۃ" کا سُراغ مجھ سے نہ لگ سکا، مجھے معلوم نہین کہ یہ کسی عربی قبیلہ کا نام بھی ہے کہ نہین، قبائل عرب مین جو معروف مین اُنمین تو اس نام کا کوئی قبیلہ موجود نہین بلکہ قبائل کے ہزارون نامون مین سے کوئی ایک نام بھی اس سے موسوم نظر نہین آیا، ہو سکتا ہے کہ نظر کی چوک ہو، اور احتوا کرنے سے قاصر رہی ہو، لیکن یہ تحقیق آپ کو کہان سے ہوئی، کہ محمد بن قاسم کے ساتھیون مین "قوم نہایۃ" کے چند افراد بھی تھے، میری نظر سے ایسی بھی کوئی تصریح نہین گذری، اگر آپنے کتب حوالہ مین سے کسی مین دیکھا ہو تو مجھے بھی مطلع فرمائین، پھر یہ بھی خیال تعریف مین ہو کہ محمد بن قاسم کی فوج مین ہندوستانی سپاہیون کی بھی تو ایک بڑی تعداد موجود تھی، علامہ ابن اثیر بلا شبہہ ایک ایسی کتاب کے مصنف ہین، جس مین لفظ النہایۃ آیا ہے، لیکن جہان تک مین سمجھتا ہون اس کتاب کے نام کو کسی قبیلہ کے نام سے دور کی نسبت بھی نہین ہے، علامہ ابن اثیر متوفی ۶۰۶ھ کی کتاب النھایۃ فی غریب الحدیث سے موسوم ہے، النہایہ کے معنی ہین غایۃ، پایان، آخری حد، مثلاً بلغ نہایتہ یعنی وہ اپنی آخری حد کو پہنچا، جن کتابون کے نامون مین "النہایۃ" آیا ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ اس موضوع پر یہ مختلف حیثیات کے لحاظ سے یا جو حیثیت مصنف کے پیش نظر ہے، اس لحاظ سے یہ تصنیف سب سے آخری معلومات رکھتی ہے، علامہ ابن اثیر نے اس لحاظ سے اپنی اس تصنیف کا نام النہایۃ فی غریب الحدیث رکھا ہے، اس تصنیف مین انھون نے اس عہد کی دو مشہور کتابون کو جو اس موضوع پر تھین، جمع کر کے اس پر مزید اضافے کیے ہین، وہ دونون علامہ ہروی متوفی ۴۰۱ھ اور ابوموسی اصفہانی متوفی ۵۸۱ھ کی تصنیف تھین، انھون نے پہلے ان دونون کی حدیثون کو علٰحدہ علٰحدہ جداگانہ علامتون کے ساتھ درج کیا، پھر اُن پر اپنے اضافے کئے،

علامہ ابن اثیر کی یہ تصنیف اہلِ علم کے حلقون مین مقبول ہوئی، چنانچہ علامہ صفی الدین ارموی متوفی ۷۲۳ھ نے اس کا ایک ذیل لکھا، پھر عیسٰی بن محمد صفوی متوفی ۹۵۳ھ نے اس کا ایک مختصر تیار کیا،

اسی طرح علامہ سیوطی اور ہندی عالم شیخ علی بن حسام الدین معروف بہ المتقی نے اس سے اپنے اختصارات تیار کئے،

بہرحال اس کتاب کے نام النہایۃ کو معہود ذہنی قوم "نہایۃ" سے کوئی علاقہ نہیں ہے، کتاب النہایۃ فی غریب الحدیث کی تفصیل اوپر اس لئے درج کی، کہ آپ کو اس تصنیف کو "النہایۃ" سے موسوم کرنے کی اصل وجہ معلوم ہو جائے، یہ سمجھنا کہ علامہ ابن اثیر چونکہ قوم نہایۃ" سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے یہ کتاب اس نام سے موسوم ہوئی قطعی بے اصل ہے،

نیز علامہ ابن اثیر کے متعلق بتحقیق معلوم ہے، کہ وہ نسلاً شیبانی تھے، قبیلۂ شیبان، قبائل بکر بن وائل مین سے ایک مشہور قبیلہ ہے، علامہ ابن اثیر کی نسبت شیبانی تراجم و طبقات کی کتابون مین عام طور پر درج ہے، اس لئے انھین کسی مفروضہ قبیلہ سے منسوب کرنا ایک بڑی جسارت ہوگی، اگر سندھ و بلوچستان مین کچھ لوگ اپنے کو قوم "النہایۃ" سے کہتے ہین، تو آپ براہ راست ان لوگون سے ملین، وہ اپنی قومیت کے متعلق جو کچھ کہین اس کو تاریخ کی کسوٹی پر پرکھیں، اس کے بعد اس کو اپنی زیر تالیف تاریخ نہایۃ مین جگہ دین، تو بیہودہ بیان لائق اعتماد و استناد ہوگا، ورنہ ذہنی مفروضات اور سنی سنائی باتون پر کسی تاریخ کی بنیاد ڈالنا ہمارے نقطۂ نظر سے صحیح راہ عمل نہین ہے، امید ہے کہ آپ اس پر غور فرمائین گے، والسلام "س"

عقوق والدین

مولوی نظیر الحسن صاحب موضع پارہ ضلع مظفر پور } عقوق والدین کا کیا مطلب ہے، کیا جو کوئی اپنے لڑکے کو عاق کردے تو وہ لڑکا وراثت سے محروم ہو جائے گا؟"

معارف:۔ عقوق والدین کے معنی ہین والدین کی نافرمانی کر کے ان کو آزردہ کرنا،

احادیث مین آیا ہے کہ عقوق والدین گناہ کبائر مین داخل ہے، آخرت مین ایسی نا فرمان اولاد سے سخت مواخذہ ہوگا، بشرطیکہ والدین اور اولاد کے مابہ النزاع مسئلہ مین شرعاً حق بھی والدین کے ساتھ رہا ہو، لیکن اس کے باوجود اولاد پر فرض ہے کہ ہر حال مین والدین کی اطاعت و دلجوئی کرے،

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا	تمھارے پروردگار نے حکم کر دیا ہے کہ
اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ	بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو،
اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ	اور تم ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک
الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا	کیا کرو، اگر تمھارے پاس ان مین سے
فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْ	ایک یا دونون کے دونون بوڑھاپے
هُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا	کو پہنچ جائین، تو اُن سے کبھی اُف بھی
وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ	مت کہو، اور نہ اُن کو جھڑکو، اور ان
مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ	سے خوب ادب کی باتین کرو، اور ان کے
ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا	سامنے شفقت سے انکسار کے ساتھ
رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ	جھکے رہو، اور یون دعا کرتے ہو کہ اے
اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ	میرے پروردگار ان دونون پر رحمت
كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا	فرما جیسے انھون نے میرے بچپن مین میری
	پرورش کی، تمھارا پروردگار تمھارے
	دلون کا حال خوب جانتا ہے، اگر تم
(بنی اسرائیل ع ۳)	سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والون کی خطا معاف کر دیتا ہے

سورۂ بنی اسرائیل میں جس موقع کی یہ آیتیں ہیں، ان میں مسلسل پندرہ احکام اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کو عطا ہوئے ہیں، دیکھیے کہ پہلے حکم توحید کے بعد دوسرا حکم والدین کے حقوق کی ادائی ہی کا آیا ہے، اس سے اس مسئلہ کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، پھر والدین سے کس طور پر پیش آیا جائے اس کی پوری تصریح کردی گئی، نہ صرف ظاہری توقیر و تعظیم کی ہدایت کی گئی، بلکہ دل سے اطاعت کا قصد رکھنے اور ان کا ادب کرنے کی تلقین کی گئی ہے، پھر اگر کبھی غلطی تنگ مزاجی یا کسی سبب سے فروگذاشت ہوجائے تو دل سے توبہ کرنے اور اس پر نادم ہونے کا اشارہ کیا گیا، اور بارگاہِ الٰہی سے یہ بھی خوشخبری سنائی گئی، کہ ایسے سعادتمندوں کی خطائیں جو نادم ہوکر رجوع کریں گے، بارگاہِ الٰہی سے معاف ہوجائیں گی۔

لیکن والدین کے ان تمام حقوق کے باوجود کسی باپ کی طرف سے کسی لڑکے کو عاق کردینے کی جو ایک عام اصطلاح ایک خاص معنی میں مسلمانوں کے درمیان رائج ہوگئی ہے، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں، کوئی باپ اپنے لڑکے کو ان معنوں میں عاق کرنے کا شرعاً حق نہیں رکھتا، اگر کسی نے اپنے کسی لڑکے کو عاق کردیا، اور عنداللہ وہ لڑکا حق پر ہے، تو آخرت میں اس لڑکے سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، پھر باپ حق یا ناحق کسی طور پر ناراضی سے اپنے لڑکے کو محروم الارث نہیں کرسکتا، لڑکے کا حق ارث بجز مرتد ہوجانے کے کسی حال میں باطل نہیں ہوتا، یہ ایک اضطراری حق شرعی ہے، جو مورث کے قصد و ارادہ کے بغیر بھی وارث کو ملتا ہے، اگر مورث اپنے کسی وارث کے خلاف کوئی وصیت کرجائے، تو وہ وصیت موثر نہ ہوگی، شرعاً ہر مورث کا ترکہ قضائے دین کے بعد وارث کی ملکیت میں داخل ہوجاتا ہے، البتہ اگر مورث نے اپنے لڑکے کو عاق کرکے اپنی جائداد و مال و متاع کو اپنی زندگی ہی میں کسی دوسرے کو دیدیا، تو یہ ہبہ کے حکم میں آجائے گا، ترکہ نہ ہوگا، ورنہ اگر وہ اپنی ملکیت میں اپنے مال و متاع کو چھوڑ کر مرے گا، تو اس کا عاق شدہ

لڑکا بھی اپنا حصہ رسدی ترکہ مین شرعًا پائے گا، شرعًا اس کو اس حق سے کوئی بھی محروم نہ کر سکے گا،

والسلام "س"

لحم خنزیر کی حرمت

مولوی نظیر الحسن صاحب موضع پار، ضلع مظفر پور، } سور کا ہر عضو حرام ہے، پھر قرآن مجید مین صرف لحم خنزیر کی حرمت کا کیون ذکر آیا؟

معارف: - یہ صحیح ہے کہ سور کا بال بال حرام ہے لیکن قرآن مجید مین لحم خنزیر یعنی سور کے گوشت کے حرام ہونے کا ذکر خاص طور پر اس لئے آیا، کہ خنزیر کے اجزاء مین سے کھانے مین زیادہ وہی کام آتا ہے، ذبیحہ مین اصل غرض گوشت ہی کا حاصل کرنا ہوتا ہے، اور دوسرے اجزا تبعًا کام آتے مین، جب اصل کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے، تو اس کے ذیل مین دوسری چیزون کی حرمت آپ سے آپ ہو جاتی ہے، جیسے قرآن مجید مین حالتِ احرام مین قتل الصید کو حرام کہا گیا ہے، اور اس سے مراد نہ صرف شکار کو مار ڈالنا، بلکہ نفس شکار کرنا ہی حرام ہے، چنانچہ احرام کی حالت مین شکار کو نشانہ لگانا بھی حرام کہا گیا ہے، کہ اس نشانہ کا مدعا تو قتل صید ہی ہوگا، اسی طرح سورۂ جمعہ مین جمعہ کی نماز کے وقت خرید و فروخت کرنے کی حرمت کا ذکر آیا ہے، اور اس سے مدعا دراصل ایسی تمام مشغولیتون سے علٰحدہ ہو جانا ہے، جو نماز مین حارج ہون، اس لئے دراصل کسی شے کے اہم جزء کی حرمت کا ذکر کر کے تبعًا اس ذیل کی ساری چیزون کی حرمت مراد لے لی گئی ہے،

"والسلام" "س"

حیاتِ شبلی

ادبیات

عرضِ حال

بحضور خواجۂ کائنات فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات

از جناب طالوت

اے کہ تیرا وجود ہے شمعِ منازلِ حیات — تجھ سے ہی مستنیر ہے حسن و جمالِ کائنات

عرش سے لیکے فرش تک تیری ضیا ہے جلوہ پا — شرق سے تا بغرب ہیں تیری ہی سب تجلیات

تیرے سبھی تشخصات عینِ حدودِ شرع ہیں — شرحِ بطونِ ذات ہیں تیرے سبھی تعینات

آنِ عرب کے طنطنے تیرے جلال کا ظہور — شانِ عجم کے ہمہمے تیرے جمال کی لَوت

تیری گلی میں یا بنی جس کا گذر ہوا کبھی — خضر کی طرح پا گیا جادۂ چشمۂ حیات

تیری تجلیات میں عکس فروغِ ذات ہے — تیرے تبرعات میں پرتوِ کثرتِ صفات

سحرِ یغوث مٹ گیا قدرِ یعوق گھٹ گئی — ہو گیا تار تار سب جادوے عابدانِ لات

اُعْلُ ھُبَلْ کے نغمہ خوان محو ہیں ذاتِ بحت میں — اُن کے تصورات ہیں، مرکزِ صد تجلیات

اس کی بھی ایک ایک خشت کعبہ کی ہمسری کرے — تیرے جمال کی جھلک دیکھ جو پائے سومنات

چہرہ ترا ہے والضحیٰ زلف تیری اذا سجیٰ — چشم تری و ما طغیٰ وحیِ خدا ہے تیری بات

تیرے ہر ایک قول پر لگ گئی مہرِ علّمکَ — تا بہ ابد بجھائے اب کوئی نہ دامِ تُرّہات

رغبت و رہبت و حیل پیدا نہ کر سکے خلل
تیرے ہر اک غلام کو بخش دیا گیا ثبات

تیرے قدم کی خاک ہے سرمۂ چشم اولیا
منحصر ایک تجھ پہ ہے دونوں جہان کی نجات

ہاتھ میں ہے لواے حمد سر پہ ہے تاج انّما
پھر نہ ہوں کس طرح سے حل ہر دوسرا کی مشکلات

بابِ کرم بھی باز ہے لطف بھی چارہ ساز ہے
حشر تلک دراز ہے سلسلۂ نوازشات

بندۂ آستان ترا موجِ بلا میں ہے گھرا
ٹوٹ پڑے غریب پر دورِ فلک کے حادثات

گو وہ گنہگار ہے، تیرا ہی جان نثار ہے
اُس کے بھی حالِ زار پہ بذل ہوں کچھ توجہات

کیف اضطراب

از جناب انور گرامی

تڑپ ہے درد ہے فریاد و آہ و شور و فغان
اک اضطرابِ مسلسل فقط ہے عمرِ روان

تعینات سے آگے ہے شوق کی منزل
نہیں ہیں اہلِ جنوں تابعِ زمان و مکان

ہر ایک بات میں مغرب سے استناد نہ کر
یہ علم و فن یہ سیاست ہے کارِ راہزنان

ترا ضمیر غلامی نے کر دیا مردہ
وگرنہ بندۂ مومن ہے صاحبِ دو جہان

خودی کی جلوت و خلوت کی واردات نہ پوچھ
حدیثِ رندی و مستی نہیں رہینِ بیان

جہان فریبِ خرد، لا الہ الا اللہ
وہی نظر سے نہان ہے وہی نظر پہ عیان

نصیبِ اہلِ وفا سوز و ساز و درد فراق
سکونِ قلب میسر مجھے یہان نہ وہان

خدا رکھے ترا میخانہ تا ابد ساقی
حقیقتیں نظر آتی ہیں بے حجاب یہان

غریب تر ہیں مقاماتِ بے خودی انور
اب آرزو نہ تمنا نہ فکرِ سود و زیان

مطبوعات جدیدہ

مسلمانون کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا از مولانا سید ابوالحسن علی استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۔۔ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت ؏
پتہ:۔ مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ،

لائق مصنف دین وملت کی جو قلمی خدمت انجام دے رہے ہین، اس سے اہل علم پوری طرح واقف ہین، مذکورۂ بالا کتاب بھی ایک اہم اور وقیع قلمی خدمت ہے، اس مین انھون نے دکھایا ہے، کہ اسلام ساری دنیا کے لئے ہدایت بن کر آیا تھا، اور اس نے زندگی کے نصب العین اور دین و دنیا کے بارے مین قومون کے تصورات اور ان کے عقائد و اعمال مین ایک انقلاب پیدا کر دیا، اور جب تک دنیا کی سیاسی قیادت کی باگ مسلمانون کے ہاتھون مین رہی، وہ اس کے پاسبان رہے، اور مذہب و اخلاق کے اثرات دنیا مین باقی رہے، اور مادیت کا سیلاب پھیلنے نہ پایا، مگر ان کے زوال کے بعد جب مغربی اقوام نے ان کی جگہ لی، تو پھر وہی پرانے جاہلی تصورات لوٹ آئے، اور پہلے سے زیادہ خطرناک شکل مین دور جاہلیت کی وحشت اور اخلاقی پستی تنی نمایان تھی کہ اس سے بچنا زیادہ دشوار نہ تھا، لیکن اس جدید جہالت کے چہرہ پر علم و تمدن کی زرتار نقاب پڑی تھی، اس لئے اس کا پہچاننا بھی مشکل تھا، اور وہ یورپ کے عالمگیر اقتدار کے ساتھ ساری دنیا مین پھیل گئی، اس سلسلہ مین مصنف نے یورپ کی پوری مذہبی اور تمدنی تاریخ کھنگال ڈالی ہے، اور تاریخی شواہد سے دکھایا ہے کہ مغربی تمدن کی بنیاد یونان اور روما کی قدیم تہذیبون پر تھی، جو سراسر مادی تھین اس لئے ابتدا ہی سے اس مین خرابی کی صورت مضمر تھی، اس کے بعد اس مین جو تغیرات و انقلابات ہوئے

وہ ایسے حالات میں ہوئے، اس کا قدم مادیت ہی کی طرف بڑھتا گیا، عیسوی مذہب ضرور اس راہ میں عنان گیر ہوسکتا تھا، لیکن اولاً رومیوں کے اثر سے اس میں بھی بت پرستی کے اثرات پیدا ہوگئے تھے، پھر پال نے اس کو مسخ کیا، اس سے بھی برے نتائج مذہب میں افراط و تفریط نے پیدا کئے اور خلاف فطرت رہبانیت کے ردعمل نے ارباب کلیسا کو انتہا درجہ کا عیش پرست اور دنیا دار بنا دیا، اور مذہبی اجارہ داری کے ساتھ وہ دنیاوی حکومت پر بھی حاوی ہوگئے، اور اپنے دور اقتدار میں انھوں نے بڑی سفاکیاں کیں، اسی زمانہ میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور اس کی علمی ترقی کا آغاز ہوا، اس راہ میں بھی کلیسا نے مذہب کی آڑ لے کر مزاحمت پیدا کی اور علماء محققین پر بڑے مظالم ڈھائے، بالآخر اُن کی زیادتیوں کی وجہ سے اُن کی عام مخالفت شروع ہوگئی، اور کلیسا کا اقتدار ختم ہوگیا اور ان کی تنگ نظری کی وجہ سے مغربی قومیں سرے سے مذہب ہی کے خلاف ہوگئیں اور انھوں نے جدید تمدن میں مذہب و روحانیت کو کوئی جگہ نہیں دی، اور اس کی تعمیر خالص مادی اصولوں اور نظریوں پر ہوئی، اور اس کا مقصد صرف مادی ترقی حصول دولت، دنیاوی راحت و آرایش کے سامانوں کی فراہمی اور اُن سے تمتع قرار پایا، جس میں خدا شناسی، محاسبۂ آخرت کے تصور اور اخلاق کا کوئی حصہ نہ تھا، اس لئے اس تمدن کی ترقی کے ساتھ مادہ پرستی عام ہوتی گئی، اور سائنس و حکمت کے انکشافات بھی جو اس تمدن کے بڑے برکات سمجھے جاتے ہیں، انسانوں کے لئے رحمت کے بجائے اُن کی ہلاکت و بربادی کا سامان بن گئے، زندگی کے اس مادی نصب العین اور خود غرضی اور نفس پرستی نے وطنی و نسلی برتری کا جذبہ اور جغرافی و نسلی وطنی اور قوم پرستی کے بت پیدا کئے، جس سے قوموں میں ایک عالمگیر کشمکش شروع ہوگئی، اور یہ ساری خرابیاں مغربی اقوام کے سیاسی اقتدار اور مغربی تہذیب کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ساری دنیا میں پھیل گئیں، اور مذہب و اخلاق کا درس بالکل فراموش اور خود شناسی اور خدا شناسی اور اس کے اثرات و نتائج کا بالکل خاتمہ ہوگیا، اور اس کی جگہ نفس پرستی نے لی، یہ کتاب کے مباحث کا اجمالی خاکہ ہے، ان کی اصلی خوبی اور مصنف کی نکتہ سنجی کا پورا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے، گو یہ معلومات نئے نہیں ہیں لیکن لائق مصنف نے جس

ترتیب کے ساتھ ان کو پیش کیا ہے، اور ان سے جو نتائج نکالے ہیں، اس نے اس کتاب میں بڑی ندرت پیدا کردی ہے، اس نقطۂ نظر سے اردو میں اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے، انداز بیان موثر اور دل آویز ہو، یہ کتاب اپنے گوناگون محاسن کے اعتبار سے بلا امتیاز مذہب و ملت اور قدیم و جدید ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہے، اللہ تعالیٰ مصنف کو اس کی جزائے خیر دے،

محمد بن عبدالوہاب از مولانا مسعود عالم ندوی، تقطیع بڑی ضخامت ۱۳۱ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت: ۱۲؍ پتہ دار الاشاعۃ نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن،

گیارہویں صدی ہجری کے اواخر میں عموماً دنیائے اسلام سے اسلامی روح رخصت ہو چکی تھی، ہر جگہ دین سے غفلت اور بدعات و اوہام عام تھے، حتی کہ اسلام کا سرچشمہ عرب بھی اس سے محفوظ نہ تھا، اس کی تجدید و اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے سرزمین نجد میں ایک مرد مومن محمد بن عبدالوہاب کو پیدا کیا جنھوں نے اس راہ میں قلم اور تلوار دونوں سے جہاد کیا، ابتدا میں ان کو بڑی دشواریاں پیش آئیں لیکن پھر رفتہ رفتہ ان کی دعوت پھیلنے لگی، اور نجد کا حکمران خاندان آل سعود ان کی دعوت قبول کر کے ان کا پشت و پناہ بن گیا، اس سے تبلیغ کے کام میں بڑی مدد ملی، اور ان کی وفات کے وقت تک نجد اور اس کے قرب و جوار میں ان کی دعوت پھیل گئی، شیخ کی وفات کے بعد ان کے لائق جانشینوں اور ان کے اتباع نے بھی ان کے مشن کو جاری رکھا، اس زمانہ میں بدعات عام تھیں کوئی طبقہ بھی اس سے محفوظ نہ تھا، اور یہ دعوت ہر طبقہ کے خلاف پڑتی تھی، اس لئے حرمین کے علماء اور اشراف مکہ اس کے خلاف ہو گئے اور ان میں اور آل سعود میں بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں، جن میں انجام کار آل سعود غالب آئے، اور حجاز پر ان کا قبضہ ہو گیا، اور ان کا اقتدار ایک طرف شام اور دوسری طرف عراق اور خلیج فارس تک قائم ہو گیا، خلیج فارس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت تھی، اس سے بھی آل سعود کا تصادم ہوا، ان کی روز افزوں قوت عثمانی حکومت کے مفاد کے خلاف پڑتی تھی، اس لئے اس نے محمد علی پاشا خدیو مصر کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا، انھوں نے

نجد و حجاز دونوں پر قبضہ کرکے سعودی حکومت کا خاتمہ کر دیا، اس کے ساتھ ہی یہ دعوت بھی رک گئی، شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین عقائد کی صحت اور رد بدعات میں حد سے متشدد تھے، اور اس میں دنی مسامحت بھی ان کو گوارا نہ تھی، اسی تشدد کی وجہ سے ان سے بعض افعال ایسے سرزد ہوگئے، جو گو مذہبی حیثیت سے صحیح تھے لیکن عام مسلمانوں کے جذبات پر اس کا برا اثر پڑا، اور ان کے مخالفین کو انھیں بدنام کرنے کا موقع مل گیا، اور انھوں نے ان کی جانب غلط عقائد منسوب کرکے انکو مسلمانوں کا دشمن مشہور کر دیا، ان کے تشدد کی وجہ سے لوگوں کو اس کے یقین کرنے میں تامل نہ ہوا، اور ان کی جانب سے ایک عام غلط فہمی پھیل گئی جس کا کچھ نہ کچھ اثرات تک باقی ہے، لائق مصنف نے اس کتاب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے حالات، ان کی دعوت اصلاح کی دینی حیثیت اور اس کی تبلیغ میں شیخ کی زندگی سے لے کر آل سعود کے خاتمہ تک جو واقعات پیش آئے، اُن کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اور شیخ اور اُن کے اتباع کی کتابوں سے اُن کے عقائد بیان کرکے اُن کے متعلق غلط فہمیوں کی پوری تردید کی ہے، اور شیخ کی تصانیف کا مختصر ذکر کیا ہے، اردو میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت کے متعلق صحیح معلومات کم ہیں، یہ پہلی کتاب ہے جس میں پوری تحقیق و تفصیل سے اس کی تاریخ قلمبند کی گئی ہے، اور اس کے تمام اہم اور ضروری پہلوؤں پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے، مصنف ایک کہنہ مشق اور صاحب نظر اہل قلم ہیں، اس لئے یہ کتاب معلومات، تلاش و تحقیق اور ترتیب و انداز بیان ہر حیثیت سے قابل قدر ہے، لیکن جا بجا مصنف کے خیالات کی شدت نمایاں ہے،

ہمارا قائد، از جناب محمد احمد خاں صاحب ایم اے عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۱۲۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ۱۔ عاریتہ قائد ملت اکیڈمی فیل خانہ قدیم حیدرآباد دکن۔

نواب بہادر یار جنگ مرحوم کی ایک سوانحعمری اس سے پہلے قائد ملت کے نام سے شائع ہو چکی ہے، جس پر معارف میں ریویو ہو چکا ہے یہ دوسری سوانحعمری ہے جو قائد ملت اکیڈمی کی جانب سے شائع

ہوئی ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مصنف برسہابرس تک قائد ملت کے ہمدم و ہم جلیس رہے ہیں، اوران کی زندگی کا ہر پہلو اُن کی نگاہ کے سامنے رہا ہے، اس لئے یہ کتاب قائد ملت کی زندگی کا سب سے زیادہ مستند مرقع ہے، اس میں ان کے حالات، اوصاف وخصوصیات اوراُن کے مذہبی و ملی کارناموں کا اجمالی ذکر، اور ریاست حیدرآباد سے متعلق مرحوم کی خدمات کی تفصیل ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف انھوں نے حیدرآباد کے مسلمانوں میں زندگی کی روح پیدا کی، اور دوسری طرف ایسے نازک دور میں جب کہ ریاست کی مخالف قوتیں آئینی حربوں سے اس کی قدیم حیثیت کو بدلنے اُس کے اقتدار کو گھٹانے اور مسلمانوں کی سیاسی برتری کو توڑنے کی کوشش میں تھیں، اور ارکان حکومت تک اُن کے اثر میں آگئے تھے، مرحوم نے بڑی جرأت اور دانشمندی سے اس خطرہ کو دور کیا، ان کے خدمات و کارنامے بڑے گوناگوں ہیں، اس کتاب سے ان کا اجمالی اندازہ ہو جاتا ہے، انداز بیان دلکش اورانشا نہ پردازانہ ہے،

مقالات یوم اقبال، مرتبہ جناب آل احمد صاحب سرور، تقطیع بڑی ضخامت ۷۰ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، پتہ:- غالباً رضا انٹر کالج رامپور سے ملے گی،

رضا انٹر کالج رامپور کے یوم اقبال، اپریل ۱۹۴۵ء میں جو مقالات پڑھے گئے تھے، اُن کا مجموعہ ہے، اس میں حسب ذیل مضامین ہیں، خطبۂ صدارت پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی، خطوط میں شخصیت کا اظہار آل احمد صاحب سرور، اقبال اور ابن عربی محمد عبد السلام صاحب، سر محمد اقبال میری نظر میں عطاء الرحمن صاحب، فلسفۂ اقبال کے بعض مسائل مسعود حسین خاں صاحب، اکبر و اقبال نور محمد صاحب ایم اے اقبال کا تصور عشق فرید الدین صاحب شمسی، مولانا محمد علی مرحوم کی انشاپردازی مفتی بشیر الدین صاحب ایم اے، اس مجموعہ کے اول الذکر تینوں مضامین خاص طور سے مفید اور پڑھنے کے لائق ہیں، رشید احمد صاحب نے اپنے خطبہ میں اقبال کی شاعری اور تعلیمات کی روح، اس کے بنیادی پہلوؤں اور اس کے مفید نتائج پر مبصرانہ نگاہ ڈالی ہے اور اقبال کی شاعری کے ماخذ، اس کی اسلامیت اور تصنا

خیال کے متعلق جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کے وجدانی مگر نہایت صحیح جوابات دیئے ہیں امرودھا صاحب نے غالب، سرسید، حالی، شبلی، اکبر، امیر مہدی، مولانا محمد علی، اقبال، اور نیاز فتحپوری کے خطوط کی مضامین سے ان کی زندگی کا عکس دکھایا ہے، ناقد مبصر نے ان خطوط کے متعلق نہایت صحیح رائے ظاہر کی ہے جس میں کسی ترمیم کی گنجایش نہیں مضمون گو مختصر ہے لیکن مضمون نگار کی جدت اور نکتہ سنجی کا نمونہ ہے عبدالسلام صاحب کا مضمون گو بہت عالمانہ ہے لیکن خشک اور دقیق ہے، اور اس سے مخصوص اشخاص ہی لطف اٹھا سکتے ہیں، باقی مضامین بھی فائدہ سے خالی نہیں،

لاجونتی از سر آنند سروپ بھٹناگر تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۱۲ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، مجلد قیمت معلوم نہیں، پتہ:۔ مصنف نمبر ۲۵، تغلق روڈ نئی دہلی سے ملے گی،

مذکورۂ بالا کتاب ڈاکٹر سر آنند سروپ بھٹناگر کے اردو کلام کا مجموعہ ہے، مصنف ہندوستان کے ان مایہ ناز علماے طبیعیات میں ہیں جن کی تحقیقات وانکشافات اس فن میں یورپ کے بڑے بڑے علمار سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں، لیکن یہ نہ معلوم تھا کہ وہ ایک قادر الکلام اور نکتہ سنج شاعر بھی ہیں طبیعیات کے خشک مسائل اور شاعری کی رنگین خیالی دنیا میں ایک طرح کا بیر ہے لیکن مصنف نے حقیقت اور مجاز دونوں کو ملا دیا، پھر ان کی شاعری محض قافیہ پیمائی اور گل وبلبل کا افسانہ نہیں بلکہ ظاہری حیثیت سے حسن بیان کی تمام لطافتوں سے آراستہ اور معنوی حیثیت سے حکیمانہ خیالات پر مشتمل ہے، چنانچہ اس مجموعہ میں مختلف قلبی واردات، اخلاقی وحکیمانہ خیالات اور مختلف قومی وملی جذبات پر پاکیزہ نظمیں ہیں لیکن خشک سے خشک موضوع میں بھی لطف بیان کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہو، مصنف کی دوسری قابل ذکر خصوصیت یہ ہو کہ وہ غالب کے شاگرد رشید منشی ہرگوپال تفتہ کے نواسے ہیں جنھیں مرزا نے محبت سے مرزا تفتہ لقب دیا تھا، مکاتیب میں ان کے نام بہت سے خطوط ہیں جن سے اُن کے ساتھ غالب کی محبت کا اندازہ ہوتا ہو، اس لئے شاعری گویا سر آنند سروپ کی موروثی دولت ہے، اس لئے یہ مجموعہ ہر حیثیت سے اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے، "م"

جلد ۵۸ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۶ء عدد ۶

مضامین

مقالات

استفسار وجواب

ضروری تصحیح ص ۴۲۳ سطر اٹھارہ میں "۱۱۵۶ھ غلط ہے" کے بعد یہ عبارت چھوٹ گئی ہے "اصل عربی عبارت میں صفر ۱۰۵۰ھ ہے اور یہی صحیح ہے"

شذرات

ناظرین معارف کو نہایت رنج و اندوہ کے ساتھ یہ اطلاع دیجاتی ہے کہ ہمارے ایک دیرینہ رفیق کار دار المصنفین کے پرانے اور اہم کارکن منشی محمد اویس صاحب وارثی بتیس سال کی رفاقت کے بعد ہم سے جدا ہو گئے، مرحوم نے ۱۰ ذی الحجہ کو ایک مختصر علالت کے بعد انتقال کیا، وہ دار المصنفین کے قیام کے آغاز سے اس سے وابستہ تھے، اور آخر دم تک بڑی جانفشانی اخلاص، خیر خواہی اور دیانتداری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے اور ہمیشہ اس کو اپنا ذاتی کام سمجھ کر انجام دیا، مکتبہ دار المصنفین کی ترقی میں اُن کی محنت کو بڑا دخل تھا، اس کے تجارتی کاروبار میں اُن کی ذات بڑا سہارا تھی، اور دفتری کاموں کا دارومدار اُنہی پر تھا، اب اُن کا جانشین ملنا مشکل ہے، ان خوبیوں کے ساتھ مرحوم شرافت اور وضعداری کا نمونہ تھے، نہایت خوش خلق، شریف الطبع حق گو، حق پرست، مرنجاں مرنج، اعزہ کے مددگار، احباب کے ہمدرد و غم گسار اُن کا برتاؤ ایسا تھا کہ ہر شخص اُن کو اپنا سمجھتا تھا، سب کے دل میں اُن کی یکساں عزت و وقعت تھی، بتیس سالہ زندگی میں کسی کو اُن سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی، وہ دنیاوی معیار سے کوئی اونچی شخصیت کے مالک نہ تھے، نہ صاحب جاہ و ثروت تھے، نہ کوئی علمی حیثیت رکھتے تھے، لیکن اگر بڑائی نام ہے اخلاق و شرافت اور سیرت و کردار کی بلندی کا تو مرحوم بہت بڑے آدمی تھے اللّٰھم اغفرلہ مغفرۃ واسعۃ ناظرین معارف سے بھی مرحوم کے لئے دعاے مغفرت کی درخواست ہے،

راقم الحروف نومبر کے پہلے ہفتہ میں ایک لمبے سفر میں جانے والا تھا، اور ہم سے بقرعید کی تعطیل ہو رہی تھی، اس لئے اس سے پہلے معارف کا کام ختم کر دینا ضروری تھا، گو بہار کا فساد اس وقت شروع ہو چکا تھا لیکن اُس نے ایسی سنگین شکل اختیار نہ کی تھی، اس لئے اس وقت کے حالات کے مطابق شذرات میں خیالات ظاہر کئے گئے تھے لیکن بہار اور گڈھ مکتیسر کے واقعات نے ایک نئی صورتِ حال پیدا کر دی ہے، جو اس سے پہلے خیال میں بھی نہ آسکتی تھی، ان دونوں مقاموں میں مسلمانوں پر جو سفاکانہ مظالم ہوئے، اور ضعیف و ناتوان بوڑھوں

مجبور و بیکس عورتون اور شیرخوارون کا جس بے دردی سے قتل عام کیا گیا اور مسلمانون کی بستیان جس طرح خاک مین ملائی گئین، اس کی مثال وحشی درندون کے سوا انسانون مین نہین مل سکتی، اور یہ قتل و غارتگری جس تیاری وسعت اور تنظیم کے ساتھ ہوئی، اس کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، کہ بہار کے مسلمانون کو بالکل پست و پامال کرکے بزور اُن سے اپنی قوت کا لوہا منوایا جائے، اور معتبر اور مستند اطلاعات کی بنا پر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس قتل عام مین بہار کی نیشنلسٹ جماعت اور کانگریس کے مقامی لیڈرون کا بھی ہاتھ شامل تھا اور حکام نے بھی غفلت سے کام لیا، حکومت کے نشۂ اقتدار کے سوا اس کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے، اگر آزاد قومی حکومت کا نمونہ یہی ہے، تو اس سے مسلمانون کی بدگمانی کیا بیجا ہے،

کانگریس کی آئینی و دستوری حیثیت سے بحث نہین، لیکن چند مستثنیٰ افراد کو چھوڑ کر اس پر جس قسم کی ذہنیت کی جماعت کا غلبہ ہے، اس کا اندازہ ان اشتعال انگیز تقریرون سے ہو سکتا ہے، جو کانگریس پلیٹ فارم سے مسلمانون کے خلاف ہوئین، اور جن مین علانیہ ہندوؤن کو ان کے خلاف اُبھارا گیا، بہار کے واقعات نے اس ذہنیت کو اور زیادہ بے نقاب کر دیا ہے، اس پر طرّہ یہ ہے کہ اس کے بجائے کہ کم از کم کانگریسی لیڈرون کی جانب سے ان وحشیانہ واقعات پر متفقہ ملامت اور اس سے اظہارِ بیزاری کیا جاتا، الٹے ان کی اہمیت کو گھٹانے اور اُن کی پردہ پوشی کی کوشش کی جارہی ہے، اس کے بعد کانگریس کا مشترکہ نمایندگی کا دعویٰ کہان تک صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے،

اگر کانگریسی لیڈرون کی یہی ذہنیت قائم رہی، اور کانگریس نے اپنی ذمہ داری کا احساس اور آیندہ کے لئے اس قسم کے واقعات کا پورا انسداد نہ کیا تو اس کا لازمی نتیجہ، اس کا خاتمہ، انگریزون کی دائمی غلامی یا قیام پاکستان ہوگا، اس لئے کہ مسلمانون سے اتحاد اور اُن کی مدد کے بغیر آزادی کا تصور ایک خیال خام ہے، اور اگر لیگ کے مجوزہ پاکستان کی مخالفت بھی کی جائے تو بھی ان حالات مین جہان جہان مسلمان اقلیت مین ہین، اور اپنی حفاظت نہین کر سکتے، وہان سے وہ دوسرے مقامون پر منتقل ہونے کے لئے مجبور ہونگے جیسا کہ بہار مین شروع ہو گیا ہے، اس طرح ہندوستان کے گوشہ گوشہ مین پاکستان قائم ہو جائین گے،

بہار کے واقعات ایسے دردناک ہین، کہ ان سے ان نیشنلسٹ مسلمانون کے دلون پر بھی چوٹ لگی جو

صرف وطن کے بت اور آزادی کی دیوی کے پجاری نہین ہین، بلکہ اپنی قوم کا بھی درد رکھتے ہین، اور اس کی عزت و وقار کے لئے وہ آزادی کے طلبگار ہین، چنانچہ بعض نے علانیہ اور بعض نے بلیغ پیرایہ مین اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور کانگریسی لیڈرون کو دلون کی کھوٹ اور ان کے اصلی منصب کی جانب توجہ دلائی،

کاش بہار کے واقعات سے مسلمان یہ سبق حاصل کرتے کہ وہ اپنی اندرونی تنظیم اور قوت مدافعت پیدا کئے بغیر باعزت زندگی بسر نہین کرسکتے، ورنہ سیاسی حقوق تو الگ رہے ان کا جینا بھی دشوار ہوجائے گا، بے جان جسم تاج شاہی بھی نہین سنبھال سکتا، اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ تمام اسلامی جماعتین سیاسی اختلافات سے قطع نظر کرکے مسلمانون کی تنظیم کے مسئلہ مین متحد ہوکر عملی کام شروع کردین، سب سے بڑی جماعت مسلم لیگ ہے اس لئے اس پر یہ فرض سب سے زیادہ عائد ہوتا ہے ورنہ محض سیاسی رزم آرائی اور تیغ زبان کی تابانی مسلمانون کو نہین بچاسکتی، جبتک بازوؤن مین حفاظت کی قوت نہ ہو،

جامعہ ملیہ کی جوبلی مین مہینون سے شرکت کا مصمم ارادہ تھا، اور سفر کی پوری تیاری ہوچکی تھی، کہ عین موقع پر ایسے موانع پیش آگئے، کہ رخت سفر باندھکر کھول دینا پڑا، جوبلی ایسے ناموافق حالات مین ہوئی جب ہندوستان کے مختلف حصون مین فتنہ و فساد کی آگ مشتعل تھی، اور لوگون کا اپنی جگہون سے نکلنا مشکل تھا، لیکن اخبارات کی اطلاعات اور جوبلی مین شرکت ہونے والے احباب کی زبانی معلوم ہوا کہ ان موانع کے باوجود جوبلی ہر حیثیت سے کامیاب رہی، اس کے اجتماع مین بہت کم فرق آیا، اور ہندوستان کے اکثر اکابر اور مختلف طبقون اور جماعتون، اور ہر مسلک و خیال کے اشخاص نے جوبلی مین شرکت کی، اور جامعہ نے متضاد عناصر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کردیا، جو اس کی مقبولیت کی دلیل ہے، ہم محترم شیخ الجامعہ اور کارکنان جامعہ کی خدمت مین اس کامیابی پر مبارکباد پیش کرتے ہین،

جامعہ مسلمان نوجوان کا پہلا سنجیدہ اور ٹھوس کارنامہ ہے، اس کی کامیابی کا راز اس کے کارکنون کا ایثار اخلاص اشتراک عمل اور ان سب سے بڑھکر شیخ الجامعہ کی شخصیت جامعہ ہے جن کی کوشش سے جامعہ کا نظام شمسی قائم ہے، جامعہ اپنی عمر کی کٹھن منزلین طے کرچکی، اب اس کے سکون اور اطمینان کا دور ہو لیکن یہی سب سے زیادہ نازک ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کے خطرات سے محفوظ رکھے، اور جامعہ ملیہ کو ملک و ملت کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید اور ان مین مقبول بنائے،

مقالات

خطبۂ اسناد طبیہ اسکول پٹنہ ۱۹۴۴ء

ھُوَ الشّافی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دو تین برس ہوئے کہ طبیہ اسکول پٹنہ نے مجھے اپنے جلسۂ تقسیم اسناد کا خطیب منتخب کیا تھا، مگر افسوس کہ میں اپنی علالت کے سبب سے شریک جلسہ نہ ہو سکا آیندہ سال پھر یہ موقع آیا اور پھر میں نہ جا سکا اور یہ خطبہ یوں ہی پڑا رہا، اب چونکہ میرے حالات کے لحاظ سے آیندہ اور بھی وقت ان کاموں کے لئے نہ مل سکے گا، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دفینہ کو وقف عام کر دیا جائے'

"سید سلیمان ندوی"

طب سے میرا خاندانی تعلق حضرات! آپ نے دعوت دی میں نے قبول کی، اس بآسانی قبول کی وجہ ایک تو وطن کا رشتہ تھا، دوسرا یہ خیال کہ شاید اس ذریعہ سے کچھ مفید باتیں کانوں میں پہنچ جائیں، تاہم اس مناسبت کے وجوہ پر غور کرتا رہا کہ طبیبوں کے بھرے مجمع میں ایک غیر طبیب کو دعوت کیوں دی گئی، آپ کے سابق خطیب اسناد ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی طرح تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ ڈاکٹر کی شہرت نے طبیبوں میں شامل کر دیا، کیونکہ مجھے "ڈاکٹر" بنے ابھی ایک ہی سال ہوا ہے، اور اُس نے نام کے جزو کی حیثیت حاصل

نہیں کی ہے، تاہم اس دعوت میں ایک ایسی مناسبت ہے جس کا استحقاق گو ذاتی طور سے مجھے حاصل نہیں، لیکن موروثی استحقاق حاصل ہے یعنی میرا تعلق اس صوبہ کے اُس خاندان سے ہے جس نے ایک صدی سے زیادہ اس فن شریف کی خدمت کی ہے، میری ننہال میں غالبًا اخیر شاہی زمانہ سے یہ فن باقی ہے، اور میرے دادیہال میں ۱۲۵۰ھ سے جو میرے جد امجد کی تحصیل طب کا زمانہ ہے ۱۳۴۶ھ تک جو میرے بڑے بھائی مرحوم کی وفات کا زمانہ ہے سو برس تک اس فن کی خدمت ہوئی، میرے والد ماجد کے ماموں نے غدر سے پہلے دہلی و آگرہ کے اطبا سے تحصیل کی، اور نواب امیر علی خاں بارٹھ کے توسط سے واجد علی شاہ کے ساتھ کچھ دن گذارے اور پھر بہار میں بیٹھ کر آج سے سو برس پہلے مطب کیا، اور فقیرانہ صورت میں امرا و رؤسا میں قبولیت حاصل کی، میرے نانا مرحوم نے غالبًا فیض آباد جا کر طب پڑھی' دادا مرحوم نے طب کی تعلیم اسی عظیم آباد پٹنہ میں قاضی القضاۃ قاضی محمد وحید الدین خاں کے یہاں رہ کر حکیم خواجہ عبید اللہ شاہجہان آبادی اور حکیم اسلم مرحوم عظیم آبادی سے ۱۲۴۷ھ سے ۱۲۵۷ھ تک حاصل کی اور پہلے بہار میں شاہ اظہر حسین صاحب کے مکان پر ۱۲۵۲ھ میں مطب کھولا اور پھر شیخپورہ جا کر ۱۲۵۸ھ میں نوابان حسین آباد و رؤسائے شیخپورہ کے اصرار سے مطب قائم کیا، اور جہاں انھوں نے ۱۳۰۳ھ تک جو اُن کی وفات کی تاریخ ہے اُن اطراف میں فن طب میں وہ ناموری حاصل کی کہ اب تک اس دیار میں اُن کا نام روشن ہے، کیا ہوا ثانی بقراط و ارسطاطالیس ان کی تاریخ وفات ہے، جو نواب محمد علی خاں صاحب حسین آباد کی یادگار رہا۔

والد مرحوم نے طب کا آغاز اپنے والد ماجد سے ۱۲۷۶ھ میں کیا اور کامل ہو کر رؤسائے اسلام پور و بہر کی قدر دانی سے ۱۳۴۰ھ تک اس فن کی خدمت میں مصروف رہے، بڑے بھائی صاحب نے اسی پٹنہ میں حکیم نصیر الحق صاحب سے طب پڑھی اور مرتے دم تک یعنی ۱۳۴۶ھ تک اسی کام میں لگے رہے، میرے چچیرے چچا حکیم لیاقت حسین صاحب مرحوم حکیم ابراہیم صاحب جھوائی ٹولہ لکھنؤ کے شاگرد تھے، جو موجودہ حکیم عبد المعید صاحب لکھنوی کے دادا تھے،

میرے دادا کے ماما حکیم سید خادم حسین صاحب بھی نامور طبیب تھے، دادا صاحب لکھتے ہیں،

جد امجد طبیب حاذق بود میر خادم حسین فائق بود
بے شک و شبہہ آں طبیب زمن عالم طب و ماہر ہمہ فن

ان کے صاحبزادے حکیم کاظم حسین بھی طبیب تھے، اور واجد علی شاہ کے مٹیابرج میں جاکر اکتساب فیض کیا تھا، میرے بڑے پھوپھا حکیم نور الحسن نے پٹنہ میں تحصیل کی اور استھاوان میں پچاس ساٹھ برس تک مطب گرم رکھا، اور ایسی حذاقت دکھائی کہ ان اطراف کے لوگ آج بھی شاہد ہیں، ان بزرگوں کے قلمی اور مطبوعہ متروکات اور سفینے اب تک موجود ہیں، اور ان کی اس امانت کی حفاظت کی سعادت اس ناچیز کو حاصل ہے، یہ تفصیل اس موقع پر گو بے محل ہو لیکن اس لئے کی گئی تاکہ ایک نااہل کی ذاتی نااہلیت پر بزرگوں کی اہلیت سے پردہ پڑ جائے،

گرچہ خرد دیم نسبتے است بزرگ

ایک گاؤں سے صوبہ کا قیاس اس ذکر کا دوسرا سبب یہ ہے کہ جب بہار کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں طبی چہل پہل اور رونق کا یہ عالم تھا تو پورے صوبہ نے اس کی جو خدمت کی ہوگی اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

طب کا آغاز طِبٌّ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے اصلی معنی جھاڑ پھونک اور سحر و جادو کے ہیں، عربی شاعر کہتا ہے، ولاءنا مطبوبٌ بمکحولتی عینیھا، یعنی میں محبوب کی سرگیں آنکھوں کے جادو میں ہنیں مبتلا ہوں، گویا مطبوب مسحور کے معنی میں ہے، یہ لفظ بتاتا ہے کہ اس فن کا آغاز ابتدائی قوموں میں جھاڑ پھونک، ٹوٹکے اور جادو منتر سے ہوا، آخر زمانہ کی رفتار کے ساتھ تجارب اور قیاسات نے اوہام و تخیلات کی جگہ لے لی، یہاں تک کہ آج یہ سرتاپا تجربیات اور دلائل عقلی و طبعی پر مبنی ہے، عربوں میں بھی یہ فن اسی طرح شروع ہوا اور بڑھا، عرب کا پہلا تجربی طبیب حارث بن کلدہ سمجھا جاتا ہے جو اسلام کے آغاز میں تھا، اسلام نے اپنے ظہور کے ساتھ طب روحانی کے ساتھ طب جسمانی کا مطب بھی قائم کر دیا، محدثین نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں جو کچھ پایا اس کو طب نبوی کے نام سے الگ جمع کر دیا ہے

چنانچہ ساتویں صدی میں حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس کا ایک مستقل طویل باب باندھا ہے،

طبی تراجم | مسلمانوں میں غیر قوموں کے طبی تجربوں سے استفادہ کا آغاز دولت بنوامیہ کے آغاز سے ہوا، جس کا دارالحکومت دمشق تھا، اور جہاں یہودی وعیسائی طبیب موجود تھے، جو یونانیوں کے خوشہ چین تھے سب سے پہلے حکیم ابن آثال نے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں یونانی طبی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا مروان کے زمانہ میں ماسرجویہ یہودی نے یونانی طبیب اہرن کے کناش (سفینہ) کا ترجمہ عربی میں کیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے پہلی صدی کے خاتمہ پر اس سفینہ کو پبلک کے فائدہ کیلئے عام کیا، سب سے پہلا شفاخانہ عبدالملک نے اپنے زمانہ میں قائم کیا، عباسی خلفاء نے اپنے دور میں اس فن کی ترقی کا شاندار دور پیدا کیا، ایک طرف ہندوستان کے وید، اور دوسری طرف یہودی وعیسائی اطبا کو جو سریانی ویونانی زبانوں کے ماہر تھے یکجا کیا اور تیسری طرف جندیساپور کے ایرانی طبیبوں کو بغداد آنے کی دعوت دی،

طب اسلامی یونانی نہیں | اسی ایک واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے علم طب کو یونانی کہنا کہاں تک زیبا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے آج یوروپین طب کو اس لئے عربی کہا جائے کہ عربی زبان اور عربی طبیبوں کی کتابوں پر اس کی بناڈالی گئی تھی، اور سلرنو کا شہر اس کا پہلا مقام تھا، اس نظریہ پر ایک اور حیثیت سے نظر ڈالئے ہماری طب میں جو دوائیں زیر استعمال ہیں، ان کے زاد وبوم کی تحقیق یہ ظاہر کردے گی کہ اس طب کو دنیا بھر کے تجربہ گاہوں سے یکساں تعلق رہا ہے، عرب اگر اس کا مولد، شام اس کا منشا، عراق اس کا گہوارہ، مصر اس کا بازیگاہ، اور اسپین اس کا مرغزار رہا، تو دوسری طرف ترکستان اس کی سیرگاہ، ایران اس کا تجربہ گاہ اور ہندوستان کی سرزمین اس کا دار شباب ہے، اس طرح اسپین سے لیکر ہندوستان تک تمام طبی تجربے اس اسلامی طب کے اجزاء و عناصر ہیں، قسط ہندی، عود ہندی، ساذج ہندی، سنائے مکی، مصطگی رومی، آلوئے بخارا، جوائن خراسانی، ثعلب مصری، نمک لاہوری، شقاقل مصری، ریوند چینی، دارچینی، صبر سقوطری، عشبہ مغربی، زہر مہرہ خطائی، زیرہ کرمانی، گل ارمنی، گل ملتانی

گل داغستانی، بورہ آرمنی، افسنتین رومی، عقیق یمنی، گلنار فارسی، تربد اکبر آبادی، اسگند ناگوری، صمغ عربی، شیرخشت ولایتی، انار قندھاری، یہ نام سرسری زبان پر آگئے ہیں، ہمارے اطبا اس قسم کے اور بیسیوں نام بتا سکتے ہیں، لغات طب جیسے جامع ابن بیطار، تحفۃ المومنین، مجمع الجوامع اور مخزن الادویہ وغیرہ کا جائزہ لیا جائے تو بڑی فہرست تیار ہو سکتی ہے، جس کا دائرہ اسپین سے لے کر چین تک کی سرزمینوں کو محیط ہوگا۔

عجم میں طب | چھٹی صدی میں رشید الدین فضل اللہ سلطان غازان خاں کا حکیم اور وزیر تھا، اس نے تبریز اور ایران کے اور بعض شہروں میں شفاخانے قائم کئے تھے، جہاں کے استعمال کے لئے دنیا کے مختلف حصوں سے دوائیں منگوائی جاتی تھیں، پروفیسر براؤن آنجہانی نے ۱۹۲۱ء میں طب عربی پر چند لکچر انگریزی میں دیئے تھے جو چھپ چکے ہیں، اس کتاب میں رشید کے خطوط کے ایک قلمی نسخہ کا حوالہ دیا گیا ہے، اور اس کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دواؤں کا یہ اہتمام تھا کہ امرا اور وزرا کی طرف سے وکلا اور ایجنٹ دنیا کے مختلف حصوں میں اس غرض سے پھیلے تھے کہ دوائیں اور ضرورت کی دوسری چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجتے رہیں، ان مختلف ملکوں میں سے ایک نام ہندوستان کا بھی ہے، جہاں دواؤں کی بہم رسانی کے لئے ایک ایجنٹ موجود تھا، دوسری صدی ہجری میں جب برامکہ بغداد کے وزیر تھے اُن کے ایجنٹ ہندوستان، کشمیر اور کارومنڈل تک دواؤں کی تلاش میں آتے تھے، اس کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے،

دنیائے اسلام میں طب | طب عربی یا طب اسلامی کی شاندار تاریخ کے مطالعہ کا اگر شوق ہو تو ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطبار کی چار جلدیں ملاحظہ کی جائیں، جو صرف ساتویں صدی تک کے اطبا کے حالات میں ہے، اس کتاب کی تقسیم ملکوں پر ہے، ان چاروں جلدوں میں حسب ذیل ملکوں کے طبیبوں کے حالات اور تذکرے ہیں، یونان، عرب، مصر، شام، عراق، ایران، ترکستان، خراسان، ہندوستان، اسپین، مراکش، تونس و الجزائر،

ہندوستان میں طب | اہل نظر کو معلوم ہے کہ ایران اور ہندوستان میں اس طب کے فروغ کا زمانہ اس کے بعد آتا ہے جن کے نام سے یہ کتاب خالی ہے، ضرورت تھی کہ اس کا تکملہ لکھا جاتا، خصوصاً آج جب کہ ہندوستان کے سوا ہر ملک سے یہ طب رخصت ہو چکی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان نے بھی اپنے زمانہ میں اس طب کی بڑی خدمت کی ہے، یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں یہ فن ایران اور ترکستان سے آیا اور اس نے یہاں اکر سلاطین و امرا کے زیر سایہ بڑی ترقی کی، یہاں بڑے بڑے شفاخانے اور دواخانے قائم ہوئے اور تجربہ کار محقق طبیبوں نے اپنی حذاقتوں سے اس کو چار چاند لگائے، تیموریوں سے پہلے فیروز شاہ کے عہد کا ایک ٹکڑا آپ کو سناتا ہوں، سراج عفیف لکھتا ہے:

"چوں سلطان فیروز شاہ بچندیں تیدموکلاں کہ آستانہ شفاخانہ وصحت خانہ برائے عامۂ مریضاں بنا فرمودہ و اطبائے حاذق وحکمائے صادق و خدمائے مصدق وجراحان وکحالان دراں مقام تعین گردانیدہ و ادویہ و اطعمہ و اشربہ برائے مریضاں از خزانہ مقرر کردہ باب کرم عام بشفقت تمام بر خلائق خاص و عام کشادہ۔"

شاہان ہندوستان کے دربار میں وید | تیموریوں سے پہلے مسلمان طبیب اور ہندو وید برابر بادشاہی درباروں میں کام کرتے تھے، جن میں سے بعض بعض کے نام تاریخوں میں مذکور ہیں، سب سے پہلا برہمن جس کو ترک شاہانِ دہلی کے یہاں اعتبار رہا وہ بھی وید ہی تھا جس کا نام گنگو برہمن تھا جس کے نام سے جیسا کہ مورخین لکھتے ہیں بہمن شاہی سلاطین دکن پیدا ہوئے، کشمیر میں سلطان زین العابدین (۸۲۲ھ) کے عہد میں سری بھٹ نے ناموری حاصل کی، فرشتہ میں ہے،

"سلطان بجہت طبابت سری بھٹ را کہ طبیبے حاذق بود تربیت کرد۔"

ہندوستان میں اسلامی طب کی ترقیاں | ہندوؤں کے ہاں مسلمانوں کی آمد سے پہلے طب میں چرکا اور شسشرت کی کتابیں مشہور تھیں، جن کا عباسیہ نے اپنے زمانہ میں ترجمہ کیا تھا، مسلمانوں کا علم طب اب ترقی پاکر عرب، یونان، ایران اور ہندوستان کے تجربات کا خلاصہ ہو چکا تھا، اور خود انھوں نے بہت کچھ اس پر اضافہ کیا تھا، اس لئے

یا علم طب ہندوستان کے قدیم علم طب کے امتیاز خاص رکھتا تھا، ہندوستان کے علم طب میں مسلمانوں کی آمد کے بعد جو ترقیاں رونما ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں،

۱۔ حاکم قوم اپنے علوم و فنون کو محکوم قوم کے علوم و فنون سے بہت بالا دست سمجھتی ہے اور اس سے استغنا برتتی ہے، چنانچہ اسی علم طب کے متعلق دیکھیے کہ گذشتہ کونسل میں جب بعض ممبروں نے دیسی طب کی سرکاری حمایت کی اور اسکو مستند تسلیم کرنے کا رزولیوشن پیش کیا تو نا اتفاقی کے ساتھ رد کر دیا گیا لیکن مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں ایسا نہیں کیا، ہندی علم طب کی بیسیوں کتابیں اُنھوں نے اپنی زبان میں منتقل کیں، اور اپنا علم طب ہندوستان میں پھیلایا، خاص اہل ہند کے مزاج اور طبیعت کا خیال کر کے خود انہی کے علم طب کو فارسی میں منتقل کیا اور شاہی حیثیت سے اسکو مستند قرار دیا، سلطان سکندر لودی سے خواص خاں ایک درباری امیر نے عرض کی کہ جہاں پناہ یونانی طب ہندوستان کی آب و ہوا میں موافق نہیں ہے، حکم ہوا کہ سنسکرت سے ہندی طب کو فارسی میں منتقل کیا جائے، چنانچہ میاں بھوہ بن خواص خاں نے اس کام کو انجام دیا، اور کتاب کا نام معدن الشفا سکندر شاہی رکھا، قاسم فرشتہ نے اکبری عہد سے پہلے اختیارات قاسمی کے نام سے ہندی علم طب کو زندہ کیا، ہندوستان میں اس وقت فارسی میں جو علم طب ہے، اور خصوصاً خاندانی اطبار کے سفینوں میں اور مجربات ناموں میں جو سیکڑوں نسخے اور دوائیں ہیں ہندوستان زا ہیں، اسی طریقے سے بیدوں نے مسلمانوں کے سینکڑوں نسخے، دوائیں اور اصول علاج اپنے ہاں لے لئے اور اسی طرح مل ملا کر ایک ایسا طرز علاج رائج کیا جو ہندوستان کے حالات کے مطابق تھا،

۲۔ پہلے بیدوں میں وہ دوائیں متداول تھیں، جو ہندوستان میں پیدا ہوتی تھیں، طب اسلامی نے تمام دنیا کے ملکوں میں جو دوائیں اور جڑی بوٹیاں زیر تجربہ آچکی تھیں ان کو ہندوستان میں رواج دیا، ان کے فوائد اور منافع لوگوں نے سیکھے، مفردات کے ذخیرے کو بیحد بڑھا دیا،

۳۔ دواؤں کی ترکیب میں عرق، معجون، قیروطی، سفوف وغیرہ مختلف طریقوں کو پھیلایا،

۴ - چیچک وغیرہ متعدد بیماریاں جن کو یہاں وہم پرستی سے دیوتاؤں، دیبیوں اور بھوت پریت کا اثر سمجھا جاتا تھا اور اس لئے ان کا طبی علاج نہیں کیا جاتا تھا، ان کو لائق علاج بتایا، چیچک کی بیماری پر سب سے پہلی کتاب عربوں ہی نے لکھی، اور وہ ابوبکر رازی کا رسالہ الحصبہ ہے جو چھپ کر عام ہو چکا ہے،

فن طب کو ہندوستان میں فروغ | بہرحال مجھے کہنا یہ ہے کہ وہ طب جس کا ہیولیٰ دمشق میں تیار ہوا تھا اور جس میں زندگی کی روح بغداد میں ڈالی گئی اور جس میں شباب کی قوت شیراز پہونچ کر آئی تھی اس نے دلی آکر مرحلۂ اربعین کی منزل طے کی، اور اس کی جوانی اپنے پورے کمال عروج کو پہونچی اور اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ ہندوستان کے بادشاہوں کی قدردانی نے اپنے انعامات سے اور ہندوستان کی سرزمین نے اپنے نباتات کی فراوانی اور دواؤں کی بہتات سے اس کے دوا خانوں کو بھر دیا اور ہمارے طبیبوں نے پرانے ہندوستان کے تجربات سے فائدہ اٹھانے میں بیجا شرم نہیں کی،

ہیچ گہ ذوق طلب از جستجو بازم نہ داشت دانہ می چیدم من آں روزے کہ خرمن داشتم

ہندوستان کے نامور اطبا | اکبر کے زمانہ کے نامور طبیبوں کے نام سنئے، حکیم عین الملک گیلانی، حکیم سیف الملوک دماوندی، حکیم زنبیل شیرازی، حکیم عین الملک شیرازی، حکیم مسیح الملک شیرازی، حکیم مصری، حکیم علی، حکیم ابو الفتح گیلانی، حکیم حسن گیلانی، حکیم ہمام تبریزی، حکیم احمد ٹھٹھوی، حکیم لطف اللہ گیلانی، حکیم مظفر اردستانی، حکیم فتح اللہ گیلانی، شیخ بینا سرہندی جراح، جہانگیر کے عہد میں چند اور نامور ہوئے حکیم رکنائے کاشی، حکیم مسیح الزماں کاشی، حکیم الملک ابوالقاسم گیلانی، حکیم مومنائے شیرازی، حکیم روح اللہ بھروچی، حکیم حمید گجراتی، حکیم تقی گیلانی،

شاہجہاں کے عہد نے چند اور مشاہیر کا اضافہ کیا، حکیم علیم الدین، حکیم صدرائے شیرازی، حکیم الملک حکیم ابوالقاسم، حکیم رکنا کاشی، حکیم مومنائے شیرازی، حکیم فتح اللہ شیرازی، حکیم محمد داؤد، مقرب خاں جراح، شیخ قاسم جراح، اور اخیر زمانۂ مغلیہ میں حکیم علوی خاں دہلی میں اور حکیم یعقوب نے لکھنؤ میں

اس فن کو چار چاند لگا دیے،

مسلمانوں کے دوش بدوش اکبر کے عہد میں مہا دیو، بھیم، ناتھو، نارائن اور شیو جی ہند و طبیب اور وید مشہور ہوئے، عالمگیر کے عہد میں حکیم سکھراج نے شہرت پائی، عالمگیری و محمد شاہی دور میں حکیم لچھمی نرائن ہارا گنجاری نے ناموری حاصل کی، اسی پٹنہ میں کمپنی کے راج میں منشی رام پرشاد تھے جنھوں نے ۱۲۴۰ھ میں معیار الامراض نام کتاب لکھی تھی، جس میں سر سے لے کر ناخن تک کے تمام امراض کے قوانین کلیہ درج ہیں، اسی زمانہ کا تخلص حکیم رائے منو لال فلسفی المتوفی ۱۲۴۷ھ ہے، مفردات طب نام اس نے ایک کتاب لکھی، لالہ سوہن لال سندیلوی اسی عہد کا ایک اور طبیب تھا ان کے علاوہ بجولال تمکین حیدرآبادی مجربات طبی کا مصنف، پنڈت لالہ چند کحل الابصار کا مصنف، دیاناتھ جس نے ویدک سے پاکا ہولی کا کا ترجمہ فارسی میں کیا، منشی مہتاب نرائن جس نے ادویہ کے خواص میں ضروری الطب لکھی،

ویدک اور طب کا لین دین | اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ مسلمان طبیبوں نے جہاں ہندوستان سے بہت کچھ لیا، اس کو بہت کچھ دیا بھی، ہمارے بزرگوں کی قلمی کتابوں اور سفینوں میں ویدک نسخے بکثرت ملتے ہیں، اسی طرح ویدوں نے طبیبوں اور طبی کتابوں کی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا، یہ دینا اسی داد و ستد پر قائم ہے اور اسی طرح قائم رہے گی،

طب کی تجدید | حضرات! یہ تو ماضی تھی اب حال و مستقبل کی بھی فکر چاہئے، زمانہ کے حالات بدل گئے ہیں، اب طب اور وید کے علاوہ سات سمندر کی نئی طب بھی سامنے ہے، جس کا آغاز گو عربی ہی طب سے ہوا ہے اگر تجربات کی فراوانی، آلات کی عمدگی اور سلطنتوں کی قدردانی نے اس کو وہ دن دکھائے کہ تاج شاہی اب اس کے سر پر ہے اور خلعت قبول اس کے جسم پر ہے لیکن غور کے قابل بات یہ ہے کہ عام شاہی قدردانی کے نہ ہونے سے گو اکثر قدیم مشرقی علوم و فنون موت کے گھاٹ اتر گئے ہیں تاہم طب اور ویدک اب بھی اس کے مقابلہ میں تین سو برس کے بعد بھی کھڑے ہیں، اور قبول عام کے زور سے زندہ ہیں،

حالانکہ یہ وہ فن ہے جس کا تعلق موت وحیات اور زندگی جیسی قیمتی چیز سے ہے تاہم ملک کی لاکھوں جانیں بخوشی ان کے حوالہ کی جارہی ہیں اور شفایاب ہورہی ہیں، چنانچہ اب حکومت نے بھی چند سال سے اسکی بقا کی ضرورت سمجھی اور لکھنؤ، علی گڈھ، پٹنہ اور ڈھاکہ میں سرکاری امدادوں نے اس کی ترقی کا کچھ سامان کردیا ہے، اسی سلسلہ میں مجھے چند باتیں عرض کرنی ہیں،

اس فن طب کی پچھلی تاریخ سے یہ ظاہر ہے کہ اس نے دوسری قوموں کے تجربوں سے فائدہ اٹھانے میں کبھی تعصب کو راہ نہیں دی ہے، اس بنا پر اس زمانہ میں جو نئے نئے تجربے اور نئے نئے نظریئے اور جدید طریق تشخیص اور ادویہ سازی کے جو طریقے پیدا ہوگئے ہیں ان سے بھی وہ پوری طرح مستفید ہوگا، چنانچہ ہمکو معلوم ہے کہ بعض انگریزی دوائیں اسمیں ابتدا ہی میں رواج پاگئیں، کینن اور انگریزی سالٹ کے نام ملتے ہیں، اسی طرح بعض دوسرے تجربات سے فائدہ اٹھانے میں گریز نہ کرنا چاہئے، نیز بعض قدیم اصول وبیانات جن کی تائید تجربہ اور تحقیق سے نہیں ہوئی اس کی صحت پر اصرار کرنے سے فائدہ نہیں، مثلاً یہ اصول کہ اعدل العرض سکان خط الاستواء، محض غلط قیاسی دعویٰ ہے جس کی تردید ابن رشد وابن خلدون وغیرہ نے بہت پہلے کردی اور یہ صرف یونانیوں کے ناتمام علم جغرافیہ کی بنیاد پر قائم ہے جو آج تک ہماری عام کتابوں میں اسی طرح زیر درس ہے، اسی طرح موجودہ طب جو اخلاط اربعہ کے نظریہ پر قائم ہے، اپنی حد میں بالکل صحیح ہے لیکن محض یونانی قیاسات طبعی کی بنا پر دواؤں میں کیفیات اربعہ کے وجود پر زور دینا قیاس سے تجربہ کو رد کردینا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ متاخرین نے اپنی تحقیقات میں تجربوں کے مقابلہ میں اس قیاسی چیز کی اہمیت کم کردی ہے،

نظریہ اخلاط اور جراثیم | نظریۂ اخلاط اربعہ کی تشریح یہ ہے کہ طب کا اصول یہ ہے کہ المعدۃ بیت الداء باہر سے انسان کے پیٹ میں جو چیز عموماً جاتی ہے وہ غذا ہے، غذا کے طبخ صحیح وعدم طبخ سے اخلاط اربعہ کا وجود ہوتا ہے، ان کے توازن وعدم توازن سے مزاج کا اعتدال وانحراف ہوتا ہے اور صحت

مرض کا وجود ہوتا ہے، یہ تشریح تمام تر تجربی اور سراسر صداقت ہے، ڈاکٹری میں ادھر کچھ دنوں سے جراثیم کی وبا پھیلی ہے، ہر چیز جراثیم کا مخزن ہے اور علم الامراض علم جراثیم کا دوسرا نام ہوگیا ہے، اب وہ آنکھوں سے نظر آتا ہے، اور اس کی تحقیق روز بروز بڑھ رہی ہے، اس کو اس حد تک ماننے میں کیا ہرج ہے کہ غذا اور پانی اور سانس کی ہوا کے ساتھ جراثیم شامل ہوکر فساد کا باعث ہوتے ہیں،

طب اور آلات کا استعمال | تحقیقات کے معاملہ میں آلات سے کام لینے میں بھی بخل نہ چاہئے، علم جراحی اور کحالی اور دایہ گری جو ہماری طب کی شاخیں تھیں وہ رفتار زمانہ سے ایسے جاہل طبقوں میں پہنچ گئیں کہ ہمارے اطبا ر سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں رہا، ضرورت ہے کہ ان کٹی ہوئی شاخوں کو پھر اصل فن سے ملایا جائے، طب قدیم کی تاریخ اور شفاخانوں پر حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی مرحوم نے ۱۸۹۴ء کے درمیان یعنی آج سے اٹھاون برس پہلے جو کچھ لکھا تھا، اور خاکسار نے زہراوی اندلسی کی تعریف سے ۱۹۰۸ء کے قریب الندوہ میں جو کچھ لکھا تھا ضرورت ہے کہ ہمارے اطبا ان تحقیقات تاریخی میں وقتاً فوقتاً اضافہ فرماتے رہیں،

قدیم کتب طب کی فراہمی | ہمارے طبی مدرسوں میں قدیم طبی کتابوں کی فراہمی اور حفاظت کا بھی سامان کیا جائے، ادھر کامل الصناعۃ اور حاوی کی اشاعت نے کچھ اطبا میں دلچسپی پیدا کی ہے، ربن طبری کی کتاب فردوس الحکمۃ ایک بہاری فرزند ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی کی تصحیح سے برلن میں ۱۹۲۸ء میں چھپی ہے، محمد بن زکریا رازی کی برء ساعتہ جس کو فرسٹ ایڈ کہتے ہیں، پیرس سے ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی، اسی مصنف کی کتاب گردوں اور مثانوں کی کنکریوں کے علاج میں مقالہ فی الحصی فی الکلی والمثانہ لائیڈن سے ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی، اور اب آج کل دائرۃ المعارف حیدرآباد میں عمدۃ الجراحین ابن القف اور مختارات ابن ہبل زیر طبع ہیں، عمدۃ الجراحین کا موضوع یہ ہے، کہ بغیر آپریشن کے زخموں کا علاج کیا جائے، مصر کے ایک لائق ڈاکٹر احمد عیسیٰ بے نے عربوں کے آلات طب و جراحی و کحالی پر ایک نہایت محققانہ مقالہ لکھا ہے، اور مع تصاویر کے شائع

کیا ہے، چند سال ہوئے کہ قانون بو علی سینا کا ترجمہ لندن سے انگریزی میں شائع ہوا ہے، اگر ہمارے طبا میں سے کچھ اہل علم قدیم کتب طب کی تلاش و جستجو اور اشاعت کا کام انجام دیں تو اس فن کے بہت سے مردہ تجربات کو زندہ کر دیں گے، تجربات کو چھپانے کی پرانی بیماری اب زائل ہو جانی چاہئے،

عمدہ اور تازہ دواؤں کی فراہمی | ہماری طب کی کمزوری کا ایک بڑا سبب عمدہ اور تازہ دواؤں کی بہم رسانی کی طرف سے پوری غفلت ہے، اب تک یہ کام پنبیوں اور خالص دوکانداروں کے سپرد ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عمدہ اور تازہ دواؤں سے ہم محروم رہتے ہیں، اس پوری مجرمانہ غفلت کے باوجود اگر ان مفردات سے فائدہ پہنچتا ہے، تو اس طب کی یہ بھی کرامت ہے،

مفردات اور مرکبات | مفردات کے بعد پھر مرکبات کی تیاری کا سوال ہے، محسن طب جناب حکیم مسیح الملک مرحوم نے جب سے ہندوستانی دواخانہ کی بنیاد ڈالی ہو بے شبہہ مرکبات کی عمدگی اور صفائی کے کام نے بہت ترقی کی ہے، مگر ابھی تک اس کا اثر صرف چند شہروں تک محدود ہے،

مفردات سے علاج کا اسکول جو لکھنؤ میں رواج پذیر تھا وہ اس لحاظ سے کہ ہر نسخہ ہر شخص کے موجودہ حالات کے مطابق ہوتا تھا، بہت کامیاب تھا، مگر صرف اس لئے کہ اس کا گھسنا اور رگڑنا دردسر یہ بھی تو ہے اب سرعت سے اس کی جگہ مرکبات سے علاج کا طریقہ سہل الحصول ہونے کے سبب سے لے رہا ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ ہر مرض کے علاج میں نہیں چل سکتا، اس لئے ضرورت ہے کہ مفردات سے فی الفور جوشاندہ بنانے کا وہ طریقہ جو حیدرآباد دکن کے شفاخانۂ طبی میں زیر عمل ہے قبول کر لیا جائے یعنی عطاروں کے یہاں گرم پانی کا اہتمام خاص رکھا جائے اور ہر نسخہ کا جوشاندہ اور تازہ عرق فی الفور نکال کر حوالہ کیا جائے،

حیدرآباد دکن کا طبی شفاخانہ | مجھے حیدرآباد دکن کے اس طبی شفاخانہ، دواخانہ اور کلیۂ طبیہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا ہے، یہ پورا ادارہ اس بات کا ثبوت ہے، کہ حکومتوں کی سرپرستی سے یہ طب کتنی ترقی

پا سکتی ہے، اعلیٰ حضرت نظام خلد اللہ ملکہ کی شاہانہ توجہ سے اس طب نے جو ترقیاں کی ہیں، طریقہ دواسازی، دواؤں کے رکھنے کی ترکیب، جوشاندہ بنانے کا طریق، آلات کا استعمال، مریضوں کی تیمارداری، دیکھ بھال سامان، ہر چیز میں یہ شفا خانہ اسپتالوں کے بالمقابل ہے، اسی طرح اس کا طبیہ کالج لائق اساتذہ اور تجربہ کار معلمین، نصاب، طریقۂ تعلیم، مدت تعلیم، علمی و عملی تعلیم، کتب خانہ اور دیگر شعبوں کی بنا پر وہ نمونہ ہے، جس کی مثال دنیا میں اس وقت کہیں نہیں، ڈاکٹری کی بے شمار کتابیں اردو میں اصطلاحات کیساتھ دارالترجمہ عثمانیہ نے اردو میں منتقل کر دی ہیں،

دیسی طب کی حمایت | بے شبہہ خوشی کی بات ہے کہ اصلاحات ہند کے رواج کے بعد حکومت انگریزی کے بعض صوبوں نے دیسی طب کی حمایت و حفاظت کی طرف توجہ کی ہے، لیکن صاف کہنا چاہئے کہ یہ عمل ایمان کے بغیر ہے، اس لئے حمایت و حفاظت و اعانت بیدلی کے ساتھ کی اور دی جارہی ہے، اسی لئے بعض غلطیوں کا علانیہ ارتکاب کیا جارہا ہے، اور ہم اس لئے اس کو احسان مندی کے ساتھ قبول کرتے ہیں کہ ایک غیر حکومت کی طرف سے اتنی ہمدردی بھی بہت ہے،

طب کی زبان | پہلا مسئلہ تعلیم کا ہے، اس طب کی ساری مستند کتابیں عربی میں ہیں اور کچھ فارسی میں ہیں، گو ایک بہاری طبیب حکیم کبیر الدین صاحب شاگرد رشید حکیم اجمل خاں مرحوم کے ہم سب ممنون ہیں کہ اُنھوں نے اپنی محنت اور قابلیت سے اس فن کا اچھا خاصہ ذخیرہ ہماری زبان میں منتقل کر دیا ہے، اور اس نے ہماری طبی درسگاہوں میں رواج پایا ہے، تاہم نقل اصل کو نہیں پا سکتی، اس لئے اگر یہ سرکاری طبی درسگاہیں صرف اردو کے ذریعۂ تعلیم طب کے رواج پر عمل کریں گی تو فن کے زوال میں کوئی شبہہ نہیں، ایلوپیتھی کے لئے اگر انگریزی زبان کی ضرورت اور سائنس کے ذریعہ سے اعلیٰ کامیابی پر داخلہ میڈیکل کالج میں مشروط ہے تاکہ اعلیٰ قابلیت کے ڈاکٹر پیدا ہوں تو طب کے لئے نیم ملا عربی داں اور معمولی انگریزی داں و اردو خواں بلا امتیاز طب کی درسگاہوں میں داخلہ کی اجازت کیوں پاتے ہیں،

کیوں نہ اس میں بھی اعلیٰ قابلیت کے لڑکوں کا انتخاب عمل میں آئے

طبیب ڈاکٹر نہ بنیں | اسی طرح کا تعلیمی نقص ترقی کے نام سے ان درسگاہوں میں پھیلایا جا رہا ہے، اور وہ ایلوپیتھی کے ناقص طریقوں کی ادھوری تقلید کا شوق ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری اُن درسگاہوں کا طبیب، طبیب سے زیادہ ڈاکٹر بننے کا شائق ہے، اور لفظوں سے خوش ہوتا ہے، وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے طور و طریق میں بھی ڈاکٹر معلوم ہو، یہ حد درجہ مذموم طریقہ ہے، یہ کوے کے ہنس کی چال اختیار کرنے کا طریقہ ہے،

طب اور مذہب | ہمارے دوسرے مشرقی فنون کی طرح ہماری طب بھی ہمارے مذہبی فرائض ہی کا ایک گوشہ ہے، اسی لئے ہمارے پرانے طبیب نیچر اور فطرت کے بے ارادہ، بے رحم اور غیر مسئولی دیوتاؤں کے بجائے، شافی مطلق، ہمہ رحم یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید خدا کے پرستار تھے، انکی کتاب کا آغاز صدائے ابراہیمؑ اذا مرضت فھو یشفین اور آیت الٰہی فیہ شفاء للناس اور حدیث لکل داء دواء اور کلمہ منسوبہ بہ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم العلم علمان علم الادیان وعلم الابدان سے ہوتا تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے فنون کی طرح یہ فن بھی دین ہی کے تحت میں تھا، اسی لئے ہمارے طبیب کے ہر نسخہ کا طرۂ پیشانی طغرائے ہوالشافی سے مزین ہوتا تھا، وہ ہر مریض کی نبض پر ہاتھ رکھنے کے ساتھ شافی مطلق کے سامنے سرنگوں ہو جاتا تھا، وہ ہر مشکل کے وقت اُسی مشکل کشا کے روبرو دست بدعا ہوتا تھا، وہ مغرورانہ حتمی احکام لگانے کے بجائے ہمیشہ انشاء اللہ تعالیٰ کے دامن میں اپنے لئے پناہ ڈھونڈھتا تھا، وہ اپنی تدبیروں اور دواؤں کی تاثیرات کو اپنی فکر و نظر و تدبیر یا دواؤں کے طبعی خواص کی طرف منسوب کرنے کے بجائے مدبر حقیقی اور موثر تحقیقی، حکیم علی الاطلاق جل شانہ کی طرف منسوب کرکے اپنے کو بندۂ بے اختیار ظاہر کرتا تھا، میں نے اس شہر کے ایک پرانے ڈاکٹر صفدر حسین صاحب کو دیکھا تھا، جنھوں نے غدر سے پہلے ڈاکٹری اردو میں پڑھی تھی او

اور اُس سال پاس ہوئے تھے، جب واجد علی شاہ قید کرکے مٹیا برج لائے گئے تھے، ان ہی نے ہمارے صوبہ میں ہومیو پیتھک کو پہلے رواج دیا ہے، میں نے ان کو پرانے طبیبوں کی طرح ہمیشہ اسی حال میں دیکھا کہ وہ ہر علاج کے وقت شافیِ مطلق کی طرف متوجہ اور دست بدعا رہتے تھے، ان کا ایک فقرہ ہمیشہ یاد گار رہے گا، فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ اندھیری کوٹھری میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولتے ہیں،

نوجوان طبیبوں کو نصائح | نوجوان طبیبو! اب آپ زندگی کے میدان میں اتر رہے ہیں، آپ کو دکھ سے بھرے انسان ملیں گے، ان سے ہمدردی کرنا آپ کا فرض ہوگا، کبھی آپ بیمار بن کر دیکھیں کہ طبیب کی ایک شفقت بھری نگاہ مایوس مریض کے لئے کس طرح آبحیات کا جام نوشیں بنجاتی ہے، حرص طمع اور دولت دنیا کے لالچ سے ایک شریف طبیب کا دامن پاک ہونا چاہئے، آپ کا تعلق کائنات کے اس راز سربستہ سے ہے، جس کا نام موت وحیات ہے، آپ کے سامنے خدا جانے موت وحیات کے کیسے کیسے موثر اور حیرت انگیز واقعات اور دل کو کپکپانے والے حادثے آئیں گے، ان حادثوں سے ایمان باللہ، اور ایمان بالیوم الآخر کی قوت میں اضافہ کا کام لیں، آپ کے شہر کے ایک دیندار و خوش نام ڈاکٹر نے خوب فرمایا کہ ہم بیماری کا علاج کرتے ہیں، موت کا نہیں،

جائیے اور متوکلاً علی اللہ خلق کی خدمت میں مصروف ہوجائیے، اور بلا تفریق مذہب وملت عزیزوں کی غمخواری اور بیماروں کی تیمارداری اور دکھی لوگوں کے دکھ درد کو امکان بھر اخلاص اور ایمان داری اور محنت اور دیانت سے کم کرنے کی کوشش کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے، اور آپ کو فہم صحیح، دست شفا اور رزق حلال عنایت فرمائے،

والسلام

مجدّد ملّت

اور

قومیات وسیاسیات حاضرہ

از مولانا شاہ عبدالباری صاحب ندوی

حضرت حکیم الامۃ تھانویؒ کے خلیفہ مجاز مولانا شاہ عبدالباری ندوی اب مجدد وقت کے تجدیدی کارناموں پر ایک مبسوط کتاب تیار کر رہے ہیں، ذیل کا مقالہ اسی کتاب کا ایک باب مع دیباچہ و خلاصہ کے ہے، مولف ممدوح نے اپنے امکان بھر کوشش اس کی کی ہے کہ حضرت مولاناؒ کی تعلیمات و ہدایات کی صحیح صحیح ترجمانی و تعبیر کردیں، اور اس کوشش میں وہ قابل مبارکباد حد تک کامیاب بھی رہے ہیں، پھر بھی بشر بشر ہی ہے، معارف میں اس کی اشاعت سے مقصود یہ ہے کہ دوسرے ارباب نظر بھی اسے ملاحظہ فرمائیں اور جہاں جہاں ان کو فروگذاشتیں نظر آئیں ان سے موتف سلمہ اللہ کو مطلع کردیں، حضرتؒ کے منتسبین سے یہ التماس خصوصیت کے ساتھ ہے، سب سے پہلے ان تمہیدی سطور کا راقم، خود اس فرض کو ادا کرتا ہے، اور جہاں جہاں کوئی بات اسے لفظی یا معنوی حیثیت سے کھٹکی ہے اس کا وہ بے تکلف اظہار کرتا گیا ہے، تنقید میں مروت، تقاضائے اخلاص کے بالکل منافی ہے۔"

"عبدالماجد دریابادی"

دیباچہ | دین کی تکمیل و تحفظ کے بعد نبوت کا ختم ہو جانا بالکل قدرتی امر تھا، یعنی جب دین کا ہر جہت سے اور ہمیشہ کے لئے اکمال و اتمام فرما دیا گیا، اور قیامت تک اس کی حفاظت کی ضمانت بھی فرمالی گئی، تو ظاہر ہے

کہ اب کسی نئی وحی کی کیا ضرورت رہی، البتہ ایک اور ضرورت رہجاتی ہے امتداد زمانہ سے بشری فطرت، نفس و نفسانیت اور اتباع ہوی وغیرہ کے خارجی عوامل کی بدولت کامل و محفوظ دین کے احکام و تعلیمات کی بھی فہم و تفہیم اور عمل و اجرا، میں طرح طرح کے خلل و فساد کا لاحق ہوتے رہنا ناگزیر تھا، کوئی چہرہ بذات خود حسن و جمال کے خواہ سارے صفات کمال سے متصف ہو، مگر خارجی و عارضی گرد و غبار اس کو بھی مکدر کرہی دیتا ہے، جس سے صاف کرتے رہنے کی ضرورت وقتاً فوقتاً پڑتی رہتی ہے دین کامل کے چہرۂ کمال و جمال سے اسی گرد و غبار کو جھاڑتے رہنے کے لئے بعثت انبیاء کو ختم کرنے کے بعد بعثت مجدد دین کا سلسلہ صدی بصدی جاری فرمایا گیا، تاکہ طالبان حق کو کج رویوں سے بچ کر ہمیشہ "صراط مستقیم" ملتی رہے، اور "ضالین و مغضوبین" کی گمراہیوں سے محفوظ رہیں، خیر القرون سے جتنا بعد بڑھتا جاتا ہے، دینی کجراہیاں اور فتنے بھی بڑھتے جاتے ہیں، لہذا ہر وقت اور ہر عہد میں مسلمانوں کو اس وقت کی کجراہیوں اور گمراہیوں سے محفوظ رہنے کے لئے مجدد وقت کو معلوم کرنا اور اس کی تجدیدات وقت کی پیروی کرنا، اسی میں سلامتی ہے،

البتہ نبی اور مجدد میں ایک فرق یہ ہے کہ نبی وقت پر ایمان نفس نجات و مغفرت کے لئے لازم ہے، بخلاف اس کے مجدد وقت کی یافت و پیروی پر نجات موقوف نہیں وہ تو انشاء اللہ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان کے بعد مر پٹ کر حاصل ہی ہو جائیگی لیکن دین کے اصلی پاک و صاف سرچشمہ تک پہنچنا، اسکی کامل و بے غبار تعلیمات کو سمجھنا اور ان پر عمل کی دینی و دنیوی برکات کا پوری حاصل ہونا، اس کے لئے بلاشبہہ مجدد وقت کا پانا اور اس کا دامن تھامنا لابد ہے، ورنہ پھر بعثت مجددین اور تجدید دین کے کوئی معنی نہیں، بلاشبہہ مجدد نبی کی طرح معصوم نہیں ہوتا، بشری لغزشیں اس سے بھی ہونگی، لیکن دیگر علماء و محققین کے مقابلہ میں نسبتہً بہت کم، اس لئے مجدد وقت کی تجدید و تحقیق کا قبول و اتباع اسلم و احوط ہر حال میں ہوگا،

مسلمانوں کی حالت کم و بیش ہر لحاظ سے روز بروز روبہ تنزل ہی نظر آرہی ہے، قومیات و سیاسیات یا دنیوی معاملات تک میں جن راہوں اور تدبیروں سے غیروں کو ان کی مزعوم و مطلوب ترقی و کامیابی حاصل ہوتی ہے' انہی راہوں سے اور انہی مقاصد کے لئے مسلمانوں کا حصہ ناکام نقالی کے سوا کچھ نہیں معلوم ہوتا ہے،

راقم احقر کوئی قومی و سیاسی آدمی بالکل نہیں، اور نہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے موجودہ قومیات و سیاسیات کا اسلام کے اصول و مقاصد یا طریق کار سے کوئی سروکار سمجھ میں آتا ہے، تاہم الحمدللہ برا بھلا مسلمان ہوں اور برے بھلے مسلمان بھائیوں کی زبون حالی پر دل کڑھتا ہے، ان کے کسی قومی یتیم خانہ کا حال سنو تو ابتر، کسی مدرسہ کا حال دیکھو تو بد سے بدتر، جس ادارہ پر بھی نظر ڈالو" ہر روز بتر می بینم" ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے، سب سے زیادہ شور و غل سیاسیات کا ہے، مگر اس ڈھول کے اندر بھی پول ہی پول ہے بلکہ مسلمانوں کے حق میں سب سے زیادہ فتنہ و شر، ناکامی و نامرادی اسی میں دکھلائی دیتی ہے،

بعض تازہ واقعات سے دل پر زیادہ چوٹ لگی مسلم لیگ کے ساتھ وفد وزارت اور وائسرائے سب کی طوطا چشمی و استخفاف یا غداری جو کچھ بھی کہو اس کا بڑا سبب یہی ہوا کہ کانگریس کے مقابلہ میں لیگ کی اندرونی کمزوریوں کی بنا پر اس کو زیادہ خاطر میں نہیں لایا گیا، بظاہر مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت مسلم لیگ کی ہم آواز ہے، مگر وہی آواز دہل کہ اندر سے خالی اور دل ہم آہنگ نہیں، ذاتی و انفرادی اغراض و مطالبہ کا غلبہ، انتخابات میں غیر معمولی کامیابی کے باوجود خود مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں میں لیگ اور لیگی وزارتوں کا حال دوست و دشمن سب کے سامنے ہے، کلکتہ بمبئی وغیرہ میں ہزاروں بے گناہ مسلمان، بچوں، بوڑھوں عورتوں تک کا جس درندگی کے ساتھ قتل عام ہوا اس کے تصور سے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے، دوسروں پر اس کا الزام جا ہے جتنا دھرا جائے اور قانون و کمیشن کی نگاہ میں چاہے سراسر دوسروں ہی کی زیادتی ثابت ہو، تاہم اس کا حقیقی اور بڑا سبب اوپر سے نیچے تک خود ہماری جماعتی ابتری

و بدنظمی، عدم انضباط و عدم تربیت کے سوا کیا ہے،

ہمارے جماعتی امراض میں سب سے مہلک مرض یہی ہے کہ ہمارا کوئی کلمہ جامعہ نہیں جس پر ہم زبان و دل دونوں سے جمع ہوں، مسلمان مسلمان رہ کر صرف اسلام ہی پر جمع ہو سکتے تھے، اور اس جمع ہونے کی صورت سیاسی غیر سیاسی چھوٹے بڑے کسی مسئلہ میں یہی ہو سکتی تھی کہ کسی ایک رائے پر جمع ہو جائیں، یہ نہیں کہ جس لیڈر یا اڈیٹر، جس عالم یا مولوی کا جدھر جی چاہے چل پڑے، جو مسلک چاہے اختیار کر لے، اور پھر سارے مسلمانوں کو اس کی طرف بلانے لگے، یہ تو وہی اعجاب کل ذی رای برائہ کی خود رائی ہے جس کا نتیجہ اس فشل اور ذہاب ریح یعنی ہوا خیزی یا پست ہمتی کے سوا کیا ہو سکتا ہے، جو دن رات آنکھوں کے سامنے ہے،

لہذا اہم و مقدم سوال یہ طے کرنے کا ہے کہ وہ ایک رائے جس پر مسلمانوں کو جمع ہونا چاہئے، کون اور کس کی ہو سکتی ہے؟ اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے لئے اس کا جواب ایک ہی ہے کہ مجدد وقت کی تجدیدی رائے، اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی عہد میں خاص طور پر اسلامی احکام و تعلیمات کے احیاء و تجدید ہی کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہو، اس سے بڑھ کر دینی اعتبار سے قومیات و سیاسیاتِ حاضرہ میں اور کسی کی رائے قابل اعتنا و اتباع ہو سکتی ہے،

راقم ہذا آج کل عہد حاضر کے جامع المجددین (حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی علیہ الرحمہ) کی اسلامی زندگی سے متعلق ہر شعبہ کی تجدیدات ہی کو ایک مستقل کتاب کی صورت میں جمع و مرتب کر رہا ہے، اور اتفاق وقت سے اس وقت قومیات و سیاسیات حاضرہ ہی کا باب زیر تحریر تھا، اس لئے تازہ واقعات سے مجروح و متاثر قلب میں اس کو پیش کر دینے کا تقاضا ہوا، لیکن احقر نہ کوئی چھوٹا بڑا لیڈر نہ مولوی، نہ کانگرسی نہ لیگی کہ اس کے معروضات قابل توجہ کیا قابل سماعت بھی ہوں، تاہم "گاہ باشد کہ کودک ناداں" کے احتمالی فقرہ کے مطابق ممکن ہے کوئی قابل قبول بات نکل آئے،

اس کے علاوہ راقم کی حیثیت اصل میں جامع یا زیادہ سے زیادہ کہیں شارح کی ہے، سو اگر جمع و شرح میں کہیں غلطی یا غلط فہمی ہوئی ہو تو اس سے قطع نظر فرما کر بلکہ احقر کو آگاہ و متنبہ فرما کر، خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی اس باب میں جو تجدید و تحقیق ہے، اس پر تعصب و تحزب سے خالی الذہن ہو کر اگر توجہ فرمائی تو انشاء اللہ نفع سے خالی نہ ہوگی، اُن حضرات سے خصوصاً اس کی درخواست ہے، جو حضرت علیہ الرحمہ سے ارادت و عقیدت کی کوئی نسبت رکھتے ہیں، کہ وہ ان معروضات پر خاص توجہ فرمائیں، اور اگر حضرت کی رائے و تحقیق کے پیش کرنے میں کوئی خطا نظر آئے تو اس کی تصحیح سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ کتاب کی اشاعت میں لحاظ رکھا جائے، وما توفیقی الا باللہ،

بظاہر حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کے تجدیدی اوراق حیات کا یہ ورق بالکل سادہ معلوم ہوتا ہے، اور یہ صحیح بھی ہے کہ متعارف قومی و سیاسی تحریکات میں حضرت نے کبھی کوئی عملی حصہ نہیں لیا، اور بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں کوئی تجدیدی و اصلاحی خدمات بھی نہیں انجام دیں، بات یہ ہے، کہ قومیات و سیاسیات حاضرہ کا عملی پہلو ہی دینی اعتبار سے زیادہ غیر عملی ہے، ان کا بڑا وصف یہ ہے کہ کام بہت کم اور نام بہت زیادہ، خیر بہت کم شر بہت زیادہ، اور اس نام و نمائش کے شور و غل میں اوقات الگ ضائع، سب سے بڑھکر یہ کہ قدم قدم پر طرح طرح کے دینی مفاسد میں آلودگی و ابتلا، پھر اس غل غپاڑہ میں پڑ کر کسی بڑے سے بڑے صحیح الدماغ دینی یا دنیوی خادم یا رہنما کا اتنا توازن دماغی برقرار رہنا مشکل کہ ؤ حدود و اعتدال کو محفوظ رکھ سکے، جو اسلامی صراط مستقیم کی خصوصیت خاصہ ہے، اور حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی حکیمانہ و مجددانہ خدمات و اصلاحات کا سب سے نمایاں وصف،

اس لئے ان نام نہاد قومی و سیاسی تحریکات یا انجمن سازیوں، جلسہ بازیوں، نعرہ زنیوں، اخبار فروشیوں اور ووٹ خریدیوں، ہڑتالوں، بائیکاٹوں وغیرہ کے جو طرح طرح کے آئے دن طوفان بے تمیزی برپا رہتے ہیں ان کی طرف نہ خود طبعاً عقلاً یا شرعاً کسی طرح رخ فرما سکتے تھے اور نہ کسی کو مشورہ دے سکتے

تھے، خالص دینی خدمات تک میں ان پر مفاسد ذرائع سے کام لینا پسند نہ تھا، خدمات تبلیغ کے سلسلہ میں ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ

" ہر ضلع میں ایک مجلس قائم کردیجائے جس کا نام وغیرہ رکھنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں نہ عہدہ داروں کے نام مقرر کرنے کی ضرورت کیونکہ آج کل انجمن کے قوانین اور عہدہ داروں کی فہرست میں تو رجسٹر سیاہ کردیئے جاتے ہیں، مگر کام نہیں ہوتا" (تواصی بالحق ص ۱۲)

پھر قومیات و سیاسیات حاضرہ کے بازار میں قومیت و وطنیت، جمہوریت و اکثریت، انقلاب و بغاوت، حریت و مساوات وغیرہ کے ظاہر فریب ناموں سے جیسے جیسے کھوٹے اور جعلی سکے رائج ہیں ان کو جوہر شریعت کی معمولی پرکھ رکھنے والا بھی اپنی جیب میں نہیں ڈال سکتا، تو بھلا جو مجدد وقت شریعت مطہرہ کو ہر کھوٹ کی ادنیٰ سے ادنیٰ آمیزش سے پاک و صاف فرمانے ہی کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہو وہ ان جھوٹے جعلی سکوں کو سرے سے بدل ڈالنے کے سوا ان میں اصلاح کی کیا گنجائش دیکھ سکتا تھا،

قومیت نام ہے رنگ و نسل، ملک و وطن، یا کسی خاص و خالص مادی تہذیب و تمدن کے خود تراشیدہ اور غیر اختیاری و خارجی امتیازات و میلانات پر مبنی جماعتی تصور کا جس کو اسلام کے دشمن بھی اب جان گئے ہیں کہ قومیت کا یہ تصور اسلام کی عین ضد ہے، اور اسلامی شریعت ایسے قوانین سے مطلقاً ناآشنا ہے جن میں حق و انصاف، عطا و منع، جنگ و صلح ترجیح و تفوق کی کسوٹی کھال کا کوئی رنگ ہو یا ماں کے پیٹ سے گر پڑنے کا کوئی مقام یا بہت اونچے جائے تو زبان و ادب، شعر و شاعری، موسیقی و مصوری، تعمیر و صناعی، بت تراشی و بت پرستی وغیرہ کا کوئی روایتی و خرافاتی مجموعہ جس کو تہذیب و تمدن کا لقب دیکر زندگی کا نام کافور رکھ دیا جاتا ہے،

ان سب کی مشترک خصوصیت ایک طرف تو یہ ہے کہ بجائے انسان کے اندر کسی باطنی یکرنگی و برتری کو معلوم کرنے کے سارا زور اس کی خارجی و مادی نیرنگیوں اور پستیوں پر دیدیا گیا، دوسری خصوصیت

ان کا غیر اختیاری ہونا ہے، کہ جو جس رنگ و نسل جس سرزمین یا جس روایاتی و خرافاتی تمدن میں پیدا ہو پڑا تو اب نہ وہ اپنی کھال چھیل کر پھینک دے سکتا ہے کہ کالے سے گورا بن جائے نہ ہندوستان سے ہزاروں میل دور افریقہ میں جا بسنے کے باوجود وہ ہندی کے بجائے فرنگی بن کر فرنگیوں کے مرتبہ و معیار برتری کو حاصل کر سکتا ہے، اس خارجی اور غیر اختیاری معیار کی قدرتی گوناگونیوں کے انسانوں میں باہمی تفریق و امتیاز اور تقسیم در تقسیم کا معیار قرار پا جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ کرۂ ارض پر اقوام در اقوام کا ہر چہار طرف سے ایک سیلاب ابل پڑا، پھر ہر قوم و ملک کے اندر معاشی تقسیمات و طبقات، اسی طرح سیاسی جماعات و پارٹیوں [illegible] الگ ہے اور ہر چھوٹی بڑی قوم طبقہ و جماعت کا پیش جہاد اپنے لئے زیادہ سے زیادہ مادی منافع کا بٹورنا ہے لیکن یہ مادی منافع مادی ہونے ہی کی بنا پر محدود بھی ہیں، پٹرول بھی محدود، خام مواد کی پیداوار بھی محدود، مال کی نکاسی کی منڈیاں بھی محدود رہنے بسنے کے لئے نوآبادیں بھی محدود، اور مطالبہ ہر قوم و جماعت کا نا محدود، اس لئے کہ اسی کا نام ترقی رکھا گیا ہے کہ مادی فوائد کے حصول میں کسی نقطہ پر بھی پہونچ کر قناعت نہ ہو، جس کی صورت یہی ہے کہ جہانتک بن پڑے ہر ایک دوسرے کے منہ کا نوالہ حلق سے کھینچ لینے کی کوشش کرے، نتیجہ یہ ہے کہ ساری زمین فساد سے بھر گئی ملک ملک سے، قوم قوم سے، جماعت جماعت سے' طبقہ طبقہ سے برسرپیکار ہے،

اسلام نے ان خود ساختہ مادی و خارجی بنیادوں پر اولاد آدم کی نہ کوئی گروہ بندی تسلیم کی ہے نہ ان کی بنا پر کسی تفوق و ترجیح کو جائز مانا، نہ مادی منافع کی نا محدود حرص و ہوس کو ترقی قرار دیا، اور گو اب اس قومیت کے منافع و مصالح سے زیادہ مفاسد کو اسلام کے نہ ماننے والے بھی دل و دماغ سے مانتے جا رہے ہیں اور بین الاقوامیت و اشتراکیت و اجتماعیت وغیرہ کے راستوں سے ہلاکت سے بچنے کی تدابیر کی جا رہی ہیں، مگر وہی کڑاہی سے بچ کر چولھے میں گرنے کی سب تدبیریں ہیں، مادی و خارجی اغراض و مقاصد کی نا محدود طلب و ہوس کا نصب العین جب تک افراد اور جماعتوں

کے دل و دماغ پر مسلط ہے، اس وقت تک زہر کا نام تریاق رکھ دینے سے ہلاکت سے مفر نہیں، اور یہ حرص و ہوس کا یہ جنون دل و دماغ سے اس وقت تک خارج ہو سکتا ہے، جب تک اسکی جگہ کوئی ایسا عظیم و محکم روحانی و باطنی نصب العین نہ لے لے جس کی عظمت و اہمیت کے سامنے بڑی سے بڑی مادی ترقیاں بھی طفلانہ لہو و لعب معلوم ہونے لگیں، وما الحیٰوۃ الدنیا الا لہو و لعب۔

جمہوریت کا ملمع قومیت سے بھی زیادہ ابلہ فریب و بے حقیقت ہے، بلکہ ایک ایسا اسم ہے جس نے عملاً کبھی اپنے مسمی کی شکل نہیں دیکھی، کسی بڑے پیمانہ پر ملک و حکومت کا کاروبار اس نام نہاد جمہوریت سے چلنا تو درکنار حضرت علیہ الرحمۃ نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ "اگر روٹی پکانے میں بھی جمہوریت ہو تو ایک روٹی بھی نہ پک سکے"[۱]۔ انگریزی میں بھی مثل ہے کہ "زیادہ باورچیوں میں شوربے کی خرابی لگتی ہے"۔ بات یہ ہے کہ جمہوریت و عمومیت وغیرہ کے ناموں سے یہ دعویٰ تو صحیح ہے کہ حکومت عوام کے لئے یعنی اُن کی فلاح و بہبود کے لئے ہو، لیکن دوسرا دعویٰ کہ حکومت عوام کی ہو یا عوام کی راے سے ہو یہ ناقابل عمل ہی نہیں احمقانہ بھی ہے، اس لئے کہ فہم و فکر کے لحاظ سے صد فی صد تعلیمیافتہ ملک کے عوام بھی بہر حال عوام ہی ہوں گے جو اپنے نفع و ضرر کو پوری طرح سوچ سمجھ تک نہیں سکتے، اور ان کی فلاح و بہبود کو بھی ان کے خواص یا اہل فکر و فہم ہی صحیح طور پر سمجھ اور سمجھا سکتے اور وہی عمل میں لا سکتے ہیں، عوام الناس تو غریب اتنی بھی صلاحیت نہیں رکھتے کہ اپنے خیر خواہ و بدخواہ میں تمیز کرکے اپنے ووٹ تک کا صحیح استعمال کر سکیں، وقت پر اپنی چرب زبانی چکنی چپڑی باتوں اور جھوٹی سچی ترغیب و تحریص یا چالاکی و مکاری سے ان کا دشمن بھی ان سے ووٹ حاصل کر سکتا ہے اور کر لیتا ہے، پھر ظاہر ہے کہ دنیا میں عقل و فہم کے اعتبار سے اکثریت ہمیشہ کاملین کے مقابلہ میں ناقصین ہی کی رہی ہے اور رہے گی تو اکثریت کی راے و انتخاب کے معنی عقلمندوں کے مقابلہ میں کم عقلوں یا احمقوں کی راے و انتخاب کے سوا کیا ہے۔

---

[۱] الافاضات الیومیہ حصہ پنجم ص۲۲۔

اور جس طرح لاکھوں کروڑوں عوام کا حال ہے، اسی طرح ان کی رائے سے منتخب ہو کر جو سیکڑوں ہزاروں خواص کی قانون سازی مجالس یا اسمبلیاں وغیرہ بنتی ہیں اُن میں بھی عقل و فہم، علم و عمل اخلاق و دیانت، اخلاص و بےنفسی کے اعتبار سے نسبتۃً کاملین ہمیشہ اقلیت ہی میں ہونگے، اس لئے کسی معاملہ و فیصلہ کو اکثریت کے تابع کرنا دراصل کم عقلوں، کم علموں اور خود غرضوں کے حوالہ کر دینا ہے، اقبال مرحوم پر ہزاروں رحمتیں ہوں حرف بحرف سچ کہا ہے کہ

گریز از طرز جمہوری غلامے پختہ کارے شو که از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

صحیح اور فطری اصول یہی ہے کہ سیاسی وغیر سیاسی چھوٹا بڑا کوئی ادارہ ہو دو صد خر کے بجائے بس کسی ایک انسان کو تلاش کر کے اس کے حوالے کر دینا چاہئے، البتہ بڑے سے بڑا انسان بھی زیادہ سے زیادہ عقل و علم، اخلاص و دیانت کی جامعیت کی باوجود فکر و رائے میں غلطی کر سکتا ہے، اس لئے عوام ان سے نہیں بلکہ اہل الرائے سے مشورہ لینا اس پر واجب ہو، تاکہ بحث و گفتگو سے معاملہ کے تمام اطراف و جوانب سامنے آجائیں لیکن نفس مشورہ کے وجوب و پابندی کے باوجود مشورہ لینے اور دینے میں پوری آزادی حاصل ہونی چاہئے کہ مشورہ لینے والا عوام کالانعام کے منتخب کردہ "دو صد خر" کا پابند ہو بلکہ جس معاملہ میں جس وقت جو لوگ بھی اس کو زیادہ اہل الرائے نظر آئیں سب سے مشورہ لینے کے لئے آزاد ہو، اسی طرح مشورہ دینے کے لئے بھی ہر شخص آزاد ہو، یہ نہیں کہ ایک دفعہ الٹا سیدھا اپنا کسی کو نمائندہ منتخب کر دیا، تو اب ہم تین یا پانچ برس کی کسی مقررہ مدت تک خود کوئی رائے نہیں دے سکتے، چاہے وہ ہمارا نمائندہ ہو کر ہمارے خلاف ہی رائے دیتا رہے، بس اسلام کی جمہوریت یہی صحیح و متوازن شورائیت ہے۔ اور فیصلہ بالآخر دو صد خر، نہیں بلکہ ایک انسان کے ہاتھ میں ہوتا ہے، البتہ وہ اپنی انسانی فکر و فہم کے ساتھ ایمانی فراست اور شرح صدر کی روشنی میں ہوتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اتنی روشنیوں کے بعد بھی عمل کا قدم محض ناقص انسانی علم و روشنی کے تحت نہیں اٹھاتا کہ انسان کا کامل سے کامل

علم بھی ناقص ہی ہے، نبی کو بھی حکم ہے کہ مشورہ لینے اور اپنی رائے قائم ہو جانے پر بھروسہ عالم کل و قادر کل ذات ہی پر ہے، قرآن مجید نے اپنی موجز و معجز تعبیر کے ایک ہی جملہ میں اسلام کے اجتماعی نظام کار کے اصول ثلاثہ (۱) مشورہ (۲) عزم (۳) اور توکل کو منصوص فرما دیا ہے، کہ شاورہم فی الارض، فاذا عزمت، فتوکل علی اللہ۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اسکی طرف جا بجا اشارات فرمائے ہیں، مثلاً احکام المال نامی وعظ میں فرماتے ہیں کہ

"قرآن شریف میں مشورے کی تاکید ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ کرنا وہی جو اپنی سمجھ میں آجائے، چنانچہ شاورہم فی الامر میں مشورے کا امر بھی ہے، اور آگے یہ بھی کہ فاذا عزمت فتوکل علی اللہ کہ جب خود قصد ہو جائے تو خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرکے کام کو کر ڈالے، یہ نہیں فرمایا کہ فاذا عزموا کہ جب وہ عزم کریں یا فاذا عزم اکثرھم کہ ان میں سے اکثر عزم کریں، مطلب یہ کہ مشورہ تو کیجئے، اور مشورے کے بعد جس بات پر خود آپ کی رائے قرار پائے وہ کیجئے،

یہاں سے جمہوری سلطنت کا قلع قمع ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جدھر کی کثرت رائے ہو اس جانب کو لیا جائے، سو قرآن شریف کی تعلیم اس کے خلاف ہے، اس میں فاذا عزم اکثرھم نہیں فرمایا، بلکہ فاذا عزمت فرمایا، خلاصہ یہ ہے کہ مشورہ تو سب کا ہو اور عزم آپ کا ہو، دوسروں کی رائے پر عمل کرنا لازم نہیں، اگرچہ وہ اہل ہی ہوں، اور آج کل کے تو اہل الرائے ماشاء اللہ اہل بھی نہیں ہوتے...... کمیٹیوں میں ایسے ایسے ممبر ہوتے ہیں، جن کو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہوتی، واقعات بتلا رہے ہیں کہ آج کل کی کثرت رائے بالکل ہی مہمل ہے (ص ۵۳ تا ص ۵۵)"

حضرت کو تو الحمد للہ کہ اس مہمل کثرت رائے سے سابقہ شاید ہی کبھی ہوا ہو، راقم ہذا کو آج کل کی کمیٹیوں اور ان کی اکثریت کا کچھ تھوڑا تجربہ ہوا تو بس اکثر اس اکثریت میں "دو صد خر" کا منظر ہی دیکھا اور بالآخر

اس سے طبیعت میں اتنی کراہیت پیدا ہو گئی کہ کسی کام میں جہاں کمیٹی کا نام آیا کہ ذہنی متلی شروع ہو گئی، [1] خالص عقلی راہ سے بھی دیکھئے تو اجتماع کا نفسیاتی لازمہ یہ ہے کہ جو جماعت جتنی کثیر ہو گی، اُسی نسبت سے اس کے افراد کی انفرادی عقل بھی قلیل ہوتی جائے گی،

حریت یا آزادی کا ڈھول سب سے زیادہ پیٹا جاتا ہے لیکن اسلامی حریت و آزادی کے مقابلہ میں اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ آزادی نام ہے آقاؤں کی صرف تبدیلی کا، کہ ہم فلاں رنگ و نسل یا فلاں ملک و سرزمین کے انسانوں کی غلامی قبول نہ کریں گے، ان کے بجائے ہم کو ایسے آقا درکار ہیں جو ہمارے ہی رنگ و روپ یا ہمارے پاس پڑوس کے ہوں، بس یہ ملکی و قومی آزادی کی پرواز ہے، یا پھر خود اپنے ملک و قوم میں آزادی یہ ہے، کہ اپنی غلامی کے لئے کسی فرد یا جماعت کو ہم خود اپنا آقا منتخب کر لیں بخلاف اس کے اسلام کی عطا کردہ حقیقی آزادی یہ ہے کہ وہ انسان پر انسان کے حکم و حکومت کا قطعاً روادار نہیں نہ اپنوں کی نہ پرایوں کی، نہ ملکیوں کی نہ آفاقیوں کی نہ فرد کی نہ جماعت کی حتیٰ کہ وہ کسی شخص کو خود اپنا یا اپنے نفس و ہوا کا محکوم و تابع رکھنا بھی گوارا نہیں کرتا [2] ان الحکم الا للّٰہ [3]

فرد و جماعت، ملک و قوم سب کا حاکم بالا دست یا آقا، مالک صرف وہی ہو سکتا ہے جو واقع کے لحاظ سے بھی ان کا مالک و خالق ہے یا پھر وہی جس کو جس درجہ میں اپنے ملک اور اپنی سلطنت میں اپنا کارندہ تجویز کر دے، باقی اپنے ذاتی اختیار سے نہ کسی فرد کو نہ کسی جماعت کو نہ اپنے اوپر کسی طرح کی سروری و سرداری کا حق حاصل ہے، نہ دوسروں پر نہ خود ساختہ قومی و ملکی تجارتی و تمدنی اغراض و مقاصد کے لئے کسی ملک و سرزمین کے لینے دینے یا تقسیم کرنے کا حق نہ محض اپنی رائے و عقل سے خود اپنے

---

[1] لیکن اس سلسلہ میں جمہوری حکومتوں اور ان کے ہاں کے جمہوری اداروں کے تجربات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ (عبدالماجد)

[2] اس عبارت کو ذرا محدود و مقید کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ امامت و اقتدار اور امر اور اطاعت پر تو اسلام کیا ساری اجتماعی زندگی ہی کا دارو مدار ہے (عبدالماجد)

[3] یہ الفاظ قرآن مجید میں جہاں جہاں اور جس سیاق میں آئے ہیں وہ اس دعویٰ کی تائید میں نہیں، (عبدالماجد)

یا غیروں کے لئے کسی فرد یا جماعت کو کوئی قانون وضع کرنے کی اجازت، خدا کی زمین پر صرف خدا ہی کا اُتارا ہوا قانون چلنا چلانا چاہئے، جو ایسا نہیں کرتے قرآن کا اعلان ہے کہ وہی کافر، ظالم، فاسق، سب کچھ ہیں۵۱ من لم یحکم بما انزل اللہ او لٓئک ھم الکافرون۔ ھم الظالمون، ھم الفاسقون۵۲

مساوات کے دعوی کا یہی حال ہے، کہ اسلامی اعتقاد پر مبنی اخوت کے بغیر یہ عملاً ایک محال فطری کا دعویٰ ہے، خدا کے سوا انسان کسی معنیٰ میں بھی اپنے کو کسی دوسرے انسان کا تابع و محتاج مان کر یا اس کے قبضہ میں اپنا نفع وضرر جان کر بھلا اس کے آگے بندگی و سرافگندگی سے کیسے رُک سکتا ہے، پھر اس بندگی و سرافگندگی کے بعد مساوات کہاں! توحید کی یہ بصیرت و اخوت نصیب نہ ہونے ہی کا نتیجہ ہے کہ آدمی آدمی کے آگے جھکتا ہے، "آدم از بے بصری بندگی آدم کرد" جو کتے بھی نہیں کرتے، "من نہ دیدم کہ سگے پیش سگے سرخم کرد" حقیقی حریت و اخوت اسی کا حصہ ہو سکتا ہے جس کے دل نے لا الٰہ الا اللہ کا راز پا لیا،

مرد حر از لا الٰہ روشن ضمیر — می نگردد بندۂ سلطان و وزیر

پھر اسلام کی اصل روح سمع و اطاعت ہے اور قومی و سیاسی تحریکات کا سب سے بڑا سرمایہ انقلاب و بغاوت، اگر بیرونی حکومت سے آزادی ہے، تو خود اپنی ہی حکومت کے خلاف کوئی نہ کوئی شکایت پیدا ہوتے رہنا لازم، ایک پارٹی کی وزارت ہے تو دوسری اس کے لئے ہر وقت عدم اعتماد کی تحریک کا علم بغاوت لئے کھڑی ہے، رعایا و عوام کی فلاح و بہبود سے زیادہ اپنی پارٹی کی وزارت کے قیام اور مخالف کے انہدام کی فکر، حکومتی و سیاسی ملکی و قومی تجارتی و صنعتی کسی ادارہ یا فرد و جماعت سے کوئی شکایت ہو تو احتجاج ہے، ہڑتال ہے، جلسے ہیں، جلوس ہیں، نعرے ہیں، جن میں کشت و خون تک کی نوبت! اور یہ کیوں نہ ہو اس لئے

---

۵۱ ان سب عبارتوں کو محدود اور مقید کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ مطلق صورت میں تو ہر عقل اور ہر تجربہ سے انکار لازم آئیگا، حالانکہ یہ عقل اور تجربے بھی اللہ ہی کے عطیے ہیں، (عبدالماجد)

۵۲ یہ سب وعیدیں صرف ان لوگوں کے حق میں وارد ہوئی ہیں، جو خدا کی ہدایات و احکام کے موجود ہوتے ہوئے انہیں چھوڑ کر ہوائے نفس کے ماتحت قانون بنا رہے ہیں، (عبدالماجد)

کہ حق وانصاف کا اور کوئی ترازو ہی نہیں، تعلیم یہ ہے کہ جس قدر زیادہ شور وغل مچاؤ اور ہنگامہ وفساد برپا کرو اُسی قدر زیادہ تمھارا حق زوردار سمجھا جائیگا، جتنے زیادہ زور سے پیٹ پیٹو گے اتنے ہی بھوکے سمجھے جاؤ گے اور اتنا ہی زیادہ پاؤ گے' لاحول ولا قوۃ یہ بھی کوئی نظام حکومت وسیاست ہے؟ جس کی بدولت ملک بھر میں روزانہ طرح طرح کے ہنگامے اور فسادات کھڑے رہیں اور شہریوں کا امن وامان برباد ہوتا رہے، رعایا حکومت سے برسرپیکار رہے، مزدور کارخانہ دار کے خلاف شورش برپا کررہے ہیں، کاشتکار زمیندار پر دانت نکالے ہیں، کیونکہ اس کے بغیر کوئی زبردست زیردست کے ساتھ حق وانصاف پر آمادہ نہیں، جس نظام جماعت کی بنا حقوق شناسی کے بجائے حقوق طلبی پر ہو، وہاں ہر چہار طرف سے دن رات مطالبات واحتجاجات کی شورشوں اور شوریدہ سریوں کے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے، اسلام نے انقلاب وبغاوت کی اجازت بہت ہی انتہائی حالتوں میں دی ہے کہ نسبتہً اور قابل تحمل حد تک بُری حکومت کے تحمل کر لینے میں اتنا ضرر نہیں، جتنا روز روز کے انقلاب حکومت شور وشرا اور فتنہ وفساد میں، اس لئے کہ اسلام کی نگاہ میں محض یہی زندگی اور اسی کا بناؤ نہیں ہے، یہ انسانی زندگی کا بہت ہی حقیر وفانی جزو ہے، اسلام کے پیش نظر تو اصلاً انسان کی اعلیٰ اور غیرفانی زندگی کی فلاح ہے، اور فکر وعمل کی مشغولیت کا وہی اصل میدان ہے، باقی یہ دنیا خود فانی وناقص ہے اور اس کی ہر چیز فانی وناقص ہی رہے گی، تم لاکھ جدوجہد کرو لیکن نہ اس کی سیاسیات کو کامل وبےعیب بنا سکتے ہو، نہ اسکی قومیات ومعاشیات کو، بلکہ اس کی ساخت تو کچھ ایسی ہے کہ ایک طرف سے کسی نقص کو دور کرو تو دوسری طرف سے اس کے رد عمل کا فساد اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، اس کے بناؤ بگاڑ میں دن رات لگے رہنا ایسا ہی ہے جیسے بچوں کو دن رات کھیل کود اور اس کے لئے لڑائی جھگڑوں میں لگا دکھا جائے، اور جوانی یا مستقبل کی دیرپا زندگی کے لئے تیاری کی ان کو مہلت ہی نہ ملے، اسلام نے اپنی تعلیمات میں حقوق طلبی کے حریصانہ وحریفانہ جذبات کو نہیں اُبھارا کہ یہ تو فساد فی الارض کا سرچشمہ ہے، بلکہ حقوق شناسی

اور ادا سے فرض پر زیادہ زور دیا ہے، وہاں کسی حق کی طلب کے لئے حلق کا زور لگانے کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے، جہاں ایسے حقوق تک کے ادا کرنے کی تاکید وحکم ہو جن کی خود صاحب حق کو خبر تک نہیں اسلام کی اس حقوق شناسی اور آج کل کی حقوق طلبی کے اسی فرق کو ایک موقع پر حضرت مجدد علیہ الرحمہ واضح فرماتے ہیں:-

"آج کل جو محکوم حاکم کا مقابلہ کرکے سختی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے تو اس کو کچھ حق مل جاتا ہے، یوں کہئے کہ آج کل کے اہل حکومت یہ چاہتے ہیں کہ جب تک محکوم محکوم بن کر رہے اُس وقت تک اس کو حقوق نہ دیئے جائیں، ہاں جس وقت محکوم حاکم بن کر یا کم از کم مساوی بنکر اپنے حق کا مطالبہ کرنے لگے، اسی دن سے اس کو حقوق ادا ہونے لگیں، بس وہی مثل کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس، لاٹھی کے بغیر اپنی بھینس بھی نہیں مل سکتی، اور لاٹھی ہو تو پرائی بھی ہانک لیجائے اگر شریعت میں معاملہ برعکس ہے اور ایسے مردہ حقوق کے ادا کرنے کی زیادہ تاکید ہے، جن کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں، حدیث میں ہے کہ جس حق کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا حتیٰ کہ صاحب حق بھی نہیں جانتا، ایسے حقوق کا خدا تعالیٰ خود حساب و مطالبہ فرمائیں گے۔"

مسلمانوں کے دینی و ایمانی ضعف و اضمحلال کے اس گئے گذرے زمانے میں بھی اس کی مثالیں بالکل نایاب نہیں، ایک مرد مومن کا خود راقم ہذا کے ساتھ ایک معاملہ پیش آیا کہ راقم کے دادہال قصبہ امیٹھی میں اس کا پشتہا پشت پہلے کا ایک مشترک سکنہ تھا جس پر بہت ہی پرانا املی کا ایک درخت تھا جس کے متعلق گھر میں کبھی صرف اتنا سنا تھا کہ دادی مرحومہ اپنی زندگی تک اس کی املی کا اپنا حصہ سالانہ ضرور وصول فرمایا کرتی تھیں، ان کی وفات کے بعد نہ وہاں کے تعلقات رہے نہ اس درخت کے متعلق کسی کو کوئی وہم و خیال تھا، لیکن راقم کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اسی سکنہ کے ایک خاندانی شریک و رئیس[۵] نے غالباً ۵۳ء میں بھیجے کہ وہ املی گر گئی تھی کوئلہ بنا کر فروخت ہوا یہ اس کا حصہ ہے راقم کو بھی مناسخہ کرا کے خاندان کے وارثوں تک آنے پائی سے ان کا حصہ پہنچانے کی سعادت نصیب ہوئی، فالحمد للہ،

---

[۵] قاضی خادم حسین وکیل و رئیس امیٹھی ضلع لکھنؤ۔

اللہ اکبر جب ہماری اس گئی گذری حالت میں ایسی مثالیں مفقود نہیں، تو خیر القرون اور صحابہ و تابعین کا ذکر نہیں، جب تک مسلمان اپنے ایمان و عمل میں مسلمان رہے ہوں گے کیا حال رہا ہوگا، اور آج بھی دنیا اگر محض مادی و خارجی انقلاب پر سارا زور لگانے کے بجائے اسلامی تعلیمات کا یہ روحانی و باطنی انقلاب کسی درجہ میں بھی پیدا اور قبول کرے تو دنیا بھر میں روز روز کے جنگ و جدل، فتنہ و فساد، اور کشت و خون کا کتنا سدباب ہو جائے، اور ظاہری دنیا کے امن و امان کے ساتھ قلوب کی باطنی دنیا کو بھی کتنا سکون و اطمینان نصیب ہو، جس دولت سے شاید اب ہزاروں لاکھوں ہی میں کوئی قلب آشنا رہ گیا ہو، ایک معمولی سی بات ہے کہ اب عام طور سے کسی سے کوئی معاملہ کرتے یا کچھ قرض تک دینے میں یہی ڈر لگتا ہے کہ خدا جانے کیا دھوکا دیدے اور لینے والا دینے کے بجائے بالعموم مار لینے ہی کی فکر میں رہتا ہے انا للہ، دنیا ہی میں انسان کو قلب و دماغ کی کس بے اطمینانی و بے اعتمادی کی جہنم میں ڈھکیل دیا گیا ہے! اسلامی شریعت کا ایک معمولی قانون یہ ہے کہ بیع میں اگر کوئی عیب ہو تو بائع کا فرض ہے کہ خود ہی مشتری کو اس سے آگاہ کردے، آج کل معاملہ بالکل برعکس ہوتا ہے، کہ مشتری کو کسی نہ کسی طرح پھنسا لینا ہی بڑا کمال ہے۔

بہرحال یہ تو ہماری موجودہ قومیات و سیاسیات کے وہ چھوٹے اور جعلی سکے تھے، جنھوں نے انسانیت کے سارے بازار کو گندہ اور پراگندہ کر رکھا ہے، لیکن ان سب کی جڑ قرآن کی اصطلاح میں علو فی الارض کا ارادہ یا نصب العین ہے، بلکہ یہی ساری قومی و سیاسی تحریکات حاضرہ کا لفظی ترجمہ ہے جو دوسرے لفظوں میں نام ہی ہے فساد فی الارض کا اور کبھی مصر کے ایک فرعون نے علو فی الارض (ان فرعون علا فی الارض) سے زمین مصر میں فساد بپا کیا تھا، تو آج قومیات و سیاسیات کی راہ سے کرۂ ارض کے چپہ چپہ پر چھوٹے بڑے فرعونوں نے اسی علوطلبی کا فساد مچا رکھا ہے، ادنیٰ ادنیٰ ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپلٹی، چھوٹے سے چھوٹے سرکاری و غیر سرکاری، سیاسی و غیر سیاسی، قومی و تعلیمی اداروں کی ممبریوں اور صدارتوں سے لے کر بڑی سے بڑی حکومتوں اور ملکوں تک کے اعلیٰ سے اعلیٰ حکومتی و غیر حکومتی، قومی و غیر قومی، اعزازی

و تنخواہی منصبوں، عہدوں اور لیڈریوں یا قومی و ملکی آزادی و خود مختاری سب کی طلب کا حاصل وہی اپنی ذات یا ملک و قوم کے لئے مالی و جاہی سرداری یا سربلندی یا علو و کبریائی کی طلب کے سوا کیا ہے! یعنی لے دیکر اسی فانی دنیا اور اسی فانی زندگی کے ظاہری و مادی منافع!

بھلا اسلامی قومیات و سیاسیات کو اس پستی و پست نظری اور دل و دماغ کی اس درجہ دناءت و خست سے دور کا بھی کوئی واسطہ ہو سکتا ہے! وہاں اپنے حق و استحقاق لیاقت و اہلیت کے لمبے لمبے قصیدے شائع کرنا کیا معنی! کسی جاہ و منصب کی طلب و خواہش کا زبان تک آجانا بھی اس کے لئے نالائقی اور نا اہلی کی اولین دلیل ہے، اس کی انفرادی و اجتماعی، سیاسی و قومی، علمی و تعلیمی ہر حرکت و جنبش کا مدعا صرف حق اور کلمۂ حق کا علو و اعلا ہے، نہ اپنی ذات کے لئے کسی علو و سربلندی کا ارادہ جائز ہے، نہ اپنی قوم و وطن کیلئے، نہ اپنی نسل و رنگ کے لئے، نہ اپنی تجارت و صنعت کے لئے اور نہ کسی خود ساختہ تہذیب و تمدن یا نام نہاد ثقافت کے لئے اور نہ کسی ہوائی یا نفسانی نظریہ و خیال کے لئے، ان چیزوں کا تو اگر ذہن میں خیال بھی شریک ہو گیا تو شرک ہو گیا، اور مسلمان خالص کلمۂ حق کے علو و اعلاء کے مقام توحید سے گر گیا، حتیٰ کہ حکومت و سلطنت بھی جو کسی دنیوی جاہی و مالی سرداری و سربلندی کی نیت و ارادہ سے اور خدا کی نافرمانی و ناراضی کی راہ سے حاصل کیجائے تو اسلام کی نگاہ میں اس کے مقابلہ میں خدا کو راضی رکھ کر "پاخانہ اٹھانا" ہزار درجہ بہتر ہے، اگر سلطنت سلطنت ہی کے لئے دین و اسلام کا بھی مقصود ہے تو یہ تو فرعون، شداد و نمرود سب ہی کو حاصل تھی، پھر کیا اسلام بھی اسی فرعونیت کی از سر نو دعوت دینے آیا ہے! اسی حقیقت کی طرف حضرت مجدد ملت کس ایمانی قوت و حرارت کے ساتھ متوجہ فرماتے ہیں کہ

"خدا کی قسم اگر ہم کو پاخانہ بھی اٹھانا پڑے اور خدا ہم سے راضی ہو تو وہی ہمارے لئے سلطنت ہے، اور اگر خدا راضی نہ ہو تو لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو خدا کو ناراض کر کے حاصل کیجائے، یاد رکھو کہ سلطنت کوئی تقرب الی اللہ کا سبب نہیں، بعض انبیاء علیہم السلام ایسے بھی ہوئے ہیں جن کو

ساری عمر سلطنت نصیب نہیں ہوئی، حدیث میں آیا ہے کہ ایک نبی کے ساتھ صرف ایک آدمی ہوگا اور بعض کے ساتھ ایک بھی نہ ہوگا، تو کیا سلطنت نہ ہونے سے ان انبیاء کے درجے میں کوئی کمی آگئی اگر محض سلطنت کوئی قرب کی چیز ہوتی، تو فرعون کو بڑا مقرب ہونا چاہئے "

علم و فضل، تقویٰ و طہارت، شہرت و عظمت، ہر اعتبار سے اس وقت جو دو بڑے علمائے دین سیاسیات حاضرہ میں سب سے پیش پیش ہیں، راقم ہذا کو لکھنؤ اسٹیشن پر ایک دفعہ دونوں کی ایک ساتھ زیارت نصیب ہوئی، تو بعینہ اپنا یہی جملہ ان کی خدمات میں پیش کیا کہ فرض فرمائیے کہ ایک طرف مسلمان محکوم و محتاج، مفلس و جاہل سب کچھ ہیں، لیکن دین و ایمان کے ساتھ مرتے ہیں، اور دوسری طرف حکومت و دولت، جاہ و ثروت، علم و عزت سب کچھ حاصل ہے، لیکن دین و ایمان برائے نام یا خطرہ میں ہے، تو دینی و اسلامی نقطۂ نظر سے مہلک حالت کون سی ہے؟ اور اہم و اقدم فکر دین و ایمان کی ہے یا حریت و حکومت کی!

غرض مسلمان اگر مسلمان ہے تو اس کی نگاہ میں حکومت و سلطنت سب سے مقدم آخرت ہی ہوگی اور آخرت انہی کے لئے ہے کہ جو زمین میں علو یا تفوق و برتری، سرداری و سربلندی اور فتنہ و فساد کا ارادہ نہیں رکھتے، تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

قومیت و وطنیت، جمہوریت و اکثریت، انقلاب و بغاوت، مساوات و حریت وغیرہ یہ تو وہ گندگیاں تھیں جو آج کل کی قومیات و سیاسیات کے شجرۂ خبیثہ کی جڑوں میں پیوست ہیں، پھر اس کے برگ و بار کا کہنا ہی کیا، کذب و افترا، حیل و فریب، سازش و دغا، بغض و حسد، سب و شتم، توہین و تذلیل، غیبت و بہتان کونسا بڑا چھوٹا گناہ ہے، جو انتخابات کے ہنگاموں، جلسوں کے پنڈالوں اور اخباروں کے کالموں میں عین ثواب نہیں!

یاد ش بخیر! یہ اخبارات اور ان کا جھوٹ سچ پروپیگنڈا جو آج قومیات و سیاسیات کے بال و پر ہیں

اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھئے تو ایسے اخبارات سراسر منبع شر و فساد اور ان کا نکالنا اور پڑھنا سب ناجائز و حرام، لیکن اس حرمت و عدم جواز کا نام بھی کون لے سکتا تھا، تاہم وقت کے مجدد کی نظر و ہمت اتنے بڑے مفسدہ پر تنبیہ اور اس کی اصلاح سے کیسے باز رکھ سکتی تھی، پہلے اس پر ایک چھوٹا سا مستقل رسالہ تحریر فرمایا، اور پھر لوگوں کے شور و غل پر بقدر ضرورت زبانی و تحریری تشریح بھی فرمائی، مخالف کی توہین و تذلیل، صریح بہتان و افترا کا ذکر ہی کیا ایک عام اخباری مفسدہ و معصیت یہ ہے کہ ہر خبر کو بلا کافی تحقیق و توثیق کے شائع کر دیتے ہیں، خصوصاً اگر وہ ان کے مفید مطلب یا ان کے اخبار کی پالیسی کے موافق ہو، اس کی مذمت جیسا کہ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا خود قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہے کہ

"واذا جاءهم امر من الامن او الخوف الی قوله یستنبطونه منهم"

یعنی جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے، خواہ وہ موجب امن ہو، یا موجب خوف ہو تو اسکو فوراً مشہور کر دیتے ہیں (اس میں ایسے اخبار اور ایسے جلسے بھی آگئے) حالانکہ کبھی وہ خبر غلط ہوتی ہے، اور کبھی اس کا مشہور کرنا خلاف مصلحت ہوتا ہے، اور اگر یہ لوگ اس خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں اُن کی رائے پر حوالہ رکھتے تو وہ حضرات (اس کی حقیقت) کو پہچان لیتے، جو ان میں تحقیق کر لیا کرتے ہیں "

آگے جو اصلاحی ہدایات فرمائی ہیں اُن میں سے بعض مختصر یہ ہیں،

(۱) جو واقعہ کسی کی مذمت و معائب پر مشتمل ہو، اس کو اس وقت تک ہرگز شائع نہ کیا جائے جب تک حجت شرعیہ سے اس کا کافی ثبوت نہ مل جائے، کیونکہ جھوٹا الزام لگانا کافر پر بھی جائز نہیں، لیکن آج کل اخبارات کا شاید کوئی صفحہ اس سے خالی ہوتا ہو،

(۲) یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ حجت شرعیہ کے لئے کسی افواہ کا عام ہونا یا کسی اخبار کا لکھ دینا ہرگز کافی نہیں، بلکہ شرعی شہادت ضروری ہے،

(۳) کسی شخص کے عیب یا گناہ کا واقعہ اگر حجت شرعیہ سے بھی ثابت ہو جائے تب بھی اس کی اشاعت اور اخبار میں درج کرنا جائز نہیں، بلکہ فرض یہ ہے کہ خیر خواہی سے تنہائی میں اس کو سمجھایا جائے، کیونکہ اس کو رسوا کرنا علاوہ شرعی ممانعت کے تجربہ سے ثابت ہے کہ بجائے مفید ہونے کے ہمیشہ مضر ہوتا ہے،

(۴) البتہ اگر کسی مسلمان کا عیب یا گناہ شرعی حجت سے ثابت ہو اور اس کا نقصان یا ظلم اپنی ذات کو پہنچتا ہو تو پھر اس کی برائی کو علانیہ شائع کر سکتا ہے کہ لا یحب اللّٰہ الجھر بالسوء الا من ظلم یعنی اللہ تعالیٰ برائی کے اعلان کو پسند نہیں فرماتے مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو..... لیکن اس صورت میں بھی تجربہ یہ ہے کہ عام اعلان و اشاعت کے بجائے صرف ان لوگوں کے سامنے بیان کرے جو دادرسی کر سکیں،

(۵) جو خبر کسی کی مذمت و ضرر پر مشتمل نہ ہو اس کی اشاعت جائز ہے، مگر اس شرط سے کہ کسی مسلمان کی خاص مصلحت یا عام مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور جس میں ایسا احتمال ضعیف بھی ہو تو بجز ان لوگوں کے جو عقل و شرع کے موافق اس معاملہ کو ہاتھ میں لئے ہوں، عام لوگوں پر اس کو ظاہر نہ کرنا چاہیے،

(۶) خلاف شرع مضامین اور ملحدین کے عقائد باطلہ اول تو شائع نہ کئے جائیں اور اگر کسی ضرورت سے اشاعت کی نوبت آئے تو جس پرچہ میں شائع ہوں اسی میں تردید اور کافی جواب بھی شائع ہو، کیونکہ بہت سے آدمی وہ ہوتے ہیں، کہ جن کی نظر سے آئندہ پرچے نہیں گذرتے، خدا نخواستہ اگر وہ اس سے کسی شبہہ میں گرفتار ہو گئے تو اس کا سبب شائع کرنے والا ہو گا،

(۷) اگر مسلمانوں پر کافروں کے ظلم کی خبر شائع کرنا ہو تو جبتک اس ظلم کی نسبت کافروں کی طرف حجۃ شرعیہ سے ثابت نہ ہو، اس طرح شائع کیا جاوے کہ فلاں مقام کے مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہیں، مسلمان ان کا انسداد کریں اور جائز طور پر ان کی جانی و مالی امداد کریں،

(۸) اخبار کا اڈیٹر ہمیشہ ایسا شخص بنے جو تمام علوم اسلامیہ پر عبور رکھتا ہو، یا کم از کم علماء سے رجوع کرنے کا پابند ہو، ورنہ ظاہر ہے کہ اخبار کی اشاعت بیدینی و بے قیدی کا ایک کامیاب آلہ ہے،

(۹) ایسی کتاب کا جو دین کو مضر ہو یا ایسی دوا کا جو شرعاً حرام ہو یا کسی ایسے معاملہ کا جو شرعاً فاسد ہو اشتہار نہ دیا جائے، اور نہ اخبار میں تصویر بنائی جائے،

ظاہر ہے کہ اس دور میں ان ہدایات پر عمل کرنا تو الگ رہا ان کو سننے کی برداشت بھی کتنے کانوں کو ہو گی، تاہم اتمام حجت کے لئے تجدید و اصلاح کا جو فرض تھا وہ حضرت مجددؒ نے اس معاملہ میں بے تکلف ادا فرما دیا، خود فرماتے ہیں کہ

"یہ مختصر گذارش محض دل سوزی و ہمدردی پر مبنی ہے، اگرچہ زمانہ کی مسموم ہوا میں کارگر ہونے کی توقع نہیں لیکن بایں امید کہ شاید خدا تعالیٰ کسی نیک بندہ کو عمل و اصلاح کی توفیق عطا فرمائیں، یہ سب عرض کر دیا گیا، وللہ الحمد" (ص۸۱ تا ص۸۲)

سوچنے کی بات ہے کہ اگر ایک اخبارات اور پروپگنڈے ہی کے معاملہ میں اسلامی تعلیمات و ہدایات کے حدود و قیود کو ملحوظ رکھا جاتا تو روزمرہ کی باہمی تلخیوں اور سیاسی شر و فساد کا کتنا باب بند ہو جاتا، اور غیروں پر بھی اس کا کتنا اثر ہوتا کہ مسلمان دشمنی میں بھی کتنا حد و دشناس اور احتیاط پسند ہوتا ہے، (باقی)

کلیات شبلی فارسی

مولانا شبلی مرحوم کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستۂ گل، بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے اس میں سب یکجا کر دیئے گئے ہیں،

ضخامت:۔ ۱۲۴ صفحے، قیمت عہ

"منیجر"

فتاویٰ عالمگیری اور اُسکے مؤلفین

جناب حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

عرب جہاں بھی گئے اپنے ساتھ اسلامی علوم و فنون، تہذیب و معاشرت بھی لے گئے، یہی وجہ ہے کہ ایشیا، یورپ اور افریقہ جس سرزمین میں اُنھوں نے قدم رکھا وہاں کے مذہب کے ساتھ ساتھ تہذیب، معاشرت اور زبان کو بھی بدل دیا، اس کے برخلاف ترک و تاتار اور دوسری عجمی مسلمان قومیں جہاں گئیں ان کا مذہب تو اسلام رہا لیکن تمدن اُنھوں نے اپنا پھیلایا، اسی لئے شام، مصر و شمالی افریقہ کے مقابلہ میں ہندوستان میں عجمی تمدن اور عجمی مذاق کو زیادہ فروغ ہوا،

ہندوستان میں اگرچہ صدیوں مسلمانوں کی حکومت قائم رہی، لیکن اس کے تمام حکمراں خانوادے اور ان کے بیشتر عمال حکومت عجمی تھے، اس لئے ان کے اثر سے یہاں، زیادہ تر عقلی و عجمی علوم کا چرچا رہا اور ان کے مقابلہ میں خالص دینی علوم تفسیر و حدیث و رجال و طبقات کی خدمت و اشاعت کم ہوئی تاہم ہر زمانہ کے اکابر علمار اپنے طور پر اس فرض کو انجام دیتے رہے، اور دینی علوم کی خدمت میں دوسرے اسلامی ممالک سے ہندوستان کا قدم بہت پیچھے نہیں رہا، لیکن حکومت کے بیشتر قوانین اسلامی تھے، خصوصاً مسلمانوں کی روزانہ زندگی کے معاملات و معاشرتی مسائل کا تعلق فقہ سے تھا، اس لئے ہر دور میں فقہ کی جانب خاص توجہ رہی اور فقہ کی کتابوں پر شروح و حواشی لکھے گئے، مطولات کے مختصرات کیے گئے، فقہ و فتاویٰ کی متعدد اہم کتابیں فتاوی تاتارخانیہ[1]، فتاویٰ حمادیہ[2] اور فتاویٰ ابراہیمیہ[3] تالیف ہوئیں، اورنگ زیب علیہ الرحمہ نے فتاویٰ عالمگیری مدون کرائی جو ہندوستان کا قابل فخر

۱؎ مولفہ عالم بن العلاء، متوفی ۷۸۶ھ ۲؎ مولفہ ابو الفتح رکن بن حسام ناگوری ۳؎ مولفہ قاضی نظام الدین متوفی ۹۴۱ھ

کارنامہ اور گذشتہ فتاوی کی کتابوں میں سب سے مقدم و ممتاز ہے، اول الذکر فتاویٰ افراد کی تالیف تھے، اور فتاویٰ عالمگیری گیارہویں صدی ہجری کے پورے ہندوستان کے منتخب علماء کی کوششوں کا نتیجہ ہے، اسی لئے اس میں جو جامعیت اور جزئیات کا جس قدر استقصا ہے، وہ دوسرے فتاویٰ میں نہیں ہے اور اس کو گذشتہ فتاویٰ میں خاص اہمیت حاصل ہے، لیکن تعجب ہے کہ اب تک نہ عالمگیری کے مؤلفین کے حالات یکجا جمع کئے گئے اور نہ تو اس کی خصوصیات اور مآخذ پر کچھ لکھا گیا، اس مضمون میں اس کمی کو پورا کرنا مقصود ہے۔

(۱) فتاوی عالمگیری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی ایک شخص کی تالیف نہیں بلکہ علماء کی ایک ممتاز جماعت کی تالیف ہے، اس لئے وہ ان نقائص اور فروگذاشتوں سے پاک ہے، جن کا ایک فرد واحد کی تالیف میں امکان رہتا ہے،

(۲) اس میں وہی مسائل لئے گئے ہیں جو راجح، مفتیٰ بہ یا ظاہر الروایت[1] کے ہیں، اگر کوئی مسئلہ ظاہر الروایت میں نہیں ہے تو نوادرات سے لے لیا گیا ہے، لیکن اس تصریح کے ساتھ کہ کتاب میں اس پر فتویٰ کا اشارہ موجود ہے،

(۳) ہر مسئلہ کے ساتھ اس کے ماخذ کا مفصل حوالہ بھی دے دیا ہے، جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے، اگر اس میں کسی دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے تو ناقلاً عن فلاں کر کے اصل ماخذ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے،

(۴) اگر کسی مسئلہ کے بارہ میں دو مختلف اقوال ہیں اور دونوں میں سے کوئی قابل ترجیح نہیں ہے تو دونوں کو مع حوالہ نقل کر دیا گیا ہے، اگر کسی کتاب کی لفظ بلفظ نقل ہے، تو کذا لکھدیا ہے، اور اگر اس کا خلاصہ اور مفہوم لے لیا ہے تو ہکذا سے اشارہ کر دیا گیا ہے،

(۵) یہ کتاب تقریباً آٹھ برس میں تیار ہوئی اور کم و بیش دو لاکھ روپئے اس پر صرف ہوئے،

---

[1] چھ کتابیں ظاہر الروایت میں شمار کی جاتی ہیں، جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، السیر الکبیر، السیر الصغیر،

عالمگیری کے مآخذ فتاویٰ عالمگیری فقہ کی تمام اہم اور معتبر کتابوں کا خلاصہ اور عطر ہے، ذیل میں عالمگیری کے تمام مآخذ کی فہرست دیجاتی ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ علماء نے کس جانکاہی سے سینکڑوں خرمنوں سے خوشہ چینی کرکے فقہ و فتاویٰ کا یہ ذخیرہ جمع کیا ہے،

(۱) ہدایہ ص۳ برہان الدین المرغینانی (۲) شرح طحاوی ص۳ غالباً امام بدرالدین العینی کی شرح مراد ہے (۳) ذخیرۃ العقبیٰ ص۳ شرح منیۃ المصلی (۴) مضمرات ص۳ قدوری کی شرح اس کا دوسرا نام جامع المضمرات ہے، (۵) البدائع ص۳ (۶) المغنی ص۳ (۷) عینی شرح ہدایہ ص۲ (۸) الخلاصۃ ص۲ (۹) فرائض الزاہدی ص۲، ابوالرجاء مختار بن محمود م ۶۵۸ھ (۱۰) ظہیریہ ص۲ ظہیر الدین البخاری ۶۱۹ھ (۱۱) محیط ص۲ اس نام کی دو کتابیں ہیں، ایک برہان الدین صدر الشریعۃ کی تصنیف ہے جو المحیط البرہانی کے نام سے موسوم ہے، دوسری رضی الدین السرخسی کی جو محیط السرخسی کے نام سے مشہور ہے، ثانی الذکر کے بعض نسخے مصر وغیرہ کے کتبخانوں میں موجود ہیں، غالباً عالمگیر کے شاہی کتب خانہ میں بھی اس کا کوئی نسخہ موجود تھا، الفوائد البہیۃ میں مولانا عبدالحیؒ نے لکھا ہے کہ اس کے بعض نسخے میری نظر سے گذرے ہیں (۱۲) طحاوی (۱۳) فتاویٰ قاضی خاں ص۲، (۱۴) شرح وقایہ ص۲ (۱۵) التبیین ص۲ امام نسفی (۱۶) محیطین ص۲ شاید اس سے مراد محیط برہانی اور محیط سرخسی ہو، (۱۷) السراج الوہاج ص۲ (۱۸) فتح القدیر ص۲ ابن ہمام (۱۹) البحر الرائق ص۲ (۲۰) الجامع الصغیر ص۲ امام محمد (۲۱) الجامع الوجیز ص۲ للکردری ۸۱۲ھ کی تصنیف ہے (۲۲) الیتیمۃ ص۲ (۲۳) تاتارخانیہ ص۲ عالم بن العلاء (۲۴) فتاویٰ سراجیہ ص۲ الاوشی الفرغانی، ۵۶۹ھ میں لکھی گئی (۲۵) الاختیار فی شرح المختار ص۲ (۲۶) کفایہ شرح ہدایہ ص۲ جلال الدین الخوارزمی (۲۷) فتاویٰ برہانیہ ص۲ (۲۸) الجوہرۃ النیرہ ص۲ قدوری کی پہلی شرح ابوبکر الحدادی العبادی متوفی ۸۰۰ھ (۲۹) قنیۃ المنیۃ ص۲ نجم الدین الزاہدی الغزمینی ۶۵۸ھ (۳۰) محیط السرخسی ص۲ (۳۱) النہر الفائق ص۲ (۳۲) مبسوط ص۲ امام سرخسی (۳۳) فتاویٰ الحجہ ص۲ (۳۴) النہایۃ ص۲ (۳۵) تحفہ ص۱ (۳۶) الایضاح ص۱ (۳۷) الوافی ص۱ (۳۸) الکافی ص۱ (۳۹) خزانۃ الفقہ ص۱ امام ابواللیث ۳۸۳ھ (۴۰) الملتقط ص۱،

(۴۱) شرح المنیۃ للحلبی ص۱۱ (۴۲) الزاد ص۱۳ (۴۳) فتاویٰ غیاثیہ ص۱۴ (۴۴) شمنی ص۱۴ تقی الدین الشمنی م ۸۷۲ھ
(۴۵) فتاویٰ شیخ الاسلام ص۱۵ المعروف بخواہر زادہ ص۱۵ (۴۶) شرح المبسوط ص۱۶ (۴۷) غیاثیہ ص۱۶ (۴۸)
منیۃ المصلی ص۱۷ (۴۹) خزانۃ المفتیین امام حسین بن محمد السمعانی ۷۴۰ھ کی تصنیف ہے (۵۰) عینی شرح کنز ص۲۲
(۵۱) المفید والمزید (۵۲) شرح منیہ ص۲۲ لابن امیر الحاج (۵۳) کنز الدقائق ص۲۴ (۵۴) خزانۃ الفتاویٰ ص۲۷
احمد بن محمد الحنفی صاحب مجمع الفتاوی (۵۵) الاسرار فی الاصول والفروع ص۲۸ ابو زید عبید اللہ بن عمر الدبوسی
م ۴۳۰ھ (۵۶) شرح الزیادات ص۲۹ (۵۷) شرح النقایہ ص۳۵ شیخ ابو المکارم (۵۸) الصغری ص۳۵ (۵۹) شرح المجمع
ص۳۶ لابن الملک (۶۰) تجنیس ص۳۶ صاحب ہدایہ (۶۱) نصاب ص۴۲ (۶۲) الکبریٰ ص۴۲ (۶۳) تنویر ص۴۲ شرح تلخیص
جامع الصغیر (۶۴) عنایہ ص۴۴ شرح ہدایہ (۶۵) فتاوی الغرائب ص۴۴ (۶۶) محیط السرخسی ص۴۵ (۶۷) فتاویٰ عتابیہ
ص۴۶ ابو نصر عتابی م ۵۸۶ھ (۶۸) فتاویٰ قراخانی ناقلاً عن الواقعات الحسامیہ ص۴۷ (۶۹) صیرفیہ ص۴۸ دوسرا نام
فتاویٰ آہو ہے، (۷۰) مختار الفتاویٰ ص۵۱ لابی الفضل مجد الدین الموصلی م ۶۸۳ھ (۷۱) قدوری ص۵۱ (۷۲) شرح
منیہ ناقلاً عن الحاوی ص۵۱ (۷۳) فتاوی التمرتاشی ص۵۲ ابو محمد ظہیر الدین الحنفی م ۶۰۰ھ (۷۴) ینابیع ص۵۶ اسفرائینی
کی ینابیع الاحکام مراد ہے یا شرح القدوری (۷۵) شاہان شرح الہدایہ ص۵۶ (۷۶) الفتاویٰ العتابیہ المعروف
بجامع الفتاوی ص۵۸ (۷۷) شرح مقدمۃ ابی اللیث متوفی ۳۸۳ھ (۷۸) مصفی ص۶۹ (۷۹) وقایہ ص۷۲ (۸۰)
النقایہ ص۷۲ (۸۱) تہذیب ص۸۵ شیخ احمد القلانسی (۸۲) خانیہ ص۸۵ (۸۳) جامع الجوامع ص۸۵ (۸۴) جواہر الاخلاطی
ص۹۱ (۸۵) الحصیر ص۹۳ (۸۶) البرجندی ص۱۰۱ (۸۷) غایۃ البیان ص۱۰۶ شرح ہدایہ (۸۸) مختارات النوازل لصاحب
الہدایہ (۸۹) برجندی ص۱۱۰ (۹۰) اقرار العیون ص۱۱۱ (۹۱) نفقات ص۵۶۴ (۹۲) فتاوی الولوالجیۃ ص۵۶۹ فتاویٰ کی کتاب
ظہیر الدین ابو بکر الحنفی متوفی ۵۵۰ھ کی تصنیف ہے (۹۳) شرح نقایہ برجندی ص۵۶۹ (۹۴) الغایۃ للسروجی، ہدایہ کی شرح
ابو العباس احمد بن ابراہیم السروجی کی تصنیف ہے م ۷۱۰ھ (۹۵) المنتقی ص۵۶۷ (۹۶) فتاوی الکبری ص۵۴۷،
ص۵۲۴ حسام الدین عمر بن عبد العزیز ۵۳۶ھ (۹۷) فتاوی الصغری ص۵۳۷ حسام الدین عمر بن عبد العزیز م ۵۳۶ھ (۹۸) الواقعات

(۹۹) المجتبیٰ (۱۰۰) التحریر شرح جامع الکبیر للحصیری جمال الدین محمود بن احمد البخاری المعروف بحصیری م ۶۳۶ھ نے دو شرحیں لکھی ہیں، ایک مفصل اور ایک مختصر، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ حوالہ کس شرح کا ہے (۱۰۱) فتاویٰ امام کرخی ۳۴۰ھ امام کرخی مشہور فقیہ ہیں (۱۰۲) البقالی (۱۰۳) شرح تلخیص جامع الکبیر (۱۰۴) ملخص المحیط (۱۰۵) الفصول العمادیہ، جمال الدین بن عماد الدین الحنفی (۱۰۶) الحاوی القدسی، قاضی جمال الدین احمد بن محمد المتوفی ۵۹۳ھ یا ۶۰۰ھ (۱۰۷) شرح کتاب الاستحسان، کتاب الاستحسان شمنی کی شرح شمس الائمہ حلوانی نے کی ہے یہ وہی شرح ہے (۱۰۸) شرح الزیادات للعتابی، امام ابو القاسم احمد بن محمد العتابی متوفی ۵۸۶ھ کی اس سے زیادہ اس موضوع پر بے نظیر ہے (۱۰۹) کتاب رزین (۱۱۰) البحر الزاخر، سراج الوہاج جو مختصر القدوری کی شرح ہے، یہ کتاب اسی کا خلاصہ ہے (۱۱۱) فصول الاستروشنی، امام مجد الدین ابو الفتح متوفی ۶۳۲ھ کی تالیف ہے (۱۱۲) فتاویٰ فضلی، ابو عمر عثمان الفضلی متوفی ۴۰۸ھ (۱۱۳) فوائد العلامہ شیخ الاسلام برہان الدین (۱۱۴) فوائد نظام الدین (۱۱۵) فتاوی نسفی، نسفی مشہور فقیہ ہیں (۱۱۶) فتاوی الجخندی، اپنے وقت کے تمام مشائخ کے فتاویٰ کو جمع کر دیا ہے (۱۱۷) نوادر بن سماعہ (۱۱۸) الواقعات الناطفی (۱۱۹) الاسعاف، برہان الدین ابراہیم بن ابی بکر الطرابلسی م ۹۴۳ھ نے اس میں اوقاف کے تمام مسائل اور جزئیات جمع کر دیئے ہیں (۱۲۰) فتاویٰ رشید الدین (۱۲۱) شرح ادب القاضی، غالباً صدر الشہید کی شرح مراد ہے (۱۲۲) فتاوی آہو جس کا دوسرا نام فتاویٰ صیرفیہ بھی ہے (۱۲۳) المستصفی شرح النافع (۱۲۴) فتاوی ابی الفتح غالباً مجد الدین ابو الفتح م ۶۳۲ھ کے فتاوے مراد ہیں،

ماخذ کی یہ فہرست سرسری مطالعہ سے تیار کی گئی ہے، مزید تلاش و تفحص سے ممکن ہے کچھ اور نام بھی نکل آئیں، تاہم اس سے اتنا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ فتاوی کی تالیف میں کس قدر اہتمام، تلاش و جستجو اور تحقیق سے کام لیا گیا ہے،

عالمگیری کا سنہ تصنیف | فتاوی عالمگیری کے سنہ تصنیف کی یقینی تعیین کرنا تو بہت مشکل ہے لیکن ذیل کے بیانات سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے، عالمگیر نامہ کا مصنف عالمگیر کی حکومت کے گیارہویں سال کے واقعات میں لکھتا ہے کہ

"چوں ہمگی ہمت والا نہمت شریعت پیرائے آں خدیو دین پرور حق پژوہ مصروف است بآنکہ

کافۂ مسلمین در احکام دین متین بمسائلے کہ اکابر علما و ائمۂ مذہب شریف حنفی بداں فتویٰ دادہ معمول بہا معمول علیہا دانستہ عمل نماید ۔۔۔۔۔۔ معہذا مجموع آں را یک کتاب حاوی نیست ۔۔۔ لاجرم بہ ضمیر مہر انوار در امور دین و دولت بفتوی الہام کار گذار است پرتو ایں عزیمت تافت کہ جمعے از علمائے پایۂ سریر اعلیٰ کتب معتبرہ نسخ مبسوط آں فن را کہ در کتاب خانۂ خاصۂ شریفۂ بروزگاراں از اطراف واکناف عالم فراہم آمدہ جلوہ گاہ انظار تتبع ساختہ از روی تحقیق وتدقیق وخوض وغور انیق بجمع تالیف آں مسائل پردازند واز مجموع آں نسخۂ جامعہ مرتب سازند تا ہمگناں را انکشاف مسئلہ مفتیٰ بہا در ہر باب بمراجعت آں کتاب بسہولت وآسانی دست دہد ۔۔۔ چوں آں کتاب مستطاب صورت اتمام گیرد و پیرایۂ اختتام پزیرد جہانیاں را از سائر کتب فقہی مغنی خواہد بود[۲]"

مرأۃ العالم میں ہے،

"چنانچہ قریب دو لکھ روپیہ صرف لوازم این کتاب مستطاب کہ زیادہ از یک لکھ بیت باشد شدہ و انشاء اللہ ہرگاہ آرائش تمام و پیرا ایہائے اختتام یابد جہانیاں را از سائر (کتب) فقہی مغنی خواہد بود[۳]"

ان بیانات سے اتنا معلوم ہوتا ہے، کہ ۱۰۸۰ھ میں جو عالمگیر کی حکومت کا گیارھواں سال ہے، یا اس سے کچھ پہلے فتاویٰ کا کام شروع ہو چکا تھا، مگر "چوں آں کتاب صورت اتمام گیرد و پیرایۂ اختتام پزیرد" یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی،

---

[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کا ذاتی کتبخانہ تھا جو بڑی کوشش سے جمع کیا گیا تھا جس میں فقہ کی تمام متداول کتابیں موجود تھیں [۲] عالمگیر نامہ ص۱۰۸۶ [۳] قلمی نسخہ دار المصنفین یہ کتاب بھی عالمگیر کی حکومت کے ابتدائی دس گیارہ سال کے واقعات پر مشتمل ہے،

اگر ۱۰۷۳ھ یا ۱۰۷۴ھ کو اس کی تالیف کا زمانہ قرار دیکر اسی کے ساتھ اس مشہور روایت کو بھی ملا لیا جائے کہ اسکی تالیف میں آٹھ برس کی مدت صرف ہوئی تو اس کی تکمیل کا زمانہ ۱۰۸۱ھ یا ۱۰۸۲ھ قرار پائیگا،

فتاویٰ کا فارسی ترجمہ: کتاب عربی میں لکھی گئی تھی، اس لئے عام لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے، انکی آسانی کے لئے اورنگ زیب نے چلپی عبداللہ اور ان کے چند شاگردوں کو اس کے فارسی ترجمہ کے لئے مامور کیا، مراۃ العالم میں ہے،

"برائے سہولت ہمگناں ۔۔۔ چلپی عبداللہ ۔۔۔ با چند تلامذہ بترجمہ نوشتن این بفارسی مامور شد" (ص ۲۷۵ قلمی نسخہ)

تبصرۃ الناظرین میں ہے،

"چلپی عبداللہ بہ ترجمہ آں (عالمگیری) مامور بود" (ص ۵۵ قلمی نسخہ)

مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ ترجمہ پورا بھی ہوا یا نہیں اور نہ اس کے وجود کا کوئی سراغ لگ سکا،

فتاویٰ کے مؤلفین کی صحیح تعداد کی تعیین مشکل ہے، تلاش و تفحص سے سولہ آدمیوں کے متعلق تذکروں میں یہ تصریح مل سکتی ہے کہ وہ اسکی تالیف میں شریک تھے، جن کے حالات درج ذیل ہیں،

شیخ نظام برہان پوری: نظام نام، برہان پور (گجرات) وطن تھا، ابتدائی حالات اور خاندان کے متعلق تذکروں میں اور کوئی تصریح نہیں ہے،

قاضی نصیر الدین برہان پور کے مشہور متبحر اور متبع سنت عالم تھے، زیادہ تر انہی کی خدمت میں شیخ کی تعلیم و تربیت ہوئی، اور استاذ کی توجہ اور نسبت سے خود بھی بڑے وسیع العلم متبحر عالم ہوئے[۱]،

عالمگیر کو شاہزادگی کے زمانہ میں جب دکن کا انتظام سپرد ہوا تو وہیں شیخ نظام سے ملاقات ہوئی اور ان کو اپنے دامن دولت سے وابستہ کر لیا، اور پھر آخر وقت تک جدا نہیں کیا، شیخ نے اپنی استعداد و قابلیت

[۱] معارف نمبر ۵ جلد ۹۳ مضمون "عالمگیر کا علمی ذوق" سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے، اقتباس فرحۃ الناظرین ص ۱۵۵ تذکرہ علمائے ہند،

سے حکومت کے بڑے سے بڑے عہدے اور مرتبے حاصل کئے،[1]

عالمگیر کی کوئی علمی و سیاسی مجلس مشکل سے شیخ نظام کی شرکت سے خالی ہوتی تھی، صاحب مآثر عالمگیری نے متعدد جگہ انکا تذکرہ کیا ہے،[2] عالمگیر ان کا اتنا احترام کرتا تھا کہ دربار کے آداب و تسلیم کی پابندی سے مستثنیٰ تھے، محبوب الاجاب میں ہے،

"از کورنش و تسلیم و دیگر تکالیف نوکری معاف بود (ص۵۱۶)

جب فتاوی عالمگیری کی ترتیب و تالیف کے لئے علماء کی جماعت منتخب ہوئی تو اس کی صدارت شیخ نظام کو تفویض ہوئی، عالمگیر نامہ کا مصنف "فتاوی عالمگیری" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے،

"در سرکردگی و اہتمام ایں مہم صواب انجام بفضیلت مآب شیخ نظام کہ جامع فضائل معقول و منقول است تفویض یافت" (ص۱۰۸۶)

مراۃ العالم اور مآثر عالمگیری میں ہے،

"و سرکردگی ایں مہم اہم بقدوۂ انام شیخ نظام تفویض یافت" (ص۲۶۴)

تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

"در فتاوی عالمگیری سعی فراواں نمود"

شیخ عبدالرحمٰن بحراوی جن کی تصحیح کے بعد تیسری بار فتاوی عالمگیری ۱۳۱۰ھ میں مصر سے شائع ہوئی ہے، اپنے مختصر سے مقدمہ میں لکھتے ہیں،

"وجعل رئیسھم فی ذٰلک المولی الھمام الشیخ النظام"

زمانۂ وفات کے متعلق کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اسی برس سے زیادہ کی عمر پائی، محبوب الاجاب میں ہے،

[1] اقتباس فرحۃ الناظرین، تذکرہ علمائے ہند مآثر عالمگیری ص۲۰۹ [2] مآثر عالمگیری ص۴۳۹، ۸۳، ص۲۰۹، [3] ص۲۷۵ قلمی نسخہ دارالمصنفین،

"ہنگام تحریر کتاب مرآۃ العالم عمر شریف شیخ مزبور از ثمانین متجاوز بود و تاریخ وفات شیخ دیدہ نہ شد" (ص ۲۱۶)

محمد ساقی مستعد خاں نے ان کے پسماندگان میں چار لڑکوں ملک منور، شیخ لاڈ، شیخ عبد اللہ اور شیخ ابو الخیر کا ذکر کیا ہے، ان میں تین یعنی ملک منور، شیخ لاڈ اور شیخ عبد اللہ شاہی خطابات کے علاوہ منصب چار ہزاری سے بھی سرفراز تھے[۱] اور شیخ ابو الخیر داروغہ جائے نماز تھے[۲]

میر سید محمد قنوجی محمد نام، اور میر خطاب تھا، قنوج کے باشندے عہد عالمگیری کے مشہور اور وسیع العلم علماء میں تھے، ریاضی و ادب میں خاص دستگاہ رکھتے تھے شاہجہاں نے بڑی تعظیم و اکرام کیسا تھ انھیں دربار میں بلایا اور اپنے مقربین خاص میں شامل کیا[۳] شاہجہاں کے بعد جب عالمگیر تخت نشین ہوا تو اس نے بھی ان کے ساتھ وہی برتاؤ قائم رکھا، اور جب اکبر آباد سے دلی آیا تو انھیں بھی اپنے پاس بلالیا،

عالمگیر کو امام غزالی کی تصنیفات، خصوصاً احیاء العلوم سے بڑا شغف تھا اس نے امام کی اکثر کتابیں سید محمد قنوجی کی زیر نگرانی اور ان کی مدد سے مطالعہ کی تھیں، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

"مصنفات حجۃ الاسلام غزالی خصوص احیاء العلوم بتین وسے در سید محمد) دیدہ" (ص ۲۱۵)

ہفتہ میں تین دن عالمگیر کی مخصوص علمی مجلس ہوتی تھی، جس میں لوگ میر صاحب سے استفادہ کرتے تھے، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

"در ہفتہ سہ روز بمذاکرۂ علوم در خدمت شاہی مجلس افادہ گرم داشتی" (ص ۲۱۶)

ان کو دربار میں بھی کافی درخور حاصل تھا، عالمگیر کی ہر مجلس میں وہ شریک ہوتے تھے، شاہزادہ اعظم کا نکاح انہی کی وکالت میں ہوا تھا[۵] ۱۰۹۱ھ میں عالمگیر اودے پور اور اجمیر کی مہم میں گیا، اور وہاں کے سیاسی حالات کی وجہ سے اسے کئی مہینہ رک جانا پڑا، اس لئے سید محمد قنوجی نے اجمیر جا کر

---

[۱] مآثر ص ۲۸۳ [۲] ایضاً ص ۱۰۱ [۳] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۵ [۴] ایضاً ص ۵ [۵] اردو ترجمہ مآثر عالمگیری ص ۲۲۵ [۶] مآثر ص ۱۹۱،

عالمگیر سے ملاقات کی، اس نے انکا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور ایک ہزار نقد اور میووں کے دو خوان تحفہ میں پیش کئے[1]،

جب فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کے لئے علماء کا انتخاب ہوا تو قرعۂ انتخاب ان کے نام بھی پڑا، چنانچہ اس کی تکمیل میں ان کا بھی کافی حصہ تھا، تذکرۂ علماے ہند میں ہے،

"در تالیف فتاویٰ عالمگیری مساعی جمیل بکار برد" (ص ۲۰۶)

وفات کے متعلق کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، صاحب مآثر عالمگیری ۱۱۰۱ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھتا ہے،

"سید شریف پسر قدوۃ المشایخ میر سید محمد قنوجی استاذ اعلیٰ حضرت فردوس آشیانی (شاہجہاں) جو فضل و کمال، عقل و شعور میں مشہور و معروف تھے، کروڑہ گنج کی خدمت میں امور ہوئے" (ص ۳۰۶)

اس بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۰۹۷ھ سے پہلے وفات پا چکے تھے، مآثر عالمگیری نے ضمناً ان کے دو لڑکوں سید شریف و سید احمد کا ذکر کیا ہے، سید شریف کروڑہ گنج کی خدمت پر مامور تھے[2]، اور سید احمد قاضی محمد حسین کے انتقال کے بعد عہدۂ احتساب پر سرفراز ہوئے،

تلامذہ میں مولوی اصغر علی قنوجی بڑے صاحب علم اور صاحب تصنیف گذرے ہیں[3]،

ملا محمد جمیل | جون پور کے ایک علمی خانوادہ میں ۱۰۵۵ھ میں پیدا ہوئے، ان کے دادا ملا شمس نور اور والد ملا عبد الجلیل اور دو چچا ملا صادق اور ملا خلیل اپنے زمانہ کے ممتاز علماء میں تھے، اسی ماحول میں ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی اور اسی علم پرور فضا میں پروان چڑھے،

ابتدائی عربی و فارسی تعلیم کے بعد علامہ دیوان عبد الرشید (جو اپنے وقت کے مفتی عنایت احمد تھے)

---

[1] مآثر ص ۱۱۱ [2] ایضاً ص ۲۰۶ [3] تذکرہ علماے ہند ص ۱۷، ان کی چند تصنیفات یہ ہیں تصوف میں اللطائف العلیہ، تبصرۃ المدارج، تفسیر میں ثواقب التنزیل، اور اس کے علاوہ فصوص الحکم کی شرح اور کئی عربی قصیدے انکی یادگار ہیں،

سے مختصر المعانی اور شرح وقایہ وغیرہ پڑھی پھر مولانا نور الدین مداری کے درس میں شریک ہوئے، ان سے درسی کتابوں کے علاوہ انوار علوم خاص طور سے پڑھنی شروع کی، ابھی کتاب ختم نہیں ہوئی تھی کہ استاذ نے دلی کا قصد کیا، شاگرد نے کتاب کے ختم نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا، استاذ نے فرمایا کہ اب تھیں درس کی ضرورت نہیں ہے مطالعہ کافی ہے[1]،

ملا جمیل طالب علمی کے زمانہ ہی سے ذہانت و طباعی میں ضرب المثل تھے، نہایت اخاذ طبیعت پائی تھی ایک مرتبہ مطول[2] کی کسی دقیق عبارت کا مطالعہ کرکے، اپنے استاذ مولانا نور الدین کی خدمت میں گئے اور اس عبارت کا مطلب وضاحت سے بیان کیا، استاذ نے فرمایا کہ اس عبارت کا مطلب آج میں نے تمھاری تشریح سے سمجھا[3]،

ملا جمیل کی فطانت اور ذہانت کی وجہ سے ان کے اساتذہ ان کو ملا جلال اور میر شریف کہا کرتے تھے جس وقت وہ دہلی گئے تو سارے علماء پر ان کی ہیبت طاری ہوگئی، مشاہیر جونپور میں ہے،

"آنچناں جودت ذہن بود کہ اگر یک بار متن کسے کتاب بیند حاجت حاشیہ نہ افتد ہر مطالب دقیق کہ پیش آمدہ فوراً بقوت ذہن حل گردد، بارہا استادش فرمودی کہ ملا جمیل را مثل علامہ میر شریف و ملا جلال گفتن بیجا نیست، وقتیکہ ملا جمیل وارد دہلی شد، شہرۂ فضیلتش چناں شائع گردید وہیبتش تاری (طاری) شد کہ ہر درسے کہ رسیدے درس موقوف گشتے روزے در مدرسہ ملا لطف اللہ دہلوی رفت در یک سطر ہفت یا ہشت شبہات پیش نمود، ملا لطف اللہ از جوابش عاجز آمدند[4]"

ان کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ درس و تدریس تھا، چنانچہ تعلیم سے فراغت کے بعد ہی مسند درس پر بٹھا دئے گئے، اور تشنگان علم ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے لگے، مشاہیر جونپور میں ہے،

"عالم جملہ علوم گردید و درس گفتن آغاز کرد و چنان شد کہ بہ زمرۂ علمائے مشاہیر پیوست و علم یکتائی برافراشت بسیاری طلبہ از وشان فاتحہ فراغ خواندند" (ص۸۰)

---

[1] مشاہیر جونپور ص۸۰ [2] معانی و بیان کی ایک کتاب [3] مشاہیر جونپور ص۸۰ [4] ایضاً ص۸۰

جونپور کے محلہ مفتی میں ایک بہت وسیع اور پختہ خانقاہ اور ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا اور خود اس میں درس دیتے اور اصلاح باطن کرتے تھے، سید نور الدین اس معہد علمی اور روحانی کی بربادی پر بڑی حسرت سے لکھتے ہیں،

"چون زمانہ دگرگوں شد اکنوں آثاری ہم باقی نہ ماند جز اینکہ برایں سرزمین کہ پیش دروازہ شاہ طفیل حسین است کشت کاری می شود وچشم بصیرت مشاہدہ منجارو بنا می کند (ص ۸۹)"

ان کے تلامذہ کی تعداد بہت ہے لیکن ان میں مولوی نظام الدین اورنگ آبادی، مولوی نور الہدیٰ پھلواری اور ملا نور الدین جعفر غازی پوری زیادہ مشہور ہیں،

اصلاح باطن | مشاہیر جون پور میں ہے،

علاوہ فضائل صوری صاحب کمالات باطنی ہم بود وبیعت وارادت از دیوان عبد الرشید آورد (ص ۹۸)

اٹھتر برس کی عمر پاکر ۶ رجب ۱۱۲۳ھ میں وفات پائی اور اپنے والد ملا عبد الجلیل کی قبر کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے، ذیل کی رباعی سے تاریخ وفات نکلتی ہے،

مُرد ملا جمیل علمش مرد   خانہ باقی نہ صاحب خانہ

بہر تاریخ فاضلِ نامی   از فضیلت ربود افسانہ

پسماندگان میں تین صاحبزادوں کا ذکر صاحب مشاہیر جون پور نے کیا ہے، مولوی غلام معین الدین عرف شاہ امید علی، شاہ طفیل حسین و شاہ تمیم الحسن[1]،

ان کی اصل علمی یادگار تو تلامذہ کی وہ کثیر تعداد ہے جن کے ذریعہ ہزارہا تشنگانِ علم سیراب ہوئے ان کے علاوہ کچھ قلمی یادگاریں بھی ہیں، جن سے اہلِ علم آج بھی مستفیض ہو سکتے ہیں،

آپ نے مطول، شرح جامی کے ایک باب عطف اور بہت سی دوسری کتابوں پر حاشیے لکھے، اس کے علاوہ دو رسالے، ایک فقہ اور ایک تصوف میں تنبیہات جمیلی تحریر کئے لیکن سب سے بڑا زندہ جاوید کارنامہ فتاویٰ عالمگیری

---

[1] تیسرا نام صاف طور سے پڑھا نہیں گیا،

کی تصنیف میں شرکت ہے، مشاہیر جونپور میں ہے،

" وقتیکہ عالمگیر بادشاہ دہلی جہت نمود فتاویٰ منسوب باسم خود فضلائے ناموران دیارہند طلبید از جون پور ملا جمیل را برچیدہ ایشاں را بجوہ خواستہ شریک مجمع اجتماع نمود (ص۵۵)

قاضی محمد حسین جونپوری | جون پور کے باشندے، اور اپنے وقت کے ممتاز علماء میں تھے، فرحتہ الناظرین میں ہے،

" از علم وفضل بہرہ وافر داشت (ص۸۲)"

شاہجہاں کے عہد میں جون پور کے قاضی تھے، عالمگیر کے عہد میں الٰہ آباد کے قاضی مقرر ہوئے، جلوس عالمگیری کے ساتویں سال دربار شاہی میں حاضر ہوئے، عالمگیر نے انعام واکرام کے علاوہ فوج کا عہدۂ احتساب بھی ان کے سپرد کر دیا اور اس کے بعد سے برابر وہ اسی خدمت کو انجام دیتے رہے، محبوب الاحباب میں ہی؛

" وخدمت احتساب عسکر خلعت امتیاز پوشید ودر منع مناہی وترویج احکام رسالت پناہی وقمع آلات ملاہی کوشش وارادہ بکار برد" (ص۵۱۶)

بختاور خاں پر جو عالمگیر کا بہت مقرب امیر تھا قاضی صاحب اور ان کے علم وتقویٰ کا بڑا اثر تھا، چنانچہ عالمگیر سے بھی ان کے علم وفضل، دیانت وتقویٰ کی تعریف کرتا تھا، ۱۰۷۹ھ میں عالمگیر نے ان کو عہدۂ احتساب کے علاوہ اور بھی مناصب ومراتب عطا کئے، مآثر عالمگیری میں ہے،

"بادشاہ ہنرپرور نے ان کو ایک صدی منصب دار مقرر فرمایا، رفتہ رفتہ حسین علی خاں نے اعانت وامداد اور اپنی سلیقہ شعاری سے مرتبہ امارت خانی پر سرفراز ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے،" (ص)

ان کے ان کمالات کی بنا پر ان کو بھی فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں شریک کیا گیا، اور اس کی تکمیل میں ان کا بڑا حصہ ہے، تذکرۂ علمائے ہند میں ہے،

" در تالیف فتاویٰ عالمگیری بسے سعی نمودہ" (ص)

محبوب الاحباب میں ہے،

"یک ربع فتاوی عالمگیری تالیف نمودہ" (ص۲۳)

مآثر عالمگیری کے بیان سے سنہ وفات ماہ ذیقعدہ ۱۰۸۱ھ ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ اس سنہ کے واقعات کے ضمن میں لکھتا ہے:

"قاضی محمد حسین کے انتقال کی وجہ سے سید احمد پسر سید محمد قنوجی کو خدمت احتساب عنایت ہوئی" (ص۱۰۹)

ارباب تذکرہ نے اولاد و پسماندگان کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اور نہ فتاویٰ کے علاوہ کسی دوسری علمی یادگار کا کوئی علم ہے۔

شیخ وجیہ الدین گوپاموی | اودھ کا مشہور اور مردم خیز قصبہ گوپامئو ان کا وطن تھا، نہایت ہی ذہین، ذکی اور فضائل باطن تھے، علم وفن کے علاوہ تحریر و تقریر میں بھی ملکہ تھا، علم معانی و بیان میں بے نظیر تھے، فرحۃ الناظرین میں ہے،

"خصوصاً در علم معانی و بیان عدیم المثال عصر بود" (ص۳۵)

شیخ جب دلی گئے تو پہلے پہل داراشکوہ سے ان کا علمی تعلق رہا، داراشکوہ کی وفات کے بعد عالمگیر کی حکومت کے نویں سال یعنی ۱۰۷۷ھ میں عالمگیر کے دربار میں حاضر ہوئے، اس نے حسب مرتبہ ان کی بڑی توقیر کی، اور منصب و مراتب سے بھی سرفراز کیا،

فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں عالمگیر نے ان کی خدمات بھی حاصل کیں، محمد اسلم کے بیان کے مطابق ایک چوتھائی کام ان کے سپرد کیا گیا۔

"بہ ترتیب و تالیف ربعی از فتاویٰ عالمگیری مامور شدہ"[1]

فتاویٰ کی تالیف میں ان کے کام کی نوعیت و اہمیت کا اندازہ ذیل کی عبارت سے بھی ہوتا ہے،

زمخشری کی قسطاس کا ایک قلمی نسخہ خدابخش خاں کی لائبریری میں ۱۱۲۰ھ کا لکھا ہوا موجود ہے، اس پر شیخ وجیہ الدین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی عبارت ہے، کاتب اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے،

"عبارت منقول از دستخط مولانا وجیہ الدین رئیس علمائے فتاوی عالمگیری"[2]

اس عبارت کے آخری ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ کی تالیف میں ان کا کافی حصہ تھا، اور انھیں اس میں کوئی امتیازی حیثیت حاصل تھی،

(باقی)

---

[1] تبصرۃ الناظرین [2] فہرست مخطوطات فقہ پٹنہ خدابخش خاں لائبریری،

دو کمیاب کتابیں

از جناب مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی

جنوری ۴۶ء کے معارف میں محترمی سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہ العزیز کے حالات میں اُن کے ایک صحیح الارادت معتقد کا تذکرہ فرمایا تھا، جو زاد المسافرین اور نزہۃ الارواح وغیرہ کے مصنف تھے، ان کا متعارف نام تو امیر حسینی تھا لیکن اصل اور پورا نام یا پورا لقب ہر تاریخ نویس اور تذکرہ نگار نے کم و بیش مختلف لکھا ہے، تفصیل صفحہ ۴۶ پر ملے گی، صاحب سیر العارفین نے امیر کی منجملہ متعدد تصانیف کے نظم میں زاد المسافرین اور نثر میں نزہۃ الارواح کا نام لیا ہے، سید مکرم نے نزہۃ الارواح کے ایک قلمی نسخہ کا موزۂ برطانیہ میں موجود ہونا ارقام فرمایا ہے،

صمدن (موطن سادات) میں ان میں سے بعض کتابوں کے موجود ہونے کا مجھے علم تھا، میری طلب و خواہش پر برادر زادہ عزیز سید انیس احمد متعنا اللہ بطول حیاتہ ان کو لے کر میرے پاس آئے، میں نے ان کو دیکھا ان میں دونوں کتابیں موجود تھیں، مگر متنوع اشغال سے ان کے متعلق کچھ لکھنے پر معذور رہا، ذیل کے سطور میں انہی کے متعلق کچھ تفصیل پیش کرنا ہے،

(۱) زاد المسافرین:- یہ مختصر سی مثنوی امیر کبیر سید حسینی ہروی کی قابل عزت تصنیف ہے جن کی نسبت استعارہ کی زبان فتویٰ دے چکی ہے،

چشم دولت زسوادِ قلمش گشتہ منیر　　باغ دانش زسحابِ کرمش گشتہ نضیر

زاد المسافرین کمیاب کتابوں میں سے ہے، اپنے شدید مگر ناکام شوق مطالعۂ کتب قدیمہ اور محدود معلومات لیکن وسیع تلاش پر نگاہ ڈال کر مجھے بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ کتاب عزیز الوجود ہے، پیش نظر نسخہ انتخاب حدیقہ کے ہم جلد نورچشم سید انیس احمد کا حاصل کردہ و مملوکہ ہے، جن کو بیش قیمت قلمی کتابوں کے فراہم کرنے کا خاص سلیقہ اور ان پر طالبعلمانہ دست وبرد و تصرف میں ید طولیٰ حاصل ہے، آثار یہ کہتے ہیں کہ شروع ہی میں کسی شوقین و خوش فکر خوش حال کی ملک میں رہا ہوگا، جلد پر ابری یا چمڑے کی زیبائی ارغوانی رنگ کی کاشانی مخمل نے پائی ہے، جس پر باہر کی جانب سفید جدول یا اکہری دھاری تھی، یا کوئی نازک سی باریک بیل رہی ہو، مگر اب مٹ چکی ہے، پٹھا کوٹے ہوئے کاغذ کی لبدی سے بنا تھا، کیڑوں کی ترک تاز سے مشبک اور خاک و خاکستر ہو رہا ہے، عمر رسیدہ ہو چکی پھول کی پنکھڑیوں کی طرح دفتین کے اجزا خود بخود بکھرتے چلے جاتے ہیں، کاغذ ولایتی، چکنا اور چمکدار، تقطیع اوسط کتابی، تعداد صفحات ۴۶، ۲۰ سطریں فی صفحہ اوجہ منہ میں اور ۲۰۔۲۸ مصرعے حاشیہ پر، جدول دہری خوش نما نظر فریب، الکیریں نیلی اور سیاہ اور سنہری، مصنف اور کاتب کے نام سے پوری کتاب خالی ہے، حالانکہ کئی ورق اسی اہتمام و تکلف سے تیار کئے ہوئے آخر جلد میں سادہ لگا دئے گئے ہیں، انتخاب حدیقہ اور اس کے آخری صفحہ کی آخری سطر کے ساتھ ورق الٹ جاتا ہے اور بلا کسی فصل و افتراق کے پہلی ہی سطر میں شنجرف سے زاد المسافرین لکھا ہوا جلوہ افروز ہوتا ہے، دوسری سطر خدائے رحمان ورحیم کے پاک نام اور اچھی شوخ سیاہی سے شروع ہوتی ہے، مثنوی کا خاتمہ اس شعر پر ہوتا ہے ؎

در ہفصد و بست و نہ ز ہجرت　　　گشت آخر این کتاب تمت

معارف نے "این کتاب ختمت" لکھا ہے، میرے نسخہ نویس نے تمت، اسی طرح پہلے مصرع کو معارف میں "ہفت صد و بست و نہ" چھاپا ہے، میرے نسخہ میں ہفصد و بست و نہ ہے، شاید شعر کا

وزن بھی ہفت کی ت گرا دینے کا متقاضی ہے، ممکن ہے کہ الفاظ کا یہ رد و بدل تذکرۂ دولت شاہ کے دخل در معقولات کرنے والے کاتب کے قلم کا ثمرہ ہو، جہاں سے مولانا نے اس کو نقل فرمایا ہے ایسے اختلافات اور لفظی تغیرات معارف کے نقل کردہ چوبیس اشعار اور اس مکتوبہ میں جا بجا نظر آتے ہیں شعروں کا بے تکلفانہ تبادلہ اور کمی و بیشی بھی نمایاں ہے، مگر اس کا اثر نفس مضمون یا ادائے مدعا پر نہیں پڑتا،

شیخ صدر الدین (سید حسین) نے اس کتاب کو اپنے بزرگ مرشد شیخ بہاء الدین زکریا کے آستانۂ فیض گنجینہ بر ملتان میں بیٹھ کر لکھا تھا، اور حضرت نے اس کو بغور ملاحظہ فرمانے کے بعد اس ستودہ صفات ناظم کی تحسین و آفریں فرمائی تھی، مولانا صباح الملۃ والدین کے روبرو اصل کتاب نہ تھی تاہم موصوف نے اس کے متعلق علمی و عملی سرمایہ اور ظاہری و باطنی کمالات و کرامات سے مالا مال ذخیرہ فراہم کر دیا ہے، عجائب خانہ بریطانیہ اور کتب خانہ شاہان اودھ کی فہرستوں اور دیار اللہ اور تلامیذ الرحمٰن کے تذکروں سے اقتباس و التقاط فرما کر بقدر ضرورت سب کچھ لکھ دیا ہے (معارف جنوری ۱۹۴۶ء صفحات ۲۴ تا ۱۵)

مجھے ان کے اعادہ و بازخوانی کی ضرورت نہیں بس صرف ان ہی چند باتوں کو حوالۂ قلم کرنا چاہتا ہوں، جو مولانا کے خامہ عنبر افشاں کے رشحات سے فیض یاب نہ ہو سکیں، اور اس کم سواد بے استعداد کے لئے خود بخود چھوٹ گئی ہیں، مولانا کا یہ خیال بالکل صحیح ہے، کہ سید علیہ الرحمۃ کی اور تصانیف کی طرح زاد المسافرین کا موضوع سلوک و طریقت و معرفت ہے،

سب سے پہلے اپنی اس بے باکانہ جرأت اور گذارش کا عذر خواہ ہوں، کہ شیخ کے طریق بیان اور طرز ادا یا صوفیانہ تعلیمات کا اندازہ کرنے کے لئے جس حصۂ مثنوی کا انتخاب دو ناقد باکمال یعنی دولت شاہ نے تذکرہ میں اور آذر نے آتش کدہ میں فرمایا ہے، وہ ایک حکایت ہے، بجائے خود وہ کیسی ہی دلچسپ و سبق آموز سہی تاہم اس ناقص الفہم تبصرہ نگار کے نزدیک اس کے اشعار میرے کے

بہترین کلام یا زادالمسافرین کے زیادہ بلند و برتر یا شیریں ترین ابیات میں شمار نہیں ہو سکتے، مثنوی کا آغاز حمد باری تعالیٰ شانہ سے کیا جاتا ہے، پروردگار عالم و عالمیاں کے حضور میں اسکی نعمتوں اور رحمتوں کا اقرار و اعتراف کرتے ہوئے انبیاء و رسل علیہم السلام کی حیرانی و سرگردانی کا ذکر فرماتے ہیں اور بلاشبہہ بڑی قابلیت اور عالمانہ فضل و کمال کے ساتھ اس صحیفۂ رشد و ہدایت اور وحدت پرستی کی تعلیم کا آغاز فرماتے ہیں، حتیٰ کہ نعت شریف و مناقب ابرار و اطہار کی منزلیں طے کرنے کے بغیر ہم ایسے نااہل دنیا داروں سے خطاب ہوتا ہے،

بشنو پسرا بیان حالت — علم و جدست قیل و قالت
علمے کہ خدا دراں شنوی تو — اینست بکار ہمی دوی تو،
آں علم طلب کہ با تو ماند — واں دم کہ ترا ز تو رہاند
آں علم فریضہ تا نہ خوانی — تحقیقِ صفاتِ حق نہ دانی
اے طبع و ہوا معلم تو، — تا کی لمَ و لا نسلمُ تو
خود را بگذاشت کردہ گرم — آخر ز خدا نیایدت شرم
از خود بخدا مرد بتاویل — تشبیہ کن بوجہ تسہیل،
زنہار بحجتِ قیاسی — عزہ مشو ی بحق شناسی

اس کے بعد مقالات شروع ہو جاتے ہیں اور ان مقالات کے دوران ذیل میں متعدد حکایات قصیر و طویل بھی آتی جاتی رہتی ہیں،

پہلا مقالہ جس کو خوشنویس نے "مقالات اوّل" لکھدیا ہے، حق سبحانہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس اور سالک کو ریاضت و مجاہدہ کی تلقین و تشویق میں ہے، اس میں بھی وہی خطیبانہ رنگ اور واعظانہ انداز بیان قائم رکھا ہے، فرماتے ہیں :-

ہندو کہ ہمیشہ بت پرستد ہر صبح دعات می فرستد
جز ذکر تو نیست در زبانش زنار و فاست در میانش
ایں جملہ ز دین و ملت خویش جز تیر غمت ندیدہ در کیش

اس کے آگے وہ شعر آجاتا ہے جو مشہور عام اور مقبول خاص ہو چکا ہے اور جس کی نسبت مجھے شبہہ ہے کہ کسی اور باکمال ہنرمند کا ہے، یعنی

مرغانِ چمن بہر صباحے خوانند ترا با صطلاحے

مرغان چمن کی کچھ تفصیل بھی موجود ہے،

چوں فاختہ ہر کہ در جہان است کوکوزنِ کوے تست یوست

دوسرا مقالہ فضیلت و شرف انسانی کی بحث میں ہے، غفلت و نادانی پر سرزنش، اس میں فارسی زبان کی سلاست و لطافت کے ساتھ ساتھ بعض غیر معمولی عربی الفاظ یا نامانوس کلمے بھی کہیں کہیں آگئے ہیں، اس کی پہلی حکایت ملاحظہ ہو،

موسیٰ ز مئے فراق مخمور مستانہ دوید بر سر طور
گفت اے ز تو بود ہر چہ بودہ مارا بتو ہم تو رہ نمودہ،
گر نزد منی کجات جویم تا با تو حدیثِ خویش گویم
ور دور تری برآرم آواز باشد کہ بخود درم کنی باز
بشنو تو ز ہاتفے جوابے کے از تو بہ پیش تو نقابے
ایں جائے حوالہ نیست بگذار من با توام از خودم طلب دار
افتادنِ مہرہ ہا بششدر اینجا بود اے حریف بنگر
شاہانِ جہاں دریں خیالات بر نطع غمند جملگے مات

از غایتِ قرب در دوراست | ہر مرغ بہ دانہ جستجو راست
این آتشِ ما چگونہ میرد | کین درد دوا نمی پذیرد
یادآر زخود کہ نیست یادت | بے شرم کسے کہ شرم بادت

تیسرا مقالہ طریقت اور سلوک کی کیفیت میں ہے،

چوتھا ارشاد و معاملت میں، اس میں سالک طریقت کی توصیف میں ایک مستقل عنوان قائم کیا گیا ہے، حکایتیں کئی ہیں "رسیدن سالک بہ نفس دل" پہلی ہے،

ایک حکایت وہ بھی ہے جس کو دولت شاہ اور آذر نے نقل کیا ہے، یعنی

این طرفہ حکایت ست بنگر

پانچویں مقالہ میں عشق اور اُس کے مرتبہ کا بیان ہے، اپنے مخصوص رنگ میں پورے زور کیساتھ لکھا ہے،

چھٹا مقالہ معرفت نفس انسانی اور اُس کی صفت میں ہے،

ساتویں میں معرفت کا بیان اور اسکی تحقیق ہے اور خوب ہے،

آٹھویں مقالہ کا عنوان ہے "دربیانِ حال شرف باد شرف می رسد" یہ مقالہ اپنے ماسبق مقالوں سے کسی قدر دراز تر اور تمثیلات سے معمور ہے، اور اسی پر چند در چند مواعظ و نصائح و مخاطبات کے ساتھ مثنوی ختم ہو جاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:-

دُریست گراں بہا کہ سفتم | دریاب کہ گفتنی بگفتم
ہمدستہ گلبنِ یقین است | ہم توشۂ رہ روانِ دین است
از بس کہ فشاند بحر من دُر | شد دامنِ آخر الزماں پر
این گلشکرے کہ من سرشتم | در ہشت مقالتش بنشتم
شمع است کہ از دلم برافروخت | ہفتاد و ہزار پردہ را سوخت

یک نکتۂ او کہ جاں کند شاد بردل در بہشت باغ بکشاد
آنکس کہ بیافت اندکے بوسے دانست کہ چوں شگافتم موسے
تا جست سرانِ نامور را نہ پارہ دست کونِ خرد را
چوں اہلِ خرد بہر دیارے زیں تحفہ برند یادگارے
ایں نور بہر طرف کہ تابد یعنی کہ قبول ہر کہ یابد
زیں گنج کہ رائگاں کشادم دارد بدعاے خیر یادم
در ہفصد و بیست و نہ زہجرت گشت آخر ایں کتاب تمت

یہی آخر اس چودہ سو چھپن (۱۴۵۶) بیتوں کی مثنوی اور میرے ناچیز تبصرہ کا ہے،

۲۔ نزہتہ الارواح :۔ یہ کتاب بھی امیر حسینی کی تصنیف ہے، اکتوبر ۱۹۴۶ء کے معارف میں مولوی پروفیسر عبدالحمید خاں صاحب نے سلطان جہاں منزل کے کتبخانہ عالی کے نزہتہ کے ایک قلمی نسخہ کا حوالہ دیا ہے، اور نمبر ۲۴ پر کسی قدر زیادہ شرح و بسط سے بیان فرمایا ہے، اپنی کتاب کے مطالعہ کے بعد میں بھی موصوف کی تحریر اور رائے زریں کی تائید کرتا ہوں، اس کی اٹھائیں فصلیں ہونا مسلّم اور ان کی تفصیلات و مباحث بھی صحیح ہیں، زبان البتہ بعض جگہ توجہ طلب اور قدرے مشکل ہی، طرز ادا مغلق اور پیچیدہ ایک تو تصوف و طریقت خود ہی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، اس پر مستزاد یہ کہ فاضل مصنف نے اپنی مشکل پسندی اور دقت نظر سے مجھ ایسے عامی پڑھنے والے کے لئے کہیں کہیں اور بھی دشوار فہم و لغت آموز بنا دیا ہے، نزہت میں جو عربی ابیات و اشعار داخل ہیں وہ بھی دشواری و اشکال سے خالی نہیں، جو رشیمیں قبائیں دوسروں سے مستعار لی ہیں ان میں بھی یہ خشن اور کرباسی پیوند نمایاں ہیں، اللّٰھم اغفرلی،

انہیں مدعمرہ کا نسخہ جیبی تقطیع کا قیمتی ولایتی کاغذ پر ہے، مطلّا و مذہب، جداول نہایت خوشرنگ،

نگہ فریب، سرورق سنہرا نازک، باریک قلم کا رُخط نہایت پاکیزہ نستعلیق شاندار، اوراق موجودہ کا شمار ۱۱۷،
حاشیوں پر جو عبارتیں اور اشعار بعد کتابت اضافہ کر دئے گئے ہیں ان میں سے بعض میں حضرت مصنف نے
خود کو حسینی، کہہ کر یاد فرمایا ہے، ع "اے حسینی چو اوست فاش و نہاں ......"

یہ سب اضافے پختہ اور صاف خط میں مگر دوسرے قلم اور دوسری سیاہی سے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا
کہ یہ اضافے حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ہیں یا کسی غیر کے،

تصوف کی کسی کتاب کی نسبت یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ اس کا مصنف جماعت اہل سنت سے ہے
تاہم قاریان فخام کے لئے اس قدر اطلاع مناسب سمجھتا ہوں کہ اس میں نعت پاک کے بعد امیر المومنین
ابو بکر صدیقؓ اور فاروق اعظمؓ اور عثمان ذی النورینؓ کے مناقب ہیں، رضی اللہ عنہم،

امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں اُن کے دونوں بابرکت پیش روؤں کے مقابلہ میں کسی قدر
زیادہ سطریں پائی جاتی ہیں اور زور دار، لیکن حاشا کہ ان میں تفضیل یا میل الی التشیع کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا، اس کے بعد
فصول اور مبادی و معارف و مقالات سلوک شروع ہو جاتے ہیں،

میرے لئے سب سے زیادہ رنج وہ یہ بات ہے کہ اس کے اوراق آخریں غائب ہیں حتیٰ کہ مصنف علیہ الرحمۃ
والغفران کا لکھا ہوا خاتمہ جو خان غلام نے نقل فرمایا ہے وہ بھی اس نسخہ میں باقی نہیں، اس نسخہ میں فصل بست و ہشتم
کے دو صفحے پورے کر کے لکھا ہے،

"شیخ چوں بمقصد رسید مقصود آں نامراد بخاطرش بگذشت دست بدعا برد تا دستبردی
نماید گفت اے کرمت بای ماند گانرا ...... (باقی مفقود)

معارف کے قاریان معظم میں سے کسی خوش نصیب کے یہاں نزہۃ کے یہ آخری اوراق محفوظ ہوں تو براہ کرم
(مقبول صمدنی، یحییٰ پور، الٰہ آباد کے پتہ سے) مجھے آگاہ فرما دیں تاکہ ان اوراق کی نقل حاصل کرنے کا انتظام کروں،
اور یہ قدیم نسخہ مکمل ہو جائے، واللہ لا یضیع اجر المحسنین،

استدراک، تبصرۂ بالا کی رسید ادارہ عالیہ معارف سے آچکی تھی کہ ایک اضافہ طلب بات میرے علم میں آئی، تحقیق ضروری کے بعد مزید تفصیل گذارش کیجائے گی، انشاء اللہ المستعان،

مطبوعات کی فہرستوں کی ورق گردانی سے جو انتخاب حدیقہ کے لئے کی گئی یہ واضح ہوا کہ (۱) مثنوی زاد المسافرین منشی نول کشور کے مطبع میں چھپ گئی ہے، ڈیڑھ آنہ قیمت ہے، البتہ ۱۹۲۴ء کی فہرست کتب (ص۹۳) میں معمولی بے احتیاطی یا ناواقفیت سے یہ لکھا گیا تھا کہ "ملا حسین واعظ کاشفی کی تصنیف ہے، تصوف کے رموز خوب بیان کئے ہیں،" ۱۹۳۴ء (ص۱۴۵) میں اصلاح ہوگئی، سید حسینی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف قرار پائی ہے، ۱۹۳۷ء کی فہرست میں بھی یہی انتساب قائم رہا،

(۲) اسی نام زاد المسافرین کی ایک کتاب حکیم ناصر خسرو کی تصنیف ہے، برلین (جرمنی) کی کتب شر کاویانی نے جو قدیم و جدید فارسی کی قابل قدر مفید کتابوں کی طباعت و اشاعت کے لئے مشہور ہے اسکو چھاپا ہے، اور اس کو حکمت و فلسفۂ اسلامی پر بہترین تصنیف، معرکۃ الآرا کتاب، اور عرصہ سے نایاب بتایا ہے، ناشران کی جانب سے یہ بھی اعلان ہے کہ اس کی چھپائی میں اہتمام خاص کیا گیا ہے، حجم چھ سو صفحات سے زاید، قیمت آٹھ روپیہ،

القضاء فی الاسلام

اس میں طریقۂ شہادت اور انفصال مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی کتابوں سے اخذ کرکے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے،

ضخامت :- ۹۲ صفحے، **قیمت** ۱۰/

"منیجر"

سندھی رسم الخط کی تاریخ

سندھ کے ایک سابق گورنر کے قلم سے

مترجمہ جناب نیاز احمد صاحب صدیقی ایم اے لکچرار شبلی کالج اعظم گڈھ

"آپ کا بھیجا ہوا نوٹ پڑھا، ماشاء اللہ آپ کے نئے گورنر صاحب علمی بھی ہیں، شاید سندھ سے مسلمانوں کی محبت بھی تحفہ میں ساتھ لائے ہوں، گو انگریزوں کو مقامی حالات کے مطابق بدلنے میں کچھ دیر نہیں لگتی، سندھی رسم الخط کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، بہ صحیح معلوم ہوتا ہے، ۳۷۵ھ میں مقدسی عرب سیاح یہاں آیا ہے، اور اس نے لکھا ہے کہ یہاں کی زبان سندھی ہے، اور فارسی عربی بھی سمجھی جاتی ہے، یہ صوبہ مدت تک ایرانیوں کے ماتحت رہا ہے، اور اثرات یہاں پہلے سے تھے،، عربوں کے داخلہ کے بعد عربی الفاظ کی آمیزش ہوئی، چنانچہ آپ کو تعجب ہوگا کہ سندھی میں پیاز کو بصل اور پہاڑ کو جبل کہتے ہیں، جو خالص عربی لفظ ہیں، پانچویں صدی ہجری کے شروع میں یہاں ابوریحان بیرونی آیا اور کئی سال مقیم رہا ہے، اس نے اپنی کتاب الہند میں جو ہندی الفاظ لکھے ہیں محققین کا بیان ہے کہ وہ سندھی تلفظ میں ہیں، البتہ علمی و مذہبی مسائل میں اسکی اصطلاحیں سنسکرت ہیں،

جن مسلمانوں کی زبان عربی یا فارسی تھی وہ عربی رسم خط رکھتے تھے، فارسی نستعلیق خط نویں صدی ہجری کی پیداوار ہے، وہ اگر سندھی میں بھی کچھ لکھتے تھے تو عربی ہی خط میں لکھتے تھے، نستعلیق فارسی رسم الخط صرف مغل دربار اور دفتروں میں رائج تھا، ورنہ بنگال میں بنگالی اور دکن میں دکھنی اور گجرات میں گجراتی جو مسلمان لکھتے تھے وہ عربی ہی خط میں لکھتے تھے، چنانچہ چند سال ہوئے کہ کلکتہ ایجوکیشنل کانفرنس

میں ایک بہت موٹی بنگالی زبان کی کتاب پیش کی گئی تھی جسکو میں نے دیکھا تھا وہ عربی رسم الخط میں تھی، سلطان قطب شاہ وغیرہ کے دیوان دکھنی میں اسی خط میں ہیں اور گجراتی کتابیں بھی اس خط میں میں نے دیکھی ہیں،

یہی حال سندھی کا بھی تھا، گو دربار کی زبان فارسی تھی، مگر خط عربی آمیز تھا، اور انگریزوں کے داخلہ کے وقت یہی صورت تھی لیکن ہندو جن کا تعلق شاہی درباروں سے نہ تھا اپنے بنج کے اغراض سے ہندی رسم الخط رکھتے تھے، جب انگریزوں نے فارسی کو بیدخل کیا تو ہندوستان میں اردو کو دفتری زبان قرار دے کر اردو ہندی رسم الخط کو قبول کیا، اسی طرح سندھ میں عربی اور ہندی دونوں رسم الخط مسلمان اور ہندوؤں میں رواج پذیر تھے، اب جیسا کہ صاحب مضمون نے بیان کیا ہے کہ دو برطانی افسروں میں سے ایک نے عربی رسم الخط کو اور دوسرے نے ہندی رسم الخط کو پیش کیا، لیکن بحث و اتفاق سے یا سندھ میں مسلمانوں کی کثرت آبادی کے سبب سے عربی رسم الخط کی تجویز کامیاب ہوئی اور انگریزوں کے اثر سے یہ بات ہوئی کہ ہندوؤں نے بھی اس رسم الخط کو مجبوراً مان لیا لیکن سندھی ہندوؤں میں اب تک اسکے خلاف تحریک اٹھتی رہتی ہے، جیسے پنجاب میں سکھوں نے گو فارسی رسم الخط قبول کر لیا ہے مگر گورمکھی کے لئے اب بھی وہ کوشاں ہیں" "س"

(۱) عام طور سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ سندھی حروف تہجی اور اس کی تحریری زبان کے لئے سندھ اپنے برطانوی حکاموں کا مرہون منت ہے، جب سر چارلس نپیر نے سندھ فتح کیا، اس وقت گو ملک کی خود اپنی ایک مستقل زبان موجود تھی لیکن اس کے ایسے حروف تہجی نہ تھے جو عام طور سے رائج ہوں، عام تحریری کام ہندو منشی کرتے تھے، جس میں وہ فارسی رسم الخط میں مخلوط فارسی و سندھی زبان لکھتے تھے، کتاب "ابوالحسن سندھی" جس کو برطانوی فتح کے وقت ملا مسجدوں میں پڑھاتے تھے، درحقیقت با محاورہ سندھی کو عربی حروف تہجی میں لکھنے کی ایک کوشش تھی، اور واٹن کی "گرامر آف سندھی"، کا بھی یہی مقصد تھا، یہ کتاب ۱۸۶۶ء میں عربی رسم الخط میں ان پولٹیکل افسروں کے لئے لکھی گئی تھی جو امرائے سندھ کے درباروں سے وابستہ تھے ہندو تاجروں نے بھی اپنے حساب و کتاب کیلئے ایک قسم کا دیوناگری رسم الخط قبول کر لیا تھا،

(۲) فتح سندھ کے آٹھ سال بعد جب سر بارٹل فریر نے صوبہ کا نظام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا اس وقت صرف دو ایسے برطانوی افسر تھے جو سندھی بول سکتے تھے، لیکن ان کے کلرکوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو سندھی لکھ سکتا ہو، اس لئے سول حکام کو عام بول چال کی زبان کا امتحان پاس کرنے کے احکام صادر کئے گئے، لیکن سندھی زبان کو سرکاری مراسلات میں استعمال کرنے کے لئے اس کے حروف تہجی کا متعین کرنا ضروری تھا، اس بارہ میں صرف دو افسروں کو جو سندھی زبان جانتے تھے رائے دینے کا حق تھا، ایک کیپٹن رچرڈ دوسرے کیپٹن اسٹیک لیکن بدقسمتی سے اس بارہ میں ان دونوں کے خیالات ایک دوسرے کی ضد تھے، رچرڈ عربی حروف تہجی کی حمایت میں تھا، اور اسٹیک ہندی رسم الخط کے حق میں، جو پہلے سے سندھ کے تاجروں میں رائج تھا، اس زمانہ میں بھی فریر اس مسئلہ کے نسلی و قومی پہلو کی وجہ سے تذبذب میں پڑ گیا، اس کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ ہندو عربی رسم الخط سیکھنے کے لئے آمادہ نہ ہوں گے، اور مسلمان ہندی رسم الخط کے استعمال سے انکار کریں گے، لیکن ۱۸۵۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرز نے عربی حروف تہجی کے حق میں فیصلہ کر دیا، اسوقت سر فریر نے مسٹر ایلس کو جو اس وقت حیدرآباد کے کلکٹر تھے ایک قسم کے حروف تہجی کے احیار کا کام سپرد کیا، موجودہ سندھی حروف تہجی اسی کا نتیجہ ہیں، لیکن سندھی میں ۵۲ حروف تہجی ہیں اور اس کے مقابلہ میں عربی میں کل ۲۹ ہیں، اس لئے اصل سندھی کے لہجوں اور اس کی صوتی خصوصیات کو قائم رکھنے کے لئے اس کمی کو نقطوں کے ذریعہ پورا کیا گیا،

۳۔ اس نئے رسم الخط نے بڑی سرعت کے ساتھ ترقی کی اور اس کی وجہ سے سندھی صوبہ کی سرکاری زبان بن گئی، اور سرکاری دفاتر سے فارسی خارج ہو گئی، اس رسم الخط کے اجرار کے بعد اگر یہ نامناسب کوشش نہ کی گئی ہوتی کہ ہندوؤں کے استعمال کے لئے ہندی حروف تہجی بنائے جائیں تو اس رسم الخط کی فضیلت مسلم ہو جاتی، اس نئی اور غلط تحریک کے بانی ایک دکنی برہمن مسٹر نارائن جگناتھ وادیا تھے، جن کو حکومت بمبئی نے سندھ کا ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر مقرر کیا تھا،

(۴) یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہئے کہ ۱۸۶۲ء تک پھر اس کے بعد ۱۸۶۷ء سے ۱۸۸۶ء تک سندھ
میں کوئی مستقل ایجوکیشنل انسپکٹر مقرر نہیں کیا گیا تھا، بلکہ اس عہدہ کے فرائض بھی یورپین افسروں کے سپرد کردیئے
جاتے تھے، جو دوسری ذمہ داریوں اور کاموں کی مشغولیت کی وجہ سے تعلیمی پالیسی سے پوری دلچسپی نہ لے سکتے
تھے، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر وادیا جو سندھ میں ۲۵ سال تک ہی اس ناجائز فائدہ اٹھا کر دیہاتی ہندو حروف تہجی کے بارہ میں پورے
زور وشور کے ساتھ تجربات کرتے رہے اور اُنھوں نے انکو حروف علت کی مزید علامات کی مدد سے ترقی دے کر معیاری
بنا دیا، اس کے بعد ۱۸۶۸ء میں ان نئے حروف کو اسکولوں میں رائج کرنے کے لئے حکومت بمبئی کو آمادہ کیا گیا، اور
اسکے لئے اور بہت سی مراعات اور سہولتیں حاصل کی گئیں، اس کی تعلیم کے لئے خاص اسکول کھولے گئے،
جو اساتذہ ٹریننگ حاصل کر رہے تھے انھیں مجبور کیا گیا کہ وہ اسے خود سیکھیں اور موجودہ عربی سندھی مدرسوں
میں طلبہ کو سکھائیں، اسی کے ساتھ کل مدرسوں کو میونسپل رقبہ میں یکجا کرنے کا کام بھی جاری رہا، اور اس کے
باوجود کہ اسکولوں کے اخراجات مشترکہ مالگذاری اور سس سے چلتے تھے اس کوشش سے دس سال میں یعنی سنہ ۱۸۶۰ء
سے سنہ ۱۸۷۰ء تک جبکہ زیر تعلیم مسلمان لڑکوں کی تعداد کل دو نی ہو گئی تھی ہندو لڑکوں کی پانچ گنی ہو گئی،

(۵) لیکن مسٹر بہتہ کی پرجوش حمایت اور سس کی امدادی رقم کے باوجود ہندی سندھی حروف تہجی کو
مقبول بنانے کی مہم ناکام ثابت ہوئی، اور سندھ کے اسسٹنٹ کلکٹر مسٹر دیارام گڈمل کو جو خود سندھی کے
عالم تھے اس رسم الخط کی منسوخی کی سفارش کرنا پڑی، اُنھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ تجارتی جماعتیں بھی اس
نئے حروف تہجی سے بے تعلقی کا اظہار کرتی ہیں، اور بنیوں کے بچے اس کو صرف اس لئے سیکھتے ہیں کہ اسکول
چھوڑنے کے ساتھ ہی اس کو بھلا دیں، اور اپنے پرانے شارٹ ہینڈ والے خط کو اختیار کر لیں، اس وقت
اور جیسا کہ اب بھی ہے، ہندو دوکاندار اپنے حساب وکتاب کے لئے کچھ خفیہ علامات رکھتے تھے، جس کو وہی
سمجھ سکتے تھے، اور وہی اس کی تشریح کر سکتے تھے، ان کو کسی ایسے طرز تحریر سے کوئی دلچسپی نہ تھی جس کو
ہر شخص سمجھ سکتا ہو، مسٹر گڈمل کے ان خیالات کی تائید مسٹر گائیلز کمشنر نے بھی کی اور سرکاری سرپرستی ختم ہونے

کے بعد یہ رسم الخط آپ اپنی موت مرگیا،

(۶) لیکن اس نامبارک تجربہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ بارک میں مسلمانوں میں ناراضی پیدا ہوگئی، انھوں نے دیکھا کہ فرقہ وارانہ پروپگنڈے کو تعلیمی جوش وخروش کا جامہ پہنا کر کس طرح بیرونی حکومت کو گمراہ کیا جاسکتا ہی،

اب اس قسم کی کوشش کہ عربی سندھی رسم الخط کے بجائے کوئی ہندی رسم الخط رائج کیا جائے، محض بے نتیجہ اور ناکامی کے مرادف ہے، لیکن اب بھی سندھ میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو مسلم کلچر کی افضلیت کو لعنت تصور کرتے ہیں اور اپنی مایوس امیدوں کو تقویت دینا چاہتے ہیں، تقریباً دس سال ہوئے مروجہ رسم الخط پر یہ نیا حملہ کیا گیا کہ اس میں کم سے کم نوزائد حروف ہیں جن کو خارج کر دینا چاہئے اور یہ کہ ابتدائی خالص سندھی ایسے الفاظ کی آمیزش سے جن کی بنیاد عربی اور فارسی پر ہے، مسخ ہوگئی ہے، اس لئے ان مصلحین کے لئے جن کی یہ خواہش ہے کہ سندھی کو پھر اس کی ابتدائی خوبصورت شکل میں لے آیا جائے، مناسب ہے کہ عربی و فارسی مادوں کے تمام الفاظ کو جن سے سندھی زبان مالامال تھی نکال دیں اور ان کے صرفی قواعد اور جملوں کے آخری کلمہ میں بھی تبدیلی کیجائے جو اس قابل نفرت بنیاد کی یادگار ہیں اور زائد حروف کو بالکل نکال دیا جائے،

(۷) چونکہ آج بھی ایسے فرقہ پرست خواب دیکھنے والے موجود ہیں، اس لئے ان موانع کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوا جو اس خواب کی تعبیر میں حائل ہیں، اب ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اس نئی خوبصورت زبان سے واقف اور اس کے لئے آمادہ ہو کہ اپنی تمام کوششیں اس زبان کو سکھانے میں صرف کر دیگا،

تاریخ فقہ اسلامی

مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے، جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت ؎ ،

"منیجر"

خاتمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ

از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی

میں متلصص (یعنی مسلمان جاسوس جو بطور جاسوسی دار الحرب میں جائے) اس کے "جواز عقد ربا" کا قائل ہوں حالانکہ اہل حرب اس سے بالفعل برسر جنگ نہیں ہوتے، مگر چونکہ ان سے نہ حکومت اسلام کا معاہدہ ہے، نہ جاسوس نے معاہدۂ امن کیا ہے اسلئے اس کے حق میں اہل حرب کے نفوس و اموال دونوں غیر معصوم اور مباح ہیں" اور اس کے لئے اہل حرب کے وہ اموال بھی حلال ہیں جو عقد ربا سے حاصل کرے" (معارف جولائی ۱۹۴۶ء صـ۲)

ہمارے واجب الاحترام بزرگ مولانا ظفر احمد صاحب کا جب یہی فتویٰ ہے تو اب ان سے خاکسار کا اختلاف ہی کیا رہ گیا، مسلمانان ہند نے موجودہ غیر اسلامی حکومت سے اگر معاہدہ بھی کیا ہے، تو ظاہر ہے کہ اسی بات کا معاہدہ کیا ہے کہ جو قانون قیام امن و امان کے لئے وہ نافذ کرے گی اس کی پابندی کریں گے، اور جو قانون اس حکومت نے نافذ کیا ہے، اس میں چوری ڈاکہ فریب وغیرہ کے ذریعہ سے ملک کے کسی باشندے کے مال کے لینے کو جیسے ناجائز ٹھہرایا گیا ہے، اسی طرح ربوا اور اسی قسم کے بعض دوسرے عقود جو اسلامی نقطۂ نظر سے عقود فاسدہ ہیں، ان کے ذریعہ سے لین دین کو نہ صرف جائز ہی قرار دیا گیا ہے، بلکہ ان فاسد ذرائع سے لوگوں کے جو مطالبات ایک دوسرے پر عائد ہوتے ہیں، ان کی باضابطہ ادائگی کی وہ ذمہ دار ہے، اس کے حکام ان کی ڈگریاں دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ حکومت قائمہ کے اس قانون کے بعد کسی حیثیت سے بھی یہ کہنا درست ہو سکتا ہے کہ مسلمانانِ ہند نے قانون کے ان جائز ذرائع سے اس ملک کے باشندوں کے اموال کے

نہ لینے کا معاہدہ کیا ہے؟ پس غیر مسلم اقوام سے جو روپیہ ان ذرائع سے مسلمانوں کے قبضہ میں آئیگا، اس کے نہ لینے کی وجہ مسلمانوں کے لئے کیا ہو سکتی ہے؟ شریعت اسلامی ان اموال کو مسلمانوں کے لئے مباح کر چکی ہے، قانون بھی اس کے لینے کو جائز قرار دے رہا ہے، یعنی اس روپیہ کے لینے میں معاہدے کی خلاف ورزی بھی لازم نہیں آتی تو پھر مولانا کس بنیاد پر مسلمانوں کے لئے غیر مسلم اقوام سے حاصل کی ہوئی ان رقوم کے لینے اور اپنی ملک بنانے کو ناجائز ٹھہرا رہے ہیں،

شعر الہند حصہ اول

جس میں قدماء کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، قیمت للعہ

شعر الہند حصہ دوم

جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، قیمت للعہ، مکمل سٹ ہے روپے،

گل رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار اردو میں شعراء کا یہ مکمل تذکرہ ہے، جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، قیمت:- عہ ضخامت ۲۴۵ صفحے،

"مینجر"

استفسار و جواب

مفتاح الفلاح

"لفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید، آئی، ام، ای ہتعینہ میرٹھ کا علمی ذوق اردو کے علمی رسائل کے ناظرین سے مخفی نہین، حال مین ایک قلمی کتاب سے متعلق اپنے مراسلہ مین جو معلومات انھون نے دی ہین، وہ بعینہا درج ذیل ہین، (عبدالماجد)

جناب لفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب، میرٹھ } میری کتابون مین ایک قلمی نسخہ مفتاح الفلاح کا پڑا تھا کل مین انکی پڑتال کر رہا تھا کہ خیال گذرا کہ اس کے متعلق آپ کو لکھ کر اس کی اہمیت دریافت کی جائے، کتاب عربی مین ہے، اور مین بدقسمتی سے اس زبان سے نابلد ہون، اور فائدہ نہین اٹھا سکتا، مندرجۂ ذیل خصوصیات اس سے متعلق آپ کو ارسال کرتا ہون، امید کہ آپ اپنا قیمتی وقت صرف کر کے مجھے مطلع فرمائین گے"

تقطیع ۸ × ۲ کاغذ عمدہ مگر قدرے خستہ، مجلد، جلد چرمی، نہایت خوشخط لکھی ہوئی ہے، اور دو سنہری حاشیے موجود ہین، کتاب سالم اور مکمل ہے، اور جگہ جگہ حاشیے لکھے ہوئے ہین، جو کہ اصل کتاب کے متن سے بھی خوشخط ہین، اور غالباً مصنف کے ہاتھ ہی کے لکھے ہوئے ہین، کتاب ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہے، جلد خوبصورت ہے مگر سادہ، کتاب کے شروع مین فہرست ابواب درج ہے، اور مصنف کا نام بھی موجود ہے، اس کے بعد ایک مستقل مقدمہ ہے، کتاب کا آخری جملہ یہ ہے،

"واسکنہ بحبوبۃ جنانہ فرغت من تالیف بعون اللہ تعالیٰ فی

بلدۃ کنجہ مع تراکم افواج العلائق وتلاطم امواج العوائق وتوزّع البال بالحل والترحال فی اوائل العشر الثالث من الشھر الثانی من السنۃ الخامسۃ من العشر الثانی بعد الالف وانا اقل الانام محمد المشتھر ببھاء الدین العاملی تجاوز اللہ عن سیآتہ والحمد للہ اوّلاً وآخراً وظاھراً وباطناً، رب العالمین" ۱۰۱۵ھ

کتاب ختم یوں ہوتی ہے:۔

"قد حصل الفراغ من القبال بعون الملک المتعال فی اواخر شھر رجب سنۃ الف ومائۃ وخمسین من الھجرۃ فی بلدۃ دار السلطنت لاھور حرسھا اللہ تعالیٰ من الفتنۃ ووقع توفیق المقابلۃ وحصل سعادتھا مع نسخہ قرأت عند الامام الرئیس (عنی المصنف رحمہ اللہ) الدینار والمثقال واحدۃ

اور آخر میں بزبان فارسی مندرجۂ ذیل عبارت ہے،

" در سنت پانصد درہم شرعی است کہ بر سہ تومان ونیم است وزن مثقال شرعی یک مہری نقرہ است"

کنجہ پنجاب میں ضلع گجرات کے قریب ایک قصبہ ہے یہاں سے قریب ہی ایک قدیم شاہراہ براستہ بھنبھر کشمیر کو جاتی ہے، اور یہی شاہان مغلیہ کا راستہ تھا، یہاں کے گرد و نواح میں متعدد مدرسے موجود تھے، میرا خیال ہو کہ شاید اسی مقام سے یہ مقام بھی مناسبت رکھتا ہے۔

میں نے یہ کتاب ۱۹۳۶ء میں طہران میں خرید کی تھی، اس وقت محض اس کی خوشخطی مدنظر تھی جو کہ نہایت دلکش ہے۔

معارف: مصنف مفتاح الفلاح بہاء الدین عاملی گیارہوین صدی ہجری کے مشہور اور جلیل القدر شیعی عالم ہین، ان کا پورا نام محمد بن حسین بن عبدالصمد الملقب بہ بہاء الدین ہے، سنہ ۹۵۳ھ مین قزوین (ایران) مین اور بعض روایتون کے مطابق بعلبک (شام) مین پیدا ہوئے، اور بچپن ہی مین اپنے والد کے ساتھ ایران مین منتقل ہو گئے، اور ان سے اور اس عہد کے دوسرے اکابر علماء علامہ عبداللہ یزدی وغیرہ سے تحصیل علم کی، اور جملہ فنون مین یگانہ روزگار ہوئے، کامل تیس سال تک درویشانہ لباس مین دنیائے اسلام کی سیاحت کی، ان کا شہرۂ کمال سن کر شاہ عباس صفوی نے ان کو رئیس العلماء اور شیخ الاسلام کے منصب پر سرفراز کیا، وہ ان کو اتنا مانتا تھا کہ سفر و حضر کسی حالت مین جدا نہ کرتا تھا، اور تمام مہمات امور مین ان سے مشورہ لیتا تھا، سنہ ۱۰۳۰ھ مین اصفہان مین وفات پائی، اور طوس مین دفن کئے گئے، مختلف فنون مین ان کی تصانیف مین بعض کے نام یہ ہین،

العروۃ الوثقی، صراط مستقیم، عین الحیاۃ، حبل المتین فی مزایا القرآن المبین، اور مشرق الشمسین، تفسیر مین، شرح اربعین حدیث مین، جامع عباسی فارسی فقہ مین، مفتاح الفلاح، اور زبدۃ اصول مین، تہذیب نحو مین، اسرار البلاغہ معانی و بیان مین، رسالہ ہلالیہ، خلاصۃ الحساب، تشریح الافلاک، رسالہ صفائح ریاضی و ہیئت مین، المخلاۃ و کشکول، ادب و محاضرات وغیرہ مین، وسیلۃ الفوز والامان، مدح صاحب الزمان مین، ان کے علاوہ کشاف، تفسیر بیضاوی، خلاصۃ الرجال اور درایۃ الحدیث وغیرہ مختلف کتابون پر حواشی لکھے، ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے رسالے ہین، ان مین سے اسرار البلاغہ، تشریح الافلاک، خلاصۃ الحساب، کشکول، المخلاۃ اور وسیلۃ الفوز چھپ چکی ہین، مفتاح الفلاح اب تک قلمی اور نایاب ہے، (خلاصۃ الاثر جلد ۳ ص ۴۴۰ تا ۴۵۴، اور روضات الجنات ص ۵۲۲ مین ان کے تفصیلی حالات ہین) کتاب مفتاح الفلاح کے خاتمہ کی مصنف کی عبارت کے بعد ہشتم شوال سنہ ۱۰۵۶ غلط ہے، سنہ ۱۰۳۱ھ مین مصنف کی وفات ہو چکی تھی، غالبًا کسی ناقل نے عربی عبارت کا مطلب غلط سمجھ کر بعد مین سنہ ۱۰۵۶ھ بڑھا دیا ہے،

خاتمہ کی دوسری کاتب یا ناقل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، کہ مفتاح الفلاح کا یہ نسخہ اس نسخہ سے مقابلہ شدہ ہے جو خود مصنف سے پڑھا جاچکا تھا، اس لئے عام نسخوں کے مقابلہ میں یہ نسخہ ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اس کے حواشی جیسا کہ کاتب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، مصنف کے قلم کے نہیں ہیں،

گنجہ سے مراد گجرات کے قریب کا قصبہ نہیں، بلکہ اران کا مشہور شہر یا نواح اصفہان و لرستان کا گنجہ مقصود ہے، (م)

جزئی فضیلت کا مفہوم و مقصد

منشی عبدالرحمان خان صاحب } مکرم:-
چیک ملتان } السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اقبالنامہ میں حضرت مرحوم (ڈاکٹر اقبال مرحوم) کے جو خطوط آپ کے نام درج ہیں، ان کے مطالعہ سے طبیعت سیر نہ ہوئی، کیونکہ ایسے اہم تحقیقی خطوط کا بغیر جواب کے شائع کرنا قارئین کی پریشانی طبع کا سامان پیدا کرتا ہے، بہتر ہوتا کہ ان کے جواب حاشیہ میں ہی دیدئے جاتے، تاکہ پورا فائدہ اٹھایا جاسکتا،

میرے خیال میں ہندوستان میں تمام بزرگوں کے خطوط اسی نہج پر شائع ہورہے ہیں یا ہوتے ہیں، الحمد للہ کہ اس باب میں بھی شرف اولیت حضرت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب گرامی کو حاصل ہے، کہ تربیت السالک میں تمام اصلاحی خطوط مع حضرت والا کے جوابات کے شائع ہوئے، ایک عرصہ سے آپ کی بھی حضرت والا سے خط وکتابت رہی، بعض اور بزرگوں سے بھی حضرت کی خاص خط وکتابت تھی، کیا ہی اچھا ہوتا، کہ ان کے ایسے مکاتیب کا بھی ایک مجموعہ شائع کرنے کا انتظام ہوجاتا، اور ان سے بھی ہزاروں فیضیاب ہوتے، نہ معلوم آپ کی دماغ سوزی کا وہ تمام ذخیرہ اب علامہ اقبال کے پسماندگان کے

پاس محفوظ بھی ہے، یا نہ، گو اس سلسلہ مین آپسے کچھ عرض کرنا مناسب معلوم نہین ہوتا، مگر عرض کئے بغیر بھی نہین رہ سکتا، کہ ان خطوط کی اشاعت کا بھی ضرور کوئی انتظام ہونا چاہئے، یہ تشنگانِ علم پر ایک احسان ہوگا،

دوسری عرض یہ ہے کہ اقبالنامہ کے ص ۱۸۹ پر آپ نے "جزوی فضیلت" پر جو نوٹ تحریر فرمایا ہے، اس سے کم از کم میری تشفی نہین ہوئی، بلکہ ایک خلش سی پیدا ہوتی ہے اس لئے اگر کوئی امر مانع نہ ہو، تو از راہِ کرم اس کی تشریح فرما کر ممنون فرما دین، کہ وہ ایسی کون سی جزوی فضیلت ہے، جو کسی اور کو حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاصل ہو سکتی ہے، امید ہے کہ اس مسئلہ مین آپ میری رہنمائی و تسلی فرما دین گے،

معارف:۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے نام میرے جوابی خطوط کی نقل میرے پاس نہین، اور نہ اب ان کے پس ماندون کے پاس میرے جوابات ہون گے، اور نہ اب مجھے پوری طرح یاد ہین، اس لئے اب ان کی تلافی کی کوئی صورت باقی نہین، اور نہ میری نگاہ مین اپنے جوابون کی وہ اہمیت ہے جو آپ نے ظاہر فرمائی ہے اور پھر بزرگون کے پُرمعرفت خطوط سے ان کو کیا مناسبت؟ البتہ آپ کو اگر ان مین کسی خط کا جواب مطلوب ہو تو مطلع فرمائین، کہ مین اپنی استطاعت کے مطابق اس کا جواب دوبارہ دیدون،

اقبال نامہ اس وقت میرے پاس نہین، اس لئے پوری بات میرے سامنے نہین ہے تاہم جہان تک آپ کے چند لفظون سے سمجھ سکا ہون جواب عرض کرتا ہون،

جزئی فضیلت کے معنی یہ ہین کہ مقامِ تفضیل مین کسی خاص ایسی بات مین کسی کو بڑائی دوسرے پر حاصل ہو جائے، جو دوسرے کو اجمالاً حاصل ہو، مثلاً حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام عربی زبان کے سوا کوئی دوسری زبان نہین جانتے تھے، اور آج زید عربی کے ساتھ دوسری متعدد زبانین جانتا ہے، تو یہ جزئی علمی فضیلت ہوئی، جو حضور علیہ السلام کے کمالاتِ علمیہ کے لئے موجبِ نقص نہین، کیونکہ کسی زبان کے جاننے

کا جو حاصل ہے یعنی تفہیم و تذکیر و تبلیغ وہ آپ کو حاصل تھا، اسی طرح ہندوستان مین اسلام کی اشاعت کی جزئی فضیلت سلاطین اسلام کو حاصل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین یہ واقعہ نہین ہوا، اس لئے یہ خاص فضیلت جزئی آپ کو حاصل نہین ہوئی، مگر چونکہ سلاطین اسلام کو یہ عملی فضیلت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت مین بصورت اتباع اوامر جہاد حاصل ہوئی، اس لئے حضور کے کمالات علمیہ مین اس سے کوئی نقص واقع نہین ہوا، بلکہ افراد امت کے یہ جزئی فضائل بھی اس کے نبی کے کمالات عظمیٰ کی طرف راجع ہوجاتے ہین، جس طرح سپاہیون اور ماتحت افسرون کے کارنامے ان سپہ سالارون اور بادشاہون کے کارنامے شمار ہوتے ہین، جو فوجکشی کرتے ہین، جنگ کے نقشے بناتے ہین، اور جن کی تدبیر سے دشمن پر کامیابی ہوتی ہے،

"س"

مطبوعات جدیدہ

مقاصد قرآن، از جناب مولوی صبغۃ اللہ صاحب بختیاری تقطیع اوسط ضخامت ۸۶ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲ ر پتہ مکتبہ نشارۃ ثانیہ چنچل گوڑہ حیدرآباد دکن۔

مصنف کتاب عرصہ سے کلام مجید کی تعلیمات کی نشر و اشاعت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، یہ رسالہ بھی ایک مفید خدمت ہے، اس میں اُنھوں نے عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کے متعلق کلام مجید کی بنیادی تعلیمات، ایمان باللہ، حشر و نشر، جزا و سزا، عمل صالح، نماز روزہ، حج و زکوٰۃ کی آیات نقل کرکے ان کی مفصل تشریح کی ہے اور ان کی حکمتیں اور مصلحتیں بیان کی ہیں جو ساری دنیا کی فلاح و سعادت کے لئے یکساں مفید ہیں، اس حیثیت سے یہ کتاب اپنے مقصد پر پوری طرح حاوی ہے، لیکن کتاب کے دیباچہ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کا مقصد جدید مفسرین کی اس غلط فہمی اور غلط استنباط کی تردید ہے، جو ان کو سورۂ بقرہ و مائدہ کی بعض آیات سے پیدا ہوتی ہے کہ یہود و نصاریٰ و صابئین کی نجات و ایمان کے لئے ایمان باللہ و یوم الآخرۃ اور عمل صالح کافی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور کلام مجید پر ان کے لئے ایمان لانا ضروری نہیں ہے، لیکن کتاب کے مباحث سے اس کی تردید نہیں ہوتی، مخالف یہ کہہ سکتا ہے کہ مصنف نے کلام مجید کی جو آیتیں اور تعلیمات نقل کی ہیں ان کا تعلق مسلمانوں سے ہے، یہود و نصاریٰ اس کے مکلف نہیں ہیں، جیسا کہ سورۂ بقرہ اور مائدہ کی آیات سے ظاہر ہوتا ہے، اس کا مصنف نے کوئی جواب نہیں دیا ہے، اور مرکز بحث یہی نقطہ ہے، حالانکہ خود کلام مجید کی کی دوسری آیات سے اس کا جواب مل جاتا ہے، اولاً کلام مجید

کی بعض آیات مجمل ہیں، اور ان کی تشریح کسی دوسری آیۃ سے ہوتی ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ اور مائدہ کی ان آیات کی وضاحت جنھیں مخالفین دلیل میں پیش کرتے ہیں آل عمران کی آیات سے ہوتی ہے مثلاً قل للذین اوتوا الکتاب والامیین أأسلمتم فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ واللہ بصیر بالعباد یا ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءھم العلم بغیا بینھم ومن یکفر بآیات اللہ فان اللہ سریع الحساب ہ ان میں یہود و نصاریٰ وغیرہ سے اسلام کا مطالبہ کیا گیا ہے اور اس سے انکار کو ضلالت، نافرمانی اور کفر سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ان کے لئے تنہا ایمان باللہ و یوم الآخرہ اور عمل صالح کافی نہیں ہے، معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ اس اسلام سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا اسلام نہیں بلکہ مطلق اسلام ہے، جس کی دعوت تمام انبیاء علیہم السلام دیتے چلے آئے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ پہلی آیۃ میں اہل کتاب کے ساتھ امیین یعنی عربوں سے بھی خطاب ہے، اسلئے اس سے مراد مطلق دین اسلام نہیں ہو سکتا، دوسرے اگر مطلق دین اسلام بھی مان لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ اس دین پر بھی یہود و نصاریٰ میں سے کون قائم تھا، اس کو تو انھوں نے مسخ کر دیا تھا، دوسرے، اسلام اور مطلق دین اسلام کی اساس گو ایک ہی ہے لیکن ہر زمانہ کے حالات و ضروریات اور انسانوں کی ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ اس دین میں تغیرات ہوتے رہے اور مختلف زمانوں میں اس کا نصاب بدلتا رہا، اور اس کا آخری اور مکمل نصاب قرآن مجید ہے، اور اس پر ایمان کے بغیر مطلق دین اسلام کی بھی تکمیل نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ انسان کی عمر اور اس کی ذہنی صلاحیت و ترقی کے لحاظ سے خود مروجہ رسمی تعلیم کا نصاب اور اس کے مدارج مختلف ہیں، اور ہر دور کے لئے جو نصاب مقرر ہے وہ اس کے اعتبار سے تو کافی، لیکن آئندہ دور کے لئے ناکافی ہے اور آخری دور کے نصاب کی تکمیل کے بغیر کوئی شخص پورا تعلیم یافتہ نہیں کہلایا جا سکتا، یا مثلاً آج سے چند صدی پیشتر جو نصاب تھا وہ اس زمانہ کے لحاظ سے بالکل مناسب اور کافی تھا، لیکن موجودہ حالات و ضروریات کیلئے نہ صرف ناکافی بلکہ ناقص ہے، اور آج اس نصاب پر قائم رہنے والا تعلیم یافتہ نہ کہلائے گا، یہی حال اسلام

کا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جس دین اسلام کو بھیجا تھا وہ اپنے زمانہ کے لئے بالکل مکمل تھا، لیکن بعد کے انبیار حضرت موسٰی و حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے انبیار علیہم السلام کے زمانہ میں وہ حسب ضرورت بدلتا رہا، اور اس کی آخری اور تکمیلی شکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اسلام ہے، اس لئے اس پر ایمان کے بغیر مطلق اسلام پر بھی ایمان کامل نہیں ہوتا، اور یہود و نصاریٰ وغیرہ سب اس کے مکلف ہیں، اور اس پر ایمان کے بغیر ان کی نجات نہیں ہو سکتی،

رسالہ اخلاقیات، مؤلفہ ڈاکٹر میر ولی الدین استاذ جامعہ عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۱۴۳ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت تحریر نہیں، پتہ کتاب محل چار کمان حیدرآباد دکن،

تعلیم کے مقاصد میں سب سے بڑا مقصد انسانی اخلاق و سیرت کی تعمیر ہے، اس لئے اصولاً سب سے زیادہ توجہ اسی پر ہونی چاہئے لیکن موجودہ نظام تعلیم میں عملاً اس کی کوئی اہمیت نہیں، حیدرآباد کے شعبۂ تعلیم نے دوسری تعلیمی اصلاحات کی طرح اس اصلاح کی جانب بھی سبقت کی ہے، اور میٹرک کے نصاب کے لئے اخلاق پر یہ رسالہ مرتب کرایا ہے، اس کے فاضل مؤلف فلسفہ مذہب و اخلاق کے عالم بھی ہیں اور اس پر عامل بھی، تعمیر اخلاق و سیرت انکا خاص موضوع ہے، اس لئے اس کام کے لئے اس سے زیادہ موزوں انتخاب نہیں ہو سکتا تھا، جس پر رسالہ کے مباحث شاہد ہیں، اس میں انھوں نے ان تمام بنیادی اخلاق کو جو ایک متوازن اور اعلیٰ سیرت کی تعمیر اور انسان کو انسان بنانے کے لئے ضروری ہیں علمی طرز سے مرتب کیا ہے، اس میں حسب ذیل ابواب ہیں، صبر و استقلال، مصلحت بینی و دور اندیشی، اوقات فرصت کا صحیح استعمال، اعتدال و پرہیزگاری، عفت و پاکبازی، رواداری، عدالت، اصلاح معاشری، اخوت، پیشے کا انتخاب، ان تمام ابواب کے تحت میں بہت سے تفصیلی و ذیلی مباحث ہیں، یہ وہ اصولی اخلاق ہیں جو بلا اختلاف تمام مذاہب اور قوموں میں مشترک ہیں، اس لئے یہ کتاب ہر مذہب و ملت کے طلبہ کے لئے یکساں مفید اور اس لائق ہے کہ ہندوستان کی تمام درسگاہوں کے نصاب میں اسکو داخل کیا جائے،

سماج کا ارتقا، مولفہ جناب حکیم اللہ صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۲۸۶ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ، پتہ سنگم پبلشرز لمیٹڈ لاہور،

ڈارون کے نظریہ کے مطابق ارتقا کا عمل دنیا کی ہر چیز میں جاری ہے، چنانچہ انسانی معاشرہ بھی مختلف طبعی وجغرافی اور سیاسی و معاشی عوامل کے ماتحت مختلف قالب بدلتے اور ترقی کرتے ہوئے موجودہ منزل تک پہنچا ہے، اس کتاب میں اس معاشری ارتقار کی سرگذشت بیان کی گئی ہے، اور انسان کے دور وحشت و بربریت کے زمانہ سے لیکر موجودہ عہد تک ہر دور کے عمرانی و تمدنی و معاشی و سیاسی نظاموں اور مختلف عوامل کے ماتحت ان کے تغیرات اور عہد بعہد کی ترقیوں کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، جس سے انسانی معاشرہ کے تمام مدارج اور اس کے ارتقار کی پوری سرگذشت سامنے آجاتی ہے، لیکن یہ کتاب جدید فنی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے اور اس حیثیت سے مفید معلومات پر مشتمل ہے، اگر مذہبی نقطہ نظر سے اس کے تمام بیانات سے اتفاق ضروری نہیں ہے،

معین الفرائض از جناب مفتی محمود حسن صاحب مدرس اول جامع حسینیہ راندیر (سورت) تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۲۳ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت عہ، پتے، مذکورہ پتہ پر مصنف اور منیجر کتب خانہ تعلیمی نور گنج، دہلی سے ملے گی،

علم الفرائض یعنی تقسیم وراثت ایسا فن ہے جس کی ضرورت صرف علما، اور عربی خوانوں تک محدود نہیں بلکہ وکلار، عدالتوں، یونیورسٹی کے قانون کے طلبہ کو بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے مصنف نے فرائض کے تمام ضروری مسائل کو اس کتاب میں اردو میں مرتب کر دیا ہے، انداز بیان اتنا سلجھا ہوا ہے کہ ہر پڑھا لکھا شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، مسائل میں اختصار کے ساتھ پوری جامعیت ہے اور اس سے ہر طبقہ کے ضرورت مند اشخاص فائدہ اٹھا سکتے ہیں،

حدیث نبوی کے اولین صحیفے، از مولانا عبد السلام صاحب قدوائی ندوی، تقطیع چھوٹی،

ضخامت ۳۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت تحریر نہیں، پتہ ادارۂ تعلیمات اسلام نمبر ۳ امین آباد پارک، لکھنؤ،

منکرین حدیث کی جانب سے حدیثوں کی بے اعتباری کے ثبوت میں جو غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ موجودہ کتب حدیث عہد رسالت کے بہت بعد میں مرتب ہوئیں، اس لئے لائق اعتماد نہیں، اور چونکہ عام لوگوں کی نظر حدیث کی تاریخ پر نہیں ہے، اس لئے ان کو اس کے یقین کرنے میں تامل نہیں ہوتا، یہ بلاشبہہ صحیح ہے کہ حدیث کی موجودہ کتابوں کی تدوین کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ڈیڑھ دو صدی بعد سے ہوا، لیکن حدیثوں کی کتابت عہد نبوی ہی سے شروع ہو گئی تھی، اور بہت سے صحابہؓ حدیثیں قلمبند کرتے تھے، پھر ان کے تلامذہ نے بھی اس کو جاری رکھا، اور اسی زمانہ میں حدیثوں کے بہت سے مجموعے مرتب ہو گئے تھے، جو اگرچہ دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ گئے، لیکن حدیث و رجال کی کتابوں میں انکا ذکر موجود ہے، اور انکی حدیثیں موجودہ کتب حدیث میں شامل ہو گئیں، لائق مؤلف نے اس رسالہ میں ایسے اٹھارہ حفاظ حدیث صحابہ کے مجموعہ احادیث کا ذکر کیا ہے جو خود حدیثیں قلمبند کرتے تھے یا ان کے تلامذہ نے ان کے علم و اجازت سے ان کی مرویات تحریر کیں، ان صحابہ کی مرویات کی تعداد بھی مصنف نے لکھدی ہے، جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہزاروں حدیثیں عہد نبوی اور عہد صحابہ میں قلمبند ہو گئی تھیں، یہ رسالہ گو مختصر ہے، مگر بہت مفید ہے،

مختصر سیر الصحابہ، شائع کردہ ادارۂ تعلیمات اسلام، قیمت ۱۲ر، مذکورۂ بالا پتہ سے ملے گی،

ادارۂ تعلیمات اسلام جو عرصہ سے قرآن مجید کے درس و تعلیم کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے، اب اس نے بچوں کیلئے مختصر سیر الصحابہ کی تالیف و اشاعت کا سلسلہ شروع کیا ہے، اور فی الحال حضرت بلالؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز حالات آسان زبان میں شایع کئے ہیں، کے مؤلف علی الترتیب مولانا عبد السلام صاحب قدوائی ندوی، احتشام علی صاحب رحیم آبادی اور مولوی مشیر الحق بحر آبادی ہیں، یہ سب کتابیں بچوں کے پڑھانے کے قابل ہیں، ان سے ان کو مذہبی و اخلاقی سبق بھی حاصل ہوتا ہے اور تاریخ اسلام سے بھی واقفیت ہو جاتی ہے، "م"